حیاتِ طیبہ

سیرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

مرزا حیرت دہلوی

مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۴۳

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

حیاتِ طیبہ

یعنی

حضرت مولینا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہٗ کی سوانح عمری

مع ضمیمہ

سوانح حیات امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

ناشر:۔

مکتبۃ السلام ۔ وسن پورہ ۔ لاہور

Nizami Book Agency
BUDAUN. U. P. (India)

جملہ حقوق محفوظ

طبع	سوم
تعداد	ایک ہزار
قیمت مجلد	۵/۸/-
مطبوعہ	اشرف پریس لاہور
طابع	عبد العزیز تاجر کتب
ناشر	مکتبۃ السّلام۔ وسن پورہ لاہور

۱۹۵۸ء

نذر

ان مجاہدین کی نذر جنہوں نے اس تحریک میں
اسلامیان ہند اور عالم اسلام کی آزادی
کے لئے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ
لیا۔ اور وہ مجاہدین جو آج بھی جہاد کشمیر،
آزادیٔ عالم اسلام اور استحکام پاکستان
میں حصہ لے رہے
ہیں؟

فہرست مضامین حیات طیبہ سوانحعمری شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	نذر	۲
۲	حرف اول	۳
۳	ہندوستان کا ذکر	۷
۴	مولٰنا اسمٰعیل شہید کے ظہور کی تمہید	۱۰
۵	پہلا باب :۔ نام ۔ لقب ۔ خطاب ۔ ولادت ۔ تعلیم	۲۶
۶	دوسرا باب :۔ مولٰنا شہید کی ورزشیں	۴۹
۷	تیسرا باب :۔ مولٰنا شہید کا پہلا وعظ اور عوام الناس کی شورش ۔	۶۱
۸	ضروری تمہید	۵۸
۹	مولٰنا شہید کا دوسرا وعظ نفیری پر	۱۰۵
۱۰	پانچواں باب ۔ سرکار انگریزی کی طرف سے وعظ کی ممانعت ۔	۱۱۹
۱۱	مولٰنا شہید کی متواتر کامیابیاں	۱۳۱
۱۲	سیتلا کی پرتش	۱۵۰
۱۳	تعزیہ داری اور ماتم کرنا	۱۵۰
۱۴	قبر پر چلے باندھنا	۱۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	عورتوں کا مرید ہونا	۱۵۲
۱۶	قبروں پر حال آنا۔ صوفیوں کا گتیں بھرنا	۱۵۶
۱۷	چھٹا باب۔ مولینا شہید کا سفر پنجاب	۱۸۴
۱۸	ساتواں باب۔ سفر سے مراجعت۔ دہلی کی بے بنیاد افواہیں سید احمد سے ملاقات	۲۴۱
۱۹	آٹھواں باب۔ جہاد کی تدبیر۔ بعض واقعات کا ذکر	
۲۰	ناواں باب۔ مذہبی لڑائیاں۔ جنگی ابتدا ۱۲۴۲ھ سے ہوتی ہے۔	۲۸۶
۲۱	پہلی جنگ	۲۹۱
۲۲	دوسری جنگ	۲۹۵
۲۳	تیسری جنگ	۲۹۷
۲۴	چوتھی جنگ	۳۰۲
۲۵	پانچویں جنگ	۳۰۵
۲۶	چھٹی جنگ	۳۱۳
۲۷	بعض بے عنوانیاں	۳۱۷
۲۸	ساتویں جنگ	۳۲۱
۲۹	آٹھویں جنگ	۳۲۴
۳۰	نویں جنگ	۳۳۰
۳۱	دسویں جنگ	۳۳۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲	گیارھویں جنگ	۳۳۸
۳۳	دسواں باب :- فتح پشاور میں بعض بے اعتدالیاں	۳۴۵
۳۴	گیارھواں باب :- شہادت	۳۵۸
۳۵	بارھواں باب :- محمد بن عبدالوہاب علیؒ (نجدیؒ) اور مولینا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی۔ بعض یورپین کی رائے	۳۷۰
۳۶	تیرھواں باب :- شریعت	۳۸۶
۳۷	چودھواں باب :- دین اسلام میں سہولت	۴۲۰
۳۸	پندرھواں باب :- مولینا شہید کی تصنیفات اور بعض خط	۴۳۸
۳۹	رسالہ منصب امامت - دربیان حقیقت ولایت	۴۵۱
۴۰	خط از شاہ بنام میر شاہ علی صاحب	۴۶۲
۴۱	دوسرا خط بنام مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی	۴۶۹
۴۲	استفتار امیر تیمور درباب ہیئت دہلی	۴۷۰
	حصہ دوم	
۴۳	حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی کی مختصر سوانحعمری - پیدائش - طفولیت - تعلیم -	۴۷۵
۴۴	سفر لکھنؤ - ۴۵ سفر دہلی	۴۸۲ ۴۸۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶	سفر مالوہ و ملازمت	۵۰۰
۴۷	دوسرا سفر دہلی	۵۰۷
۴۸	سید احمد شہیدؒ کا حج بیت اللہ	۵۱۰
۴۹	سید صاحب کی واپسی وطن	۵۱۲
۵۰	بعض واقعات کا ذکر۔ سید صاحب کی شہادت	۵۱۸
۵۱	واقعات مولوی محبوب علی	۵۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اسلامی دنیا کے مذہبی اور ملکی عظیم الشان تغیر کی بھری ہوئی عبرتناک دلچسپ تاریخ اپنے ساتھ نادر واقعات کا ایک لاثانی انبار رکھتی ہے جس نے مسلمانوں کی اعجاز نما ترقی کا رنگ ملاحظہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ دنیا میں یہی ایک ایسی قوم ہوئی ہے جس نے اپنے سچے ہادی علیہ السلام کے طفیل آناً فاناً ہزاروں برس کی پُرشوکت سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اپنے عجیب و غریب فتوحات کی لین ڈوری جزیرہ نمائے عرب سے نکال کے یورپ کے جگر میں اپنے رعب کا بھالہ گاڑ دیا دریائے فرات سے بلیک سی تک اسلامی پھریرا فراٹے بھر رہا تھا اور دریائے مگرس سے جمنا تک اسلامی ہلال کا جھمکیلا پرتو چشم زدن میں پڑتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ سول جنگیں (خانہ جنگیاں) جو خلیفہ دوم کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بد قسمتی سے مسلمان خلفاء میں بھڑک اٹھی تھیں اور جن کا دہشت ناک رنگ آئندہ خونی نتائج کا اسلام کے لئے پیشین گوئی کرتا تھا۔ الحمد للہ کہ بہت جلد یہ اسلامیوں کو تباہ و برباد کرنے والا نقشہ خوش آئندہ صورت سے بدل گیا۔ اور پھر مسلمان اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر دینی اور دنیاوی ترقی کے ذہن میں کہاں کے کہاں پہنچ گئے اور انہوں نے وہ وہ علوم اپنی سلطنت کے ساتھ ایجاد کئے جن کے یادگار ہنوز ناظر کے رُولا دینے

کے لئے اپنے میں کافی مادہ رکھتی ہے۔

اسلامیوں کی خوش قسمتی کا چاند کچھ دن تک افق پر چمکتا رہا اور وہ خاندان جو خلیفہ دوم کی شہادت کے بعد خونریزی سے جنگ کرنے میں مشغول ہوئے تھے یک لخت صلح اور اتحاد سے ان کی حالت بدل گئی۔ بیت المقدس کی مذہبی جنگوں میں عیسائی سلطنتوں کے مقابلہ میں سب نے یک جان ہو کے دلچسپی کا حصہ لیا اور ذاتی اغراض کا بدنما دھبہ کہیں دیکھے بھی نظر نہ آتا تھا۔

قومی اور ملکی بہبودی کی اسپرٹ نے مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں کے مقابلہ میں فتح پر فتح دلوائی اور رچرڈ شیر دل جیسے لڑاکے بادشاہ کو اپنی بھتیجی در جینا صلح کے حوالہ کرتے بن پڑی۔

تاریخی واقعات کا یہ عجیب و غریب اتار چڑھاؤ موجودہ اور آئندہ اسلامی نسلوں کے لئے بہت کچھ سبق اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ ان واقعات کو معمولی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اور کبھی ایک حالت نہ کسی قوم کی رہتی ہے نہ کسی ملک کی مگر مسلمانوں کی بدقسمتی نے اس معمولی تغیر کو اپنے لئے خاص کر لیا اور اس کے دائرہ میں آکے وہ بہت جلد جلد اپنی حالت بدلنے لگے اور ان میں ذاتی اغراض اور خود غرضی کوٹ کوٹ کر بھر گئی اور پھر سوائے بربادی اور تنزل کے کچھ بنائے بن نہ پڑی جب بنی امیہ کا خاندان اسپین میں تباہ ہو رہا تھا اور فرڈی نینڈ مسلمانوں کو پس پا کرتا ہوا اندلس کو ہڑپ کرتا چلا جاتا تھا۔ اور قرطبہ کے سنہری قبے اور طلائی محلات کی طرف اس کی فوج صلیبی نشان لئے ہوئے سیدھی چلی جا رہی تھی۔ اور عنقریب اسلامی

ہلال کا پھریرا فرڈی نیڈ کے قبضہ میں آنے کو تھا۔ اسوقت عبداللہ نے جو اپنے باپ سے لڑ لڑ کے کمزور ہو گیا تھا بنی فاطمہ کو مصر میں لکھا کہ میری کچھ مدد کرو۔ لیکن وہاں سے سوائے خاموشی یا انکار کے اور کچھ جواب نہ تھا۔ پھر اس نے عثمانیہ گورنمنٹ کو لکھا کہ وہاں سے بھی یہی جواب ملا جو بنی فاطمہ نے دیا تھا۔ اب یہاں سے مسلمانوں کی قومی بہبودی اور مذہبی حمایت کی صاف حالت معلوم ہوتی ہے کیا تو وہ گرما گرمی یا یہ سرد بازاری ہو گئی مسلمان سلطنتیں ایک اسلامی سلطنت کو عیسائیوں کی جابرانہ ہاتھوں سے برباد ہوتی دیکھتی ہیں اور اُن سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

آخر فرڈی نیڈ نے قرطبہ کو فتح کر لیا یا بہ تبدیل الفاظ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلیبی نشان نے ہلالی پھریرے کو جھکا دیا۔ اندلس پہنچتے ہی جو بپتا کہ مسلمانوں پر پڑی خدا کسی قوم پر نہ ڈالے دس بارہ لاکھ مسلمان بلکہ رابلہ کے ناقابل برداشت اور بے رحم سنگین دل درشت اور خونخوار جبر سے جلا وطن کئے گئے اور کئی لاکھ مسلمان بغاوت کے جرم میں بکروں کی طرح حلال کر دئے گئے ان کا خون بہا افسوس ہے کسی اسلامی سلطنت نے نہ لیا نہ کوئی ان کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا یا وہ دن تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے مسلمان کے خون کی ایک بوند میں کسرٰے اور قیصر کی سلطنت قیمتی سمجھتا ہوں ایرانی سرحدوں میں ایک مسلمان ایلچی کا مارا جانا کل مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔ یا یہ زمانہ آگیا کہ لاکھوں مسلمانوں کی بے گناہ گردن پر سخت بے رحمی سے ملکہ رابلہ نے چھری پھروا دی اور کوئی ان کی حمایت کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

یہ تو سب کچھ ہوا اور تمام آفتیں جو انسان پر نازل ہو سکتی ہیں مسلمانوں پر نازل ہو گئیں بایں ہمہ پھر بھی مسلمانوں میں جان باقی تھی اور ابھی بڑی بڑی سلطنتیں ایشیا اور یورپ میں ان کی موجود تھیں مگر جب زمانہ نے ان کی بربادی پر کمر باندھ لی تھی اس کو بچانے والا کون تھا یہ تو ضرور ان کے اعمال کی وجہ سے ہونا ہی تھا وہ ہو کر رہا بغداد اس سے زیادہ بے رحمی سے ہلاکو خان بت پرست کے ہاتھ سے محض شیعہ سنیوں کے جھگڑے میں تباہ کر دیا گیا۔ اور خاندان عباسیہ پر وہ آفت برپا ہوئی تھی کہ جو دید تھی کہ جو دید تھی نہ شنید تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان بربادیوں اور خرابیوں کا باعث کیا تھا اور کس نے مسلمانوں کو یوں تباہ کر دیا؟ اس سوال کے جواب دینے میں مسلمانوں نے بہت بہت کچھ موشگافیاں کی ہیں اور اس بے نظیر بربادی کے اسباب کا حتی الواسع خوب خوب پتہ لگایا ہے اور تحقیق اور تفتیش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ آخر بڑی تلاش اور جستجو کے بعد اس قدر معلوم ہوا جیسا کہ تاریخ الدول میں علامہ امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے "علماء کے خلفشار اور باہمی جھگڑوں اور بدعتوں کے ایجاد نے اسلامی سلطنتوں میں وہ کام دیا کہ جیسے گھن لکڑی میں کام دیتا ہے۔ اگر ان ایسے علماء کے ہاتھوں سے جو بدعتوں کے بانی ہیں موجودہ سلطنتیں نہ بچائی گئیں تو کہیں ڈھونڈے سے بھی کسی اسلامی کا نام ونشان نہ ملے گا"

امام ممدوح کی یہ رائے ازحد قابل وقعت اور لائق تحسین ہے اس میں شک نہیں جس نے خدا اور رسول کے خلاف رستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔

ہندوستان کا ذکر

یہ تغیر و تبدل اور ترقی و تنزل ابھی ہندوستانی حدود کے باہر مسلمانوں میں ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زیادہ ترقی پر تھی لیکن افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کی ملکی ترقی کے آگے مذہبی بہبودی برابر کم ہوتی چلی جاتی تھی۔ اور اس کی وجہ خاص وہ عظیم الشان اتحاد تھا جو ہندو مسلمان میں قائم ہوتا تھا۔ جب سے مسلمان ہندوستان میں آئے تھے آخر دم تک ان کے ہوسناک طبائع فتوحات کی طرف مائل رہیں اس لئے نہ کوئی اسلامی کالج کی بنیاد پڑی اور نہ بغداد کی طرح دار العلوم بنائے گئے۔

پہلے یہی صورت خاندان عباسیہ کی بغداد میں تھی کہ ملکی فتوحات اور رسول جنگوں کے آگے انہیں علمی ترقی کی مطلق خبر نہ رہی تھی مگر وہ اپنی غلطی پر بہت جلد آگاہ ہو گئے تھے اور انہوں نے علمی دنیا میں وہ نمایاں ترقی کی تھی جو اب تک یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے افسوس ہے ہندوستان کی تعیش خیز آب و ہوا نے مسلمانوں کی اس حالت کو بدل دیا اور ایسی عظیم الشان سلطنت کے یکایک ہاتھ لگ جانے سے کچھ ایسے سرخوش اور بے خود ہوئے کہ اپنی آئندہ نسل کی بہبودی کا خیال ان کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیا ہو گیا۔

ہندوستان میں اکبر کی سلطنت ایک پُر امن اور پُر شوکت سلطنت کہلائی جا سکتی ہے مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بنی فاطمہ اور بنی امیہ اور خاندان عباسیہ کے علوم کی نیلی ڈوری ہمالیہ پہاڑوں کو پھلانگ کے نہ آسکی اور ہمیشہ مسلمانوں نے تلوار ہی پر اپنی قسمت کا فیصلہ دیکھا۔ بظاہر ہندوستان میں دنیاوی جاہ و جلال اور سلطانی جبروت کو شوکت ہوتی جاتی تھی لیکن اسلامی علوم مٹتے جاتے تھے اور ان

کی طرف توجہ کم ہوتی جاتی تھی اکبر کے بعد اس کے بیٹے جہانگیر کی حکومت گو پُر امن تھی مگر نور جہان کے ہاتھوں میں پڑ کر اس کی بنیادی منزل زلزل ہوتی گئیں۔ وہی شیعہ سنی کا پرانا مہیب جھگڑا پھر تازہ ہو چلا تھا لیکن جہانگیر کی قبل از وقت وفات نے اس کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد شاہجہان کی حکومت نے گو اسی اکبری رنگ کو قائم رکھا پھر بھی ہندوستان کی نئی صورت بدل گئی اور فن عمارت کی ایک شان معلوم ہونے لگی اس کی یادگار تاج بی بی کا مقبرہ اور جامع مسجد وغیرہ اب تک قائم ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ حسرت و افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ مذہبی علوم کی اتنی ترقی نہ ہوئی یہ سلاطین برائے نام حنفی المذہب کے تھے لیکن حضرت ابوحنیفہ کے فقہی اصول جن کا تعلق ملکی معاملات سے تھا بہت کم فوجداری اور دیوانی معاملات میں دخیل تھے۔ یہ بادشاہ اپنی ملکی شوکت تلوار کے زور سے قائم رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں کبھی یہ خیال نہ گزرا کہ علوم جدیدہ سے جو اندلس اور بغداد میں مسلمانوں نے ایجاد کئے تھے اپنی شوکت بڑھاتے۔ پھر عالمگیری دور دورہ آیا یہ اور بھی زیادہ آئندہ نسلوں کے لئے خوفناک ثابت ہوا گو عالمگیر کی ملکی پولیس بڑی زبردست اور پُر رعب تھی مگر اس کی یہ خواہش کہ ہندی حکومت کو مذہبی حکومت بنادوں بر نہ آئی گویا اس نے سنگلاخ چٹانوں پر بغیر ہل چلائے بیج ڈالا اور اس کے بار ور ہونے کی امید کی۔ عالمگیر بے شک علم دوست تھا اس کا مذہب حنفی تھا اور جس سلطنت کی اس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے قائم رکھنے کے لئے عالم گیر سے بھی زیادہ پُر رعب سنجیدہ اولوالعزم عاقل مدبر سلطان کی ضرورت تھی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے بیٹے بہادر شاہ میں عالمگیر کی عقل درائے اور زبردست طبیعت کا ایک سوال حصہ

بھی نہ تھا بھلا وہ کیونکر اپنے باپ کی نئی سلطنت کو سنبھالتا دوسرے بڑا غضب یہ تھا کہ وہ شیعہ المذہب تھا اور اس نے اپنی قلیل مدت حکومت میں شیعہ گروہ کو سینوں پر سبقت دی اس تدبیر نے اور بھی ایک تخلل عظیم اسلامی ہندی سلطنت میں برپا کر دیا بنی بنائی عمارت کی بنیادی چوچپڑا گئیں اور عالمگیر کی اکیاون برس کی محنت اس کے بیٹے بہادر شاہ نے ملیامیٹ کر دی۔

حنفی مذہب جو فاتحان ہند اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے تھے بجائے کہ وہ فتوحات ملکی کے ساتھ ہندوستان میں ترقی کرتا الٹا کچھ ایسا بت پرستی اور ہندوانی رسوم کے ساتھ خلط ملط ہو گیا کہ پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا مشکل ہو گیا۔

سلطانی حرم سرائے میں جہاں بہت کچھ اسلامی رسومات کی شاعت کی امید کی جاتی تھی زیب النساء کی جدت پسند طبیعت نے ہندوانی رسومات سے نئی نئی باتیں تراش کے خواتین اسلام میں انکو رواج دیا گنا گت جو ہندوؤں کے ہاں مردوں کی فاتحہ کے لئے سالانہ حلوا پوری پکائی جاتی ہے شب برات کی حلوا پوری سے اس کا تبادلہ کر دیا اسی طرح سے اور بے ہودہ رسمیں شادی بیاہ کی جو ہندوؤں کے ہاں خواص تھیں وہ دوسرے ناموں سے مسلمان کے ہاں داخل ہو گئیں ان کی اشاعت کی وجہ صرف خدا اور رسول کے احکام سے ناواقفیت تھی جو ہندو مسلمان ہوتے تھے ان کو تلقین دینی کرنے کے لئے نہ کوئی اسلامی کالج تھا نہ دار العلوم تھا وہ بیچارے مسلمان ہوتے ہی جو اپنے بھائی مسلمان کو دیکھتے تھے کرنے

لگتے اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ ہندووانی رسمیں اسلامی رسومات کہلانے لگیں اور بغیر کئے کسی مسلمان کو چارہ نہ تھا۔

شخصی تقلید کے دوسرے معنے لے کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ یہ عمل بھی ایک برائے نام عمل تھا کاش حضرت ابو حنیفہ کے ہی اقوال پر عمل ہوتا تو اتنے مسلمان نہ بگڑتے۔

مولینا اسمٰعیل شہید کے ظہور کی تمہید

عالمگیر تک تو حنفی مذہب میں کچھ جان باقی تھی اور عالمگیر کو بھی اس طرف خیال تھا کہ کل دربار کا مذہب حنفی ہو جائے۔ لیکن اس کے جانشینوں کی تعیش خیز حالت نے اس خواہش کو بھی مسلمانوں کے دل سے نکال لیا اور اسلام ہندووانی مذہب کے ساتھ مل کر کچھ ایسا گھی کھچڑی ہو گیا کہ ذرا بھی شناخت قائم نہ رہی کلام مجید کی آیتیں جو خاص ہدایت کے لئے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے نازل ہوتی تھی جھاڑ پھونک میں ان کا استعمال ہونے لگا اور جیسا برہمن گیتا کے ورس پڑھ پڑھ کے کسی بیمار پر پھونکتے تھے اسی طرح مسلمان بھی قرآن شریف کی آیتیں بڑبڑا کے بیماروں اور مکانوں پر پھونکنے لگے۔ بدعت کی صدہا شاخیں پھوٹ آئیں اور ہر شخص طرح طرح کی بدعتوں کا موجد بن گیا۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی ارکان کو اول دن سے ضعف تھا اور بےچارہ حنفی مذہب کبھی کا یہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس کا ثبوت ڈاکٹر برنیز کا سفر نامہ دے رہا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے،

میں نے عالمگیری دربار کو جیسا پر شوکت پایا اسی قدر اس کے امرا کو مذہب

اسلام کی طرف سے ضعیف دیکھا کوئی امیر ایسا نہیں ہے جس کے ہاں دس دس بارہ بارہ نجومی ملازم نہ ہوں جو کام وہ کرتا ہے جب تک نجومی نہیں بتادیتا اسے اس کام کرنے کی مبادرت نہیں ہوتی میرے آقا کے ہاں جس کے ہاں میں ملازم ہوں ایک درجن جوتشی اور نجومی ملازم ہیں"۔ بھلا جب عالمگیر جیسے پابند شرع کے سلطنت میں یہ بدعت پھیلی ہوئی تھی تو اس کے کمزور جانشینوں کے زمانہ کا کیا کہنا۔

علماء کا گروہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا اور علوم دین کی انتہا شرح ملا پر رکھی گئی تھی ساتھ ہی ایک مذہبی تنزل کی بیہودہ تصانیف کا زور ہوا اور وہی کتابیں درس میں داخل ہوگئیں بڑے بڑے شرفا اور عمائد جو بڑے ڈینگ کی لیتے تھے اور کوئی اپنے کو بخاری کوئی بغدادی کوئی مکی کوئی مدنی بخاری بتاتا تھا۔ اس کی خواتین سیتلا ماتا کی پرستش کرتی تھیں۔ دسہرہ ان کے ہاں پوجا جاتا تھا۔ بت پرستی خوب دھڑاکے سے ہوتی تھی عیدین میں بھی ہندوؤں کی رسمیں ایسی ملادی تھیں کہ عید عید نہ رہی تھی۔ مسجدوں کا ادب مطلق نہ رہا تھا۔ اور وہ شہنشاہ جو اپنے کو ظل اللہ اور نائب رسول کہنا بڑا فخر جانتے تھے۔ سالانہ نو روزی جشن میں ہاتھوں میں گنگنا بندھوانا اپنی شوکت کی بانکی جانتے تھے۔

کلام مجید کی وہ گت بنی تھی کہ العظمۃ اللہ۔ اس کی روشن آیتیں بیہودہ اور خرافات مشاعروں میں شاعر بطور مضحکہ استعمال کرتے تھے اور کوئی روکنے نہ تھا۔

مولانا شہید کے ظہور کا زمانہ قریب ہے

اب ہم محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں آتے ہیں۔ جو انتہا درجہ کا ملکی اور

مذہبی پہلو سے تاریک تر اور ناپاک تھا۔ شریعت محمدی پر مضحکہ خیز نکتہ چینیاں عین دربار میں بھی ہوتی تھیں اور مے نوشی کی لذتوں اور سرخوشانہ اور بے خودانہ حالتوں کے آگے احادیث نبوی پر قہقہے اڑائے جاتے تھے چند بیچارے عامل حدیث اپنی جانیں چھپائے ہوئے کہیں کسی گوشہ میں پڑے ہوئے اور اپنی جانوں کے خوف سے ذرا بھی اکس نہ سکتے تھے وہ ڈوم دھاری جو محمد شاہ کے ارکان دولت تھے روز مذہبی نقلیں کرتے تھے اور ان نقلوں میں خدا اور اس کے پاک نبی کی توہین کی جاتی تھی۔ جھوٹے جھوٹے فتوے لکھے جاتے تھے اور انہیں قلعہ کی چار دیواری میں مشتہر کیا جاتا تھا گویا یہ سلسلہ تھا خدا اور نبی پر جھوٹے طوفان اٹھانے کا شریعت غرا میں جن امور کو سختی سے منع کیا ہے وہ بہت شوق اور بہت دھوم دھام سے کیے جاتے تھے۔ اور ان کا کوئی روکنے والا نہ تھا۔ درباریوں کی ہمہ دانی ایک مثال کافی ہے کہ جب نادر شاہ کا ایلچی آیا اور اس نے نادر کا رقعہ دیا تو تین برس تک اس میں جھگڑا ہوتا تھا کہ نادر کو القاب کیا لکھا جائے۔ ایسے ایسے ہمہ دان لوگ دربار کے زیور بنے ہوئے تھے یہ اسلامی سلطنت تھی اور یہ اس کا مذہب تھا۔

ڈوموں کے عروج کے تصوف کو رونق دی اور صوفیوں نے وہ ہاتھ پیر پھیلائے کہ رہا سہا اسلام کا نام اور بھی مٹ گیا تصوف گو مسیحی فرقہ رومن کیتھولک سے نکلا ہے پھر بھی یہ مذہب ہر طرح سے قابل تعت ہے اس کا پہلا اصول انکساری ہے جو اسلام میں بڑا رکن مانی گئی ہے گو شریعت محمدی کی پوری تقلید کرنے میں مذہب تصوف ہمیشہ قاصر رہا پھر بھی اس مذہب نے جو پہلو اسلام

کا اختیار کیا ہے اس سے کوئی دھبہ اسلام کے دامن پر نہیں لگتا۔ مگر یہاں جلیل القدر صوفیوں کا ذکر ہے۔ جن کے پاک نفوس سے اسلامیوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچا۔ اور انہوں نے اپنی وہ وہ اعلیٰ اعلیٰ تصانیف چھوڑی ہیں جو اب تک موجودہ نسلوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں مگر ہندوستان میں محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جس تصوف نے رنگ جمایا تھا۔ وہ اسلامی توہین کا اپنے میں بہت بڑا مادہ رکھتا تھا امرد پرستی اور ناپاک عشق کا صوفیوں کی مجلسوں میں عروج ہوا اور اس قبیح زبون تر رسم امرد پرستی نے یہاں تک زور کیا کہ علماء کو لغات کی کتاب میں لفظ علت مشایخ بڑھانا پڑا۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نہایت شرم اور ذلت کی بات ہے کہ ان کے لغات کی کتابوں میں ایسا لفظ جس کا مفہوم یہ ناپاک اور غلیظ ہو کہ جس کو زبان پر لاتے ہوئے سخت شرم آتی ہے اور بے غیرت سے بے غیرت آدمی عرق عرق ہو جاتا ہے موجود ہو محمد شاہ کے زمانہ میں اس جھوٹے تصوف اور قابل تنفر صوفیوں کو جس قدر عروج ہوا وہ تاریخ میں ایک ناموور زمانہ ہوا۔ اکثر عظیم الشان جلسوں میں اللہ ہو کی صدائیں اور جھوٹے صوفیوں کے چٹخاروں کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی تھیں اور ان میں وہ وہ خرافات باتیں ہوتی تھیں کہ جو قابل بیان نہیں نہ قانون انگلشیہ اجازت دیتا ہے کہ ان کی پوست کندہ حالت لکھی جائے نہ ہماری محمدی تہذیب حکم دیتی ہے کہ ہم ان غلیظ حالات کا ایک فقرہ بھی معرض تحریر میں لاسکیں۔

ان مکتبوں میں برائے نام شاہجہان آباد (دہلی) میں قائم تھے سوائے کابیتوں کی بے معنی تصانیف کے اور کچھ نہ پڑھایا جاتا تھا نہ علم حدیث تھا۔ نہ

تفسیر نہ فقہ کچھ بھی نہیں۔ دیوان حافظ کی تلاوت (مطالعہ) قرآن مجید کی طرح صوفیوں کی مجلسوں میں کی جاتی اور ایسے اس ادب سے پڑھا جاتا تھا گویا یہی الہامی کتاب ہے وہ تہذیب اور شائستگی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی، اس پر قہقہہ اڑایا جاتا تھا بچی کھچی ڈاڑھی محمد شاہی دربار میں بازی گاہ طفلاں بن رہی تھی۔ نہ حیا تھی نہ شرم اگر تھا تو مے خواری اور عیاشی کوئی امیر ایسا نہ تھا کہ جس کے گھر میں شراب کی کشید نہ ہوتی ہو اور صوفیوں کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی کہ جہاں خم کے خم شراب کے نہ لنڈھتے ہوں شراب ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھی اور زنا کاری گویا ان کا روزمرہ ہو گیا تھا۔

عرب کی وہ کیفیت جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طفلی میں تھی اس عہد محمد شاہی سے بہت مشابہ تھی بڑے بڑے شریف زادے اور مغل بچے اپنا نشیمن تکیوں میں رکھتے تھے اور رات دن بھنگ، اور چرس گانجہ میں مبتلا رہنا ان کی قیمتی زندگی کا جزو اعظم تھا۔

نہ کسی کو محمدی دین کی خبر تھی نہ کوئی حنفی مذہب کو جانتا تھا نہ کوئی امام مالک کا سچا پیرو تھا اور نہ امام شافعی کے اصول فقہ کا کسی کو علم تھا اور نہ امام حنبل کی کوئی تقلید کرتا تھا۔ ایک عجیب اندھیر مچا ہوا تھا۔ بدعت وہ بھی زبوں تر بدعت کا گھر گھر رواج تھا شاہ سے لے کے فقیر تک اور شریف سے لے کے رذیل تک سب ایک ہی مہلک مرض میں گرفتار تھے۔

اسلام کے چند ارکان باقی رہ گئے تھے مثلاً روزہ نماز اور نکاح مگر ان روشن ارکان میں بدعت نے ایسی رنگ آمیزی کی تھی کہ فرائض سخت بدعت کی

صورت میں جلوہ دینے لگے تھے۔ مثلاً روزہ شراب اور بھنگ کے پیالہ سے کھولا جاتا تھا۔ اور نماز حالت مخموری میں پڑھنا برا کام نہ خیال کیا جاتا تھا۔ رہا نکاح اس کی تو سب سے بری کیفیت تھی۔ جتنی رسمیں اہل ہنود کے ہاں جاری تھیں وہ سب نکاح میں برتی جاتی تھیں پھیرے ہونا پنڈت کا آکے شلوک پڑھنا وغیرہ جن رسموں کا کچھ کچھ نشان اب مسلمانوں کی شادی بیاہوں میں پایا جاتا ہے جوں جوں اسلامی ہندی سلطنت کو ضعف ہوتا گیا بدعتوں کا جاہ وجلال بڑھتا گیا اور وہ ناقابل بیان عادتیں مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا بن گئیں کہ جن کی پہلے کبھی امید نہ کی جاتی تھی۔

مسلمانوں کی جدت پسند طبائع ان رسومات میں جو انہوں نے ہندوؤں سے لی تھیں روزمرہ نئی نئی تراش خراش پیدا کرتی تھیں اور ان کو کفر والحاد کی ایسی خوش نما رنگ آمیزی میں رنگتی تھیں کہ ہر برنا وپیر ان پر شیدا و والہ دکھائی دیتا تھا محمد شاہی دربار میں تین سو برہنہ کسبیاں ہر وقت ناچا کرتی تھیں! اور جب وہ تھک جاتی تھیں اور تین سو ان کی جگہ لے لیتی تھیں۔ شراب کا دور ہر وقت جاری رہتا تھا۔ اور قلعہ میں بیگموں کے چال چلن کی جو کچھ کیفیت تھی وہ پیرس کے تماشاگاہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتی ہے بیگمیں کون تھیں؟ اکثر ڈومنیاں بازاری کسبیاں۔ راجپوتنیاں میواتنیاں تھیں جن پر کسی زمانہ میں محمد شاہ نے فریفتگی ظاہر کی تھی۔ اور وہ بیگم بن کے قلعہ کی چار دیواری میں مقید ہو گئی تھیں۔ قلعہ میں عموماً نصف برہنہ عورتوں کا پہرہ رہا کرتا تھا یعنی ناف سے اوپر تک تو وہ زرق برق پوشاک میں آراستہ ہوتی تھیں پانچوں ہتھیار زیب تن رہتے۔ اور

ناف سے نیچے تک کا جسم بالکل برہنہ ہوتا تھا۔ گویا یہ بات بظاہر سخت تعجب اور حیرت کی معلوم ہوگی لیکن وہاں یہ ارزل حالت انسانی ایک معمولی حالت تھی اور کوئی عیب بھی نہ سمجھتا تھا۔

شرح محمدی میں تو شاید (جیسا کہ مشہور ہے) چار نکاحوں کی اجازت ہے لیکن وہاں کوئی امیر ایسا نہ تھا کہ جس کا گھر سو سو پچاس پچاس بیویوں سے نہ بھرا ہوا ہو۔ ان پردہ نشین شدید شدید مظالم توڑے جاتے تھے کہ جن کے سننے سے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ ایک بے گناہ خاتون کے لئے اپنے خاوند کی ذرا سی خفگی سببِ موت ہو جاتی تھی برائے نام فوجداری اور دیوانی عدالتیں قائم تھیں اور یہ بھی مشہور تھا کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل ہوتا ہے۔ مگر یہ سارا دھوکہ ہی دھوکہ تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں تو ایک آدھ جگہ فقہ حنفی کی تعلیم بھی دیجاتی تھی لیکن اب حنفی مذہب کا نام عنقا صفت ہو گیا تھا۔ یہ دستور تھا کہ جب تک برہمن حکم نہ کرے قاضی کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کی مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر ان بے ہودہ اعمال کی سزا اہل دہلی اور محمد شاہی دربار کو خدا کی طرف سے دی گئی کہ نادر شاہ آدھمکے اور عین بقر عید کے دن وہ سخت قتل عام ہوا جس کے حالات کے خونی حروف اب تک زمانہ کی پیشانی پر لکھے ہوئے ہیں۔

خدا کی طرف سے گویا مسلمانوں کو یہ ایک تازیانہ تھا۔ کہ اب بھی وہ اپنی حالت کو سنبھالیں۔ لیکن یہ قوم کچھ ایسی اپنی بدنصیبی کے نشہ میں مخمور تھی کہ ایسے سخت تازیانہ سے بھی نہ چونکی پر نہ چونکی۔

اب ہم محمد شاہ کے دو تین جانشینوں کا حال قلم بند کرتے ہیں اور دہلی

کی تاریخی تباہی کا بیان کر کے اپنے ناظرین کا وقت نہ لیں گے۔ صرف اس زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہ جب بادشاہ دہلی سرکار انگلشیہ کے پنشن خوار بن کے قلعہ میں رہتے تھے۔ اور جلیل القدر علماء کا ایک خاندان اپنی تابانی دکھا رہا تھا

یہ زمانہ اکبر شاہ کا ہے جب ہمارے شہید کا ظہور ہوا تھا۔ اس زمانہ کی کیفیت بھی قابل بیان ہے جس سے اندازہ ہو گا کہ ایسے وقت میں شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ہونا کس قدر ضروری اور لابد تھا۔ اکبر شاہ گو سرکار انگریزی کے پنشن خوار تھے۔ لیکن ان سے برتاؤ بہت اچھا ہوتا تھا۔ اور انکی درباری عزت وہی قائم تھی۔ کہ جیسے کسی خود مختار رئیس کی ہوتی ہے۔ مرہٹوں نے بیچارے شاہ عالم سے جو کچھ ذلیل برتاؤ کیا تھا اس کو انگریز سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بادشاہ کی عزت قائم رکھنی اپنا اصول سلطنت جانتے تھے اس زمانہ میں مسلمان گویا بالکل تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اور اب ان کی سلطنت بھی باقی نہ رہی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی مصیبت زدہ حالت سے کچھ عبرت پکڑتے الٹا وہ اور بھی بدتر حالت میں اپنی زندگی گزارنے لگے۔ اور جو کیفیت کہ مسلمانوں کی محمد شاہ کے وقت میں تھی اس سے اب زبوں تر ہو گئی۔

علماء کا خاندان گو بہت کچھ اصلاح کر سکتا تھا۔ لیکن وہ کچھ ایسا دبا ہوا تھا کہ سوائے معمولی فتوے دینے کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا شاہزادوں کی عجیب و غریب کیفیت تھی انہوں نے جامع مسجد کو جو مسلمانوں کا ایک پاک اور برتر مقام گنا جاتا ہے۔ اپنا دیوان خانہ اور عیش و عشرت کی جگہ بنا رکھا تھا۔ ہر سال نوروز میں رنگ برنگ کے انڈے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لڑائے جاتے

تھے اور ان پر جوا کھیلا جاتا تھا۔ جامع مسجد کے اندر حوض کے گرد داگرد خوانچہ والوں کی کثرت اور خریداروں کی جماعت عجیب کیفیت پیدا کرتی تھی۔ شہزادے امیرزادے عوام الناس دونے لے لے کے مزے اڑاتے تھے۔ اور پھر دونے وہیں پھینک دیا کرتے تھے۔ صبح کو روزمرہ دونوں کا ایک ڈھیر ملتا تھا۔ کوئی عالم یا فاضل یا قاضی یا مفتی یہ کہنے والا نہ تھا۔ کہ جامع مسجد کی کیسی توہین کی جاتی ہے۔ اور خدا کے گھر کی کیسی بے ادبی ہے کہ یہاں سودے والے سودے بیچتے ہیں اور کوئی منع نہیں کرتا۔

قلعہ میں قرآن مجید کی آیتوں کے نئے نئے حقارت انگیز نام رکھ لئے تھے اور ان ہی ناموں سے وہ آیتیں پکاری جاتی تھیں مثلاً سورۂ یٰسین کا نام نِنادی[1] سورۃ رکھا تھا۔ اسی طرح ہر سورۃ کا نام یوں ہی قرار دے لیا گیا تھا قرآن شریف کی تلاوت یا نماز پڑھنا قلعہ میں تو خصوصاً عیب ہی گنا جاتا تھا ہر شہزادے کے ہاں دو دو تین تین ڈوم سارنگی اور ستار طبلہ وغیرہ بجانے کی تعلیم کے لئے ملازم تھے۔ اور وہ استاد کے نام سے ہر انجمن میں پکارے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حرام حلال کی ذرا بھی شناخت نہ رہی تھی۔ اور ہر فرد بشر خواہ کسی درجہ اور طبقہ کا ہو۔ رنڈی اپنا مذہب جانتا تھا۔

---

[1] نِنادی عورتوں کی بولی میں ہیضہ کو کہتے ہیں چونکہ یہ ایک رسم پڑھ گئی کہ ایسے شخص کے سرہانے بیٹھ کر جو جان کندنی کی حالت میں ہو اور اس کا دم نہ نکلتا ہو۔ سورہ یٰسین پڑھا کرتے ہیں اور یہ مشہور ہے کہ یٰسین کے ختم ہوتے ہی مریض مر جاتا ہے۔ اس لحاظ سے قلعہ میں سورۂ یٰسین ہیضہ کی سورت مشہور تھی۔ اس کا نام لینا سخت زبون منحوس اور بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ بھلا جہاں الہامی سورتوں کی یوں توہین کی جائے۔ وہ جگہ کیوں نہ غارت ہوگی۔

غرض کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں اسلام کی ذرا بھی بو آتی ہو۔ ہاں عیدین کو شاہ کی سواری کی دھوم دھام کسی قدر اسلامی گزشتہ شوکت کو یاد دلاتی تھی۔ ملانوں نے جہلا پر غضب کی ہاتھ چھانٹی کر رکھی تھی نئی نئی قسم کی بدعتوں میں اُنہیں پھنسا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے تھے۔ شب برات کے حلوے اور عید کی سویاں تو ایک معمولی بات تھی۔ لیکن بیوی کی صحنک۔ شیخ سدو کا بکرا۔ سید احمد کبیر کی گائے بڑے پیر کی گیارہویں۔ مردوں کی ناواجب فاتحہ۔ پھول دسواں۔ چہلم وغیرہ وغیرہ وہ قابل تنفر رسمیں تھیں۔ جنہوں نے ملانوں کے صدقہ میں ان پڑھ مسلمانوں میں گھر کر رکھا تھا۔ ہر مہینے بڑے پیر کی گیارہویں بڑے شد و مد سے کی جاتی تھی۔ اور اسے دین اسلام کا ایک رکن عظیم جان کے انجام دیا جاتا تھا۔ یہ مجلسیں جو مذہبی مجلسیں کہلاتی تھیں ان میں غربا کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ ان کو دھکے دئیے جاتے تھے۔ اور وہاں ان کا قدم تک آنا سخت منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ جاہل امرا گیارھویں کرتے تھے۔ اور اس پہلو میں اپنے عیاش دوستوں کی دعوت کرنا مقصود ہوتا تھا۔ گیارہویں بظاہر ایک بزرگ اسلام کی یادگار کا ایک جلسہ ہے اگر اسے مذہب اسلام کا جامہ نہ پہنایا جاتا۔ بلکہ دنیادی صورت میں بطور ایک یادگار کے سالانہ جلسہ کیا جاتا۔ تو کچھ نہ تھا۔ لیکن کٹ ملانوں نے غضب یہ کیا کہ بڑے پیر کی گیارہویں کو فرمودہ خدا و رسول ٹھہرا دیا۔ اور جاہلوں کو اس طرح ورغلایا کہ وہ گیارھویں کو عین اسلام سمجھنے لگ گئے۔

قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن

بیچارے معنے نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے بالکل نابلد تھے۔ کٹ ملانوں نے یہ سمجھا دیا کہ قرآن شریف کے معنے پڑھنے گناہ مول لینا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت وہ برتاؤ دیتا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ فتحپوری میں ملانوں نے کیا تھا۔ جب ولی اللہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔ اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملانوں کے گروہ میں برپا ہو گیا۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی۔ اب جہلا کبھی قبضہ میں نہ آئیں گے۔ اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس خیال نے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی۔ اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیونکر قتل کیا جائے۔ ان کٹ ملانوں نے جن کا بہت کچھ اثر شہر کے بد وضع لوگوں۔ اکھاڑوں۔ پٹے بازوں پر پھیلا ہوا تھا۔ چند بدمعاش جمع کئے اور اب وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ ہمارا فاضل بزرگ ان کے اس غیر خوش آئندہ شیوہ سے بالکل ناواقف تھا۔ اس محب رسول کا خیال مسلمانوں کی اصلاح کی طرف مائل تھا۔ اس لئے اسے چنداں سازش کی پرواہ نہ تھی۔ نہ یہ خیال تھا کہ یہ کسی نہ کسی وقت باعث مضرت ہونگے چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے۔ اور آپ گویا محمدیوں کی جماعت کے امام تھے۔ ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازوں پر غل وشور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ اور لوگ کچھ غیر معمولی طور غیر شیر کرتے ہوئے معلوم ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب کو کھٹکا ضرور تھا، کہ شہر

کے کٹ ملانے کبھی نہ کبھی کچھ آفت برپا کریں گے، اور اب آپ نے اس کا ظہور ہوتا ہؤا دیکھا، آناً فاناً میں یہ خبر ان کے ساتھیوں کو جو آپ کے پاس بیٹھے تھے، پہنچ گئی، اور اب وہ سٹ پٹائے، کیونکہ ان کی تعداد بہ نسبت مفسدوں کے بہت کم تھی، وہ پانچ چھ سے زیادہ نہ تھے۔ اور مفسدوں کی تعداد سو سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی، یہ مفسد گو پورے عزم سے آئے تھے، لیکن اتنی ہمت ان میں نہ تھی کہ مسجد میں گھس کے شاہ صاحب کو شہید کر سکتے، جب شاہ صاحب کو تحقیق معلوم ہو گیا کہ یہ میرے قتل کیلئے زرغہ کر آئے ہیں انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا، کہ تم جان بچا کے چلے جاؤ، اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو، لیکن انکی حمایت اسلامی نے یہ گوارا نہ کیا، اور وہ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کے کہنے لگے، کہ جب تک جان میں جان باقی ہے، آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے، نتیجہ یہ ہؤا، کہ شاہ صاحب جنکے ہاتھ میں صرف ایک پتلی سی لکڑی تھی، اللہ اکبر کہہ اٹھے، اور کہاری باولی والے دروازہ کی طرف چلے، دونوں دروازوں سے سمٹ کے مخالفوں نے اس دروازہ کو روک لیا، اور بآواز بلند کہا، دیکھو ولی اللہ نکل نہ جائے، شاہ صاحب نے یہ آواز سن کے نہایت دلیری اور متانت سے یہ سوال کیا، کہ میں نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے، جس سے تم میری جان کے دشمن ہو گئے ہو، اور میرے قتل پر آمادہ معلوم ہوتے ہو، انہوں نے جواب دیا، کہ تو قرآن کا ترجمہ کر کے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری وقعت کو کھو دیا ہے، دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑتا جاتا ہے، اور ہمارے معتقد کم ہوئے جاتے ہیں، یہ بہت بڑا صدمہ تو نے نہ صرف ہمیں پہنچایا، بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کو پہنچایا، ہماری اولاد کی آئندہ زمانے میں اتنی بھی وقعت نہ رہے گی،

جتنی اب ہماری ہے، اس پر شاہ صاحب نے یہ جواب دیا، کہ خدا کی نعمت تم خاص کرنا چاہتے تھے، ہم نے عام کر دی، کچھ دیر تک یہ ردو بدل ہوتی رہی، آخر شاہ صاحب نے مع ساتھیوں کے جو آپ کو حلقہ کئے ہوئے تھے، دروازہ کی طرف قدم بڑھایا، کٹ ملائے سینہ تان تان کے آگے آکھڑے ہوئے، کہ ہم نہ جانے دیں گے، اس پر شاہ صاحب کے ایک ساتھی نے تلوار کا وار کرنا چاہا، بدمعاش جو سب ہتھیاروں سے آراستہ تھے، محمدیوں کو آمادہ دیکھ کے جھجکے، اور اب اُنکے ہوش پراں ہوگئے، وہ بدمعاش اکھاڑہ کے پہلوان تھا نہ جنگیوں میں زیادہ غلو رکھتے تھے، بھلا وہ ایسی قلیل جماعت کی برہنہ تلواروں کے آگے کیوں کر قائم رہ سکتے تھے جو سچے دل سے اسلام پر جان دینے کو تیار تھے، اس وقت شاہ صاحب کو بھی جلال آگیا تھا، اور ابراہیمی مصطفےٰ خون آپ کی رگوں میں زور زور سے حرکت کرنے لگا تھا، آپ نے اپنے غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا، اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے۔ کل بدمعاش اور منافق کٹ ملا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، اور کسی کی ہمت نہ پڑی، کہ کوئی حملہ شاہ صاحب پر کرتا، حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے سے

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ سنا، تو انہیں بہت رنج ہوا، رنج کے سوا بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے، قلعہ میں ان کی اتنی وقعت نہ تھی، جتنی کہ ان کے علم و فضل کی ہونی چاہیئے، جو اثر شاہ ولی اللہ صاحب کا مدینہ، مکہ اور نجد پر تھا افسوس ہے کہ وہ دہلی میں نہ تھا۔ ہاں کسی ڈوم اور کسی کی سفارش بہت جلد چل جاتی تھی، اور

بیچارے شاہ صاحب کی کوئی نہ سنتا تھا[۱]

اسی شب تمام کنبے کے ممبر جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا، کہ اب کیا کرنا چاہیئے، یہ صاف معلوم ہوگیا تھا، کہ شاہ ولی صاحب کے ملانے جانی دشمن ہو گئے ہیں، اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے، کہ وہ شاہ صاحب کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہر دہلی سے نکال دیں، قصہ مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سفر عرب اختیار کیا، اور منافقان اسلام کو دانت پیستا ہوا، اور ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوا چھوڑ گئے

جب شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ظہور ہوا۔ دربار دہلی، اور اہل دہلی کی یہ کیفیت تھی، ارکان اسلام بدعتوں کے پیروں کے نیچے پامال کیے جا رہے تھے، اور نئی نئی بدعتیں روز روز ایجاد ہوتی تھی، لیکن کوئی منع کرنے والا نہ تھا، اس زمانہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے علوم کا مہر جہاں تاب اپنی خوب تابانی دکھا رہا تھا لیکن اس کی تابانی نہ اہل قلعہ پر پڑی تھی، اور نہ عمائدین شہر پر، اکثر پردیسی اور چند غریب شہری آپ کے معتقدین میں سے تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے علم و فضل کا سکہ گو دہلی کے ہر فرد بشر پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس کا یہ اثر نہ تھا، کہ جو بدعتیں ملانوں کے کہنے سے عوام الناس اور عمائدین شہر کرتے تھے، ان میں کچھ کمی آتی،

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی مخالفت کا خوفناک نظارہ ملاحظہ کر لیا تھا، اس لئے آپ احتیاطاً وہی باتیں اپنے وعظ اور تلقین میں فرمایا کرتے

---

[۱] ناظرین! یہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب (قدس سرہ) ہیں جن کو آج علمی ہندوستان اپنا واجب التعظیم استاد مانتا ہے، مگر اس زمانہ میں یہ حالت تھی، جو مصنف نے بتائی ہے، بالکل سچ ہے سہ

یا مکلا الدنیا ہتی انت مقصر علی الحمر حتی لا یکون لہ رضا

تھے، جن پر اکثر الناس کا اتفاق ہو، اور کوئی اس سے کسی حالت میں مخالفت نہ کر سکے، ایسے بدعت خیز و شرک انگیز زمانہ میں ضرور ایک ایسے نفس کی ضرورت تھی، کہ جو سچے اسلام کا نور چمکائے، اور ارکان اسلام کی خوب دھوم دھام سے اشاعت ہو، وہ باتیں جن سے سراسر اسلام کی توہین ہوتی ہے مٹا دی جائیں، بدعت اور سنت کو علیحدہ کر لیا جائے، اور اس بت پرستی کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر پھینک دی جائے جس میں دہلی کا خصوصاً اور ہندوستان کا عموماً بچہ بچہ مبتلا تھا۔

ناقابل برداشت بدعتوں اور شرمناک شرکوں کی حد ہو چکی تھی، اور کہیں برائے نام دیکھنے سے بھی اسلام کا پتہ نہ رہا تھا۔ اکبر شاہ پیر پرست اور گور پرست تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کو پیر بناتا تھا، اور انہیں ولی اللہ جانتا تھا، کہ جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہو، جنکی زلفیں لمبی لمبی اور عطر میں ڈوبی ہوئی ہوں جو پور پور چھلے پہنتے ہوں جن کے کپڑے لفیس گیرو رنگے ہوں، اور جو طبلہ کی چوٹ اور قوال کی ہائے ہائے پر لطافت سے گیتیں بھر ناچا جانتے ہوں، جن کے ماتھے قبر دنی رگڑتے ہوں، ایسے نفوس کی تعظیم قلعہ میں بہت دھوم سے کی جاتی تھی، بادشاہ مع بیگموں کے ان کے پاس خود آیا کرتے تھے، بیگمیں ان پیرادران کی اولاد پر حلال تھیں، اور وہ ایک نگاہ کی محتاج رہا کرتی تھیں، یہ زبوں حالت تھی اہل قلعہ کی بھلا پھر حامی دین علمائے کبار کی ان لوگوں کے آگے کیا خاک عزت ہوگی، جب مولانا فخر الدین صاحب کی ہیئت بالکل دہی تھی، جو اوپر بیان ہوئی، نماز پڑھنے آتے تھے، تو لوگوں کا اس قدر مجمع ہوتا تھا، کہ تل رکھنے کی بھی جامع مسجد میں بھی جگہ نہ ملتی تھی، بڑے بڑے رئیس یہ آرزو کرتے تھے، کہ کسی طرح مولانا صاحب کے جامہ کا دامن ہی مس کر

ہیں، لیکن ان کے مقابلہ میں جب شاہ عبدالعزیز صاحب جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے، تو سوائے چند محمدیوں کے اور کوئی ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا، اس کی بالکل وہی مثال ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جب ہجرت کی ہے تو صرف حضرت صدیق اکبر رضؓ ساتھ تھے، مگر اس کے مقابلہ میں ابوسفیان کا بہت بڑا گروہ تھا۔ عوام الناس ایسے مجعول کو خدا کی طرف سے مقبولیت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات نہیں، یہ نری شیطانی باتیں ہیں اور انہیں اسلام اور ہادی اسلام کے اصولوں سے کوئی تعلق نہیں، دامن چومنا، دامن پر بوسہ دینا۔ یہ رومن کیتھلک کے عیسائیوں کا شعار ہے جو ان کے ہاں دو ہزار برس سے اب تک جاری ہے، اسلام ان باتوں سے کوسوں دور ہے نہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن چموائے، نہ آپ کے چار خلفاء نے ایسی زشتی اور زبونی کی، پھر غیرت حق کو حرکت ہوئی، اور ایسی حالت میں کہ جب علم دین بالکل مرٹ چکا تھا، اور ہندوستان میں اسلام کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ظہور ہوا، اور اس نے اپنے قوت بازو اور تائید ایزدی سے شرک بدعت کی تمام ظلمت کو مٹا کے حق کا نور چمکا دیا، اور بدعت و سنت میں فرق کر کے دکھا دیا، یہ ایک ایسی زبردست خدا کی امانت تھی، کہ سوائے شیر اسلام کے اور کوئی نہ اٹھا سکتا تھا، اسی بہادر نے اٹھائی، اور اسی میں کامیاب ہوا، فقط

پہلا باب

نام، لقب، خطاب، ولادت، تعلیم

اسمٰعیل نام، شاہ صاحب ورقاطع بدعت لقب، شہید خطاب، شاہ صاحب کی تاریخ ولادت میں کسی قدر اختلاف ہے، مختلف روایتوں کو دیکھ کر ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳؁ھ صحیح معلوم ہوتے ہیں، فطرت کو پہلے منظور تھا، کہ آپ کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہو، جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے ہندوستان میں لاثانی ہو، اور اس خاندان کا ہر ممبر آسمان علم کا مہر جہاں تاب ہو، یہ خاندان جس کی نسبت میں چند جملے تحریر کرنا چاہتا ہوں، اپنی خاص نوعیت اور ذاتی صفات اور عام نفع رسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، مہذب ممالک میں جہاں تہذیب و شائستگی نے قول ہار دیا ہے، ایسے خاندان بہت کم دکھائی دیتے ہیں، کہ جن کے ہاں کئی پشت سے علم وفضل کی ایک ہی ہو، اور صدی ڈیڑھ صدی تک کہ اس خاندان کا خاتمہ ہو جائے ہر ممبر اپنی لیاقت اور ضمیری جوہر دل میں لاثانی اور عدیم المثال ہو،

فطرت نے یہ عظیم الشان شرف شاہ اسمٰعیل صاحب کے خاندان کو دیا تھا شاہ عبدالرحیم صاحب، جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے دادا تھے، ایک عجیب لیاقت اور غریب قابلیت کے شخص تھے، آپکے ضمیری اور روحانی جوہر اپنے میں گہری ممتازیت کی نہ رکھتے تھے، آپ جیسے علم تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، اسی طرح علم حدیث اور فقہ بھی آپ کو بانی تھا، جس نے ہندوستان سب سے پہلے درس وتدریس

کی بنیاد ڈالی ہے۔ وہ شاہ عبدالرحیم صاحب تھے۔ وہ ربانی اسرار اور الہامی نکات جو قرآن حدیث کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں انہیں مسلمانوں پر ظاہر کیا۔ اور علم رسولؐ کی طرف سب کی دعوت کی لیکن صدیوں کی خرابی جو مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی معمولی تلقین اور وعظ سے نہیں جاتی شاہ عبدالرحیم صاحب نے ہر چند کوشش کی لیکن آپ کی کوشش بدعت اور شرک کے دریا کی خوفناک موجوں اور دہشت انگیز لہروں سے ہم نبرد نہ ہوسکی اور پس پا ہو کے کنارہ پر واپس چلی گئی اس ناکامی پر بھی یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ایک ایسا بیج بو دیا۔ کہ بعد ازاں آپ کی اولاد کی کوشش سے پھلا پھولا اور لہلہایا اور آخر شاہ اسمٰعیل صاحب کی بیش بہا کوششوں سے اس درخت میں پھل لگا۔ اور الحمدللہ کہ وہ اب تک پھل دے رہا ہے اور تروتازہ ہے۔

ہندوستان کی قسمت میں اول دن سے لکھا ہوا تھا کہ یہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی علوم کا حصہ نہ لے اور اندلسی اور بغدادی علوم کی جان بخش ہوائیں یا تو ایک طرف سے ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں سے ٹکرا کر رہ جائیں یا بحر ہند کی موجوں میں دوسری طرف غرق ہو جائیں یا تیسری جانب سے ہندوکش کے خوفناک درہ لیسے گر گرا کے وہیں گم ہو جائیں

شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے پہلی ضرورت ہندی مسلمانوں میں علم نبوی کی اشاعت کی دیکھی واقعی ایک برتر الہامی خیال تھا جو بجلی کی طرح آپ کے دماغ میں کوندا شاہ عبدالرحیم صاحب نے ایک مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی اس تعلیم نے چند سال میں اپنا قیمتی اثر مسلمانوں

پر ڈالا۔ اور اب جوق درجوق آپ سے حدیث سیکھنے کے لئے آنے لگے گویا اسی تاریخ سے مذہب بدعت اور شرک کے ساکن سمندر میں تحریک سی پیدا ہونے لگی۔ مگر یہ خفیف تحریک ایسی نہ تھی کہ ایسے بڑے عظیم الشان سمندر میں کچھ معلوم ہوتی اور ایک تموج خیز طوفان اس میں پیدا ہوتا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب تو اَمیں فطرت کی باریکیوں اور مفہوم کو خوب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ معمولی تختہ پر جب تک کہ اسے ہموار نہ کیا جائے اور اس پر ملنانی نہ پھیری جائے کبھی صفائی اور آسانی سے لکھا نہیں جا سکتا اس لئے انہوں نے اپنی کوششوں کو بظاہر ناکامی کا جامہ پہنتے ہوئے دیکھ کے کچھ ہراس نہ کیا اور ہمیشہ دل میں یہ یقین رکھا کہ یہ ناکامیاں خوش آئندہ ہیں کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ مرض ہر طرح برا ہوتا ہے لیکن اس مرض کو مبارک کہنا چاہیے جس کا انجام صحت ہو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ کام تھوڑا کرنا چاہتی ہے۔ مگر صلہ زیادہ چاہتی ہے۔ اس فطرت پر جب محنتوں کا صلہ بظاہر ناکامی ملے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ اس وقت طبیعت کی کیا کیفیت ہو گی اور وہ کب اولوالعزمانہ روح کے ساتھ شوق کے میدان میں قدم بڑھائے گی۔ مگر وہ پاک نفوس جنہیں فطرت سے ممتازیت کا حصہ ملا ہے اور ربانی جلال پودان کے مجلہ دل میں چمک چکا ہے۔ وہ کبھی ظاہراً اس سے مایوس نہیں ہوتے اور ہمیشہ اپنی قیمتی محنتوں کا صلہ اپنے آئندہ نسلوں کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ گو گورنمنٹ مغلیہ کی طرف سے ان کی مطلق سرپرستی نہیں کی گئی۔ اور نہ شاہ کی طرف سے طلبہ کے کچھ وظائف مقرر ہوئے پھر بھی اس مدرسہ کو خاصی رونق ہوگئی اور

اب بعضے لوگوں کی زبان پر یہ مقدس الفاظ آنے لگے کہ بخاری میں یہ حدیث آئی ہے اور ابوداؤد یہ حدیث نقل کرتے ہیں یہ بات قابل ریمارک ہے لیے بہت کم علماء تھے کہ جن کے پاس بخاری ہوتی یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تفسیر کبیر کے دیکھنے کی جب ضرورت ہوتی تھی تو شاہی کتب خانہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم تفسیر اور حدیث کا کس درجہ کم رواج ہندوستان میں تھا کہ ایسے جلیل القدر علماء کے پاس تفسیر کبیر تک نہ تھی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب اتنے بڑے فاضل تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسا فاضل اجل شخص یہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے علم کے آگے ایسا ہوں جیسے بحر کے آگے قطرہ یہ کچھ شاعرانہ مبالغہ اور جھوٹی تعریف نہیں ہے بلکہ جس نے شاہ عبدالرحیم صاحب کی تصانیف اور ان کے حواشی کو دیکھا ہے۔ جو آپ نے معقول اور حدیث و فقہ کی کتابوں پر چڑھائے ہیں وہ ان سے شاہ ولی اللہ صاحب کے اس قول کی صداقت پوری پوری اندازہ کر سکتا ہے۔ اس بدعت و شرک کے زمانہ میں جب لوگوں نے علم نبوی کو بالکل بھلا دیا تھا اس خاندان کے علم و فضل کی آوازیں ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر مسلمانوں کے ممالک روم و شام میں پہنچتی تھیں۔ اور جس مسئلہ میں مکہ مدینہ کے علماء میں جھگڑا پڑتا تھا۔ وہ ثالث بالخیر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز کو بناتے تھے ملا رشیدی مدنی اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے جو خط و کتابت ہوئی ہے اس سے ہم اپنے دعویٰ کی سند دے سکتے ہیں ایک خط میں ملا رشیدی نے یہ لکھا ہے۔

"شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا اثر بلاد اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتوٰی میں آپ کی مہر کا متلاشی رہتا ہے۔ اور وہ فتویٰ جب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو تو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آویں تو ہم لوگوں کے لئے بڑے افتخار کی بات ہے۔ اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بہت بڑی عزت کریں۔"

اس خط سے اس مقبولیت کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی بلاد اسلامیہ میں تھی اس کو ربانی مقبولیت کہتے ہیں اور یہ اصلی علم و فضل ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان کچھ حد سے زیادہ مقبول انام تھا اور اس محترم خاندان کا ہر ممبر اپنی معاشرت کچھ اس طرز کی رکھتا تھا کہ کٹ ملاؤں کا دست تظلم دراز ہونے کا موقع نہ پاتا تھا۔ آخر اسلام کا نصیبہ جاگا۔ اور شاہ اسمٰعیل شہید صاحب جیسا خیر اسلام پیدا ہوا۔

فطرت نے پہلے ہی شاہ صاحب کے لئے قاطع بدعت کا لقب موزوں رکھا تھا۔ ایسے جلیل القدر خاندان علماء میں یہ شرف آپ ہی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آپ کھلم کھلا بدعتیوں اور مشرکوں سے مخالفت اور اپنی خطرناک جرأت سے صاف طور پر احادیث نبویہ کی تلقین کریں۔

جب مسلمانان ہند کی خراب حالت حد تک پہنچ گئی تو فطرت نے شاہ عبدالغنی صاحب کے ہاں آپ (اسمٰعیل) کو پیدا کیا۔ آپ کی طفلانہ نظریں جب آپ اپنے گہوارہ میں تھے اس آئندہ اصلاح کی جو مسلمانوں میں ہونے والی تھی۔ پیشین

گویا کرتی تھیں گو آپ دبلے پتلے اور نحیف پیدا ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی فراخ پیشانی اس بڑے نصیبہ کی گواہی دے رہی تھی جو آپ کو آئندہ حاصل ہونے والا تھا۔ شاہ عبدالغنی صاحب کی یہ رائے ہوئی۔ کہ اس بچہ کو کسی شریف انّا کا دودھ پلایا جائے لیکن آپ کی والدہ بی فاطمہ نے (باوجود یکہ وہ بہت ضعیف تھیں) یہ منظور نہ کیا۔ اور ایسے ہونہار بچہ کو خود حد شرع تک دودھ پلایا بچپن میں آپ حد سے زیادہ غریب اور خاموش تھے۔ شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ کچھ ایسا چپ اور غریب ہے کہ رونا مطلق نہیں جانتا اس نجیب اور شریف بچہ کی بچپن میں ایسی دھیمی اور حلیم فطرت تھی لیکن جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے مزاج میں انکساری آتی گئی جن سوانح لکھنے والوں نے آپ کو تیز مزاج لکھا۔ ان کی غلطی اور اصلی واقعات سے کم علمی ہے بلکہ خلق جب آپ چھ برس کے تھے۔ ایسا تھا کہ کل بچے آپ کے ساتھ کھیلنے میں خوش رہتے تھے آٹھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن حفظ کر لیا اور یہ حفظ طوطے کی طرح نہ تھا۔ بلکہ آپ کو کل قرآن کے معنی پڑھائے گئے تھے۔ گو اس زمانہ معصومیت میں زبانی نکات اور الہامی غوامض کو سمجھنا تو بہت مشکل پھر بھی اکثر متوقعوں پر جب اپنے ہم عصروں میں کھیلتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا ہے اور تم یہ کرتے ہو۔

ظاہری کتابی تعلیم جو ہر بچہ کو دی جاتی ہے یہ ضرور نہیں ہوتا کہ ہر بچہ تعلیم مصلح قوم بن جائے۔ مگر جسے فطرت اپنی بانگی اور ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کے ضمیر کو پہلے ہی ربانی قابلیتوں اور ضمیری جوہر دل سے آراستہ کر دیتی

ہے۔ ایسی حالت میں اگر اسے ظاہری تعلیم بھی نہ دی جائے جب بھی کچھ حرج واقع نہیں ہوتا اور اس کے ضمیری جوہر ایک نہ ایک دن اصلی تابانی اور درخشانی دکھائے رہتے ہیں۔

اس جلیل القدر خاندان میں جس میں شیر اسلام کا ظہور ہوا ایک عجیب بات یہ تھی کہ کوئی بچہ کسی غیر مولوی کا شاگرد نہ تھا شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ پڑھا اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب سے پڑھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو کچھ تعلیم پائی۔ وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے۔ غرض اس واجب الاعتصام خاندان کا ہر ممبر اپنے ہی باپ یا چچا کا شاگرد ہوتا تھا۔ اور حقیقت میں جب یہ بات تھی کہ یہ خاندان سرچشمہ علوم تھا۔ پھر یہاں کا بچہ کیوں کسی بیرونی عالم سے تعلیم پانے لگا یہ افتخار بھی ہندوستان میں اسی خاندان کو حاصل ہے

شاہ اسمٰعیل صاحب نے دو تین برس میں معمولی صرف نحو کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے نکال لیں اور ابھی آپ کی گیارہ بارہ برس کی ہی عمر تھی کہ آپ کو علم صرف ونحو کچھ ایسا پانی ہو گیا کہ بڑے بڑے تجربہ کار لگا نہ کھاتے تھے اس کے بعد آپ کو معقول کی کتابیں پڑھائی گئیں بھلا جس کا دماغ کامل عقل سے پہلے ہی آراستہ کیا تھا اسے ان معمولی کتابوں کا پڑھ لینا کیا مشکل تھا۔ آپکو بارھواں سال شروع تھا جب آپ صدرا پڑھتے تھے آپکے ساتھ اور بھی کئی بڑی عمر کے طلبا شریک تھے مگر قاری آپ ہی تھے صدرا جو ملاؤں میں ایک بڑی لاینحل کتاب مشہور ہے اقلیدس کے پانچویں مقالہ کے اس کے بہت سے مقامات محتاج ہیں چونکہ عوام علماء میں سے ریاضی کا علم بالکل اٹھ گیا اسلئے وہ ایسی ایسی کتابوں کو

جن کا کچھ بھی تعلق ریاضی سے ہوتا بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل صاحب آٹھ آٹھ دس دس صفحے صاف پڑھ جایا کرتے تھے۔ لیکن کبھی کسی مقام پر رکتے نہ تھے نہ کوئی بات دریافت کرتے تھے۔ نہ آپ مطالعہ کرتے تھے نہ گھر میں جا کے سبق یاد کرتے تھے۔ تو اکثر یہ ہو جاتا تھا۔ کہ جب آپ دوسرے دن سبق پڑھنے کے لئے کتاب کھولتے تھے تو یہ بھول جایا کرتے کہ کل سبق کہاں تک پڑھا تھا۔ ایک سن رسیدہ شخص عبد الکریم بخاری آپ کا ہم سبق تھا اور وہ شاہ صاحب کے لگاتار بے پوچھے گچھے پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اور بہت سے مقامات بغیر سمجھے رہ جاتے تھے۔ ایک دن شاہ صاحب ورق گردانی کرنے لگے اور انہیں اپنے کل کے سبق کا پتہ نہ لگا اس پر وہ بخاری ہنس کے کہنے لگا۔ میاں صاحبزادے مکھی مار کر نشان لگا دیا کرو کہ کتاب کھولتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے کل یہاں تک پڑھا تھا۔ یہ سن کر شاہ اسمٰعیل صاحب ہنسے اور کچھ جواب نہ دیا

جتنے طلبا شاہ صاحب کے ساتھ پڑھتے تھے خوش ایک بھی نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ہر طالبعلم صدرا کے ہر ہر مقام پر بحث کرنا اور اسے سمجھنا چاہتا تھا اور یہاں سوائے روان عبارت پڑھنے کے نہ کہیں رکنا تھا نہ کسی مشکل مقام کو دریافت کرنا تھا۔

جب آپ ایک روز صدرا کے مشکل مقام کو پڑھ رہے تھے تو بخاری کو یقین تھا کہ یہاں یہ لڑکا ضرور ٹھہرے گا۔ اور اس مقام پر ضرور رد و قدح ہو گی لیکن جب اس نے دیکھا کہ صاحبزادے صاحب کی یہاں بھی وہی کیفیت

ہوئی جو اور مقامات میں ہوئی تھی تو وہ جھلا گیا۔ اور اس نے جل کے یہ سوال کیا صاحبزادے تم کچھ سمجھے بھی یا یونہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو شاہ صاحب نے نہایت حلیمی اور انکساری سے جواب دیا آپ کی سمجھ میں اگر کوئی بات نہ آئی ہو تو آپ دریافت فرما لیں۔ اس نے فوراً یہ سوال کیا کہ اسی مقام کو سمجھا دیجئے جس کو بلا دریافت کئے آگے بڑھ گئے شاہ عبدالغنی صاحب اور کل طلبا کی نظریں آپ کی طرف لگ رہی تھیں اور ہر متنفس یہ دیکھتا تھا۔ کہ دیکھیں اسمٰعیل بغیر استاد سے سمجھے اس مشکل مقام کو کیونکر حل کرتا ہے۔ گویا یہی دن آپ کی قابلیت کے امتحان کا تھا۔ اس ہونہار بچہ نے اس عمدگی اور صفائی سے اس مقام کو چٹکیوں میں سلجھا دیا اور وہ معنے بتائے کہ سب دنگ رہ گئے پھر صدرا کے حاشیہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس نے جو کچھ معنے لکھے ہیں وہ غلط ہیں یہاں اس تقریر کو نقل کر کے زیادہ وقت ناظرین کا نہ لوں گا۔ ہاں اس قدر لکھنا ضروری جانتا ہوں۔ کہ یہ وہ عالم فطرت تھے کہ اگر میر باقر داماد ہوتا تو زانوئے شاگردی نہ کرتا[1]۔

جب آپ اس قریب قریب لاینحل مطالب کا حل کر چکے۔ اور اپنی ضمیری جوہروں کی سب کو بانکی دکھا دی تو شاہ عبدالغنی صاحب کی خوشی کا اندازہ نہ تھا۔ طلبا شرمندہ ہو گئے اور بخاری صاحب تو ایسے چپت ہوئے۔ کہ پھر انہوں نے سیدھا بخارا کا راستہ لیا۔

جب منطق کی وہ معمولی کتابیں جو اس وقت درس میں تھیں شاہ صاحب نے

[1] مولانا شہید کے جو معتقد علوم عقلیہ کا پڑھنا ناپسند کرتے ہیں غور کریں

ختم کر لیں تو آپ نے حدیث شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھنی شروع کی۔ علم حدیث ایک بڑا دشوار گزار علم ہے اس کی اہمیت کو وہی شخص جانتا ہے جسے حدیث کا کچھ علم ہے۔ بایں ہمہ شاہ صاحب کو یہ مشکل علم بھی پانی تھا مولوی کرامت علی صاحب حیدرآبادی فرمایا کرتے تھے میں مولانا شہید کا حدیث میں ہم سبق تھا مجھے خوب معلوم ہے انھوں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا نہ پڑھے ہوئے کو کبھی دہرایا۔ عام طلباء جو آپ کے ساتھی تھے مولانا شہید کو بے پرواہ کہتے تھے اور انہیں یقین تھا۔ کہ پڑھنے کی طرف مولانا کی توجہ نہیں ہے شب و روز تیراندازی، گولی چلانا۔ اور گھوڑے پر چڑھنے کے سوا وہ کبھی کتاب کو کھول کے بھی نہیں دیکھتے۔ روزمرہ اس قسم کی باتیں سن سن کے شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے مجمع میں مولانا شہید سے یہ شکایت کی کہ تم کھیل کود میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو۔ لیکن مطالعہ کتب نہیں کرتے، اسمٰعیل نے عرض کیا آپ مجھ سے پڑھا ہوا کچھ دریافت فرمائیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے سامنے مولانا شہید سے دریافت کیا۔ آپ نے فرفر بتا دیا۔ اور اس عمدگی سے بیان کیا کہ طلباء کا کل مجمع دنگ ہو گیا۔

ذہانت اور حافظہ یہ فطرت کی خاص بخششیں ہیں۔ جو بعض بعض نفوس کو عطا ہوتی ہیں۔ مولانا شہید کا خمیر کچھ ایسا قابل بنا تھا کہ اس پر تجلیات ربانی کا پرتو بخوبی پڑ سکتا تھا۔ اور ہمیشہ وہ قوت جو ربانی نکات کے سمجھنے میں مدد رکھتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کا جوش اس روشن ضمیر میں پیدا ہوتا رہتا تھا ایسی صورت میں نہ کسی کی تعلیم کی اتنی ضرورت تھی نہ مطالعہ دیکھنے اور مغز پچی کرنے

کی حاجت تھی جو لوگ ضمیری جوہروں سے کسی قدر بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ میرے قول کی تصدیق خود بخود کریں گے۔ اور جو قلب کے آثار چڑھاؤ اور اس کی لیاقتوں صفتوں سے محض نابلد ہیں نہ ان سے میرا کلام ہے۔ نہ وہ اس باریکی کو سمجھ سکتے ہیں۔

اگر ہم چشم بصیرت کھولیں تو ہمیں معلوم ہو کہ روز مرہ ہماری آنکھوں کے آگے ایک ہی جماعت میں ایک ہی قسم کی تعلیم ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ہی قسم کی تعلیم پانے والوں میں سے تو کوئی علامہ دہر بن جاتا ہے اور بیسیوں قیمتی تصانیف کر ڈالتا ہے۔ اور اکثر طلبا یوں ہی ٹپے ٹوٹیاں مارتے رہ جاتے ہیں نہ انہیں کچھ حاصل ہوتا ہے نہ کسی قسم کی قابلیت آتی ہے حتی کہ بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔

یہ صحیح ہے کہ محنت عجب چیز ہے اور کیسا ہی غبی شخص ہو۔ محنت سے کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے مگر پھر بھی فطری ضمیری جوہروں کی وہ تابانی جو لاکھوں میں کسی قلب پر چمکتی ہے۔ نہ محنت سے حاصل ہوتی ہے نہ عرق ریزی کچھ کام دیتی ہے۔ وہ تو ضمیر اور دماغ پہلے ہی سے ان جوہروں سے لدا ہوتا ہے۔ جو فطرت کی عین بخشش سمجھنا چاہیئے۔

زمانہ میں ہر ملک اور ہر شہر میں بڑے بڑے مصلح ملک، و قوم گزر گئے کیا انہوں نے ابجد خوانوں کی طرح اپنا سبق چبایا تھا یا فعل یفعل کی گردان کی تھی نہیں کچھ نہیں!! ان کے لئے معمولی تعلیم ایسی کافی تھی جیسے کئی صدی تک کسی ذہین شخص کو تعلیم دیئے چلے جاؤ۔ اور بعد ازاں اس کی واقفیت کا اندازہ کرو۔ ان

ان کی آواز میں اثر بعرج ۔ درد خود بخود پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور ان کی نگاہ میں وہ قدرت ہوتی ہے کہ جس کی طرف نگاہ بھر کے دیکھا اور اپنا رام بنا لیا ۔ یہی کیفیت شاہ اسمٰعیل صاحب کی تھی آپ کو ایک ایسی خاص بخشش عطا ہوئی تھی جس کی ایک زمانہ تک خود مولانا شہید کو خبر نہ تھی پھر دوسرے اس جوہر کی کیونکر شناخت کر سکتے

یوں تو اس واجب الاحترام جلیل القدر خاندان کا ہر ممبر یکتائے روزگار اور فرید العصر تھا لیکن مولانا شہید کی تعلیم کا ڈھنگ سب سے نرالا اور جدا تھا گو ۱۶ برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے تھے پھر بھی یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اتنی سی عمر میں فارغ التحصیل ہونا اور پھر ہر کتاب کو ازبر یاد رکھنا اور ان سے صدہا نکات اور باریکیاں پیدا کرنا یہ خاص صفت خدا کی طرف سے مولینا شہید ہی کو عطا ہوئی تھی ۔

فطرت کو چونکہ آپ سے ایک عظیم الشان کام لینا تھا اس لیے جتنی صفتیں ایسے پاک نفس کے لئے لازم ہوتی ہیں وہ سب آپ میں موجود تھیں ۔

تمام دینیات کی کتابوں کو اس چھوٹی سی عمر میں پانی کی طرح پی جانا گو بادی النظر میں مولانا شہید کی ذہانت اور حافظہ پر دال ہے لیکن عمیق اور غمیق نظریں خوب سمجھ سکتی ہیں کہ ایسے ایک پاک نفس کا پیدا ہونا خداوند تعالیٰ کا بہت بڑا بھید تھا جس کی کنہ کو کسی قدر وہی پاک نفوس پہنچ سکتے ہیں جنہیں کلام ربانی سے دلچسپی ہے اور جنہوں نے وہی تعلیم روحانی ذریعہ سے پائی ہے حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے ۔

تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیے   جس نے اس کا زخم کھایا ہے اسے معلوم ہے

مولانا شہید جب فارغ التحصیل ہوئے تو لوگ آپ کے پاس فیض پانے کے لئے آنے لگے اور اسی چھوٹی سی عمر میں سب نے آپ کو اپنا مقتدیٰ تسلیم کر لیا۔

تقریر نہایت شستہ منجھی ہوئی تھی اور آپ ہر مطلب کو اس عمدگی سے بیان فرماتے تھے۔ کہ لوگ ہونٹ چاٹتے ہی رہ جاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تقریر اور بیان مشہور انام تھا۔ اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور ہو چکی تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے کہ ان کے وعظ سے ہر مذہب اور ملت کا شخص خوش ہو کے اٹھتا ہے حقیقت میں یہ پولیسی عمدہ اور لائق ہے اور ہر شخص اس امر کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن مولانا شہید کی تقریر میں جو صفت تھی۔ وہ عجیب نرالا و غریب سحر سے بھری ہوئی تھی۔ لوگ گھروں سے ارادہ کر کے جاتے تھے کہ مولانا کی مخالفت ملین وعظ میں کریں گے لیکن وہاں سوائے خاموشی کے کسی کو چارہ نہ ہوتا تھا۔ سامعین میں سکوت سلطنت کرتا تھا کیا مقدور تھا کہ وعظ میں کوئی کسی کی طرف اشارہ بھی کرے۔ مولانا شہید کے زمانے میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ غارت ہو گیا تھا۔ شرفاء اپنے بچوں کو مکتبوں میں بھیجنا عیب خیال کرتے تھے۔ اور شہزادے تو گویا دشمن تعلیم ہی مشہور تھے۔ اس لئے تعلیم کا کوئی اسٹینڈرڈ اور معیار نہ تھا نہ کوئی ایسی ترتیب تھی جس کے موافق بچوں کو تعلیم دی جائے۔

مگر مولانا شہید کے خاندان میں پہلے بچہ کو ریاضی پڑھایا کرتے تھے تاکہ اس کی طبیعت میں سلامت روی آ جائے۔ گو یہ طریقہ شہر میں اور کسی خاندان میں جاری

نہ تھا لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں ابھی تک اس کی مضبوطی سے پابندی کی جاتی تھی۔

اس لحاظ سے ضرور ہوا کہ پہلے مولانا شہید بھی ریاضی پڑھیں چنانچہ انہیں اول اقلیدس کے اصول موضوعہ و علوم متعارفہ پڑھائے گئے۔ اس وقت مولانا شہید کی عمر مشکل سے چھ یا ساڑھے چھ برس کی ہوگی مولانا شہید کی معصوم فطرت نے بہت جلد اقلیدس کے یہ لازمی اصول نقش دل کر لئے اور انہیں کچھ ایسی دلچسپی ہوئی کہ وہ کھیل کود میں بھی اقلیدس کو کھپانے لگے۔ مولانا شہید کی معصوم طبیعت کا اس لاجواب دلچسپی سے پورا امتحان ہو گیا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے چچا نے یہ سمجھ لیا کہ اسمٰعیل کی طبیعت میں اعتدال اور سلامت روی ہے۔ اور اس کی ذات سے یہ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ضرور جوانی میں ہر علم کے حاصل کرنے میں زیادہ سرگرم ہوگا۔ اور اس کی لیاقت و قابلیت فخر خاندان خیال کی جائے گی۔

بہ تحقیق معلوم ہوا کہ مولانا شہید نے ایک مہینہ کے عرصہ میں اقلیدس کے چار مقالے ازبر کر لئے طوطے کی طرح سے نہیں۔ بلکہ ان سے نئی نئی شکلیں بھی حل کرنے لگے ایک تو شاہ عبدالعزیز صاحب جیسا استاد اور دوسرے مولانا شہید جیسا ذہین طباع عالی دماغ بچہ پھر بھلا وہ سحر نما ترقی کیوں نہ کرے گا۔ اور لاکھ دو لاکھ طلبا میں اپنے کو افضل کر کے کیوں نہ دکھائے گا۔

پانچواں مقالہ شروع کرانے سے پہلے ضرور تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب حساب پڑھائیں تاکہ پانچواں چھٹا مقالہ جس سے اربعہ متناسبہ بنا ہے بخوبی سمجھ میں آسکے حساب کے پورے قواعد مولانا شہید نے پندرہ دن میں ضبط کر لئے لیکن عملی ضبط

کے لئے ابھی دو ڈہائی مہینے کی اور ضرورت تھی جو پیارے شہید نے نہایت سرگرمی سے اپنی معمولی محنت سے حاصل کیا اسی طرح جبر مقابلہ علم مثلث مساحت وغیرہ وغیرہ غرض ریاضی کی جتنی شاخیں تھیں سب واجب الاحترام شہید نے طے کرلیں اور اب ریاضی میں لاجواب ہو گیا

ریاضی کے بڑے بڑے مسائل واجب التعظیم شہید چٹکیوں میں سلجھا دیتا تھا اور لاکھوں روپیہ کی رقموں کا جوڑ صرف دو چار منٹ کے تامل سے فوراً بتا دیتا تھا

علاوہ بدعت و شرک کی آفت ناک صورت کے ایک غضب عام مسلمانوں میں اور بھی ساری ہو رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ سوائے تفسیر و حدیث و فقہ کے دوسرا علم پڑھنا حرام ہے پڑھنے والا مردود ہے مثلاً تفسیر مدارک والے کا یہ قول ہے

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند بیش ازین گردد خبیث

جہلا میں اس خیال کا بڑا اثر تھا اور انہوں نے صدہا روایتیں اس قسم کی بنا لی تھیں کہ دنیاوی علوم مثلاً تواریخ و جغرافیہ، ریاضی، طبقات الارض ہیأت، کیمیا وغیرہ وغیرہ کفر ہے چنانچہ یہی خیال اب تک علماء کے گروہ کا چلا آتا ہے. کل روایتوں میں مشہور روایت دہلی کے ایک اولیا صاحب کی بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ صدہا برس سے پہلے اسلام کا رنگ ہندوستان میں کیا تھا جو اپنا آبائی بت پرستی کا اثر لے کے آئے تھے۔ اور انہوں نے اسلامی عقلی اور نقلی علوم میں مطلق ترقی نہ کی تھی. بلکہ اپنی تیغ زنی کی دھن میں وہ رہا سہا جو کچھ دین کے علوم اپنے ساتھ لائے تھے وہ کھو بیٹھے. چنانچہ یہ اولیا صاحب رجلیا کہ ان کے مرید کو تی

میں مشہور ہے ایک دن اپنے ایک مرید کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس نے اپنے روحانی باپ کی اسی تعظیم و تکریم سے خاطر کی جتنی کہ ایک حد سے زیادہ خوش اعتقاد مرید کو سزا وار ہونی چاہیئے کھانا کھانے کے بعد اولیاء صاحب نے اپنے مرید کی تمام چیزیں دیکھنی شروع کیں اور بھی کئی مرید آپ کے ہمراہ تھے بڑی دیر کے بعد کتب خانہ دیکھنے کی باری آئی کتابیں دیکھتے دیکھتے کہیں ایک کتاب جس کی سنہری جلد بندھی ہوئی تھی اولیاء صاحب کے ہاتھ آ گئی جونہی اس کتاب کا نام ورق الٹ کر پڑھا تو آپ لال پیلے ہو گئے طیش اور غیظ کے شعلے آنکھوں سے بھڑکنے لگے غصہ سے ہاتھ پیر دل میں رعشہ پڑ گیا۔ اور منہ میں کف بھر آئے یہ غیر معمولی حالت دیکھ کے مریدوں کے ہوش اڑ گئے۔ اور ہر مرید اپنے دل میں سخت شرمندہ اور خوف ہوا کہ کہیں مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہو گئی جو پیر صاحب ایسے ناراض اور آزردہ خاطر ہو گئے یہ فانی اور ناقابل خوف چند سیکنڈ مریدوں میں دورا کرتا رہا بعد ازاں اولیاء صاحب اپنے میزبان مرید سے اور غضب خیز لہجہ میں فرمانے لگے "مجھے سخت رنج اور غصہ آیا کہ تو اپنے کتب خانہ میں تفسیر کشاف[1] رکھتا ہے" یہ کہہ کے اولیاء صاحب خاموش ہو رہے۔ اور کہا کہ ابھی اس کتاب کو ضائع کر دو حکم کی دیر تھی وہ کتاب

---

[1] تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری کی تصنیف ہے جس کو معتزلی کہتے ہیں اس کی لاجواب نحوی تفسیر کا مطلب چونکہ کٹ ملا نے نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اس کو خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں افسوس ہے کہ اتنے بڑے مصنف کی قدر مطلق نہیں کی جاتی اور اس کو معتزلی سمجھ کے علیحدگی اختیار کی ہے۔ معتزلی ہونا منافی علم و لیاقت نہیں ہو سکتا۔ جار اللہ زمخشری ایک فاضل اجل عالم تھا ایسا عالم کہ جس پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا۔

مع اور معقولی کتابوں کے ضایع کردی گئی اور مریدوں نے توبہ کرلی کہ آیند
کبھی اس نوعیت کی کتابوں کی طرف توجہ مبذول نہ کریں گے نہ کبھی انہیں ہاتھ
لگائیں گے۔

یہ خیالات تھے جنہوں نے مضبوطی سے مسلمانوں کے دلوں میں جڑ
پکڑ لی تھی اور جس کا قوی اثر اب تک جب پیارے شہید نے تعلیم پائی شروع
کی باقی تھا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ
کا بھی رواج تھا اور ملانوں کو بھی کچھ مسادات ہو گئی تھی وہ بھی اپنی غرض نکالتے
تھے گو انہیں ایسے علوم کی اس لئے کہ انہیں نہ آتے تھے تعلیم بری لگتی تھی۔ اور
حتی الوسع وہ اپنے وعظوں میں لوگوں کو روکتے تھے۔ کہ سوائے تفسیر و حدیث
و فقہ مسلمان کو دوسری چیز پڑھنا حرام ہے۔

ایسے خیالات پر جس میں شہر دہلی کا ایک بہت بڑا حصہ پھنسا ہوا تھا۔
پیارا شہید چھوٹی سی عمر میں لائق ریاضی دان بن گیا۔ اس کے بعد اس
نے منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں تواریخ اور جغرافیہ کا بھی اس والاشان
خاندان میں رواج تھا۔ کیوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک قصیدہ میں ہو ڈان
کا حال بیان کیا ہے اور اس ملک کی مشرح کیفیت ادا کردی ہے اس سے یہ پایا
جاتا ہے۔ کہ شاہ ولی اللہ صاحب اعلے درجہ کے جغرافیہ دان تھے اور یہ ہمیں
تحقیق ہوا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب علم جغرافیہ و تواریخ سے کامل ماہر تھے
جس کی شہادت ان کی تصانیف دے رہی ہیں۔

مولانا شہید کی پرشوق نظریں علم دین پر زیادہ پڑ رہی تھیں۔ اور آپ کو دنیوی علوم سے اتنی دلچسپی نہ تھی گو آپ ان کی تحصیل اشد ضروری اور انسان کے لئے لابد خیال فرماتے تھے۔

اس زمانہ میں مختلف قسم کے جغرافیئے[1] مسلمان مصنفوں کے درس میں داخل تھے۔ اور وہی جغرافیئے مولانا شہید نے پڑھے تھے ہمیں تحقیق ہوا ہے کہ مولانا شہید کی توجہ ہندوستان کے علم جغرافیہ کی طرف بہت مبذول رہی اور آپ اپنی طالب علمی کی حالت میں ہندوستان خصوصاً پنجاب کے جغرافیہ کو زیادہ دیکھا کرتے تھے اور آپ کے آئندہ ارادہ کے لئے گویا یہی جغرافیہ زیادہ مفید تھا۔

---

[1] جو جغرافیے کہ مسلمانوں کے درس میں جاری تھے۔ حسب ذیل ہیں۔ (۱) جغرافیائے مسعودی جس کو طلائی چراگاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے فاضل مسعود نے ۹۵۶ء میں وفات پائی دیوگاگنیس نے اس کتاب کا ترجمہ کیا اس کتاب یا طلائی چراگاہ میں یورپ، ایشیا، افریقہ اور ہندوستان کا جغرافیائے حال بڑے شرح و بسط سے لکھا گیا ہے۔ گو بعض باتیں کسی قدر موجودہ زمانہ میں اختلاف رکھتی ہیں لیکن پہلے اہل یورپ کو جس نے دنیا کا جغرافیہ سکھایا وہ طلائی چراگاہ کتاب ہے۔ مسعودی لکھتا ہے میں بصرہ سے کارواں کی سڑک سیدھا گنشن (چین میں) پہنچا اور خراسان۔ تبت اور الستان ہوتا ہوا پھر عرب میں چلا آیا۔ دوسری کتاب المالک پڑھائی جاتی تھی۔ اس لاجواب کتاب کا مصنف ابن قرطبہ تھا۔ ۹۱۲ء میں اس فاضل جغرافیہ دان کا انتقال ہوگیا۔ اس نے علاوہ سڑکوں اور شہروں کے محاصل اور خراج تک تحریر کئے ہیں۔

تیسری جغرافیہ کی کتاب قانون المسعودی تھی جس کا فاضل مصنف مشہور سنسکرت دان البیرونی ہوا ہے جس نے شہزادہ مسعود کے نام جو خاندان غزنی کا تیسرا حکمران تھا یہ کتاب تصنیف کی تھی چوتھی کتاب عجائبات فطرت و فنون اسی فاضل مصنف البیرونی کی تصنیف سے درس میں داخل

جغرافیہ اور تاریخ جو مسلمانوں کے ایجاد کردہ نہ سہی ایجاد کردہ علوم کے برابر ہیں۔ اور جن کی اشرفیت اور فضیلت تمام علوم سے زیادہ تسلیم کی گئی۔ اور علمائے کبار کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ وہ جغرافیہ اور تاریخ میں زبردست قابلیت پیدا کریں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہندوستان سدا سے ان علوم کی طرف سے بدنصیب رہا ہے۔ چنانچہ جب سر تھامس رو جہانگیر کے دربار میں آیا تو بقول (ویلر) اس نے دنیا کا ایک جغرافیائی نقشہ پیش کیا۔ دربار میں اس نقشہ کی ذرا بھی وقعت

تھی۔ جس سے سیاحوں اور تاجروں کو بہت مدد پہنچتی تھی۔ اور دنیا کا حال آئینہ کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

پانچویں کتاب نزہت الابصار درس میں تھی۔ جسے بارہویں صدی کے آغاز میں الشریف سہیلی نے بڑی جانفشانی اور لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد تصنیف کی تھی۔ اور پھر اس کتاب کو راجر شاہ سہیلی کے نام پر کردیا تھا۔ جس کا فوراً لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی تحقیق و تفحص سے فائدہ اٹھایا۔ چھٹی کتاب شریف ادریسی مشہور و معروف جغرافیہ دان کی تھی۔ ۱۶۱۱ء میں اس کتاب کی اشاعت تمام یورپ میں ہوگئی تھی اور ہر زبان میں اس بیش قیمت کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔ ادریسی نے زمین کو حصوں اور طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور نہایت ہی قیمتی اصلاحیں جہاں دی ہیں انگریزی مصنفوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ادریسی نے بیٹولیمی کی پوری تتبع کی ہے۔ مگر ہر بات کے بات ہم آہنگی کرنا کچھ منافی علم و تحقیق نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں موقع ہوا ہے وہاں اس نے مخالفت بھی کی ہے۔ اور یہی ہر فاضل کی شان ہونی چاہیئے کہ سچ کی تائید اور جھوٹ سے مخالفت کرے۔

ساتویں کتاب سب سے زیادہ نامور ابوالفدا جغرافیہ دان کی بھی درس میں شامل تھی۔ پس یہی چند جغرافیہ کی کتابیں تھیں جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں عموماً پڑھائی جاتی تھیں گو عام طلباء ان کتابوں سے نفرت کرتے تھے اور ان قیمتی علوم کو فضول جانتے تھے۔ یوں ہم مسلمانوں کی صدہا کتابیں صرف علم جغرافیہ میں موجود ہیں۔ مگر یہاں صرف ان ہی کتابوں کا تذکرہ

...ہیں ہوئی اداس سے کہہ دیا گیا کہ ہندوستان میں یہ باتیں فضول گنی جاتی ہیں اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان ہمیشہ سے ان قیمتی علوم سے بد نصیب رہے ہیں۔ مگر یہ بات تعجب سے دیکھی جاتی ہے کہ ہندوستان میں (شاید اور کہیں بھی ہو) شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں ان علوم کی قیمتی کتابیں درس تدریس میں داخل تھیں اور اس والا شان خاندان کا بچہ بچہ ان مذکورہ بالا علوم کا سرپرست سمجھنا چاہیئے۔

مولانا شہید جنہیں اول دن سے تعلیم دی گئی تھی سب سے زیادہ تاریخ سے دلچسپی رکھتے تھے اور چونکہ بغیر جغرافیہ جانے تاریخ فضول ہے۔ اس لیئے پیارے شہید نے علم جغرافیہ کے حاصل کرنے میں بھی سعی بلیغ کی اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارا واجب الاحترام شہید جغرافیہ میں کسی طرح قاصر نہ تھا۔

اس کے بعد یا اس تحصیل سے پہلے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، مولانا صاحب نے منطق کی کتابیں پڑھیں کیونکہ اصول فقہ کے لیئے منطق پڑھنا ضرور ہے۔

بظاہر یہ تعلیم اس آئندہ ارادہ کو جو پیارے شہید کے دماغ میں مثل بجلی کے کوند رہا تھا کچھ سہارا دینے والی نہ تھی پھر بھی یہ ضرور تھا کہ آئندہ اہم معاملات کو سلجھانا اور نئے نئے الجھیڑوں میں سے موشگافیاں کرنا قسمت ہو چکی تھیں۔ اس لیئے لازمی تھا کہ آپ کتب معقول کی تعلیم پا کے ان پر عبور حاصل کرتے۔

...یا گیا۔ جو مولانا شہید کو پڑھائی گئی تھیں۔ اور ان کتابوں میں سے بعض بعض کتابیں قلعہ کے کتب خانہ ...سے بوقت ضرورت منگائی جاتی تھی۔ ملانے چوں کہ ان روشن علوم کے ہمیشہ سے دشمن رہے ہیں۔ ...اس لیئے انہوں نے غریب مسلمانوں میں سے ان ضروری اور شریف علوم کو ایسا مٹایا کہ اب بڑے سے بڑا لکھا پڑھا آدمی بھی ان کتابوں کا نام تک نہیں جانتا۔

القصہ مولانا شہید نے اس زمانہ بے ترتیبی میں اس عمدگی اور باقاعدگی سے
تعلیم پائی اور اسے پانی کر لیا جو آئندہ آپ کے اور آپ کی جماعت کے کام آیا
اور جس مبارک تعلیم نے اب تک اپنا شیریں اور مقدس اثر لاکھوں بندگانِ خدا
پر ڈال رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ مولانا شہید نے کبھی کسی علم کے سیکھنے میں
اور طلبار کی طرح سے محنت نہ کی بلکہ جو کچھ استاد کے آگے پڑھا اسے پھر الٹ کے
گھر میں نہیں دیکھا اس ذہین اور ہونہار اور تیز طبیعت پر بے اختیار تعریف کرنے کو
جی چاہتا ہے۔ ایسے طباع طلبار کئی صدی کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو معمولی
تعلیم آسمان فضل پر پہنچا دیتی ہے۔ ارسطو جیسا فاضل حکیم جب پڑھنے بیٹھتا تھا
تو ایک لوہے کا گولہ ہاتھ میں رکھ لیتا تھا۔ اور پلنگ کے نیچے جست کا طاش رکھ لیتا
تھا کہ جہاں نیند آئی اور وہ گولا ہاتھ سے چھٹکے طاش میں گر پڑا اس کی آواز سے فوراً
ارسطو بیدار ہو جاتا تھا۔ اور پھر اپنا سبق یاد کرنے لگتا تھا۔ بعض شب اسے پوری
محنت کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ اور مہینوں ہوش نہ رہتا تھا۔ کہ دن اور رات
کہاں گزرتی ہے اس کے مقابلہ میں مولانا شہید کی بے پروائی یاد کرنے کی ایسی
حیرت انگیز ہے۔ کہ جس کے قوانین فطرت کا مطالعہ نہیں کیا وہ یکایک ان
باتوں کو باور نہیں کر سکتا۔ مگر جو کچھ پریوں کے علم اور بناوٹ سے آگاہی رکھتا
ہے وہ خوب جانتا ہے کہ روزِ ازل ہی میں خاص خاص صفتیں خاص خاص نفوس میں
ودیعت کی گئی ہیں۔ کروڑوں مر گئے اور روزمرہ مرے چلے جاتے ہیں۔ لیکن
ہر قوم میں جو ممتاز لوگ ہو گئے ان کا ثانی صدی میں بھی مشکل سے دیکھنے میں آیا مثلاً
اسلام میں چار امام اور بڑے بڑے مفسر گزر گئے مگر فطرت نے ان کے

گزرنے کے بعد کسی کو یہ شان علمی نہیں بخشی نہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ جیسا کوئی پیدا ہوا نہ امام شافعی اور امام مالک و حنبل کا ثانی دیکھنے میں آیا۔ نہ حضرت امام بخاری جامع احادیث نبویہ جیسا حامی دین متین پھر زمانہ کو دوسرا پیدا کرنا نصیب ہوا اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا ویسا ہی پیدا ہو تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی سی مقبولیت نصیب نہ ہوئی یہ کچھ ضروری نہیں کہ قوم اسلام ہی میں یہ بات ہو نہیں بلکہ یورپ میں جو دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہی کیفیت ہے پہلے سیکسپئر ہی کو لو جو ڈراما کی نظم کا بجائے خود ایک موجد ہے جوں جوں صدیاں گزرتی گئیں اس کی ڈرامیٹک نظم کو مقبولیت ہوتی گئی اور آخر ایسے زمانہ میں جب ترقی کا تنت ہے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس قسم کی نظم نہیں لکھ سکتا۔ نہ ملٹن کی سی لاس آف پیریڈائز کسی کو آب تک لکھنی نصیب ہوئی اہل ہنود میں آج تک کالی داس جیسا شاعر اور بیاس جیسا جامع وید کوئی پیدا ہوا نہ آئندہ پیدا ہونے کی امید ہے۔

گو ہر صدی میں ہر قوم میں بڑے بڑے طباع اور ذہین پیدا ہوئے ہیں مگر مقبولیت ایک دوسری چیز ہے جسے مولا بنائے وہی مقبول امام بنتا ہے۔ حالانکہ یہ ہم مانتے ہیں۔

نکوئے گر رود زیں بحر نیکو تر شود پیدا چو گیرد قطرہ راہ عدم گوہر شود پیدا

یہ صحیح ہے خدا تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے "ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"، یہ خدا ہی کی ودیعت تھی جو مولانا شہید کو عطا ہوئی تھی اور اس بخشش کے لائق بھی وہی برتر ذات مولانا شہید کی تھی۔

جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہم نے مولانا شہید کی تعلیم کی نسبت لکھدیا۔ اس کے بعد میں صرف یہ لکھ کر اس بات کو ختم کرتا ہوں کہ جو کچھ مولانا شہید نے حاصل کیا وہ چودہ یا پندرہ برس کی عمر تک بعدازاں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔ کچھ مولانا شہید ہی پر چودہ پندرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونا موقوف نہ تھا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور آپ کے والد ماجد بھی پندرہ ہی برس کی عمر میں تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ سے فارغ ہو گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ محمد اسحاق صاحب غرض اس واجب الاحترام خاندان کے کل ممبر پندرہ یا چودہ ہی برس کی عمر میں پڑھ پڑھا کے فارغ ہو گئے تھے۔ اس خاندان پر کیا مقرر ہے جتنے اسلام کے ارکان گزر گئے انہوں نے اتنی ہی عمر میں تحصیل علم سے فراغت پائی تھی۔

صرف ان ہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ ہر علم کی جتنی کتابیں درس میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہاں مقرر تھیں وہ سب مولانا شہید کو ازبر ہو گئی تھیں اور آپ کی فرصت اور خوشی پر موقوف تھا کہ آپ اور بھی غیر معمولی کتابیں مطالعہ کرتے رہیں۔

دوسرا باب

مولانا شہید کی ورزشیں

ہندی اسلامی سلطنت کی ملکی اور مذہبی قوت کے ضعف نے سپاہیانہ فنون کو بھی مسلمانوں میں کمزور کر دیا تھا۔ روزمرہ کی خونخوار جنگوں سے امن مل گئی تھی اور اب اسلامی تلوار مضبوطی سے میان میں دی گئی تھی اور پھر یہ عہد و پیمان تلوار اور میان میں ہو گیا تھا۔ کہ باہم کبھی مفارقت نہ ہو گی۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں جب ہمارے قاطع بدعت کا ظہور ہوا مسلمانوں کے اولوالعزم ارادے مع ان کے اسلامی جوش و خروش کے خیرباد ہو گئے تھے اور ان میں صرف عیش پرستی اور سستی رہ گئی تھی۔ گھوڑے پر چڑھنا نیزہ بازی کرنا اور تلوار سے نیبو کا کاٹنا بنیٹیں اکھیڑنا۔ گولی چلانا۔ شیروں کے شکار کھیلنا۔ غرض اسی قسم کے سپاہیانہ کھیل جو سابق کے مسلمانوں کا روزمرہ یا زیور تھے۔ کبھی کے رفوچکر ہو گئے تھے اور ان کی جگہ تکیوں میں بھنگ گھوٹنے کے ڈنڈوں سے شب و روز سروکار تھا بایں ہمہ پھر بھی مغلیہ سلطنت کا اثر کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی طبائع میں باقی تھا اور ان کے جوش کی ٹھنڈی راکھ میں کبھی نہ کبھی پہلی چنگاری اپنی چمک دے جاتی تھی۔

دہلی میں ہر محلہ میں ایک نہ ایک اکھاڑا موجود تھا جہاں علاوہ معمولی لڑنت کے

پٹے بازی بنوٹ وغیرہ کی بھی مشق ہوتی تھی۔ مگر یہ نظارہ سخت تعجب خیز ہوگا کہ مسلمان شرفاء ان ورزشوں سے نفرت کرنے جاتے تھے اور انکی طبائع ان ورزشوں سے جو انسانی زندگی کیلئے درحقیقت قیمتی ہیں ہٹتی جاتی تھیں اور یہ تمام سپاہیانہ فنون زیادہ تر نیچ قوم میں محدود ہوتے تھے اس کی وجہ امراء اور شہزادوں کی آرام طلبی تھی ورنہ اور کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ مولٰینا شہید جب اپنی کتابی تحصیل سے فارغ ہوئے تو اب آپ کو پبلک لائف کے میدان میں پہلے قدم رکھنے کا موقع ہوا تو اپنے ارادوں کی تکمیل اور اپنے ربانی فرائض کی انجام دہی کے لئے پہلے ضرورت سپاہیانہ فنون میں تکمیل پیدا کرنے کے لاحق ہوئی مولانا شہید کی معاشرت گو مولویانہ طرز کی تھی پھر بھی آپ کی تیز تیز نظریں اس بے نظیر جرأت اور بے مثال دلیری کی طرف بلند ہو رہی تھیں جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کو خاص ودیعت ہوئی تھی۔ اور جس سے مسلمان ہمیشہ نام آور اور نیک نام ہوتے چلے آئے ہیں۔ آپ کی پیدائش گو مولویانہ گروہ میں ہوئی تھی لیکن آپ میں خالد جیسے بے دھڑک شجاع کی روح اور موسیٰ فاتح اندلس جیسے بے خطر دلیر کی طبیعت اور طارق جیسے عظیم الشان جنرل کا اولوالعزم ارادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

ایسی نڈر طبیعت بے دھڑک دلیری اور بے خوف شجاعت نے فطری طور پر مولانا شہید کو ابھارا کہ وہ مولویت کے امن پسند اور سیدھے سادھے دائرہ سے اپنے آپ کو نکالیں اور دنیا کے بڑے جنرلوں اور لڑاکوں میں شمار ہوں۔ مولانا کسی امیر اور شہزادہ کی صحبت زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ گو اپنے خیال میں امراء اور شہزادے اپنی زندگی پر یشان اور فوق البھڑک سمجھتے تھے۔ لیکن مولٰینا ایسی

حالت کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری پڑھی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد تھا کہ میں کسریٰ اور قیصر کی سلطنت ایک ادنیٰ مسلمان کی خون کی بوند سے کم قیمت سمجھتا ہوں اپنے لاثانی اور فاتحان ممالک پیشواؤں کے حالات نے مولانا شہید کو ان کے ارادوں میں اور بھی زیادہ مضبوط اور اس دشوار گزار راہ میں جس کو وہ طے کرنا چاہتے تھے زیادہ استوار بنا دیا۔

پہلے مولانا شہید نے گھوڑے کی سواری میاں رحیم بخش چابک سوار سے سیکھی اور گھوڑے کی سواری میں اتنی مشق بڑھالی کہ چاہے کیسا چلبلا اور منہ زور گھوڑا ہو پھر بھی بے زین ورکاب اس پر سوار ہو کر دوڑا سکتے تھے گو آپ دبلے پتلے اور متوسط قد تھے لیکن بلند سے بلند گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہی بے رکیب بآسانی چڑھ جانا اور پھر اتر آنا یہ ایک معمولی بات ہوگئی تھی۔ رحیم بخش کہا کرتا تھا کہ میں نے اتنی عمر میں اتنا کمال گھوڑے کی سواری کا حاصل نہیں کیا اور مولانا تم نے چٹکیوں میں تمام ترکیبیں اڑا لیں۔ یہ بات قابل نوٹ ہے۔ کہ مولانا چالیس چالیس میل کا چکر گھوڑے پر مار آتے تھے اور ذرا بھی تکان غالب نہ ہوتی تھی۔

ا؎ رحیم بخش ایک سن رسیدہ شخص تھا لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی ہے تو اس کا باپ الٰہی بخش لارڈ موصوف کے گارڈ میں تھا۔ رحیم بخش پہلے بدعتی اور گور پرست تھا لیکن بعد ازاں مولینا شہید کے طفیل سے سچا محمدی ہو کر مولینا صاحب موصوف کے ساتھ پشاور کے گرد و نواح میں ایک خونخوار میدان میں سکھوں سے لڑ کر شہید ہوا اس کی عمر سو کے پیٹے میں تھی۔ لیکن نوجوان کی سی اولوالعزم طبیعت رکھتا تھا۔

جب گھوڑے کی سواری بخوبی آگئی تو آپ نے پٹے بازی مرزا رحمۃ اللہ بیگ[1] سے سیکھی چند روز میں پٹے بازی میں بھی کمال حاصل کر لیا پھر بنوٹ میں کمال حاصل کیا اس کے علاوہ جتنے مشرقی فنون اس وقت رائج تھے مولینا موصوف نے سب میں اس قدر درک پیدا کر لیا۔ کہ اگر ضرورت ہو تو ان قیمتی ہنروں کو کام میں لا سکیں آپ کے والد اور چچا یہ دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے اور انہیں تعجب ہوتا تھا کہ ہمارے کنبہ کا بچہ سپاہیانہ روح کا پیدا ہوا ہے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ہونہار بچہ آئندہ کیا کرے گا۔ اور اس کے پر زور بازوؤں سے کتنے کتنے دشوار گزار کام حل ہوں گے نہ مولانا خود واقف تھے کہ میرے ہی بازوؤں میں زور چھپا ہوا ہے ایک پوشیدہ قوت تھی کہ وہ طبیعت کو گدگدا رہی تھی۔ اور دل از خود شجاعانہ کاموں کی طرف جا رہا تھا۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب جن کی مذہبی پولیسی دہلی اور ہندوستان پر عجیب وغریب اثر ڈال رہی تھی اپنے بھتیجے اسمٰعیل کی ان حرکات پر جو مولویانہ معاشرت سے بعید تھیں سخت تعجب کرتے تھے گو آپ نگاہ نفرت سے نہ دیکھتے تھے۔ نہ کبھی ارشاداً آپ نے منع فرمایا پھر بھی آپ اور تمام کنبہ کی

---

[1] مرزا رحمت اللہ بیگ تقریباً کل شہزادوں کا استاد تھا۔ اور اپنے ہنر میں اپنا ثانی آپ ہی تھا اس کی تنخواہیں شہزادوں کے ہاں سے مقرر تھیں اور بڑے بڑے رئیس زادے اس کی خوشامد کرتے تھے مولینا صاحب نے اس سے درخواست کی کہ میں بھی کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اس نے مسکرا کے کہا کہ آپ مجھے کیا دیں گے آپ نے فرمایا نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرا سینہ منور کر دوں گا۔ گو یہ ایک معمولی جواب و سوال تھا لیکن مرزا اتنا خوش ہوا کہ اس نے وہ داؤں پیچ بھی جو وہ کسی کو نہ بتاتا تھا مولانا شہید کو چند روز میں بتا دئے۔ ۱۲

متعجبانہ نظریں مولانا کے ان قیمتی اعمال پر پڑتی تھیں جو آئندہ حصہ زندگی میں نہایت ہی ضروری ثابت ہو گئے۔

مولانا نے مہینوں اکھاڑے میں جو اپنے ہی مکان کے پاس متصل چتلی قبر اور حویلی اعظم خان بنایا تھا لڑنت کی ہے۔ ایک دن آپ لڑنت کر رہے تھے کہ دو شہزادے جو مرزا رحمۃ اللہ بیگ کے شاگرد تھے آ گئے۔ گو انہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کا بڑا ادب تھا پھر بھی مولانا کی صورت دیکھ کر وہ مسکرائے ان کا مسکرانا حقارت انگیز تھا اور وہ یہ سمجھ کے ہنستے تھے کہ مولویوں کو ان سپاہیانہ فنون سے کیا علاقہ۔

مولانا نے ان کی حقارت آمیز ہنسی کو تاڑ لیا اور جب آپ لڑنت کر چکے تو شہزادوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا میں ان کی اولاد میں سے ہوں جنہوں نے ایسی ہی حالت سے دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت کی اور اسلامی سلطنتیں قائم کر دیں اور آپ ان کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے اپنی آرام طلب فطرت کے صدقہ میں اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہزادے نہ تھے پانچ لاکھ عرب جو آپ کی ماتحتی میں کسریٰ و قیصر کی سلطنت میں کام کر رہے تھے لال قلعہ کے رہنے والے اور شہزادے نہ تھے جو کچھ انہوں نے کام کیا وہ بھی زمانہ کی پیشانی پر لکھا ہے اور جو کچھ آپ کے بزرگوں کی آرام طلب روح نے کیا وہ بھی زمانہ نہیں بھولا ہے صاحب عالم کوئی ہنر اور علم کسی کا خاص حصہ نہیں ہے اللہ اُسی کو اپنی ودیعت سونپتا ہے جو اُس کے قابل ہوتا ہے۔

مولانا صاحب کی یہ دھیمی اور سنجیدہ وزنی تقریر دونوں شہزادوں کے دل میں گھر کر گئی اور وہ اپنی بیہودہ ہنسی پر نہایت ہی پشیمان ہوئے اور انہوں نے مولانا صاحب سے معافی مانگی۔ اس پر بھی مولانا صاحب نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے بڑے انکار کے بعد وہ راضی ہوئے ان شہزادوں کی مشقیں بہ نسبت مولانا کے زیادہ پرانی تھیں لیکن دو تین ہی ہاتھوں میں انہیں معلوم ہو گیا کہ جس ملّا زادہ پر ہم ہنستے تھے وہ سپاہیانہ فنون میں ہم سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے مولانا کی ذہین طبیعت جیسی علم کی طرف راہنما تھی ایسے ہی فنون کی طرف بھی مددگارانہ رہبری کرتی تھی۔ گولی لگانے میں مولانا نے اتنی مشق بڑھائی تھی کہ درخت پر سے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو گولی سے گرا دیا کرتے تھے۔

ایک دن شکار میں مولانا نے فخراً بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ نکل جائے۔ ایک ساتھی نے ہنس کے کہا اگر اس کی موت ہی نہ ہو تو آپ کیونکر اُسے مار سکتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا جب اس کی موت نہ ہو گی تو میرے سامنے آنے ہی کا نہیں۔ یہ برجستہ جوابی اکثر موقع پر سامعین کو حیرت و استعجاب میں ڈالتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ (جب پانچ برس کی عمر تھی) اپنے ملازم کی گود میں جا رہے تھے کبھی اس کی انگلی پکڑ کر چلتے اور کبھی وہ گود میں لے لیتا۔ غالباً باغ تھا یا کوئی سبزہ زار تھا۔ کہ ایک شخص پانچ چھ کتے لئے ہوئے نکلا۔ یہ کتے والا شخص مسلمان تھا اور اکثر کتوں کا شائق تھا اس کے قریب آ کے مولانا کے ملازم سے دریافت کیا کہ یہ کس کے صاحبزادے ہیں دریافت کرنے کے بعد وہ باتیں کرنے لگا۔ پھر مولانا نے اس سے اپنی بھولی بھالی

بولی ہیں کہ تم نے کتے کیوں پال رکھے ہیں مسلمان کتے نہیں پالتے۔ اس نے کہا میاں کچھ برا ہے، مولانا نے کہا رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں کتے پلے ہوئے ہیں۔ اُس نے سکرا کے جواب دیا میں نے اسی لئے کتے پالے ہیں کہ فرشتے نہ آویں۔ کیونکہ جب فرشتوں کی آمد و رفت بند ہو جائیگی تو پھر مجھے اپنی موت کا خوف نہ رہے گا۔ مولانا نے جواب دیا کہ جو فرشتے تیرے کتوں کی روح قبض کرنے آئیں گے وہ تیری بھی قبض کریں گے۔ غرض تو فرشتوں کی دست برد سے نہیں بچ سکتا یہ سن کر وہ شخص از حد خوش ہوا اور مولینا کی خدا داد ذکاوت کی از حد تعریف کی۔

جب مولینا کل ضروری سپاہیانہ فنون کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے تیرنا سیکھا ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں طلبا کو سبق بھی برابر دیا جاتا تھا۔ وقت معینہ پر جب طلبا جمع ہو جاتے تھے تو کنارہ پر آ کے سبق پڑھا دیا کرتے تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب تین برس اور بعض اقوال کے بموجب چار برس کامل مولینا پانی میں رہے ہیں۔

اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا۔ ہمارا مورخ ہمیں رپورٹ کرتا ہے کہ مولینا دریائے جمن کی راہ سے آگرہ اور آگرہ سے دہلی کئی بار آئے اور خدا نے ہمیشہ آبی خوفناک جانوروں سے پناہ دی۔ آپ کو ہرگز یہ عادت نہ تھی کہ آپ اپنا کمال کسی کو دکھائیں اور واہ واہ کے محتاج ہوں یا کسی کی خواہش ہو بلکہ جن غرضوں سے فنون حاصل کئے جاتے تھے وہ

ابھی دل ہی میں مضمر تھے اور کسی پر بھی اس کا ظہور نہ ہوا تھا اس پر بھی کئی نامی پیراکوں نے مولیناؒ سے تیرنے میں بحث کی لیکن وہ برسر نہ آسکے۔

یہ لکھنا اور بھی تعجب انگیز ہوگا کہ مولینا اپنا شب کا کھانا بھی دریائے جمن کے کنارہ پر کھایا کرتے تھے اس عرصہ میں آندھیاں بھی آئیں تند و تیز ہوائیں بھی چلیں۔ مینہ بھی برسا۔ کڑکتا جاڑا بھی پڑا۔ جھاڈوں نے بھی اپنا زور پورا دکھایا۔ دریا بھی خوب چڑھا لیکن ان تمام فطرتی قوتوں نے مولینا کے عالی ہمم ارادوں اور اولعزمانہ عزم بالجزم میں ذرا بھی خامی پیدا نہیں کی۔

مولینا کی عمر تقریباً ۱۲ برس کی ہوگی کہ تمام ضروری فنون جنگی آپ کو بخوبی آگئے تھے۔ اور آپ جنگ کے وقت ہر فن کو عمل میں لا سکتے تھے۔ گو جنگ کا تجربہ مطلق نہ تھا۔ لیکن وہ مادہ بخوبی موجود تھا۔ جو تجربہ حاصل کرنیکا کافی معاون بن سکتا۔ جنگ کے اتار چڑھاؤ اور جنگ کے داؤں پیچ اس میں شک نہیں بغیر مدت کے تجربہ کے نہیں آسکتے۔ لیکن یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ مولینا

ؒ دہلی میں اس زمانہ میں بڑے بڑے تیراک تھے۔ جو اپنے کمال کو جہاں سے افضل خاص اس فن تیراکی میں سمجھتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ ایک بھٹیارہ کی شہرت تھی جس کو شیخ سدو کہتے تھے اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ گو اس کا اصلی نام کچھ اور تھا۔ جس کا ہمیں پتہ نہیں لگا ہے لیکن وہ مشہور شیخ سدو کے نام سے تھا۔ اس نے تیراکی میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ آلتی پالتی مار کے پانی کی سطح پر بیٹھ جاتا ایک زانو پر اپنا وزنی حقہ رکھ لیتا اور دوسرے زانو پر اپنے کسی بچے کو بٹھا لیا کرتا اور اس ہیبت کذائی سے دریا میں تیرتا ہوا چلا جاتا۔ واقعی یہ بات بہت مشکل تھی اس لئے اس کی تعریف ہوتی تھی۔ اور دور دور کے تیراک شیخ سدو کی نہر کی بانگی دیکھنے کے لئے شہروں سے آتے تھے۔ اس نے ایک دن مولینا سے کہا ابھی آپ نے کچھ بھی تیراکی میں حاصل نہیں کیا ہے آپ فخر نہ کریں گے مجھے کچھ آتا ہے۔ مولینا نے جواب دیا نہ میں تیراکی کی روٹی کھاتا ہوں نہ تماشا دکھاتا ہوں اس نے پھر

نے اپنے کو اس قابل بنالیا تھا کہ اگر اول ہی اول جنگ کا موقع ہو تو کوئی جنگ جو مولٰنا کو فنون جنگ سے محض نابلد نہ سمجھے گا۔

جب مولٰنا نے تیراکی بھی سیکھ لی تو اب چند باتیں اور بھی باقی رہ گئی تھیں جن کو مولانا حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان باتوں میں کسی کی استادی اور تعلیم کی بھی ضرورت نہ تھی یعنی پاپیادہ دوڑنا اور ایک سانس آٹھ آٹھ دس دس میل چلے جانا۔ پہلے مولٰنا نے پاپیادہ دوڑنا شروع کیا۔ چونکہ آپ متقی اور مجرد تھے اور آپ کی روحانی قوت جسمانی قوت سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ ہمیشہ اپنی بساط سے زیادہ دشوار کام کرتے لیکن تکان غالب نہ ہوتی۔

چند مہینوں کی محنت اور مشق سے مولٰنا نے دوڑنے میں یہ طاقت پیدا کرلی کہ ایک سانس دس دس گیارہ گیارہ میل چلے جائیں اور تکان غالب نہ ہو۔

اس کے بعد ایک دوسری مشق مولٰنا نے اور بڑھائی یعنی جھلستی ہوئی دھوپ اور تپتی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ برہنہ پا چلیں پہلے پہل تو آپ کے

سوال کیا آخر آپ کو اتنی محنت سے حاصل کیا ہوا آپ نے جواب دیا حاصل کچھ بھی نہیں صرف اتنا ہوا ہے کہ میں زبردست سے زبردست مخالفت سے پانی میں مغلوب نہیں ہو سکتا یہ سن کر وہ ہنسا اور اس نے آپ کے حاصل جواب کو حقارت سے ٹالنا چاہا ہے کہ شب کو دونوں کی بحث ٹھہری کیوں کہ مولٰنا دن کو اس کے ساتھ آپ بازی کر کے عوام الناس کو تماشا دکھانا نہ چاہتے تھے، شب کو مقابلہ ہوا تو مولٰنا نے اس کو آگے رکھ لیا اور اس قدر غوطے دئے کہ وہ بول اٹھا یہاں تک کہ اس کی تاب د تواں نے جواب دے دیا اور آخر مولٰنا نے اس خیال سے کہ مر نہ جائے۔ اسے ادھ موا کنارہ پر اٹھا کے ڈال دیا۔ مولٰنا میں بڑا ہنر تیراکی کا یہ تھا کہ آپ پچیس پچیس بانس پانی میں رہا کرتے تھے اور سانس نہ چڑھتا تھا۔

تلوؤں میں پھپھولے پڑ گئے۔ لیکن بعد ازاں ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ آپ جامع مسجد کے سُرخ پتھر کے فرش پر (صحن میں) گھنٹوں آہستہ آہستہ گرمیوں میں ٹہلتے تھے اور ذرا بھی جلتی ہوئی زمین اور جان و تن کے جھلسا دینے والے روشن آفتاب کی آتش خیز کرنوں سے مضرت نہ پہنچتی تھی مولینا کی یہ غیر معمولی حالت دیکھ کے کوئی آپ کو مجنون کہتا تھا اور کوئی کہتا تھا کہ کسی نے کوئی وظیفہ بتایا ہے۔ وہ آپ پڑھتے ہیں لیکن دراصل ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی اور کوئی شخص اس غیر معمولی سختی کی برداشت کرنے کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ہمیں اس بات کی اطلاع ملی ہے کہ مولانا دن بھر دھوپ میں ٹہلا کرتے تھے اور درد سر بھی آپ کو نہ ہوتا تھا۔ ایک شخص نے آپ سے ایک دن دریافت کیا کہ آپ اپنی جان پر اتنی مصیبت کیوں توڑتے ہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں یہ حکم ہے اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہاں تک ان کی وسعت ہو۔ آپنے فرمایا میں اپنے نفس پر اسی قدر بوجھ ڈالتا ہوں جتنا وہ برداشت کرسکتا ہے پھر اس نے یہ جاہلانہ اور ناواقفیت کا سوال کیا آخر اس قدر سختی اٹھانے اور اپنی جان شیریں ہلاکت میں ڈالنے سے کیا نتیجہ ہے آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں انسانی قوتوں کا جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی ہیں، نظری قوتوں سے مقابلہ کر کے اندازہ کرتا ہوں آیا انسان بحیثیت اپنی اشرفیت سے سب پر غالب آسکتا ہے تو میں نے اس کا تجربہ کرلیا کہ ہاں انسان اگر چاہے تو اسے خاک، باد، آب، آتش۔ مضرت نہیں پہونچا سکتی، مولانا کا یہ جواب ایسا حکیمانہ تھا۔ جس سے فطرت اللہ کا اصلی منشا ظاہر ہوتا تھا اور یہ کھلتا تھا کہ آپ نے انسانی قوتوں کے اندازہ کرنے کا کیا سہل اور

اور آسان رستہ نکالا تھا۔

جب اس میں بھی آپ کو پورا ملکہ ہوگیا تو اب آپ نے بھوکا اور پیاسا رہنا شروع کیا لیکن اس بھوکے پیاسے رہنے میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کچھ فرق نہ آتا تھا اور کسی طرح آپ سست نہ ہوتے شدہ شدہ آپ نے اتنی مشق بڑھائی کہ اگر تین چار روز تک کھانے کو نہ ملے تو آپ بے تاب و تواں ہو کے بیکار نہ ہو جائیں۔ یہ معتبر ذریعہ سے سنا گیا ہے کہ آپ تین دن کامل گرمیوں کے دنوں میں بے پانی رہ سکتے تھے اور کسی قسم کی افسردگی واقع نہ ہوتی تھی۔ گو لب خشک ہو جاتے تھے اور حلق سوکھ جاتا تھا۔ مگر اس پر بھی اپنی معمولی کڑاکے کی آواز میں وعظ کہنے سے نہ رکتے تھے اور اسی طرح محنت کرتے تھے۔

کڑکتے جاڑوں میں آپ نے اپنے کو برہنہ رہنے کا اکثر عادی بنایا تھا۔ لوگ جاڑے میں لحافوں میں گھسے پڑے رہتے اور آپ اکہرے کپڑوں سے اپنے مکان کی چھت پر ٹہلتے رہتے تھے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بغیر مدتوں کی مشق کے آپ میں جاڑے میں برہنہ پھرنے کی قدرت ہوگئی تھی نہیں ہر مشق بتدریج بڑھائی تھی اور یہ ثابت کرکے دکھا دیا تھا کہ انسان فطرت کی ہر قوت پر غالب آسکتا ہے

کم سونے میں بھی مولینا نے کمال حاصل کیا تھا اور ہمارے سوانح کا نظر تعجب سے سیننگا کہ مولانا آٹھ آٹھ دس دس دن تک نہ سوتے تھے اور آپ نے آخر میں اتنی قوت بڑھالی تھی کہ جب چاہیں سو رہیں اور جب چاہیں جاگ اٹھیں اور ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک منٹ کا بھی عرصہ نہ ہوتا تھا مثلاً ابھی پورے دس بجے ہیں اور سوئی پورے دس پہ پہنچ گئی اور مولانا سونا چاہتے ہیں تو نصف

منٹ آپ کو نیند کے رستہ دیکھتے ہیں نہ لگے گا۔ یا آپ شب کے دو بجے جاگنا
چاہتے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ دو پر نصف منٹ زیادہ گزر جائے یا دو میں نصف منٹ
کم رہے جب آنکھ کھل جائے جب مشق پوری بڑھ گئی تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے
ارادہ میں مولانا فیل ہوئے ہوں۔

جب یہ تمام قوتیں کم وبیش مولٰنا کے قبضہ میں آگئیں تو آپ نے زیادہ
دیر وعظ کہنے کی عادت بڑھائی اور ہمیں معلوم ہوا ہے (بشرطیکہ وہ صحیح ہو) کہ بعض
اوقات مولٰنا کو سید احمد صاحب کی ہمراہی میں ایک ہی دن میں تین تین چار چار بار وعظ
کہنے کا دو دو تین تین گھنٹے اتفاق ہوتا تھا لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ کی آواز
بیٹھ گئی ہو یا وعظ کہنے میں پانی پینے کی ضرورت ہوتی ہو۔

غرض تمام ضروری ورزشیں جو آئندہ ارادوں میں جان ڈالنے والی تھیں مولٰنا
نے چند سال میں ان میں کمال پیدا کر لیا اور اب آپ چاق چوبند ہو گئے اور اپنے
فرائض کی انجام دہی میں پہلا قدم رکھنے کا قصد ظاہر فرمایا۔

مولانا خوب جانتے تھے کہ روحانی قوت کا اُبھار اور اس کی پائیداری جسمانی
قوت باقی رہنے سے منصور ہے اسی سے کل مذہبوں میں اسلام کو فخر ہے کہ اس
نے جسمانی قوت کے ساتھ روحانی قوت کے بڑھانے کی ہدایت کی ہے اور دین
کے ساتھ دنیا کا پاس و لحاظ رکھنے کے لئے بھی فرمایا ہے۔

تیسرا باب (۳)

مولینا شہید کا پہلا وعظ اور عوام الناس کی شورش

رمضان المبارک گذر چکا ہے اور الوداع کا دن ہے ہزاروں مسلمان ہر طبقہ اور گروہ کے الوداع کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہیں بڑے بڑے واعظ اور مولوی بھی اپنے معتقدوں اور مقتدیوں کے ساتھ بیٹھے ہیں حوض پر فوارے چھوڑے جا رہے ہیں اور سودے والے بھی خوانچے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں غرض عجیب لطف آرہا ہے اس شور و غل کو کشمکش کے ساتھ ہی یہ بھی چرچا ہو رہا ہے کہ مولینا اسمٰعیل صاحب وعظ فرمائیں گے عوام الناس کو چنداں اس کا خیال نہیں ہے لیکن لکھے پڑھوں کے گروہ میں ایک تحریک سی پھیل رہی ہے اور ہر شخص یہ کہتا ہے دیکھئے مولانا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

شاہ عبد العزیز صاحب بھی خاموشی سے اس افواہ کو سن رہے ہیں لیکن کچھ نہیں کہتے۔ طلبہ کا جمگھٹا اور ان کی بحثم بحثا عجیب دلچسپی دکھا رہی ہے ہر طالب علم اپنے خیال میں افلاطون اور ارسطو کا قبلہ گاہ بن رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کو ایک بات میں بند کردوں گا۔ مولینا شہید نے گو پہلے یوں کھلم کھلا وعظ نہ فرمایا تھا لیکن ان کے خیالات کی کچھ سن گن لوگوں کے کانوں میں پہنچ گئی تھی اور پہلے اس کے کہ وہ اپنے خیالات پبلک میں ظاہر کریں عام مسلمان خصوصاً مولینا فضل حق صاحب اپنی منطق اور فلسفہ کے نشہ میں سرشار

وضع میں بیٹھے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولینا موصوف کو مولوی اسمٰعیل صاحب جیسے عالم کی کچھ پروا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ رنگ ہے، اور دوسری طرف صوفیوں کا گروہ جلوہ افزا ہے ان میں بھی مولینا شہید کے وعظ کا چرچا ہو رہا ہے۔ ہر صوفی سو پچاس مرید (رنگین کپڑے زیب تن) اپنے ساتھ رکھتا ہے جو اس کے ساتھ اس ادب سے چلتے ہیں جس کی نظیر پہلے اسلامیوں میں بہت کم نظر آتی ہے۔

مولانا شہید صاحب عاجزانہ صورت بنا کے پہلی صف میں خاموش بیٹھے ہیں نہ انہیں کسی کی کانا پھوسی کی پرواہ ہے اور نہ کسی کی گپ شپ کا خیال ہے اور اسی میں آپ مستغرق ہیں نہ کوئی مرید ساتھ ہے نہ مقتدی پیچھے بیٹھا ہوا ہے نہ معتقد ہمراہی میں ہے۔ تنہا ہیں لیکن اپنے ساتھ قہار سلطان کو جس کو یہاں سجدہ کرنے آئے ہیں دل کی پوری عاملانہ قوت سے سمجھتے ہیں یہی آپ کا مایۂ فخر ہے اور یہی آپ کا ایمان اور دین ہے۔

ادھر نماز ہو چکی اور ادھر مولینا شہید دلیرانہ بیچ کے در میں آ کھڑے ہوئے آپ کو دیکھتے ہی غول کے غول آ آ کے جمع ہونے لگے اور ہر طبقہ اور ہر درجہ کے آدمی جن میں طلبہ علماء رئیس وغیرہ سب تھے اور ہر شخص ہمہ تن جوش ہو کے مولینا شہید کا پیارا وعظ سننے کا شائق بن گیا۔

جب کثرت سے لوگ جمع ہو گئے اور مولینا شہید نے اس کثرت سے مسلمانوں کو جمع اور اپنے وعظ کا شائق پایا تو پہلے کڑا کے کی آواز میں پڑھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ

لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اسی کو سلطنت ہے اور اسی کو تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے مولینا شہید نے اس خوش لہجگی اور کڑاکے کی آواز میں کہا کہ سامعین کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب کے دل کانپ گئے اور کثرت سے مسلمان بے اختیاری کی حالت میں اس شدت سے روئے کہ بعض آوازیں رونے کی خاموشی میں بلند ہو گئیں اور خاموشی کی پر امن سلطنت میں رخنہ پڑ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ اسی کڑاکے کی آواز میں پھر پڑھا پھر اسی طرح سامعین کے کلیجے ہل گئے اور اب ہر شخص اور بھی زیادہ وعظ سننے کا شائق دکھائی دینے لگا۔ پھر مولینا صاحب نے یہ فرمایا مسلمانو تم جانتے ہو دنیا میں جس نبی نے وحدت پرستی کا پر زور اعلان دیا وہ ہمارا آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے۔ گو کل نبی خاص وحدت پرستی پھیلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے لیکن سب سے زیادہ ہمارے فخر انبیاء مفخر موجودات ہی کو یہ شرف ملا ہے کہ آپ کا ایسی حالت میں کہ جدھر نظر جاتی تھی سوائے بت

لے ہمیں افسوس ہے کہ ہم شاہ صاحب کا وعظ بلفظہ نقل نہیں کر سکتے اس لئے کہ جو کاغذات منشی ہیرا لال کے لکھے ہوئے ہمیں ملے ہیں وہ علاوہ پارہ پارہ ہونے کے ایسے بدخط لکھے ہوئے ہیں کہ ہم بلفظ نقل کرنے کا فخر حاصل نہیں کر سکے ہاں یہ خوشی کی بات ہے ہم نے مولانا شہید کے خیالات کا اس پریشان تحریر سے اقتباس کر لیا اور اسے اپنی طرز پر ادا کر دیا لیکن ناظر کے اطمینان کے لئے یہ لکھ دینا کافی ہے کہ ہم نے بالکل اپنی عبارت میں مولینا شہید کے نتھرے ہوئے خیالات ادا کر دئے ہیں اور جگہ بجگہ وہ آیتیں اور حدیثیں نقل کر دی ہیں جو وعظ کے پریشان کاغذوں میں ہم نے لکھی دیکھیں۔ ہاں ہم بہ افتخار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبارت ہمیں صحیح و سالم ملی وہ ہم نے بجنسہٖ درج کر دی اس عبارت میں ہم نے احتیاطاً دست برد نہیں کی گو ہمیں اس میں دست اندازی کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے کہ وہ مولینا شہید کے قلم کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ پھر بھی ہم نے اس خیال سے کہ اس عبارت میں بہت سے الفاظ اور

پرستی کے رواج اور بت پرستوں کے زور شور کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور ہر شخص انتہا درجہ بت پرستی میں غلو رکھتا اور ہزاروں کوس خدا پرست کا پتہ بھی نہ تھا۔ مخالفانہ نظریں وہ بھی شدت اور غضب کے ساتھ نبی پر پڑ رہی تھیں اور ایک متنفس بھی خدا پرستی کی تصدیق کرنیوالا نہ تھا۔ اس نفرت انگیز دائرہ بت پرستی میں دلیرانہ یہ فرمانا کہ خدا ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ تمام دیوی اور دیوتا محض نکمے اور بیکار ہیں نہ صرف مسلمانوں ہی کا بلکہ تمام عالم کا حد سے زیادہ مایۂ افتخار ہے۔ کلام اللہ کو اول سے آخر تک دیکھ جاؤ جس قدر توحید پرستی پر زور دیا ہے وہ اور کسی الہامی کتاب میں کم ملے گا۔ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس قدر کھلا ہوا اور روشن ہے کہ ہر مسلمان بشرطیکہ اسلام اور ہادی اسلام سے اسے محبت ہو، بخوبی سمجھ سکتا ہے تمام خدا پرستی کے منازل اور راہیں اس قدر صاف ہیں جتنی ممکن ہو سکتی ہیں نادان سے نادان شخص بھی اس سے اسی قدر مستفیض ہو سکتا ہے جتنا ایک عاقل شخص۔ جس مطلب کو صاف طور پر خداوند تعالیٰ نے اپنا کلام پاک میں بیان فرما دیا ہے۔ اور اس سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ اور بے شک ہم نے تیری طرف کھلی باتیں اتاریں اور منکر ان سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔" یہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ خالق ارض و سما

فقرے مولانا شہید کے ہوں گے بلفظہ درج کر دی ہے گو بعض مقام سے عبارت کی سخت بے ربطی نے ہماری اس خواہش کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ بہر حال مولانا شہید کا پورا اسلامی جوش اس عبارت سے اندازہ کرے گا۔ جن احادیث کو مولانا نے اپنے وعظ میں فرمایا ہے میں نے تلاش کر کے کہ اس کا راوی کون ہے۔ حاشیہ پر ہر حدیث کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

نے ایسی کھلی باتیں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے اتاریں کہ ہر فرد بشر ان سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے ہاں صرف ایسے لوگ منکر ہو سکتے ہیں جو بے حکم ہیں یعنی خدا کے کھلے حکموں کو نہیں مانتے اور اپنے بیجا تمرد اور ناروا سرکشی کے نشہ میں ان روشن احکام سے روگردانی کرتے ہیں۔

یہ خوب سمجھ لو جو کتاب تمہاری ہدایت کے لئے بذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجی گئی وہ ضرور ایسی ہونی چاہیئے جیسے بلا تکلیف تم سمجھ سکو اور اس سے تمہیں بخوبی ہدایت ہو خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (اللہ ایسا ہے جس نے ان میں ایک رسول کھڑا کیا کہ اس کی آیتیں ان پر پڑھ پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے اور بے شک وہ پہلے سے گمراہی صریح میں تھے۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناپاکوں کو پاک کرنے اور جاہلوں کو عالم بنانے اور نادانوں کو عاقل بنانے اور احمقوں کو دانا اور سمجھدار بنانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے ان ان پڑھوں کو عقل کی باتیں سکھائیں اور انہیں جہان سے افضل بنا دیا اور ایسی کتاب کا سبق دیا جو ان کی روحانی اور جسمانی پاکی کی ایک کامل مددگار اور معاون بنی اور انہیں تمام ان ناپاک آلائشوں اور منغص بیہودگیوں سے پاک کر دیا جس میں وہ صدہا برس سے پھنسے ہوئے تھے وہ غلیظ اور قابل نفرت عادتیں جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اور جن ناقابل بیان خباثت میں وہ ایک زمانہ مدید سے پھنسے ہوئے تھے انہیں اس طرح پاک کر دیا کہ

وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور پھر ان کے ایسے نتھرے ہوئے خیالات ہوئے جن پر آج اسلامی عالم ناز کرتا ہے۔

آپ جانتے ہوں گے کس وجہ سے انہیں جہان کی برائیاں آگئی تھیں اور کس زبون اور زشت خصلت نے انکی پاکیزہ اور بیگناہ فطرت کو طہارت سے دور کر دیا تھا۔ وہ صرف بت پرستی شرک اور خدا سے دوری تھی جس نے انہیں برباد کر کے ہلاکت کے کنارہ تک پہونچا دیا تھا۔

انہوں نے اپنے سچے خالق کی قوتوں کو تقسیم کر دیا تھا اور اس کی عظیم الشان اور غیر قابل تقسیم قوت کے حصے کر کے اپنے ہاتھ کے گھڑے ہوئے بتوں اور ننگی دیویوں میں بانٹ دئے تھے اور اپنی دیویوں اور بتوں کو جنہیں سجدے کرتے تھے بادلوں اور ہواؤں پر حکمران چاند سورج پر قادر خیال کرتے تھے وہ عقل کے دشمن جانتے تھے ہمارے ہی ہاتھ کے گھڑے ہوئے بت ہماری مشکلکشائی کریں گے۔

بعضوں نے چاند سورج کو اپنا معبود بنالیا تھا اور انہیں کے آگے سجدے کرتے تھے انسانی نیکی و انشرفیت کو مٹانے والا یہی ایک بہت بڑا عیب تھا جو مخلوق میں خون کی طرح رگوں میں ساری ہورہا تھا۔ غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا الحمد للہ آپ کی نبوت کا جو منشا تھا وہ پورا ہوا خدا کا سچا جلال عالم پر چمکا اور دریائے باسفورس سے کرس تک اور کرس سے جمنا تک اس نور کا کامل پرتو پڑ گیا۔

مگر میں افسوس سے دیکھتا ہوں کہ بعض کوتاہ اندیشیوں اور ملکی جنگوں کے اتار چڑھاؤ سے جو سلطنت ہند میں رہے اور اہل ہنود کے ربط و ضبط سے اکثر ایسے خیالات جنہیں ٹھیٹ اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے موجودہ نسلوں میں پائے جاتے

ہیں جن سے روحانی قوتوں کو شکست ملی اور اسلامی برکتوں نے ہند سے اپنا کوچ کیا۔

دیوی دیوتاؤں یا جن پریوں یا پیر شہید کی پرستش یا ان سے حاجتیں طلب کرنا یا ان کی قبروں پر اعتقاد اور صدق دلی سے چڑھاوا چڑھانا یا ضرورت کے وقت انہیں پکارنا جو دراصل بت پرستوں اور نصرانیوں کا شعار تھا زمانہ کی دست برد سے ہمارے بھائیوں میں بھی جاری ہو گیا جسے ایک سچے مسلمان کی آنکھ نہایت حسرت و یاس سے دیکھتی ہے ہم نے خدا اور رسول کے علم کو بھلا دیا۔ فطرت اللہ کا وہ منشا جس سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے تھے۔ بالکل نسیاً منسیا کر دیا۔ اسی سے ہمیں دینی اور دنیاوی تنزل حاصل ہے اور اسی سے ہماری یہ گت بنی ہے کہ ہم آخرکار دنیا کی مبتذل قوموں میں شمار کئے جانے لگے

باایں ہمہ ابھی ہمیں بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور ہم اپنے رب کے سچے کلام پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً ہم اگر اپنی یہ بری عادتیں چھوڑ دیں گے اور گناہوں سے توبہ کریں گے تو فلاح کا رستہ دیکھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے چنانچہ خداوند کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا (اگر تم بری چیزوں سے بچتے رہو گے جو تمہیں منع ہوئیں تو ہم تمہاری تقصیریں معاف کریں گے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے"۔ یہ سچ ہے کہ اگر تم نیک نیتی سے خدا سے ڈر کر اپنے برے اعمال سے توبہ کرو گے تو خوب سمجھ لو خداوند کریم کا یہ وعدہ تمہارے ساتھ پورا ہو گا اور پھر اس کی برکتوں سے مالا مال ہو گے اور تم پر اس کی رحمتیں نازل ہوں گی۔

خدا کی بے شمار بخششوں کی سرتاج ایک بخشش وحدت پرستی ہے یعنی خدا کو

ایک جاننا اور اسی پر اپنی تمام امیدیں اور ضرورتیں موقوف رکھنا اور یہ سمجھنا کہ ہمارا سچا مشکلکشا وہی ہے اور وہی ہمیں ہدایت کرنے والا ہے کیا تمہیں اس کا خیال نہیں تم پانچوں وقت کی نمازمیں ہر رکعت کے ساتھ پہلے کیا آیت پڑھتے ہو۔ بھائیو وہ سورۂ فاتحہ ہے جس میں یہ مضمون درج ہے "تو ہی ہمارا معبود ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اسلام میں یہ ایک پہلی تعلیم ہو جو ہر مومن کو دیجاتی ہے۔ خدا کی بے شمار عنایتوں کا خیال کرو کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طریقہ سے تعلیم دیتا ہے اور انہیں نیکی اور سچی عبودیت کا کس دریا دلی اور رحم سے رستہ بتاتا ہے اس نے سکھایا ہے۔ تم جب میری عبادت کرو تو ہر بار یہی کہو ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں" جب دن بھر میں صدہا بار ہماری زبان سے یہی نکلے گا۔ تو ہمارے خیالات اور اعمال پر بھی اس کا اثر ہوگا اور پھر ہم اپنی ضرورتیں کبھی کسی پیر شہید یا جن پری پر موقوف نہ رکھیں گے اور ہماری انسانی شرافت اور فضیلت کے دامن پر دھبہ نہ آئے گا۔ خدا کا جلال کامل طور سے ہماری روح پر چمکے گا اور ہم اللہ کے پیارے بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

بھائیو! تم اپنی پانچوں وقت کی نمازمیں کیا پڑھتے اور ان نمازوں سے کیا سیکھتے ہو یا ان نمازوں کا مفہوم کیا سمجھتے ہو۔ اسلام کے روشن اصول ہمیں بتاتے ہیں کہ اس عبادت کا سچا مفہوم یہ ہے ہم پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہے اور کبھی اس کے آگے دوسرے کو معبود نہ بنائیں ان پر بھروسہ کریں اور اپنی تمام قوتوں کا انحصار اسی کی تائید پر موقوف سمجھیں بغیر اس کے نجات دارین کبھی نہیں ہو سکتی جیسا نبی کرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں الصَّلٰوۃُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَۃُ یُکَفِّرْنَ مَا بَیْنَھُنَّ مَا اجْتُنِبَتْ

اُلْکَبَائِرُ (ترجمہ) پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک ان گناہوں کو دور کرتی ہیں جو ان کے درمیان ہوں اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جاوے۔ خداوند کریم کے دربار میں جب ہم نہایت اطاعت اور نہایت فروتنی نہایت انکساری سے حاضر ہوتے ہیں اسوقت ہمیں یہ حکم ہوتا ہے کہ ہم یہ کہیں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں تو ہمیں وہ رستہ دکھا جسپر تیری برکت نازل ہوتی ہے اور اس راہ سے بچا جسپر تیرا غصہ ہے"۔ پھر بڑے افسوس اور حسرت کا مقام ہے خدا کے دربار میں تو حاضر ہو کے ہم یہ عرض کریں اور جب وہاں سے اپنے گھر آویں تو کسی پیر شہید کی قبر پر چلہ باندھنے جاویں اور یہ عہد کرائیں جب ہمارا فلاں کام نکل آئے گا تو ہم آپ کی پیر نیاز دلوائیں گے۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے خدا کے آگے تو یہ التجا اور یہ وعدہ اور پھر شہید کی قبر پر یہ چڑھاوا اور یہ حاجت طلب کرنا۔

ہمارے یہ کام نہایت ہی خوفناک اور تباہ کرنیوالے ہیں اور یہی وہ کمبخت افعال ہیں جو ہمیں دین و دنیا میں بدنام کریں گے اور کبھی ہمیں اسلامی برکتیں حاصل نہ ہوں گی اور ہم نہ تو دین دنیا میں بھی اپنے پرائے کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور ایک عالم میں تکو بنے رہیں گے۔

یہ کس حسرت و یاس سے دیکھا جاتا ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ اسلام نے بہت دھوم دھام سے یہ اعلان دیا تھا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (ترجمہ) اللہ نے گواہی دی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (ترجمہ) تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو کہ اللہ تمہیں چاہے اور تمہارے گناہ بخش دے"۔ اسلام کی صرف یہی ایک نشانی ہے

ہے کہ خدا کو واحد جاننا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پاک نبی سمجھنا اگر یہی ایک بات نہیں ہے تو کس منہ سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان ہیں اب اس کے علاوہ کسی کا ایمان ہے تو اس پر افسوس۔ اگر ہم ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنے اعمال کی طرف دیکھیں جنہوں نے ہمیں ٹھیٹ اسلام سے بہت دور پھینک دیا ہے تو ہمیں معلوم ہو کہ ہم خدا اور اس کے نبی سے کتنے برگشتہ ہیں اور اس سے اپنی جانوں پر کیا غضب توڑ رہے ہیں ہمارے کیسے کچے عقیدے اور ہمارا ایمان کیسا ضعیف ہے۔ اللہ جل شانہ کی محبت ہمارے دل میں مطلق نہیں رہی اور ہم اپنی معمولی ضروریات پر کہیں شیخ سدو کا بکرا کرتے ہیں اور کہیں سید احمد کبیر کی گائیں کرتے ہیں اور کبھی پیریوں کو نذرانہ کرتے ہیں اور کبھی حضرت علی مشکل کشا،، (یہ خطاب شیعوں نے حضرت علی کو دیا ہے اور اسی کا اثر تمام سنیوں تک پھیل رہا ہے) کا دونا کرتے ہیں کبھی کسی قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور کبھی کسی پیر کی قبر پر چلہ باندھتے ہیں غرض ہم اپنے ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کیا کچھ شرک و بدعت نہیں کرتے اور پھر کتنی دور اسلام سے جا پڑھتے ہیں ہمارے ایمانی ضعف کا یہ سارا طنبل ہے اگر ہم میں ایمانی ضعف نہ ہوتا تو یہ بیہودہ باتیں کبھی ہم سے ظہور میں نہ آئیں جہاں خداوند کریم صاف طور سے اپنے کلام مجید میں یہ فرماتا ہے تو دعا کریں قبول کروں گا وہاں ہم محض اپنی دلی کمزوری جوش اور نالائم جذبہ کے مطیع ہو کے اس بیش قیمت وعدہ پر تو نگاہ نہ کریں اور ادھر ادھر بھٹکتے پھریں۔ تف ہے ہماری اس حمیت اسلامی پر اور داغ ہے ہماری اس مسلمانوں پر۔

یہ نہیں جانتے کہ جن سے تم اپنی حاجتیں طلب کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح خدا کے محتاج ہیں جب وہ اپنی مشکلکشائی نہیں کر سکتے تو تمہاری کیا کر سکتے ہیں۔ وہ خداوند کریم کے عاجز بندے ہیں اور ان کی بخشش صرف اسی کی مرضی پر موقوف ہے اور کوئی

یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کی نجات بھی ہوئی یا نہیں کیونکہ سوائے ان چند صحابہ کے جن کی بشارت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہم کبھی قطعاً کسی کو ناجی اور ناری کہنے کے مجاز نہیں ہیں تو تم آپ خیال کر سکتے ہو کہ جب ان کے ناجی ہونے کی کوئی شہادت تمہارے پاس موجود نہیں ہے پھر کس طرح ان سے حاجتیں جا کے طلب کرتے ہو اور انہیں اپنا مشکلکشا بنا رکھا ہے کیا تم سے بھی زیادہ کوئی محسن کش اور احسان فراموش ہو سکتا ہے خداوند تعالیٰ تم پر کیسا مہربان ہے اور تم سے کیسی محبت رکھتا ہے اور تم اس سے بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔ ہمارا فرض ہے اور یہی ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر حالت میں اسی کی طرف رجوع کریں کیونکہ جب تک ہم اس کی طرف رجوع نہ کریں گے ہماری بخشش نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سُبْحَانَہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا (وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے) بعض ہمارے بھائی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہم ان شہیدوں سے اپنی حاجتیں طلب نہیں کرتے بلکہ ان کے وسیلہ سے خدا سے مانگتے ہیں اور اپنے اس دعوے کی دلیل دنیاوی معاملات پر منحصر رکھتے ہیں کہ جبتک کوئی شخص سفارشی نہ ہو امیر کے دربار تک رسائی نہیں ہوتی۔ مگر یہ خیال انکا جیسا رکیک ہے اسی قدر کم عقلی پر دلالت کرتا ہے امیر کے دربار اور خداوند تعالیٰ کے دربار کی مناسبت نہیں ہو سکتی امیر کسی حاجت مند کی حاجت بغیر عرض کئے نہیں جان سکتا اور خدا کو اپنی کل مخلوق کا رتی رتی علم ہے امیر بغیر اطلاع کئے نہیں پہچان سکتا کہ مجھ سے کون ملنا چاہتا ہے لیکن خدا کے صرف دل کے ارادے سے جانا جاتا ہے پھر ایسے عالم الغیب چھپی اور پوشیدہ چیز کو جاننے والے مخلوق کے دلی خیالات کا علم رکھنے والے کے دربار میں نہ کسی سفارشی کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی اطلاع کرنیوالے کی حاجت ہے شریعت کا رستہ صاف اور کھلا ہوا ہے دین کی

رحمت ہم پر پوری ہو چکی ہے اس کی تکمیل کی ضرورت اب نہیں رہی۔ پھر کیا ضرور ہے کہ غیر ضروری باتوں کی طرف ہم اپنا دل رجوع کریں اور اسلام کے روشن احکام سے برگشتہ ہوں فقط"

یہ اس قیمتی وعظ کا خلاصہ ہے جو مولینا شہید نے اول بار الوداع کے دن فرمایا گو وعظ اتنا بڑا ہے کہ پندرہ سولہ جزو میں اگر پورا تحریر کیا جاوے تو بمشکل تمام ہو سکے لیکن ہم نے اس پریشان اور بے ربط تحریر سے جو ان کے منشی ہیرالال کے ہاتھ کی نہایت جلدی میں لکھی گئی تھی بمشکل بڑے غور و فکر کے بعد یہ خلاصہ کر لیا ہے اور بہت سی حدیثیں اور آیتیں نقل کی ہیں لیکن وہ ایسی اشاروں میں لکھی گئی ہیں کہ ہم سے مطلق نہیں پڑھی گئیں۔ بہر حال مولانا کے پر جوش اسلامی خیالات کا اسی سے ایک انداز ہو سکتا ہے اور سیدھے سادے وعظ سے جو بالکل اسلامی عقائد کو ظاہر کرتا تھا۔ عوام الناس میں خوفناک تحریک پھیل گئی اور ان کے فاسد خیالات کے سمندر میں ایک مہیب تموج پیدا ہو گیا وہ نیاز نذر کرنے کے مدت سے عادی تھے وہ اس بات کو اپنا دین داعیان سمجھتے تھے کہ ضرورت کے وقت پریوں کا کونڈا کریں اور سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا کریں انہوں نے یہ تقریر کاہے کو سنی تھی کہ یہ ساری باتیں بدعت و شرک ہیں اور اسلام سے انہیں کچھ علاقہ نہیں ہے اسلام میں اگر توحید کے مسئلہ پر غور کیا جاوے تو واقعی ایسا نازک اور باریک ہے کہ بمشکل آدمی شرک سے بچ سکتا ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ ابر آپ پانی برساتا ہے اسلام میں شرک ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پانی کھیتوں میں اناج پیدا کرتا ہے شرک ہے چہ جائے کہ اپنی حاجتوں کے انبار کو پیر شہید کی گردن پر رکھنا اور انہی پر اپنی تمام ضروریات کے حل ہونے کو موقوف سمجھنا

یہ تو صریح کفر اور شرک ہے۔ اپنی کسی حاجت پر خدا کے سوا کسی کو پکارنا یہ ایک کمزور ابال ہے جو ضعیف طبائع میں اکثر اٹھتا ہے انسان کی طبیعت میں قدرتی احسان فراموشی اور محسن کشی کا مادہ بہت ہے مگر ان پاک اور مقدس انفاس کا ذکر نہیں جن پر اسلام کی پوری برکتیں نازل ہو چکیں ہیں اور دین خدا کا پورا جلال اپنی تابانی ان مجلۂ قلوب پر دکھا چکا ہے وہ ہر حالت خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ اور چاہے ان پر کیسی ہی مصیبت آکے واقع ہو وہ خدا کریم کے سوا کسی کی بھی مدد نہیں چاہتے۔ یہی ان کا مایۂ انبساط ہے اور اسی پر انہیں ناز اور فخر ہے وہ خدا پرست قوم جس نے اول وحدت پرستی کا دنیا میں ڈنکا بجایا مسلمانوں کی مرحوم قوم ہے خداوہ دن نہ کرے کہ اس کی خدا پرستی کی صفت گور پرستی بت پرستی اور تعزیہ کی صوت بن جائے یہ سب جانتے ہیں خدا کے آگے سب عاجز ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ کسی کی سفارش اللہ کی درگاہ میں کر سکے۔ حشر میں جب تمام پیغمبروں کی امتیں باری باری اپنے نبیوں کے پاس جائیں گی اور عاجزی سے یہ عرض کریں گی کہ آپ ہماری شفاعت خدا کے آگے کیجئے تو وہ خوف باری تعالیٰ سے کانپیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم میں مجال نہیں ہے کہ ہم تمہاری سفارش کر سکیں ایک نبی دوسرے نبی کے پاس بھیجے گا اور وہ بھی یہی کہہ کے ٹال دیگا حتیٰ کہ ہمارے آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور آپ خداوند تعالیٰ سے (اس کے حکم سے) سب مومنین کی شفاعت چاہینگے انبیاء علیہم السلام جو معصوم (بیگناہ) ہیں ان کی یہ کیفیت ہے وہ خدا سے کسی کی سفارش کرنے کے مجال نہیں ہیں پھر ہم حیران ہیں کہ یہ کیونکر سمجھ لیا گیا اگر فلاں شہید یا ولی کی نیاز دلوائی جائے گی اور اس کی قبر پر لال ڈورا باندھ دیا جاویگا۔ وہ

منت مانی جائے گی۔ محض اس امید سے کہ یہ خدا سے ہماری سفارش کر دیں گے تو ہماری ضروریات یا ہماری مشکل حل ہو جائے گی۔ یہ کتنے قہر کا مقام ہے خصوصاً مسلمانوں کیلئے جن کے اسلام کے خلاف ایسے عقیدے ہوں اور پھر وہ اپنے کو مسلمان کہیں۔ یہ سچ ہے کہ ضرورت دنیا میں ایک ایسی قہر کی چیز ہے کہ جس کے سبب انسان سے ناگفتہ بہ افعال صادر ہوتے ہیں اور ایسے ایسے قبیح کاموں کے کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ اگر ضرورت نہ پڑتی تو کبھی نہ کرتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے لئے خدا کے وعدے ایسے زبردست سہارا دینے والے ہیں اگر وہ ان پر غور کریں اور اپنے دل میں سمجھیں اور ان کا پورا یقین اپنے قلب میں کر لیں تو کبھی بھی ضرورت کا خوفناک جن انہیں نہ ستا دے اور وہ ہمیشہ محض اللہ کے بھروسے پر مصیبت کے وقت بھی مطمئن اور خوشحال رہیں سب سے زیادہ ایسے لوگوں پر بھی افسوس ہے جو ضرورت کے وقت یا اپنی سخت تر مصیبت کی حالت میں جب وہ اپنے معاذین کی مدد سے نا امید ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں خدا ہی سے مدد چاہنی بہتر ہے اور اس کی مشکلکشائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا تو وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں اور خدا ان کی مدد کرتا ہے کیونکہ خدا نے خود وعدہ فرمایا ہے جو مجھے سچے دل سے پکارتا ہے اس کے پاس پہنچتا ہوں اور جب وہ احسان فراموش اس مصیبت سے رہائی پائے ہیں تو اپنے ناپاک خیالات اور نامقدس افعال کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور پھر دین دنیا میں خسارہ پاتے ہیں جن کی حالتوں پر خداوند تعالیٰ خود افسوس کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے پورا اسی پر نیت رکھ کے اور جب انہیں زمین پر بچا لایا تو لگے شریک کرنے ۔

ایسے نالائق اور بھونڈے طبائع پر افسوس۔ اس آیت کا صاف یہ مفہوم ہے۔ اگر کشتی میں سوار ہیں اور کوئی بحری یا سماوی آفت آ کے واقع ہو تو خدا ہی سے مدد مانگو کیونکہ وہی ناگہانی بلاؤں سے بچاتا ہے اس سے صریح خدا پرستی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے مگر ہٹ دھرم اور ضدی بندے نہیں سمجھتے۔

جب یہ وعظ جس کو ہم نے مختصر طور پر لکھا ہے مولانا صاحب نے فرمایا تو اکثر مسلمان ناراض ہوئے اور انہوں نے با ہم یہ کانا پھوسی کرنا شروع کی کہ مولینا نے بزرگان دین کی سخت توہین کی ہے اور بڑی بے ادبی سے پیش آئے ہیں اور نیاز نذر کو برا بتاتے ہیں غرض باتوں کے تبنگڑ بن گئے اور نئے نئے اتہامات اور الزامات وعظ میں جن کا سان وگمان بھی نہ تھا۔ مولینا کی بے گناہ ذات پر لگائے گئے۔ کسی نے یہ مشہور کیا انہوں نے نبی کی توہین کی۔ اور کہا وہ ہم سے زیادہ (معاذ اللہ) نہیں ہیں کسی نے یہ کہا وہ حدیث و قرآن پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں جانتے غرض وہ باتیں جن سے سر اسر دشمنی ٹپکتی تھی مولانا کے سر چپکائی گئیں اور عمداً واسطہ کی وہ وہ باتیں جن سے مولانا کی ذات والا بہت دور تھی زبردستی آپ کے وعظ میں داخل کرنی چاہیں۔

یہ لوگ اپنی ان چالاکیوں میں کامیاب ہوئے اور مولینا کے خلاف تمام شہر میں ایک جوش پھیل گیا۔ چند سنجیدہ لوگ انصاف پرست بزرگ جو اس جلسہ میں موجود تھے جنہوں نے مولینا کی تقریر خوب گوش دل سے سنی تھی۔ ایک عام مخالفت کے آگے کچھ دم نہ مار سکتے تھے۔ انہیں اپنی جانوں اور عزت کا خیال تھا کہ کہیں اس طوفان بے تمیزی کے ہم ہی نذر نہ ہو جائیں۔

طلبہ کے گروہ میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور انہوں نے بھی خواہ مخواہ کی مخالفت میں قدم رکھا۔ یہاں عجیب کیفیت تھی کہ طلبہ اور غیر طلبہ سب ایک ہی کھوپری کے لوگ تھے بھلا جب شاہ عبد العزیز صاحب کی مستورات بیوی کی صحنک کرتی تھیں اور کوئی منع نہ کر سکتا تھا۔ تو اور گھروں کا کیا کہنا جو لوگ تعزیہ پرستی کرنی دین و ایمان جانتے تھے اور سیتلا کو پوجتے تھے ان کے آگے دین اسلام کی ایسی باتیں بہت ہی گراں گزریں گی اور خوامخواہ مخالفت کرنے پر تیار ہوں گے۔ طلبہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ہم مولانا سے اس بات پر گفتگو کریں گے کہ ولیوں اور شہداء کو خدا کی درگاہ میں کیوں وسیلہ نہ بنایا جائے اور ان سے کیوں نہ حاجتیں طلب کی جائیں بعض اس بات پر آمادہ تھے ہم حدیث میں گفتگو کریں گے اور مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد تو بہت سرگرمی سے اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ معقول میں مولینا سے بحث کریں گے غرض ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق مولانا کی مخالفت پر ٹوٹ پڑا اور شہر دہلی میں نئی نئی باتیں مولانا شہید کی نسبت[1] دنیا اُڑنے لگیں لیکن یہاں تک کہ عورتوں میں بھی اس کی گفتگو شروع ہو گئی اور وہ بھی مخالفت کے ہتھیاروں کو مولینا کے مقابلہ میں استعمال کرنے لگیں یعنی کوسنے دینے

---

[1] تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی صفحہ ۲۳ میں بغیر کسی شہادت صریح کے یہ لکھا ہوا ہے کہ صحنک وغیرہ کی رسمیں شاہ عبد العزیز صاحب کے خاندان میں بھی جاری تھیں مگر میں اس کا یقین نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ خاندان سچا عامل بالحدیث ہونے کا افتخار رکھتا تھا۔ بہر حال اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ امراء اور شرفاء ہی کی مستورات شرک و بدعت میں مبتلا نہ تھیں بلکہ مولویوں اور لکھے پڑھوں کی عورتیں بھی ایسا ہی کرتی تھیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ ایسی بڑی بات جیسی کتاب کا مصنف لکھتا ہے بغیر کسی قوی اور بڑی شہادت کے ہم نہیں مان سکتے

اور مولینا کا نام لے کر پیٹنا۔ ایک دن مولینا شہید عصر کی نماز پڑھ کے جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک بڑھیا مولوی صاحب کے پاس آئی اور اس نے کہا مولوی صاحب مُوا اسمٰعیل کون نیا مولوی پیدا ہوا ہے جو یہ کہتا ہے بیوی کی صحنک نہ کرنی چاہیئے آپ نے جواب دیا۔ بڑی بی۔ مُوا اسمٰعیل نہیں کہتا بلکہ جس بیوی کی تم صحنک کرتی ہو اس کے باپ نے منع کر دیا ہے کہ میری بیٹی کی صحنک نہ کیا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ کہنے لگی۔ جب بیوی کا باپ یہ کہتا ہے میری بیٹی کی صحنک نہ کیا کرو میں اس پر صدقے گئی۔ آئندہ سے نہ کیا کروں گی واری جاؤں یہ بات ہے تو سچ نا۔ آپ نے فرمایا خدا گواہ ہے یہ بالکل سچ ہے، وہ بڑھیا مولینا کی بلائیں لینے لگی اور دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ اس سے ناظر سوانح اس عام مخالفت کا اندازہ کر سکتا ہے جو مولینا شہید کی عورت و مرد میں پھیل گئی تھی اور یہ ضرور ہونا تھا صدیوں کی بری عادتیں جو دلی والوں کی گھٹی میں بیٹھ گئی تھیں یکایک بغیر ایک عظیم الشان جھگڑے کے نہ جا سکتی تھیں۔ مولینا شہید کو ایک ایک ادنیٰ واقع کی روزمرہ رپورٹ گزرتی تھی۔ اور آپ ہر مخالفت کی خبر کو نہایت سنجیدگی سے سنتے تھے اور اس پر غور کرتے تھے لُطف یہ تھا کہ ابھی یہ وعظ نہایت دھیما تھا اور جو بات یا ہدایت کی گئی تھی۔ وہ صیغہ غائب میں کی گئی تھی اور ابھی ان رسوم کی بابت بہت کم بیان کیا گیا تھا جو قلعہ اور قلعہ کے باہر کی جاتی تھیں۔ ابھی تقلید اور پیر پرستی کی بحث ہی نہ ہوئی تھی نہ اس پر کسی قسم کے اعتراض کئے گئے تھے ایسے سادے وعظ پر جب یہ شور و غل ہوا تو اس کا اندازہ ہو سکتا تھا کہ جب کھلم کھلا ہر مسئلہ پر بحث کی جائے گی تو کیا آفت برپا ہوگی۔ مولینا شہید نے خطرہ کے وزن کو پورا پہچان لیا اور گو ابھی عمائد و اعیان

شہر اس طرف رجوع نہ ہوئے تھے ورنہ ابھی مولوی فضل حق صاحب کی مخالفانہ کاروائی شروع ہوئی تھی پھر بھی عقلمندی یہ تھی کہ ہر طرح سے بندوبست کیا جائے اور ایسا نہ ہو مخالف غافل پا کے کوئی جسمانی مضرت پہنچائیں۔

آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کے مرید کیا اور انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ یہ کاروائی کی جائے کیوں کہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی اور خدا کی شان سے روزمرہ ایسی ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں کہ اس مخالفت میں اور جان پڑتی تھی مثلاً ایک دن مولوی اسمٰعیل شہید معہ اپنے چند معتقدوں کے جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے اس عرصہ میں خدام زیارت[۱] کی چیزیں لے کے اکبر شاہ کے لئے قلعہ میں جانے لگے تھے

---

[۱] تبرکات جو جامع مسجد میں رکھے ہوئے ہیں محمد شاہ کے وقت قلعہ سے جامع مسجد میں لا کے رکھے گئے تھے۔ کیوں کہ وہاں فسق و فجور بہت ہوتا تھا اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ قلعہ پر اسی لئے تباہی پڑی ہے۔ جہاں یہ تبرکات رکھے ہوئے ہوں وہاں اس قسم کی عیاشی ہو جس کی نظیر دنیا میں کم ملے گی۔ ان تبرکات میں موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جبہ شریف نبی اکرمؐ۔ نعلین شریف نبی اکرمؐ۔ قدم مبارک نبی اکرمؐ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ پنجہ شریف حضرت علیؓ۔ قرآن شریف نوشتہ حضرت امام حسنؓ۔ موئے مبارک حضرت حسنؓ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت امام حسین شہید کربلا۔ موئے مبارک حضرت امام حسینؓ۔ پارہ کلام مجید حضرت امام جعفر صادق۔ غلاف روضہ اطہر نبی اکرمؐ۔ غلاف کعبہ شریف۔ ان تبرکات کی تاریخ یہ ہے۔ جب تیمور لنگ نے دمشق فتح کیا ہے اور وہاں کی غنائم اس کے قبضہ میں آئیں تو سب سے متبرک چیزیں جو اس کے قبضہ میں آئیں وہ مذکور بالا تھا۔ یہ وہ دمشق ہے جو کئی صدی تک بنی امیہ کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اور یہاں شاہی جبروت کی انتہا ہو چکی تھی یہ تبرکات تیمور نے بہت ادب سے اپنے قبضے میں رکھے۔ اور جہاں جاتا اپنے ساتھ لے جاتا چنانچہ وہ ہندوستان میں آیا تو ان تبرکات کو بھی ساتھ لایا۔ اس کے آگے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ تبرکات شریف بابر

لوگ جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے سب کھڑے ہو گئے اور سب نے نہایت خوش اعتقادی سے اٹھ کے تعظیم دی اور کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ مگر مولینا شہید اور آپ کے رفقاء بیٹھے رہے اور تعظیم پر مطلق توجہ نہ کی۔ تمام معتقدین اشیائے زیارت جل کے خاک ہو گئے اور خدام تو اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کا بس نہ چلا ورنہ وہیں خون خرابا کر ڈالتے وہ سید سے اکبر شاہ ثانی کے دربار میں حاضر

بادشاہ کے ہاتھ کیوں کر پڑ گئے۔ ایک روایت کے بموجب یہ معلوم ہوا ہے کہ بابر ان تبرکات کو لے کے بلخ روانہ ہوا۔ جب بابر کی وفات ہو گئی تو یہ تبرکات بخارا میں چلے آئے اور وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ ہندوستان میں جب شاہجہان کی سلطنت ہوئی تو اس نے ان تبرکات کو اس بنا پر کہ میرے لکڑ دادا بابر کی ملک تھی۔ امیر بخارا سے واپس منگا لئے اور انہیں نہایت ادب سے موتی مسجد میں رکھا۔ بعد ازاں یہ مقدس چیزیں دہلی کے لال قلعہ میں چلی آئیں اور جب عالمگیر دکن پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ ہوا تو یہ مقدس چیزیں لال قلعہ سے جامع مسجد میں مغربی جانب داہنی مینار کی طرف رکھ دیں سنہ ۱۸۵۷ء کے طوفان ظلمت خیز غدر میں بڑی جانفشانی سے یہ تبرکات محفوظ کئے گئے اور سرائے روح اللہ خان میں انہیں بڑی حفاظت سے رکھا گیا سنہ ۱۹۱۳ء میں جب جامع مسجد واگزار ہوئی۔ عمائد شہر دہلی ان تبرکات کو اس سرائے سے جامع مسجد میں لے آئے اور جنوب رویہ بارہ دری میں انہیں محفوظ کیا چنانچہ وہ اب تک موجود ہیں۔ یہ تاریخ ان تبرکات کی ہے جو ہماری آنکھوں کے آگے رکھے ہیں۔ خدام تبرکات کی بیان کی ہوئی تاریخ ہے مگر کسی معتبر تاریخ میں ہم نے اس کا کوئی ذکر نہیں پڑھا۔ سر ولیم میور صاحب نے مختلف تبرکات کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھو لائف آف محمد صفحہ ۵۵۹ کا فٹ نوٹ) لیکن ان تبرکات کی بابت وہ کچھ نہیں لکھتا۔ حضرت عثمان غنی کے قرآن کی نسبت اسے ابن بطوطا ادریسی کی شہادتیں پہنچی ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا تھا لیکن میور پھر یقین نہیں کرتا اور کہتا ہے ہزاروں خاندانی تغیر و تبدل کے بعد یہ ناممکن ہے کہ تبرکات محفوظ رہے ہوں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے حضرت عثمانؓ کا نظر ثانی کیا ہوا قرآن حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے استعمال میں آیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے قرآن لکھا تھا (اہل شیعہ کے یقین اور خیال کے بموجب مشہد علی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا قرآن لکھا ہوا رکھا ہے اور اسی آپ کے

ہوئے، زیارت کی چیزیں دیکھ کے اکبر شاہ سرتاپا کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک سے سب کو آنکھوں سے لگایا اور ان پر بوسہ دیا۔ یہ کہہ کے خدام رونے لگے اور انہوں نے ہاتھ باندھ کے کچھ عرض کرنا چاہا۔ اکبر شاہ نے ان کے رونے اور عرض کرنے پر توجہ مبذول کی اور کہا تم کیوں روتے ہو۔ وہ اور بھی روئے، یہانتک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ آخر اکبر شاہ کے متواتر اصرار پر خدام نے بھری بھری اور رونی آواز میں کہا اسمٰعیل نے جو شاہ عبد العزیز کا بھتیجا ہے بڑا ہی ستم کر رکھا ہے۔ وہ برملا دین اسلام کی توہین کرتا ہے اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلق ادب نہیں کرتا۔ ابھی یہ تبرکات جب کوٹھری شریف میں سے لے کے نکلے ہیں۔ تو جتنے مسلمان تھے سب کھڑے ہو گئے لیکن وہ اور اس کے مرید نہ کھڑے ہوئے اور ہمیں اور تبرکات کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ حضور ظل اللہ اور خلیفۂ رسول اللہ

دستخط بھی ثبت ہیں۔ قرآن مجید کے چند اوراق حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے لاہور کے توشہ خانہ میں موجود ہیں اور اسی طرح حضرت امام حسین کی قلم کے لکھے ہوئے قرآن بھی محفوظ بیان کئے جاتے ہیں اس کے بعد میور پھر اپنے پچھلے نوٹ میں لکھا ہے (لائف آف محمد صفحہ ۵۵۵) وہو ہذا۔

مسلمان ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآنی نسخہ اب تک موجود ہے یعنی شہادت کے وقت جس قرآن کی آپ تلاوت فرما رہے تھے وہ ہنوز انطرطوس میں بکفالت مسلم رکھا ہے اور لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے اوراق قرطبہ کی بڑی مسجد میں رکھے ہوئے تھے اور ان تقریبات کا بیان لکھا ہے جو ان اوراق پر ظہور میں آتی تھیں۔ وہ اوراق اسی طرح فیض (دار الخلافہ مراکو) میں پہونچا دئے گئے۔ ابن بطوطہ نے جب چودھویں صدی میں بصرہ کا سفر کیا ہے بیان کرتا ہے یہ عثمانی قرآنی نسخہ بصرہ کی مسجد میں تھا خلیفہ کے خون کے قطرے مسنونا الفاظ قرآنی پر بیّن طور پر معلوم ہوتے تھے (اور وہ الفاظ یہ تھے) خدا تیرا انتقام تیرے دشمنوں سے لیگا۔ (سورۂ بقرہ) روایت کے بموجب یہ معلوم ہوا کہ مظلوم خلیفہ کا خون ان الفاظ پر بہہ نکلا تھا۔ ان کے علاوہ اور نسخے حضرت عثمان کے زمانہ خلافت کے لکھے ہوئے روایت کیا جاتا ہے مصر القاہرہ مراکو دمشق میں مکہ اور مدینہ کی طرح محفوظ ہیں۔ جو نسخہ مدینہ منورہ میں ہے اس کے نیچے یہ نوٹ دیا ہوا ہے حضرت عثمان کے حکم کے بموجب یہ قرآن جمع کیا گیا اور ترتیب پایا گیا اور اس نوٹ میں ان کی ترتیب دینے کے مشورہ میں شریک ہونیوالوں

ہیں۔ اگر خداوندِ زمین و زمان کی سلطنت میں ایسا دشمن اسلام (افسوس) مار نہ ڈالا گیا یا جلاوطن نہ کیا گیا تو خدا کے ہاں کیا جواب دیا جائے گا۔ یہ سن کے اکبر شاہ بہت ہی متردد ہوئے۔ کیونکہ وہ خود کمپنی کے پنشن خوار ملازم تھے ان کا اختیار نہ تھا کہ بلا وجہ کسی شخص کو پکڑ کے مار ڈالیں یا جلاوطن کریں۔ ہاں یہ ضرور تھا وہ انگریزوں سے بہت کہہ سکتے تھے اور خوش قسمتی سے انہیں یہ یقین تھا کہ اگر میں کسی کی شکایت کروں گا تو کمپنی اس پر اعتبار کر کے اس کا بندوبست کر دے گی پھر بھی اس عاقل بادشاہ نے ایسے روشن اور نیکنام خاندان کے ایک ممبر پر خدام کے کہنے سے دست اندازی نہیں کی بلکہ یہ مناسب سمجھا کہ پہلے مولوی صاحب کو بلائیں اور ان سے بالمشافہ گفتگو کر لیں تاکہ مولینا کے عقائد پر پورا علم ہو جائے اور پھر جو کاروائی کی جائے پیچھے اس پر پچھتانا نہ کرنا پڑے اپنے دل میں یہ خیال کر کے اکبر شاہ نے خدام کی تسکین کر دی اور کہا تم رنج نہ کرو میں اس بات کا بندوبست کروں گا۔ چنانچہ مولینا کو اکبر شاہ نے بلایا۔ مولانا شہید سمجھ گئے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے آپ کے معتقدوں اور کنبہ کے بعض ممبروں نے مشورہ دیا آپ پہلے ریذیڈنٹ سے مل لیں اور اپنی مخالفت کی ساری حقیقت بیان کر دیں۔ مبادا آپ کو اکبر شاہ کچھ مضرت پہونچائے مگر آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:-

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک نسخہ بھی اب تک موجود ہو۔ جبکہ صدہا خاندانوں کے اختلافات ظہور میں آئے جس میں اسلامی دنیا کا ہر حصہ مبتلا تھا۔ کوئی بہت پرانا نسخہ عثمانی قرآنی نسخہ کہہ دیا جاتا ہو گا (میور کا نوٹ ختم ہو گیا۔

جب ایسی تاریخی اور علمی شہادتوں پر میور کو یقین نہیں آتا۔ تو دہلی کے تبرکات کی نسبت جس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے کیا کہا جا سکتا ہے۔

المُؤْمِنُوْنَ[1] ۵ (ترجمہ تو کہہ نہ پہنچے گا ہمیں ہرگز مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے وہی ہے صاحب ہمارا اور چاہیئے مسلمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

اور آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خیال میں کوئی جرم نہیں کیا ہے نہ دنیوی نہ دینی پھر میں کیوں خوف کھاؤں اور ابھی مجھے یہ بھی علم نہیں ہے اکبر شاہ کا خیال میری نسبت کیا ہے۔ میں اس کی ناحق کیوں شکایت کروں۔ میں دلیری سے اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور جو کچھ وہ دریافت کرے گا اس کا شافی جواب دیا جائے گا۔

آخر آپ بڑی دلیری سے اکبر شاہ کے دربار میں پہنچے مگر ہاں ہم یہ لکھنا بھول گئے۔ دربار میں جانے سے پہلے آپ نے اکبر شاہ کو یہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اگر آپ مجھے دربار میں بلاتے ہیں تو میں ان تمام درباری قیود سے معاف کیا جاؤں جو آپ کے ہاں ایک لازمی امر ہے۔ میں اسلامی طریقہ سے ملوں گا اور جیسا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تہذیب سکھائی ہے ہم اسی طرح عمل درآمد کریں گے۔

اکبر شاہ نے بعد غور و فکر اور مشورہ کے یہ بھی تسلیم کر لیا۔ پھر مولانا شہید دربار اکبری میں داخل ہوئے، جاتے ہی السّلام علیکم کہا اور اکبر شاہ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا جواب دیا۔ ملاقات پرائیویٹ تھی۔ سوائے دو تین خواجہ سراؤں کے اور کوئی نہ تھا اکبر شاہ ایک گدی پر بیٹھے ہوئے تھے شاہ صاحب بھی پاس جا کے بیٹھ گئے۔ اکبر شاہ نے نہایت خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا اور آپکے خاندان عالی کی تعریف

---

[1] یہی آیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس میں اس وقت پڑھی تھی جب آپ بطریق سے اس کے کیمپ میں ملنے گئے اور لوگ مصر ہوئے تھے کہ دشمن کی فوج میں تنہا تشریف نہ لیجاویں اور آپ نے اس آیت کے بھروسہ پر کسی کی بھی پرواہ نہ کی (الواقدی جلد ۲ ص ۳۸۹) ۱۲۔

کرنے لگے اس کے بعد اکبر شاہ نے یہ کہا میں نے آپ کی نسبت مختلف افواہیں سُنی ہیں چوں کہ مجھے ان کی تصدیق کرنی ضرور تھی اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ کیا خدانخواستہ آپ کے ایسے خیالات ہیں آپ اسلام اور بانی اسلام نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے بُرے نہیں جانتے یہ سن کے مولانا شہید نے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا اور پھر دین اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیئے اور اس خوش اسلوبی سے بیان کیئے کہ اکبر شاہ حد سے زیادہ محظوظ ہوئے اور آخر میں انہیں رقت آ گئی وہ ہر چند چاہتے تھے کہ اپنے کو ضبط کریں لیکن نہ کر سکے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ جب یہ تمام باتیں ختم ہو گئیں تو اکبر نے دبی آواز سے کہا کہ جب رسول مقبول کی آپ کی نظر میں یہ فضیلت اور بزرگی ہے۔ پھر آپ نے جمعہ گذشتہ کو تبرکات کی کیوں نہیں تعظیم دی۔ میرے خیال شاید یہ بات غلط ہو کیونکہ آپ کی ذات سے یہ بعید ہے آپ تبرکات کی تکریم نہ کریں۔ مولینا شہید نے جواب دیا نہیں یہ صحیح ہے میں نے تبرکات کی تعظیم نہیں کی اس لئے کہ میں انہیں تبرکات نہیں سمجھتا۔ نہ ایسے تبرکات کی جو فرضی ہیں اسلام میں تعظیم کرنے کا حکم آیا ہے یہ سن کے اکبر شاہ چونکے اور کہا یہ افسوس کی بات ہے آپ تبرکات کی عزت نہیں کرتے۔ اس پر شاہ اسمٰعیل صاحب نے یہ کہا کہ اگر یہ تبرکات ہوتے تو آپ ان کی زیارت کو جاتے نہ کہ یہ تبرکات آپ کی زیارت کو یہاں آتے۔ یہ سنتے ہی اکبر شاہ کو سناٹا آ گیا اور انہوں نے مولینا شہید سے معافی مانگی اور کہا آئندہ میں یہ بدعت کبھی نہ کروں گا۔ پھر مولانا نے اکبر شاہ کے ہاتھوں کی طرف اشارہ جس میں سونے کے کڑے تھے اور جن میں ایک بیش قیمت پتھر (جواہر کی قسم) جڑا ہوا تھا اکبر شاہ نے مولینا شہید کے کہنے پر کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے فوراً کڑے اتار کے مولینا کے حوالے کئے

مولٰینا شہید بڑے ذہین اور رسا طبیعت کے تھے۔ انہیں اپنے ہم وطنوں کی مشتبہ طبائع کا پورا اندازہ تھا اور اپنی بدنامی کلمتی الوسع خیال کرتے تھے اس لئے آپ نے وہ کپڑے واپس کر دئیے اور فرمایا انہیں فروخت کر کے مساکین کو دے دیں میں نہیں لے سکتا۔ گو میں بھی محتاجوں کو دے سکتا ہوں۔ لیکن لوگ یہ طعنہ ماریں گے کہ اسمٰعیل نے اکبر بادشاہ سے کپڑے اتروا کے آپ اینٹھ لئے۔ اسی لئے سونا پہننے پر اعتراض کیا ہوگا لہٰذا میں ایسی بدگمانیوں سے ہمیشہ بچنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کے اکبر شاہ اور بھی خوش ہوئے اور نہایت عزت و توقیر سے مولانا شہید کو رخصت کیا۔ ہمیں ایک راوی کی روایت کے بموجب یہ اطلاع ملی ہے کہ مولٰینا کو ایک خلعت فاخرہ سات پارچے کی بھی عنایت ہوئی تھی اور رخصت کرتے وقت اکبر شاہ نے یہ دعا دی تھی خدا کرے اسلام کے پیچیدہ کاموں کی مشکل کشائی تمہاری ہی قوت بازو سے ہو۔ جب مولوی اسمٰعیل صاحب کا یہ اعزاز ہوا تو اور بھی مخالفوں کے دانت کھٹے ہوئے اور انہیں اپنے خیالات میں ناکام ہونا پڑا تبرکات کے آنکھیں پھاڑے ہوئے یہ رستہ دیکھ رہے تھے اسمٰعیل قلعہ میں بے عزت کیا گیا ہے اور اکبر شاہ نے اسے قید کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ مگر وہاں اور ہی صورت نظر آئی۔ یہ وجہ اور بھی ان کی بے بنیاد دشمنی کی آگ بھڑکانے والی تھی۔ آخر نوبت بایں جا رسید کہ سرِ بازار آپ پر حملے کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ جس سے مخالفین کے غصے کا پورا جوش معلوم ہوتا تھا

اس عرصہ میں مولٰینا اپنی تدبیروں سے باز نہ رہے جس آگ کو انہوں نے بھڑکایا تھا اس کے اختتام پر پہنچانے کو موجود تھے یا جس کام کو اٹھایا تھا اس کو پورا کرنے کا وہی جوش باقی تھا اور اب اسی مخالفت میں آپ نے دوسرے وعظ کا

ارادہ کیا اور یہ وعظ اور بھی خوفناک اور دہلی والوں کے لئے ایک مہیب صورت کا ثابت ہوا۔

ضروری تمہید

(مولانا شہید کے مختلف مضامین پر وعظ اور مولوی فضل حق صاحب کی تلخ تر مخالفت)

پہلے اس سے کہ ہم مولانا شہید کے وعظ اور تلخ تر مخالفت کا تذکرہ کریں، جو مولوی فضل حق صاحب نے مولانا شہید سے برتی تھی اور اپنی تمام سر رشتہ داری کی قوت مولانا شہید کے مقابلہ میں صرف کر دی تھی یہ بہتر ہو گا کہ ان دونوں علماء کا تذکرہ کریں اور دونوں کی علمی قابلیت اور زہد و تقویٰ اور حمیت اسلامی کا مقابلہ کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں۔ تاکہ انہیں دونوں کے افعال اعمال اور ضمیری جوہروں کے جانچنے کا پورا پورا موقع ملے۔ یہ بحث چونکہ دلچسپ ہے اس لئے امید ہے شوق سے پڑھی جائے گی۔

پاکی اور تقدس جو اسلام نے نونہال بچے ہیں ہمیشہ اس کی گود میں نہایت لاڈ سے پالے گئے ہیں اور جن پاک اور برتر نفوس نے اسلام قبول کیا انہوں نے بھی ان بچوں کو ایسے لاڈ اور احتیاط سے پرورش کی جسطرح کہ اسلام کی گود میں پلتے تھے اس انتظام کے لئے کہ لاڈ کی یہ چاہت اہل اسلام میں سے نہ نکل جائے انہیں بذریعہ علم تہذیب سکھائی گئی۔ ادب اور شائستگی سے ان کے دل کو منور کیا اور ان کے ضمیری جوہروں کو اپنے جلال اور جبروت کی پوری درخشانی سے تاباں کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کے علم سکھانے سے (خواہ وہ منقولی اور معقولی) یہ مراد ہے کہ ہمارے اخلاق درست ہوں اور ہماری تہذیب و نیاوی دینی شائستگی کے ساتھ

ترقی کرے ہم اسلام کے سچے فرمانبردار اور پیارے مقتدی بن جائیں اور ہماری ذاتی طہارت اور دلی صفائی سے غیر اسلام کی نگاہوں میں اسلام کی توقیر بڑھے اور وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔

اسلام جو دنیا میں اپنے کو کُل ادیان کا سرتاج سمجھتا ہے ہمیشہ زیادہ تر اسی علم پر فخر کرتا ہے کہ جس کے ساتھ ایمان کا بھی لفظ ہے اس میں شک نہیں علم کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قاطع اسلام یا ایمان ہو پھر بھی ایسے شخص کی ذات سخت نفرت انگیز ہے جو علم حاصل کر کے اسے اپنی ناپاک نفسانی خواہشوں اور حیوانی جذبات سے حظ حاصل کرنے کا آلہ بنائے اور اپنی انسانی برتری اور فضیلت اسلامی اور حرمت علمی کو مٹا کے ذلت کے آخری درجہ پر پہنچ جائے۔ ایسے شخص کو کیا عالم کہیں اور کن شرمناک الفاظ میں اس کی اور اس کے علم کی تعریف کریں۔ علم بجائے خود کوئی مضر چیز نہیں ہے لیکن دل اور دماغ کی خوبی ایسی کہ علم مضر اور مہلک بن جاتا ہے وہی خنک پانی ہے جو روح کو تازہ اور معدہ کو سیر آب کرتا ہے وہی پانی اگر ایک ایسے مریض کو دیا جائے جس کا پھیپھڑا گل چکا ہو اور ہر دم پر دم واپسیں کا شبہ ہو تو وہ ایک گھونٹ پیتے ہی عالم ارواح کو سدھار جائے گا ایسی حالت میں ہم پانی کو مہلک کہیں گے بلکہ اس ظرف کو مرض بتائیں گے کہ جو ایسے شے سے بجائے مستفید ہونے کے اپنی جان دے۔ ہمارے دین کی کتاب یعنی قرآن مجید میں روشن اور صاف الفاظ میں یہ لکھا ہوا ہے۔

يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔ جو تم میں ایمان اور علم رکھتے ہیں۔

فطرۃ اللہ کا اصلی مفہوم اور کلام ربانی کا اصلی منشا صرف یہی نہیں ہے کہ وہ علم علم ہے جس کے ساتھ ایمان ہو اور وہ علم کچھ علم نہیں ہے جس کے ساتھ بددیانتی بدنیتی، زنا اور شراب خواری جو انسانی شرافت اور فضیلت کا خون کرنے والے ہیں، ہوں، علم انسانی ضمیری جوہروں کو چمکاتا ہے لیکن ایسے علم کو سلام ہے جس سے وہ اعلیٰ جوہر اور بھی مدہم پڑ جائیں اور پھر ان میں ایسا زنگ آجائے کہ ان کی ہستی تک مٹ جائے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنی روشن اور سب سے برتر تعلیم پر فخر کیا ہے اور اس کا فخر ہر صدی میں بے جا نہیں بلکہ بجا ثابت ہوا ہے۔ یونانیوں کے علم و فنون جو یا در کھا کی بے جا خود غرضانہ تعلیم سے نیست و نابود ہو گیا تھا۔ عرب ہی بعد ازاں اس کے سرپرست بنے اور انہوں نے ہی ان کو زندہ کر کے نئی تحقیقات کی پوشاک پہنادی۔ لیکن ہمارا روئے سخن خاص علمائے دین کی طرف ہے کہ ان کے لئے کیا کیا احتیاط شرط ہے اور پہلے کس کس قدر احتیاط کرتے تھے۔

دنیاوی علوم کا عالم اگر کسی قدر خلاف شرع بھی ہو گا۔ جب بھی اس کا اثر قوم کے بچوں پر نہیں پڑ سکتا۔ لیکن جو شخص مولوی کے نام مشہور ہوا اور مذہبی مباحث میں سب سے زیادہ حصہ لے۔ اور وہ کھلم کھلا وہ افعال کرے جو حرام ہوں اور شریعت محمدی کی اس سے سخت توہین ہوتی ہو تو ایسے شخص سے ایک کٹر ہ ناتراش جاہل نمازی بہتر ہے بجائے اس کے ہم ایک متقی اور پرہیزگار حامی دین متین مولوی صاحب کے مقابلہ میں اسے کھڑا کریں اور دونو کے علوم کی جانچ کریں۔ پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ بوجہ ہمعصر ہونے اور باہمی نوک جھونکی ہونے کی جہت

سے دونو کی قابلیت علمی اور اتقائے دینی کا تذکرہ کریں۔

ہمارے مذہب میں جہاں مذہبی علماء سے بحث کی گئی ہے وہاں یہ صاف طور پر کھول دیا گیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا اس میں کچھ سمجھ نہیں ہے۔ خواہ وہ تمام معقولی علوم کا حافظ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ۔ — اس کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جن میں سمجھ ہے۔

خدا تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے جو کچھ ہم نے اپنے کلام میں بیان کیا ہو خواہ امثال ہوں یا اور پہلو سے ہو اس کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جن میں سمجھ ہے اس سمجھ سے مطلب دین میں سمجھ ہونے کی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صدرہ شمس بازغہ اور بو علی سینا کی تصنیفات میں سمجھ ہو جیسا کہ اس نے صاف الفاظ میں ارشاد کر دیا

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ — اور یہ مثالیں ہم آدمیوں کے لئے بیان کرتے ہیں

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ۝ — اور انہیں بوجھتے وہی ہیں جنہیں سمجھ ہے۔

فطرۃ اللہ کا جو منشا ہم نے اوپر بیان کیا وہ آگے آنیوالی آیت صاف طور پر ظاہر ہو گیا اسلام کی پہلی سیڑھی تقویٰ و طہارت ہے اور جب ایک ایسا شخص جس کے نام کے ساتھ مولویت کا لفظ ہو اور وہ تقویٰ و طہارت سے عاری ہو پھر اس پر مولوی کا اطلاق حکم دین کے لحاظ سے ہرگز نہیں ہو سکتا جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ — اے آدم کی اولاد ہم نے تمہیں پوشاک دی،

سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ۚ
کہ تمہارے عیب چھپا دئے اور رونق بخشی اور بہترین پرہیزگاری کے کپڑے ہے،

اس آیت کی تفسیر میں مفسروں نے لکھا ہے لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور یقین تقوے سے مراد حیا ہے جب علم کے ساتھ حیا اور یقین کی صفتیں نہیں ہیں تو ایسے دینی علم پر تین حرف خدا کے آگے ایسے علم والے جاہل اور فاسق ہیں۔ بار بار خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں کو جاہل کہتا ہے جو قرآنی آیتوں پر عمل نہیں کرتے اور احکام ربانی سے روگردانی کرتے ہیں مثلاً زور دے کر باری تعالیٰ یہ فرماتا ہے :۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
بلکہ یہ قرآن ان کے سینے میں جن میں کچھ عطا ہوئی ہے صاف نشانیاں ہیں۔

قرآنی آیات بینات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی موجود ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے خداوند تعالیٰ کی سچی ہدایت اسی کو پہنچتی ہے اور وہی سیدھے رستے پر ہے جس کو دین میں سمجھ ہے یعنی جس نے دینیات پڑھ کر اور عمر کا بہت بڑا حصہ اس میں صرف کر کے تحصیل کیا اور پھر اس پر عمل نہ کیا وہ محض بے کار اور ناکارہ ہے۔

ہر مسلمان پر خصوصاً ایسے شخص پر کہ جس نے نبی اور خدا کا علم حاصل کیا۔ اور پھر اس نے عمل کے وقت روگردانی کی اس کی کمینہ طبیعت اور سفلگی اس شرافت کو مٹا کے خاک میں ملا دیتی ہے جو نفس انسانیت کا روز ازل سے جوہر ہو چکی ہے۔ ایک سچا مسلمان اپنے اتقا اور خدا پرستی طہارت اور تقدس نفسانی اپنے ضمیری جوہروں کی تابانی۔ دیانت۔ نیک نیتی اخلاق کی شائستگی اور خیالات کی نجابت

پر افتخار کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ یہ جنتی صفتیں ہیں۔ سب ایک مسلمان کے لئے خاص ہیں اور جن میں یہ صفتیں نہیں گویا وہ خدا کے سچے جلال کی روشنی اور اسلامی برکتوں سے محروم اور اس بخششوں اور لازوال نعمتوں سے بدنصیب ہیں جیسا کہ حدیثِ نبوی میں آیا ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدَهٗ۔ (جس کی اللہ بہتری چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ دیتا ہے اور اسے راہ الہام کر دیتا ہے)

اس سے ثابت ہو گیا جسے دین میں سمجھ نہیں ہے اس کے لئے بہتری ہی نہیں ہے، وہ ہمیشہ زشتی اور زبونی میں اپنی زندگی برباد کرے گا اور کبھی نہ دین میں نہ دنیا میں سرسبز ہوگا۔ کسی بندے کے لئے خدا کا بہتری نہ چاہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بندہ اپنے بداعمال سے پورا مغضوب ہو چکا ہے اور اب نہ اس کی فلاح کی کوئی امید ہے نہ اس کی نجات کی علماء کی شان میں یہ حدیثِ نبوی موجود ہے یعنی العلماء ورثۃ الانبیاء (عالم انبیاء کے وارث ہیں) ظاہر ہے کوئی درجہ درجۂ نبوت سے بڑھ کے نہیں ہے اور جب ایسے اعلیٰ درجہ کی وراثت عطا ہوئی تو وہ شخص کس اتقا اور پرہیزگاری کا ہونا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے "عالم کے واسطے زمین اور آسمان میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے۔" اس سے زیادہ اور کوئی منصب نہیں ہو سکتا جس کے لئے آسمان و زمین کے فرشتے بھی مغفرت چاہیں ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہے "حکمت شریف کی بزرگی زیادہ کرتی ہے۔"

لہ یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس میں ویلہمہ رشدہ نہیں ہے اس جملہ کو طبرانی نے جامع کبیر میں روایت کیا ہے۔ ٢ه ابوداؤد و ترمذی نے ابو درداء سے نقل کیا ہے۔

٣ه یہ ٹکڑا پہلی حدیث ابو درداء کا ہے۔

٤ه ابونعیم اور عبدالغنی ازدی نے انس سے روایت کیا ہے ١٢

اور مملوک کو اتنی بلندی بخشتی ہے کہ بادشاہوں کے تخت پر بٹھا دیتی ہے۔" اس حدیث میں نبی اکرم نے علم کا نتیجہ دنیا میں ارشاد فرما دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ علم دین حاصل کر کے جو اس میں سمجھ نہ پیدا کرے اور اس کی ہدایت نہ کرے منافق ہے چاہے کیسا ہی عالم ہو دینی یا دنیوی علوم کا مفہوم یہی ہے کہ اس سے نیک باتیں سیکھ کے ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی ہدایت کریں اور جب کسی دینی عالم سے یہ کام نہیں ہوتے وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق منافق ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

خَصْلَتَانِ لَا يَكُونَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَفِقْهٍ فِي الدِّيْنِ ۔ — دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں اول خوبی ہدایت دوم دین میں سمجھ۔

ہمارے مفخر موجودات امین خدا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے خوب صاف الفاظ میں مولوی کی شان بیان فرما دی کہ کسی تشریح اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہی نہ کوئی مسلمان اُسے انکار کر سکتا ہے وہ حدیث یہ ہے۔ "آدمیوں میں سے بہتر اور ایماندار عالم ہے کہ اگر لوگ اس کے پاس حاجت لیجاویں تو انہیں فائدہ پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی کریں تو وہ اپنے نفس کو اس سے بے پروا کرے۔" جس عالم میں یہ دو صفتیں نہیں ہیں وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق کبھی نیک بندوں میں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے جتنی علم اور اہل علم کی توقیر کی ہے۔ اور کسی مذہب میں یہ بات نہیں ہے نہ مسیحی مذہب کو یہ فخر حاصل ہوا ہے اور نہ زرتشتی مذہب نے اس میدان میں اسلام کے برابر قدم رکھا ہے اور

سنہ ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث غریب ہے ۔ سنہ بیہقی نے موقوف روایت کی ہے

نہ آریہ مذہب میں عالم اور علم کی بابت اس بے مثال عزت اور لاثانی توقیر کا نام آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"ایک[۳] قبیلہ کا مر جانا ایک عالم کے مرنے کی نسبت آسان تر ہے،،

ان ہی روشن اصول پر اسلام فخر کرتا ہے وہ ایک عالم کی جان کے آگے ایک قبیلہ کی جان کی کچھ قیمت نہیں سمجھتا لیکن یہاں ایسے عالم سے مراد ہے جس کا ذکر اوپر کی لکھی ہوئی حدیثوں میں کیا گیا۔

اس[۴] میں شک نہیں کہ عالم زمین پر خدا تعالیٰ کا امانتدار ہے اور جس نے خدا کا امانتدار بن کے اس میں خیانت کی اس کے برابر کوئی نالائق دین محمدی میں نہیں ہو سکتا۔

خدا کی مخلوق کی بہتری اور اصلاح کی کنجی حکمران اور علماء کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر یہی دونوں بگڑ جائیں تو دین و دنیا میں مخلوق کا پھر کہاں ٹھکانا مل سکتا ہے نبی اکرم یہاں خود ارشاد فرماتے ہیں۔

میری[۵] امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہو جائیں اور اگر وہ بگڑ جائیں۔ تو سب لوگ بگڑ جائیں۔ ایک امیر یعنی حکمران اور دوسرے فقہاء یعنی عالم

ایسا فاضل اور مولوی یا عالم جس کی وجہ سے فسق کو ترقی ہو وہ سو منافقوں کا ایک منافق ہے اور اس سے بدتر اسلام میں کوئی نہیں ہے اور اپنے نفس کی بوئی بُرے نتیجے دکھاتی ہے نہ کہ خدا کی صدہا مخلوق کو تباہ کرنا اور انہیں گمراہ کر دینا مذہب اسلام میں عالم کی فضیلت بڑے زور شور سے بیان ہوئی ہے کہ اس سے افضل

---

[۳] طبرانی نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے۔ [۴] ابن عبد البر نے حضرت معاذ سے روایت کیا ہے۔
[۵] ابن عبد البر عبد النعیم نے بسند ضعیف روایت کیا ہے۔ ۱۲

ائی قرار ہی نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ بڑے زاہدوں اور عابدوں پر عالم کو فضیلت
نشی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے :۔

ضلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِی (عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے میری
لٰی اَدْنٰی رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِی[1] ؎ بزرگی میرے ساتھیوں میں سے سب سے کمتر شخص پر)

ر ایک اور حدیث میں آیا ہے :۔

ضلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ (عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں
لَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ[2] ؎ رات کے چاند کی سب ستاروں پر)

ر ایک اور حدیث میں آیا ہے اور وہ بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے :۔

شفع یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثَلٰثَۃٌ اَلْاَنْبِیَاءُ (قیامت میں تین آدمیوں کی شفاعت قبول ہوگی
الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَاءُ[3] ؎ انبیاء کی پھر علماء کی پھر شہیدوں کی)

ں سے یہ ثبوت بدرجہ ادنیٰ ہو گیا کہ انبیاء کے بعد علمائے دین کا درجہ ہے ہمیں
ی ثابت کرنا تھا اور اسی کو ہم ثابت کر چکے۔ اب ہم مولوی فضل حق صاحب اور
لینا شہید کی بابت کچھ لکھنا چاہتے ہیں جو بحث اور بھی دلچسپ ہوگی۔ مولوی فضل
م صاحب مولوی فضل حق صاحب کے والد ماجد ایک مسکین مسلمان تھے۔ گو دنیاوی
رنے انہیں گھیر رکھا تھا پھر بھی وہ اسلامی ارکان ادا کرنے کے کچھ نہ کچھ عادی
تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے بھی تھے چونکہ ہمیں ان کی بابت
ی بحث نہیں کرنی اس لئے نہ ان کا مبلغ علم دیکھنا ہے نہ ان کے چال چلن کی جانچ

---

[1] ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے ۱۲ [2] ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ
روایت کیا ہے۔ [3] ابن ماجہ نے حضرت عثمان سے روایت کیا ہے ۱۲۔

کرنی ہے صرف ہمیں مولوی فضل حق صاحب سے بحث ہے۔

مولوی یا منطقی صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے معقولی تھے اور یہ مشہور تھا کہ ص
جیسا منطقی صاحب پڑھاتے ہیں شہر میں اور کوئی نہیں پڑھا سکتا اس میں شک نہیں
ہمارے مولوی منطقی صاحب اعلیٰ درجہ کے لائق اور فائق شخص تھے اور یہ بھی مسلم ال
ہے کہ آپ طلبار کے پڑھانے کے ایسے پابند تھے کہ ناواجب موقع پر بھی نز چو
تھے یعنی جب آپ طوائف کے ہاں ہوتے تھے اس حالت میں بھی سبق پڑھانے
دریغ نہ کرتے تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ادیب بھی بہت بڑے تھے اور شاع
اعلیٰ درجہ کے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بہت سے قصائد عربیہ بے نقط دیکھے
ہیں ان قصائد پر نظر کرنے سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے مصنف یا شاعر ایک غیر م
لیاقت کا شخص ہے اور سے خداداد ذہانت اور تیزی طبعی کا بہت بڑا حصہ ملا ہے
افسوس یہ ہے کہ اکثر اشعار عرب کے روزمرہ سے گرے ہوئے ہیں اور بعض نحوی غلط
بھی پائی جاتی ہیں بایں ہمہ مضمون کی عمدگی مطالب کی درستی میں کوئی کلام نہیں
ہم یہاں ان اشعار کو لکھ کر دکھاتے۔ مگر جب رسالہ تیرہ صدی میں تمام حوا
جو مولوی فضل حق صاحب نے منطقی کتب پر چڑھائے تھے۔ اور اشعار کی پوس
کندہ کیفیت درج ہے اور جس کی ترتیب مولانا سید احمد صاحب رامپوری نے دی
پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اپنے صفحے اس بحث میں سیاہ کریں جن اصحاب کو شوق ہ
اس رسالہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ بعض حواشی معقولی کتب پر عجیب وغریب قابلی
سے مولوی منطقی صاحب نے چڑھائے ہیں لیکن مولوی صاحب موصوف کی

ملہ مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے مولوی فضل حق صاحب کی تصانیف (حواشی) اشعار وغیرہ
سو اعتراض کئے ہیں اور اس رسالہ کا نام تیرہ صدی لکھا ہے مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ان کثیر التعداد اعتراضو

لم کرنے والا دہ نظارہ ہوگا۔ جب ان لاجواب حواشی کو دوسرے علمار کے اشی کا مترادف پائیں گے اور جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے دوسرے نقل کرلی ہے۔

بہرحال ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولوی فضل حق صاحب نی عالی دماغی جودتِ طبع اور علوم عربیہ (معقولات) میں قابلیت نامہ رکھتے تھے۔ اور یہ بات تعریف کے قابل تھی کہ درسی کتابیں ریاضی و منطق و ہیات کی سی از بر تھیں کہ باوجودیکہ وہ اپنی دلربا رکی طرف اپنی طبیعت مائل رکھتے پھر بھی پنے نکتہ چین اور جھکی شاگردوں کا اطمینان کردیتے تھے۔ یہ بات تعریف کے ابل ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی جدت پسند طبیعت اور عالی دماغی نے انہیں زمرۂ لمائے دینی میں پابند نہ رہنے دیا بلکہ ان کی لاثانی معقولی قابلیت اور قانونی دماغ نے مجبور کیا کہ وہ ملازمت انگریزی کریں گو پہلے انہیں کوئی عہدہ ملا ہو۔ لیکن آخر وہ سررشتہ دار بن گئے تھے۔ اور اس سررشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ و شوکت و قوت اصل تھی جو اس زمانہ میں ڈپٹی کمشنر کو ہے آپ کے مکان پر اہل مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا۔ اور زندگی نہائیت عزت و آرام سے بسر ہوتی تھی۔ بایں ہمہ یہ بات قابل مدح ہے۔ کہ ہمارے منطقی مولوی سرکاری کاروبار کی اس کثرت پر بھی طلبہ کو پڑھاتے تھے اور مولوی مفتی صدرالدین کی طرح اپنے خالی وقت کا کچھ نہ کچھ حصہ طلبہ پر قربان کر رکھا تھا

ان کی معاشرت پر ہمیں ضرور نہیں کہ ہم نکتہ چینی کریں کیونکہ گو وہ مولوی کے نام سے مشہور تھے لیکن سرکار انگریزی کے ملازم بن کے انہوں نے اپنے کو دائرہ علمار سے خارج کرلیا تھا۔ جب مولانا شہید کے وعظ پر نئے نئے حاشیئے یار لوگوں

نے چڑھائے اور شہر میں خواہ مخواہ ایک تلاطم برپا ہوا تو منطقی صاحب بھی اس ک
طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے بھی اپنی سررشتہ داری کی اسٹیج پر شہید کی مخالف
کا ایک پارٹ ایکٹ کرنے کو پسند کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے ہمارے منطقی صاحب
لوگوں کی افواہوں کا کہاں تک خیال تھا اور وہ عوام الناس کی بکواس کو کہاں
تک صحیح جانتے تھے۔ لیکن بہ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کو اپنی سرکاری قوت
کی مخالفانہ آزمائش کا پہلا موقع شہید پر ملا جو یقیناً ان الزامات سے بالکل بر
تھا۔ جو اس پر قائم ہوئے تھے۔ نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں۔ اور روزمرہ مشو
اس امر میں ہوئے کہ جس طرح ہو سکے مولینا شہید کو عین موقع پر زک دیں۔ زید
کے کان میں بھی یہ بات ڈال دی کہ مولینا شہید کے وعظ سے امن میں خلل پڑنے
کا خوف ہے۔ پھر بھی ابھی بہت خیر تھی۔ منطقی صاحب کے غضب نے طول نہ کھینچ
اور وہ صرف اسے ایک معمولی بات سمجھ کر ابھی زیادہ زور بھی نہ دیتے تھے۔

ایک دن جب مولانا شہید اپنے مکان پر طلبہ کو پڑھا رہے تھے منطقی صا
نے چند طالب علم بحث کرنے کے لئے بھیجے اور بعض نکات درسی کتابوں کے انہیں سمجھ
دیئے اور یہ پٹی بھی پڑھا دی اگر ہشت مشت ہو جائے تو تم چوکنا نہیں۔ میں سب
بندوبست کر لوں گا۔ ان طلبہ کا لیڈر جو بحث کرنے چلے تھے ایک شخص عبدالصمد
نامی بنگالی تھا۔ اور یہی گویا فضل حق صاحب کے شاگردوں میں بڑا ذہین اور
طباع مشہور تھا۔ وہ بعض وقت خود بدولت کو بھی کچھ نہ سمجھتا تھا۔ اور اس کی خدا
ذہانت اور قوت تفہیم نے ایسا بہکایا تھا کہ وہ بڑے بڑوں کی عیب گیری کرنے میں
ذرا تامل نہ کرتا تھا۔ تعداد آٹھ دس طلبہ تھے جو مولوی شہید کے پاس بحث کرنے کیلئے آئے

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ پیارے شہید کو کہاں تک اپنے دوست منطقی کا علم تھا۔ ہاں کئی وجوہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ پڑھے لکھوں میں اول نمبر مخالفت میں منطقی صاحب کا ہے جب یہ بحث کرنے والے پہونچے ہیں تو شہید بخاری پڑھا رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ یہ خاموش بیٹھ گئے گوش گزار کرتے اور جب سبق ہو چکتا تو در بحث وا ہوتا انہوں نے تو جاتے ہی ایک شگوفہ یہ چھوڑ دیا جب تک آپ ہم سے بحث نہ کر لیں کبھی طلبا کو نہ پڑھائیں اس میں جاہل بہکتے ہیں اور آپ کو عالم سمجھ کے آپ کی بات تسلیم کر لیتے ہیں۔

یہ ایسا ناتراشیدہ اور نامہذب حملہ تھا کہ کیسا ہی مسکین سے مسکین شخص ہو اسے غصہ آجائے اور پیارا شہید تو ابھی نوجوان تھا۔ فطری طور پر اس نا ملائم دخل سے پیارے شہید کو غیظ تو بہت آیا لیکن قرآن کی اس آیت نے کہ "جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور معاف کرنے کی عادت رکھتے ہیں" کسی قدر دھیما کر دیا اور نہایت حلیمی اور انکساری سے یہ جواب دیا "جو کام میں کر رہا ہوں خواہ وہ ناواجب طریقہ سے ہو خواہ واجب طور پر آپ کو لازم ہے آپ خاموش رہیں اور جب میں اپنا فرض منصبی ادا کر لوں پھر آپ مجھ سے ہر سوال کرنے کے مجاز ہیں" یہ جواب اسی قدر معتدل تھا جتنا خیال میں آسکتا ہے پھر بھی یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ان کے حسد کی آگ کو معتدل جواب کا خنک پانی بجھا سکتا۔ انہوں نے اور بھی سختی سے جواب دیا "ہم تمہیں اس فرض سے اس لئے روکتے ہیں کہ مخلوق اللہ ظلمت اور گمراہی میں نہ پڑے اور بحیثیت حنفی ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم کبھی وہ کام نہ کرنے دیں خصوصاً اپنی آنکھوں کے آگے جس سے دین خدا میں رخنہ پڑے" ان کی یہ حد سے زیادہ بڑھی

ہوئی گرم باتیں پیارے شہید کے شاگردوں کو بھڑکانے کے لئے کافی تھیں۔ اگر
انہیں ایک زبردست اور پراثر آواز اپنے استاد کی نہ روکتی تو ضرور سر پھٹول ہو جاتی
اور وہ آواز یہ تھی "تم ہرگز خفا نہ ہونا انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔ جتنا ہمارے
رسول مقبول صلعم کو مخالفین ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے تھے اور آپ اُف تک نہ
کرتے تھے اور یہ دعا دیتے تھے "خدا تم پر رحمت کرے" کیا تمہیں وہ یاد نہیں رسول
مقبول کے ایک قرضخواہ یہودی نے چادر کھینچی تھی اور اس نا ملائمت سے اپنا قرض
مانگا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر لال پیلے ہوئے تھے مگر رسول مقبول صلی
اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور یہ فرمایا تھا "عمر چادر تو میری گھسیٹی ہے تجھے غصہ کیوں
آیا"، جوں ہی شاگردوں نے یہ سنا وہ بے حس و حرکت سمندر کی طرح ساکن ہو گئے
اور صورت بت وہ اپنے جلیل القدر استاد کی طرف تکنے لگے۔ بعد ازاں مولانا شہید
نے کہا بھائیو! جو کچھ تمہیں سوال کرنا ہو کرو، انہوں نے چھوٹتے ہی یہ دریافت
کیا ہم صرف آپؒ سے یہ دریافت کرتے ہیں آپ امام ابو حنیفہ کو کیسا سمجھتے ہیں
آپ نے فرمایا بڑا زبردست فقیہہ فخر مسلمین خیال کرتا ہوں۔

طلبہ | جو فقہی مسائل ان کے ہیں آپ انہیں تسلیم کرتے ہیں یا مانتے ہیں؟

شہید | اکثر کو تسلیم کرتا ہوں مگر بعض وہ مسائل جو حدیث میں موجود ہیں......

ابھی پورا کہنا نہ پائے تھے کہ وہ بول اٹھے "آپ میں اتنی سمجھ ہو گئی کہ آپ ان
کے بعض فقہی مسائل کو ناپسند اور اکثر کو پسند کرنے کے مجاز ہیں"

شہید | نہیں حاشا و کلا یہ میں نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ میں یہ کہتا ہوں امام اعظمؒ کو جو
حدیث نہیں پہونچی اور وہاں انہوں نے اپنے رائے سے بیان کیا اور اس کے خلاف

؎ سرو ملی کے ص ۳۵۵ سے ص ۳۶۰ تک یہ کل طویل مناظرہ یا سوال و جواب مندرج ہیں ۱۲

حدیث موجود ہے تو ہمارا فرض ہے کہ حدیث نبوی کے آگے امام اعظم رح کے قول یا رائے کو تسلیم نہ کریں۔

طلبہ | اور جو اس کے خلاف کرے اسے آپ کیا کہتے ہیں۔

شہید | ابھی تک میں نے اس کی بابت کوئی غور نہیں کیا۔ پھر بھی میں اتنا کہتا ہوں چاہے میرا خیال درست ہو چاہے نادرست۔ وہ اچھا نہیں کرتا۔ کیوں کہ امام صاحب خود فرماتے ہیں "اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث ملے تو اس میرے قول کو نہ لو"۔

طلبہ | کیا امام اعظم رح صاحب حدیث نہیں جانتے تھے؟

شہید | جانتے کیوں نہیں تھے۔ مگر وہ زمانہ احادیث کی اختراعات کا ایسا غضبناک تھا کہ یکایک ہر حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکثر مسائل میں اپنی رائے سے کام لیا ہے۔

طلبہ | کیا اس سے وہ ملزم ٹھہر سکتے ہیں۔

شہید | نہیں ہرگز نہیں ان کا دامن تقدس ہر بے جا الزام سے بالکل پاک ہے ہاں اگر یہ کہتے کہ حدیث صحیح ہو چکنے پر بھی تم میرے ہی قول پر عمل کئے جاؤ تب تو جائے اعتراض ہو سکتی ہے اور جب وہ یہ نہیں فرماتے پھر ان پر کسی طور کا الزام قائم کرنے والا اچھوتا ہے۔

ان سوال و جواب میں کوئی بات ایسی نہ تھی کہ بحث کرنیوالوں یا سوال کرنے والوں کی آرزو بر آتی چونکہ اب بھی ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ غصہ میں تھر تھرا رہے تھے انہوں نے یہ بے جوڑ سوالات کرنے شروع کئے۔

طلبہ | ایسے بھی مسائل ہیں جس سے امام صاحب کو اور تین اماموں پر فضیلت ہو سکتی ہے

شہید | اس کا جواب دینے کے لئے میں ابھی تیار نہیں ہوں۔

طلبہ | پھر آپ کو آتا ہی کیا ہے آپ تو بالکل ہی نہیں جانتے۔

شہید | میں نے ابھی تک اپنی علمیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جو تم مجھے یہ کہتے ہو۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

طلبہ | زیادتی نہیں ہے ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام اعظم تینوں اماموں سے افضل ہیں اور اسے ہم ثابت کر سکتے ہیں۔

شہید | ممکن ہے کہ ایسا ہو، اور آپ بھی ثابت کر دیں لیکن جب میرے چاروں جلیل القدر آئمہ کی لیاقت جانچ کرنے کا کوئی آلہ نہیں ہے پھر میں کیونکر اپنی رائے دے سکتا ہوں۔ میں چاروں کو واجب التعظیم خیال کرتا ہوں اور میرا مذہب یہ ہے جو کچھ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہے اس کا عظیم الشان صلہ تو خداوند حقیقی نے انہیں دیا ہی ہو گا۔ لیکن اس کے خلاف ہماری گردن پر ان کے اتنے احسان ہیں اور قیامت تک مسلمانوں پر رہیں گے۔ کہ وہ ان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

یہ سن کر طلبہ خاموش ہوئے اور اب انہیں زیادہ سختی کا بھی موقع نہیں رہا۔ عبد الصمد بنگالی جو سب کی طرف سے محض طفلانہ اور بے جوڑ سوال کر رہا تھا۔ اور دندان شکن مگر منکرانہ جوابوں پر بھی اس کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ سوچتے سمجھتے یہ تواریخی سوال کرنے لگا۔ "آپ بڑے عالم ہیں آپ کا خاندان بھی بڑا فاضل ہے اور تمام علوم آپ کو حاصل ہیں آپ یہ تو بتائیے کہ امام ابو حنیفہؒ کون تھے۔ کہاں کے رہنے والے تھے انہوں نے کس کس سے تعلیم پائی اور ان کے شاگرد کون کون سے تھے

ذرا معلوم تو ہو کہ آپ آئمہ دین کے حالات سے کتنے واقف ہیں۔

شہید (تبسم آمیز لہجہ میں) اس طول وطویل بیان کرنے کی تم مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو۔ کتابیں بھری پڑی ہیں ان میں دیکھ کر مشرح حال بخوبی معلوم ہو جائیگا۔

طلبہ (زہر خندہ کر کے) یہ تو ہم جانتے ہیں کتابوں میں سب کچھ بھرا پڑا ہے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے آیا آپ کو کچھ آتا ہے۔ یا یوں ہی دور کے ڈھول سہانے ہیں۔

شہید (ہنس کے اور بطور مضحکہ کے) اگر تم میرا امتحان لینے آئے ہو تو بھی تمہیں پہلے انعام کی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ اگر میں تمہارے امتحان میں پورا اترا تو تمہیں ضرور انعام دینا ہوگا۔ اور اگر تم محض استفادہ کے طور پر دریافت کرتے ہو تو تمہیں ایسی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ تلامذہ کے خلاف شان ہے کہ وہ اس سختی سے گفتگو کریں۔

مولانا شہید کی اس تقریر نے عبد الصمد بنگالی کے چھکے چھڑا دئے۔ اور اب کسی قدر نادم ہوا مگر اس کے دل میں ایک کدورت سی پیدا ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ اپنی ضد اور سوالات سے دستبردار نہیں ہوا تاہم وہ بہت نرم ہو گیا اور مولینا شہید کی ملامت اس کے دل میں کھب گئی۔ اس کا یہ جنتہ پھر نہ رہا کہ وہ کہتا میں امتحان لینے آیا ہوں۔ بلکہ اب اس نے کسی قدر نرم زبانی سے یہ کہا۔ اچھا بطور استفادہ ہی سہی۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔

اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بہت خوشی سے میں تمہارے حکم کی تعمیل کرنے کو موجود ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ جواب ان تواریخی سوالات کا ارشاد فرمایا۔

آپ کا اصلی نام نعمان ہے اور کنیت ابوحنیفہ ہے اور لقب امام اعظم ہے اور شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ بن عسکر بن خیان ابن شہر۔

آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ثابتؒ پہلے پہل حضرت علی کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور علاوہ اور تحائف عجمیہ کے اپنے خاگینہ حضرت علی کی فرمائش سے اپنے باورچی سے پکوا کے پیش کیا۔ حضرت علیؓ انڈوں کا خاگینہ اور عجمی تحائف لے کر بہت خوش ہوئے اور ثابت کو دعائے خیر دی۔ جب امام ابو حنیفہؒ بڑے ہوئے تو شعبی کی ترغیب سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ بحث بڑی دقیق ہے کہ آپ نے کسی صحابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور آپ کو تابعی ہونے کا افتخار بھی حاصل تھا۔ چونکہ مجھے اس میں کچھ رد و قدح نہیں کرنی چاہیئے۔ میں تواریخ پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنے بچپن کے زمانہ میں انس صحابی کو دیکھا تھا۔ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزار تھے۔ امام صاحب کا زمانہ بچپن و جوانی ایک پر آشوب زمانہ تھا۔ ایسے زمانہ میں بعض وجوہ سے آپ علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر بعد ازاں چند اصحاب کی ترغیب سے آپ اول حمادؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے حماد نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ گو ابھی امام ابو حنیفہؒ کو پورا حدیث میں ملکہ نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی چسکا لگ گیا اور آپ اس قابل ہو گئے تھے کہ فقہی مسائل کی جن کی اس زمانہ میں ضرورت تھی کچھ جانچ پڑتال کرتے۔ اس کے بعد آپنے قتادہؒ کی شاگردی کی۔ پھر آپ نے سلیمان و سالم بن عبد اللہؒ سے حدیث پڑھی سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ پھر بیروت میں (جو بندر دمشق ہے) اوزاعی سے تعلیم حدیث پائی اس کے بعد سب سے زیادہ فخر حضرت امام باقر علیہ السلام کے حلقہ درس میں شامل ہونے کا امام اعظمؒ کو حاصل ہوا۔ جب آپکی بہت شہرت ہوئی اور آپ کے ہزاروں شاگرد بن گئے۔ تو

یزید بن عمر بن ہبیرہ گورنر کوفہ نے آپ کو میر منشی اور افسر مقرر کرنا چاہا۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ یزید نے بہت سمجھایا اور زبانی ڈراوا دیا۔ لیکن آپ اپنے انکار ہی پر قائم رہے ناچار اس نے آپ کو درے لگوائے۔ ہنوز یہاں دُرے کھانے پر بھی انکار ہی تھا۔ روز مرہ وہ ابوحنیفہؒ کو اپنے سامنے بلاتا تھا۔ اور میر منشی کا بستہ پیش کرتا تھا۔ اور ایک طرف دُرہ رکھتا تھا کہ اسے قبول کرو نہیں تو یہ دُرہ موجود ہے آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں جب انکار کر چکا تو اگر مار بھی ڈالے گا تو میں منظور نہ کروں گا۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہو گا کہ تو ایک مسلمان کے قتل کا حکم دے اور میں اس پر مہر کروں۔ جب وہ بہت تنگ ہوا تو اس نے امام صاحب کو چھوڑ دیا آپ رہائی پاتے ہی فوراً مکہ معظمہ چلے آئے اور ۱۳۷ھ ہجری تک وہیں رہے بلکہ ایک روایت کے بموجب ہے کہ آپ نے اڑتیسواں سال بھی وہیں گزارا۔

جب ۱۳۲ھ ہجری میں بنو امیہ کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنت اسلام حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کی اولاد کے قبضہ میں آئی تو پہلا حکمران ابوالعباس سفاح ہوا اس نے بہت ہی قلیل زمانہ حکومت کے بعد وفات پائی اس کے بعد اس کا بھائی منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا لیکن اس نے کوفہ کی آب و ہوا مزاج خلافت کے خلاف دیکھ کے نئے دارالخلافہ کی بنیاد ڈالی اور یہاں علم خلافت فراٹے بھرنے لگا منصور کو امام ابوحنیفہؒ سے جانی عداوت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ انہیں قتل کر ڈالے عداوت کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ نے ابراہیم کا بغاوت میں ساتھ دیا تھا۔ امام صاحب بھی اس خونی عزم سے ناواقف نہ تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ منصور بغداد چلا گیا تو آپ مکہ سے کوفہ تشریف لائے مگر منصور نے گو تخت خلافت کو بغداد میں بدل دیا تھا۔

پھر بھی کوفہ میں اس کی حکومت تو تھی اس نے فوراً ابو حنیفہ رضؒ کو بغداد طلب کیا اور داخلہ کے دوسرے دن دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دربار میں جس نے امام ابو حنیفہ رحؒ کو پیش کیا وہ ربیع تھا جو حجابت کا عہدہ رکھتا تھا۔ اس نے یہ کلمے امام صاحب کی نسبت پیش کرتے وقت کہے تھے "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے"۔ منصور گو آپ کو قتل کرنے کا بہانہ ڈھونڈھتا تھا پھر بھی اس کی علم دوست طبیعت نے اسے مجبور کیا کہ آپ کی قدر کرے چنانچہ اسی خیال سے اس نے آپ کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا منصور نے غصہ میں بھر کے کہا "تم جھوٹے ہو"۔ امام صاحب نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا قابلیت نہ رکھنے کا دعویٰ سچا ہے کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا۔ پھر امام صاحب نے بہت سی وجوہ بیان کیں کہ اس وجہ سے میں عہدہ قضا قبول نہیں کر سکتا۔ منصور نے قسم کھا کے کہ تم کو ضرور قبول کرنا پڑے گا۔ اس کے مقابلہ میں امام صاحب نے بھی دلیری سے قسم کھائی کہ میں ہرگز یہ قبول نہ کروں گا۔ ربیع مارے غصہ کے تھرا گیا اور اس نے گرم لہجہ میں یہ کہا ابو حنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے جواب دیا "ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ سہل ہے۔

جب یہ رد و بدل ہوئی تو منصور نے آپ کو قید خانے میں بھیج دیا۔ چار برس آپ قید خانہ میں رہے اور بماہ رجب ۱۹ تاریخ ۱۵۰ ہجری میں آپ کی وفات ہو گئی۔

یوں تو امام صاحب کے کوڑیوں شاگرد تھے مگر سب میں مشہور معروف امام محمد اور امام ابو یوسف تھے۔ مولانا شہید یہاں تک پہونچے تھے کہ عبد الصمد نادم ہوا

اور جو کچھ اس نے سخت زبانی کی تھی اس کی دل سے معافی مانگی اور آپ کا ایک مضبوط معتقد بن گیا۔ اور جتنے اس کے ساتھ آئے سب نے آپ کی اطاعت قبول کی۔ جب مولوی فضل حق صاحب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اور بھی رنجیدہ ہوئے اور اب انہوں نے مولانا شہید کو اذیت دینے کی نئی نئی تدبیریں کرنی شروع کیں۔

مولانا شہید نے اس عرصہ میں بارہا وعظ فرمایا تھا مگر جامع مسجد میں جمعہ کے دن معرکہ کا دوسرا وعظ فقیری پر فرمایا جس سے مخالفین کو بھڑکنے کا اور بھی موقع ملا۔

مولانا شہید کا دوسرا وعظ فقیری پر[1]

(آپ نے معمولی آیت قرآنی پڑھنے کے بعد فرمایا) "اے مومنین میں آج آپ کو ایسی باتیں سناؤں گا جو حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان اور تمہاری موجودہ حالتوں میں موازنہ کریں گی موجودہ زمانہ میں عموماً لوگوں کی زبان پر ہے کہ فلاں شخص فقیر ہے اور فلاں صاحب کرامت ہے ایک حضرات صوفیہ کا گروہ ہے جو دریائے فقر میں ڈوبا ہوا ہے اور ہزاروں ان کے مرید بھی ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کی فقیرانہ معاشرت پر حملہ کروں یا اس پر اپنی کچھ رائے دوں بلکہ میں چاہتا ہوں (اگر اللہ میری مدد کرے) کہ فقیر کی اصلی حالت تم پر بیان کر دوں۔ کہ ہادی اسلام اور نیز خود خدا تعالیٰ نے کس شخص کو فقیر گردانا ہے اور کون کونسی صفتیں ایسی ہیں جو ایک فقیر میں ہونی لازم ہیں۔ دراصل فقر حاجت کا نام ہے اور بے حاجت ہونے کو فقیر نہیں کہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوائے خداوند تعالیٰ کے ہر چیز فقیر ہے کیوں کہ اسکو اپنے

---

[1] تذکرہ مشاہیر دہلی جلد ۲ صـ ۱۱۱ و تواریخ علمائے دہلی صـ ۳۱۳۔

دوسرے وقت موجود ہونے کی حاجت ہے مگر میں تمہیں اس منطقی الجھاؤ میں پھنسانا نہیں چاہتا۔ جو حقیقت فقر کی خدا اور رسول نے بیان کی ہے وہ میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں تاکہ اس سے تم اصلی بناوٹی فقیر کے شناخت کرنے میں غلطی نہ کرو۔

فقیر جس کو ہم دوسرے الفاظ میں محتاج کہہ سکتے ہیں اپنے ساتھ ایک وسیع معنی رکھتا ہے شریعت غرا نے اس شخص کو فقیر تسلیم کیا ہے جو سوائے خدا کے سب سے بے نیاز ہو اور جو دوسروں کا محتاج ہو وہ ہرگز فقیر کے لقب سے پکارے جانے کا مستحق نہیں (جزاک اللہ فی الدارین خیراً ایک جوشیلی آواز سامعین میں سے آئی)۔ بھائیو! یاد رکھو ایسی فقیری سے جو دوسروں کا محتاج بنادے خود رسول مقبول نے بھی پناہ مانگی ہے جہاں آپ ارشاد کرتے ہیں "اعوذ بک من الفقر" یعنی مفلسی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ دوسری حدیث اور بھی ان ہی گرم الفاظ میں آئی ہے "کاد الفقر ان یکون کفراً" قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جائے" حقیقت میں خدا اپنے کسی بندہ کو ایسے فقر میں مبتلا نہ کرے جس میں اضطراب پایا جاتا ہو۔ جیسا سعدی شیرازی نے لکھا ہے ؎ جز ایں ذور کعت وآنہم بصد پریشانی۔

لیکن میں کہتا ہوں ایسا شخص جو دولت مند ہو اور ہزاروں روپے کا سامان رکھتا ہو اور پھر اس کی ہوس ناکی اسے چین نہ لینے دے اور وہ سخت پریشان ہو سو فقیروں کا ایک فقیر ہے۔ ان ہی کے لئے یہ جملہ بھی چسپاں ہو سکتا ہے "آناں کہ غنی تراند محتاج تراند" مگر ایسا مقدس فقر جس کی دعا رسول مقبولؐ نے کی ہے یہ ہے "اللھم احینی مسکینا واحشرنی مسکینا"۔ الٰہی مجھ کو زندہ رکھ مسکین اور بار مجھ کو مسکین" کیوں کہ اول میں مضطر کا فقر مراد ہے جس سے آپ نے پناہ مانگی ہے۔

اور جس فقر کی دعا مانگی ہے وہ یہ ہے کہ اظہارِ مسکنت اور ذلت اور احتیاج کا خدا کی طرف ہے اب دونوں حدیثوں میں مخالفت نہ رہی۔

اے مومنین! تم نے بغور سنا اور دیکھا کہ شریعت غرا نے کس فقر کو ناجائز قرار دیا مگر موجودہ زمانہ میں افسوس ہے کہ صرف رنگین کپڑے اور گلے میں پانسو دانوں کی تسبیح ڈالنے کا نام فقیری قرار دے لیا ہے چاہے اس کے اعمال افعال کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ خدا اور رسول کے فرمودہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جہاں عوام الناس نے اس رنگ و روغن کا کوئی شخص دیکھا اسے ولی سمجھ لیا اور یہاں تک مبالغہ آمیز خیالات اسکی طرف منسوب ہونے لگے کہ جو حقیقت اسلام سے کوسوں دور ہیں کہیں اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے اور کہیں اس سے طلب مغفرت کی آرزو کی جاتی ہے اور کہیں اسے پہنچا ہوا مانا جاتا ہے کہیں اس کے ہاتھوں میں زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجی دی جاتی ہے اور تبرّ نہیں اس کی نسبت کیا کیا خوش اعتقادیاں کی جاتی ہیں۔ میں کسی خاص شخص پر اپنی رائے قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ عموماً ہندوستان کے ان حصص میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اور یقیناً کوئی کونہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان نہ ہوں ایسے ہی فقیروں کو معاذ اللہ مشکل کشا تسلیم کیا جاتا ہے اور اپنی دینی اور دنیوی بہبودی کا دارومدار ان ہی پر رکھا جاتا ہے۔ اب یہ دیکھنا بہت مشکل ہے آیا اس قسم کے بنے ہوئے فقیر بھی اپنے کو اپنے معتقدوں سے ایسا منوانا چاہتے ہیں اور اپنے کو ان صفات سے جو خدا اور رسول کے لئے خاص ہو گئی ہیں شہرت دینا چاہتے ہیں یا یہ مضمون ہے کہ "پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند" میں ان کی نسبت اپنی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔

دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے مگر ان کی ظاہرا معاشرت اس خیال کرنے میں مدد دیتی ہے کہ انہوں نے جو جو کچھ باتوں کے تتنگڑ بنا دیئے ہیں اور جس طرح وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اس سے صاف اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو ولی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ منوانا چاہتے ہیں وہ کسی مقبرہ میں یا کسی پیر شہید کی قبر پر گیروا کپڑے پہن پہن کر بیٹھے رہتے ہیں بظاہر لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کھاتے اور شب و روز روزہ سے گذارتے ہیں مگر ان کی توانائی اور چاق و چوبند رہنے میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے یہ کرتب محض جاہلوں کو دھوکا دینے اور فریب میں پھنسانے کے ہوتے ہیں شعار اسلام سے اے بھائی مسلمانو! ان کی یہ باتیں مستبعد ہیں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایسوں سے جہاں تک تم سے ہو سکے اپنا دین و ایمان بچاؤ ۔

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی　　بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے

ان کی صحبت بظاہر خوش اور سعید معلوم ہوتی ہے لیکن ان کا زہریلا اثر نہ صرف تمہارے مالوں کو زہر آلود بنا دے گا بلکہ تمہارے دین کو بھی ایسی سخت مضرت پہنچے گی کہ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے ۔

اگر میں اپنی طرف سے ایک لفظ بھی کہوں تو الٹا میرے منہ پر مارو ۔ چونکہ تم مسلمان ہو اور تمہارا ایمان حدیث و قرآن پر ہے اس لئے جو کچھ میں کہونگا انہیں دو مقدس مجموعوں سے کہوں گا اور تمہیں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے تمہارا فرض ہوگا کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کرو ۔ لو سنو خدا تعالیٰ کس فقیر کی شان میں ارشاد کرتا ہے اور کس فقیری کی فضیلت بتاتا ہے ۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یعنی وہ مہاجر فقیر جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔"

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اصلی فقیر وہ ہے جس نے اپنا تن من دھن سب خدا کی راہ میں قربان کر دیا اس لئے خدا کی رضامندی اور فضل انہیں حاصل ہو خدا کی رضامندی کی تلاش میں گھروں سے بے گھر ہوتا اور اپنے اس مال کو جو زندگی کا جزو اعظم کھو کے حاصل کیا لٹا دینا یہ شان فقیری ہے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص فقیر ہے۔ برخلاف اسکے آج کل ہم کن فقیروں کو دیکھتے ہیں جو فقیری کے پردہ میں بیچارے غریبوں کا مال غصب کرتے ہیں۔ یتیموں کے حلقوں سے نوالہ نکالتے ہیں اور اپنی تن پرستی کی دھن میں انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا کہ کہاں جا رہے ہیں اور ہم نے کونسی راہ اختیار کی ہے۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا کبھی بھی انہوں نے دین خدا کی مدد کی۔ یتیموں پر کبھی بھی انہیں رحم آیا اور کبھی بھی ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ریاضت کر کے کچھ پیدا کریں اور وہ مساکین جو لنگڑے لولے ہیں ان کا پیٹ بھریں یا اپنے متعلقین کو جن کا ان پر حق ہے خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ جو کچھ انہیں خیرات دیتے ہو اپنے معصوم بچوں کے حقوق کا ان کے دینے میں ذرا پاس و لحاظ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ اس کا جواب تمہیں خدا کے ہاں دینا ہو گا۔ قرآن مجید میں جن مساکین کے دینے اور ان کی مدد کرنے کا حکم ہے وہ دین اللہ کے خادم بہت بے دست و پا ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا — یعنی دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں اور چل پھر نہیں سکتے ملک میں۔

اس آیت سے یہ مراد بھی ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کی رضامندی میں اپنا گھر لٹا کے اپنے کو وقف کر دیا۔ اور اب دشمنانِ دین کی وجہ سے وہ ملک بملک روزی کمانے کے لئے نہیں جا سکتے ان کا معاون اللہ ہے مگر اس کے مقابل میں جو روزی پیدا کر سکتے ہیں اور چل پھر سکتے ہیں۔ خدا اپنے وعدہ کے موافق ان کی روزی پہنچاتے ہیں کبھی ان کی مدد نہ کریگا۔ اے مومنین! فقیر کی شان یہ ہے کہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے کچھ پیدا کرے اس سے اپنا بھی پیٹ بھرے اور محتاجوں کو بھی دے۔ نہ کہ فقیر کی یہ شان ہے کہ غریبوں بے کسوں رانڈوں یتیموں کا مال ہڑپ کر جائے اور خبر نہ ہو۔ تم نے دیکھا ہے کوئی ایسا شخص جو اپنے کو فقیر کہتا ہے آج تک اس نے اپنی ریاضت سے دو پیسے پیدا کئے ہوں ایک پیسہ کے چنے چبا کے اپنا پیٹ بھرا ہو اور دوسرے پیسہ سے کسی رانڈ اور یتیم کا پیٹ بھرا ہو (ایک طرف سے سخت زاری و بکا کی آواز آئی)

اگر مسلمان بننے کی آرزو ہے تو خدا کی سچی رضامندی کے دل سے خواہش مند ہو یاد رکھو بغیر اس کے ہرگز نجات نہ ہو گی سچے مستحقوں کو نہیں دیتے اور ان موٹے تازے کو کما کما کے دیتے ہو جو خود محنت کر سکتے ہیں، مگر نہیں کرتے۔ خدا و رسول کا فرمانا تو ایک طرف ان کا وجود تو تم کو سخت مضر ہے ہماری قسمیں اسی طرح برباد ہوتی جا رہی ہیں اور ان کی کوئی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ جب لوگ انہیں دیکھتے ہیں کہ بے محنت و مشقت انہیں ملا چلا جاتا ہے وہ بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی ڈھگر

بنا لیتے ہیں اور جاہلوں کو تمام عمر ملک در ملک ٹھگتے پھرتے ہیں نئے نئے شعبدے سیکھتے ہیں اور نادانوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں، رسولؐ خدا نے مخلوق میں کسے افضل گردانا ہے لو سنو میں کیا کہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا لوگوں میں سے کون بہتر ہے عرض کیا جو مالدار ہو اور اللہ کا حق اپنے نفس و مال میں ادا کرتا ہو۔ آپؐ نے ارشاد کیا یہ شخص اچھا ہے مگر جس کو میں نے پوچھا ہے وہ نہیں پھر اصحاب نے عرض کیا خدا اور رسول اسے بہتر جانتے ہیں کہ کون شخص بہتر ہے آپؐ نے فرمایا فقیر یعنی جہد کہ جو فقیر اپنی جانفشانی کی چیز دیوے اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ افضل وہ شخص ہے جو باوجود محتاج ہونے کے اپنی جانفشانی سے کچھ پیدا کرے اور اس میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں دے اس حدیث پر نظر کرکے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج کل جو شخص اپنے کو فقیر اور ولی اللہ اور نہ جانے کیا کیا کہتا ہے کیا واقعی وہ افضل ہو سکتا ہے۔ اور شریعت غرا اسے کہاں تک لوگوں پر فضیلت دے سکتی ہے۔ وہ کبھی خدا و رسول کا پیارا نہیں ہو سکتا جو خود نہ محنت کرے اور دوسروں کو فریب میں پھنسا کے اپنا گھر بھرے اور امیروں کی طرح اپنی زندگی بسر کرے۔

اب میں تمہیں فقیری کا دوسرا رنگ دکھانا چاہتا ہوں اور وہ رنگ مجذوبیت کا ہے تم روزمرہ اکثر قبروں پر دیکھتے ہو گے۔ بعض فقیر ہاتھوں میں ڈبل ڈنڈا لے کر کودتے ہیں اور خدا کی جناب میں گستاخانہ کلمات نکالتے ہیں اور یہ کہتے ہیں تو بھیج نہیں میں ڈنڈا مار کے تیرا عرش توڑ ڈالوں گا۔ جاہل بیچارے یہ دیکھ کے

سمجھتے ہیں۔ فقیر صاحب بڑے پہونچے ہوئے ہیں خبر نہیں انہیں کتنی رسائی حاصل ہے کہ یہ خدا کے عرش کے ٹکڑے اڑائے دیتے ہیں اور وہ بیچارے جوان سے بن آتا ہے۔ اے لیکے دوڑتے ہیں اور انہیں دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے نذرانہ قبول کر لیا تو اپنی نجات سمجھتے ہیں اور نہ قبول کیا تو انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہمارے لئے کوئی آفت آسمانی نہ منتظر ہو اور کسی وقت آکے ہمارا فیصلہ نہ کر دے ان کی جان بھی بسبب جہالت کے عجیب کشمکش میں پھنسی رہتی ہے ایک تو اپنا پیٹ کاٹ کے دیں اور دوسرا یہ غضب مول لیں الہی توبہ۔ خدا ان پر رحم کرے۔ خوب سمجھ لو اے بھائی مسلمانو! خداوند تعالیٰ ان باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور اسکی ذات پاک ان بناوٹی جذبوں سے بہت دور ہے صرف دنیا کو اپنا معتقد بنانے اور ان سے ان کا مال اینٹھ لینے کے یہ سارے ڈھونگ فریب ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ[1] — یعنی اللہ تعالےٰ اس فقیر صاحب عیال کو پسند کرتا ہے جو سوال نہ کرے۔

نبی اکرم کا تو یہ ارشاد ہو اور تم اس بے ادب فقیر کو مجذوب اور خدا کے پاس پہنچا ہوا تسلیم کرو۔ تم خود سمجھ سکتے ہو اگر کوئی شخص تمہارے بزرگوں کو کھڑے ہو کر بر سر راہ گالیاں دے تو تمہیں کتنا برا معلوم ہو اور تم سے کچھ نہ ہو سکے تو تم ضرور اس کی طرف پھر کے نہ دیکھو گے چہ جائیکہ تمہارے رب حق خالق اور رزق دہندہ کو ان بے ادب اور گستاخ الفاظ سے یاد کرے اور تم اسے ولی سمجھ کر اور اس کی

---

[1] ابن ماجہ بروایت عمران بن حصین ۱۲

طرف اپنا مال و متاع جو تمہارے بچوں اور لواحقین کا حق ہے لیکے دوڑ داور اس کی ایک نظرِ التفات کے طلبگار رہو کاش اگر اتنا خوف خود خداوند تعالےٰ سے تمہیں ہو تو پھر اس کے پیارے بندوں میں سے ہو جاؤ۔

جن فقیروں کی نسبت رسولؐ مقبول نے بشارت دی ہے کہ امیروں سے پانسو برس پہلے داخل جنت ہونگے وہ یہ بے ادب لچے گنڈے نہیں ہیں بلکہ ان فقیروں سے مطلب ہے جو محتاج ہو کے اپنی جانفشانی سے پیدا ہوا مال خود بھی کھاتے ہیں اور محتاجوں کو بھی دیتے ہیں جیسا رسولؐ مقبول نے فرمایا ہے "یدخل فقراء امتی الجنۃ قبل اغنیاء ھم بخمس مائۃ یعنی میری امت کے فقیر دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائیں گے" جو حدیث میں تمہارے آگے بیان کر چکا ہوں جس میں افضل شخص کی نشانی نبیؐ اکرم نے بتائی ہے۔ یہ حدیث اور بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ حقیقت میں وہ فقیر افضل ہے اور دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنت میں جائے گا۔ جس نے اپنی ریاضت سے کمایا اُس میں کچھ آپ کھایا اور کچھ خدا کی راہ میں دیا۔

یہ کہیں ثابت نہیں کہ کسی ولی کو محنت کرنا حرام ہو اور اس کے لئے جائز ہو کہ وہ دوسروں کا ہاتھ تکے اور نئے نئے ڈھچر بنا کے دنیا ٹھگنے کے لیئے کھڑا کر دے دولت دنیا جو دین کی زینت اور آرائش کیلئے نہیں ہے اور جس سے خدا نے نفرت دلائی ہے۔ ہمارے اس زمانہ کے فقرا کی زندگی اور ایمان کا جزو اعظم ہو رہی ہے۔ کون صوفی اور پہنچا ہوا فقیر ایسا ہے جو اپنی ریاضت میں محو ہو اور دنیا کو اسی حد تک پیدا کرے جو اسے زندہ رکھ سکے اور تمام تعیش خیز سامانوں سے جو

خدا کی یاد سے اسے غافل کر دیں سخت پرہیز کرے۔ میں خیال کرتا ہوں کوئی بھی ایسا نہیں ہے اور کوئی ہے بھی تو اس پر صد رحمت ہو۔ آج کل جو بڑے بڑے ولی اولیاء مشہور ہیں۔ ان کے گھر نہایت قیمتی سامانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں اور وہ انہیں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ان نفیس نفیس سامانوں نے ان کا رہا سہا دین بھی برباد کر دیا اور انہیں نفس کا ایسا بندہ بنا دیا وہ اس سے الگ نہیں سکتے ان کا ہمسایہ تو فاقہ کشی کرتا ہے اور وہ اپنے معتقدوں کے صدقہ میں روز زردہ مطنجن اڑاتے ہیں ہر وقت دیگیں ان کے مکان میں کھٹکتی رہتی ہیں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیروں عطر اپنی پوشاک میں لگاتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں کہ ہم ان عطریات کا اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کو خوشبو بہت پیاری تھی یہ ان کا نرا دھوکا اور فریب ہے اس صورت میں تو وہ رسول اللہ کی تقلید کرتے ہیں لیکن جو اور فرمان نبی اکرم کے ہیں ان سے انہیں کچھ غرض نہیں۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد اپنے بندوں کیلئے کیسا زبردست ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا" یعنی مقام رکھ اپنے کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح و شام طالب ہیں اس کے منہ کے اور ان کو چھوڑ کر رونق دنیا کی زندگی تلاش میں تیری آنکھیں نہ دوڑیں اور اس کا کہنا نہ مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو رونق دنیا کی زندگی کی تلاش سے روکا ہے اور منع فرمایا ہے کہ ہماری یاد سے جس کا دل غافل ہے اسکا کہنا نہ مان۔ یہاں فرمودہ خدا

کے خلاف کیا جاتا ہے۔ اور روڑ دوڑ کے انہیں کا کہنا مانا جاتا ہے۔ جن کا دل خدا کی یاد سے غافل ہے۔ اے بھائیو! یہ یاد رکھو کہ جیسے وہ خود غافل ہیں تمہیں بھی خدا کی یاد سے غافل کر دیں گے پھر دین و دنیا میں تمہارا ٹھکانا نہ رہے گا۔ اور اگر اب بھی تم نہ مانو تو خدا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر لو۔ وہ تمہیں اپنی راہ چلانا چاہتا ہے۔ اور تم اس سے ضد کر کے دوسری راہ چلنا چاہتے ہو۔ تمہاری بربادی کے لئے تمہاری یہ سمجھ کافی ہے۔

دنیا کا مال و منال جیسا ایک عجوبہ سمجھ لیا ہے صرف اس لئے ہے کہ اس سے ہمارا تن ڈھکے اور پیٹ بھر جائے اور ساتھ ہی ہم محتاجوں کا جو اس کے مستحق ہیں پیٹ بھر سکیں اگر کروڑ روپیہ ہے تو اسی قدر ایک دیندار خرچ کر سکتا ہے جتنا شریعت محمدی نے اسے اجازت دی ہے اور اگر صرف محدود رقم کی آمدنی ہے تو اسیقدر اٹھا پھر کیا ضرور ہے کہ اپنی قیمتی زندگی کا جزِ اعظم کھو کے فریب اور دغا سے روپیہ پیدا کیا جائے اور عارضی زندگی کیلئے ہمیشہ کے واسطے عذاب مول لیا جائے۔

درحقیقت رسول مقبول نے کیا خوب فرمایا ہے۔ طوبیٰ لمن ھدی الی الاسلام وکان عیشہ کفافا وقنع بہ یعنے خوشحالی ہو اس کو جو ہدایت کیا گیا ہو اسلام کی طرف اور اسکی معیشت بقدر گذران ہو اور اسی پر قانع ہو" پھر نبی صلعم نے خود فقیروں کیطرف مخاطب ہو کے یہ ارشاد کیا یامعشر الفقراء اعطوا اللہ الرضیٰ من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والا فلا" اے فقیروں کے گروہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی اپنے دلوں سے کرو کہ تمہیں تمہارے فقر کا ثواب ملے ورنہ نہیں ملے گا" کیا خدا کی رضاجوئی اسی میں ہے کہ ہم

اپنے کو ولی کے نام سے شہرت دیں اور لوگوں کو نجات آخرت دلوانے کا ٹھیکہ لیں تمام جہان کے مال کو ہڑپ کر جائیں اور ہر وقت یہ نگاہ ہو کہ لوگ ہمارے جال میں آ کے پھنسیں اولیاء اللہ کی قبور پر جا کے خود بھی اپنی حاجتیں طلب کریں اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی گمراہ کریں یا مولانا روم کی مثنوی خوش آوازی سے پڑھنے کا نام فقیری اور اسکا بھائی تصوف ہے کیا خوبرو مردوں کے گانے پر تھرکنے کا نام فقیری رکھا ہے کیا ان لمبی لمبی زلفوں میں ولایت گھسی ہوئی ہے۔ کیا یہ بیڑھا بے ڈھنگا عصا عصائے موسیٰ کا حکم رکھتا ہے کیا اسی کو عین اسلام کہتے ہیں۔ کیا یہی فرمودۂ خدا و رسول ہے توبہ کرو اللہ کے پاس اپنی مغفرت چاہو اور جو کچھ کر چکے ہو اس سے باز آؤ۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اگر کوئی دنیادار ہوسِ دنیا میں مبتلا ہو تو اس قدر قابل نفرین نہیں لیکن وہ شخص یا وہ گروہ جو تارک الدنیا مشہور ہو اور بغیر حلال و حرام کی شناخت نہ کر کے دنیا کمانے میں محو ہو جائے وہ کس قدر قابل نفرین ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں، اے مسلمانو! تم ان کے لیے دعا کرو کہ خدا ان پر رحم کرے حقیقت میں وہ لوگ قابل نفرین نہیں ہیں بلکہ لائق رحم ہیں۔ بڑا قہر یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے جاہلوں کی نگاہ میں اپنا ظاہر درست بنایا ہے بہ نسبت خدا پرستوں کے زیادہ پوجے جاتے ہیں ضعف اسلام کی تمہارے دلوں میں ایک یہی بڑی نشانی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں سے ایک چھٹا ہوا رند ہزار درجہ بہتر ہے جو برملا بازار میں کھڑے ہو کے شراب پیے اور کسی کے کوٹھے پر جا وے کیوں کہ اس کو اس خرابی میں مبتلا دیکھ کے

کوئی بھی اس کی طرف رجوع نہ ہو گا۔ نہ اس کی تقلید کسی فعل میں کرے گا۔ بلکہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اس لئے جو گناہ وہ کرتا ہے اس میں صرف اسی کی ذات کو مضرت پہنچتی ہے مگر ایسا شخص جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنا ظاہر درست کرے۔ پانچ وقت کی نماز اس کی ناغہ نہ ہو وظیفہ وظائف کا ہر دم چرچا رکھے اور اللہ کے سوا دوسرا لفظ نہ کہے۔ تو سمجھ لو کہ ایسا شخص بھولے بھالے مسلمانوں کے حق میں کالا ناگ ہے جس کا کاٹا کبھی نہیں بچ سکتا۔ فقط"۔

مولینا شہید کا یہ وعظ تو بہت بڑا تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آگے کے ورقے اس وعظ کے جو منشی ہیرا لال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں گم ہو گئے اور پھر کئی ورق کے بعد مطلب شروع ہوا ہے لیکن ایسے کرم خوردہ اوراق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید فقیری اور تصوف پر وعظ دیا تھا ایک ٹکڑا نقل کر دیا۔ گو مجھے لفظ بلفظ نقل کرنے کا فخر حاصل نہیں ہوا پھر بھی یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس ردی یادداشت میں سے میں نے مولینا شہید کے وعظ کی عبارت اور کسی قدر جملوں اور الفاظ کا ہیر پھیر کر کے مفہوم پورا ادا کر دیا۔ الفاظ غیر مانوس ہونے کی وجہ سے بدلے گئے ورنہ ایسا تبادلہ نہیں کیا ہے کہ جس سے مطالب میں کچھ فرق آ دے اور مفہوم بدل جائے اول تو لکھنے والا کا لستھ دوسرے اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تیسرے جلدی میں لکھنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہی اردو عبارت بلفظہا نقل کر دی جائے تو ناظرین کی کیا سمجھ میں آئے اور مولینا شہید کا مفہوم کیونکر ادا ہو۔ ہاں اس کے مقابل مولوی اسمٰعیل صاحب کے جو نامے یا خطوط دستخطی ہمارے ہاتھ لگے ہیں وہ ہم ضرور بعینہ نقل کریں گے اس میں ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل نہ ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ ایسے ولیوں صوفیوں اور فقیروں کو سلام ہے جو نفس کے بندے ہو کے مال جمع کرنے کی دھن میں لوگوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ اور جو کچھ انکے پاس ہے اس پر مطلق قناعت نہیں کرتے۔ ناخدا ترسی سے ناواقفوں کا اپنے مکر کی الٹی چھری سے گلا کاٹتے ہیں اور اف نہیں کرتے کبھی نبی کو خواب میں بلوالیتے ہیں۔ اسکے علاوہ صرف دولت دنیا کمانے کے لئے کیا کیا ڈھب گانٹھتے ہیں مگر خوف خدا اور موت کی تاک جھانک کا خیال نہیں رہتا۔ جو ہر دم کمین گاہ میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت امام غزالی کا ایک قطعہ جس کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا گیا ہے اسجگہ لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ پس وہی میرے مقصد کا پورا مفہوم ہو جائے گا (مگر صرف ان دنیا طلب فقیروں اور صوفیوں کیلئے جو مذہب کی آڑ میں دنیا کمانے ہیں۔)

قطعہ

زاری بہ بارگاہ خدا کن نہ پیش خلق	قانع بیاس باش کہ این ست عز و ناز
مستغنیانہ کن بسر از خویش در ذی رحم	انکس غنی بود کہ شد از خلق بے نیاز
اے محو منع و جمع نزاد ہر در مکیں	اندازہ مے کند کہ نماید در ے فراز
لائے ہمی زند کہ تو مرگ چوں رسد	روزانہ یا شبانہ کند بر تو ترکتاز
مال و منال جمع نمودی و ے بگو	ایام صرف نیز کنی جمع بس دراز
فخر دل برائے وارث تست آنچہ جمع گشت	ازاں تست صرف تو نے آنچہ ماند باز
خرم دل آں کسے کہ یقین کرد بر خدا	کہ روزیش دہد کہ کریم ست و کارساز
پس ہیچ نلئے بزد آبروئے او	روزیش ہمیشہ تازہ بر آید ز ترک آز
در ساحت قناعت خوش سایہ ہر کہ خفت	فکر معیشتش نکند دیدہ باز

پانچواں باب

سرکار انگریزی کی طرف سے وعظ کی ممانعت

پہلے اس کے کہ ہم اس سنگین دشمنی کا تذکرہ کریں جو شہر دہلی کے عوام الناس نے پیارے شہید سے برتی تھی۔ مختصر طور پر سرکار انگریزی کی کارروائی کا ذکر کر دیتے ہیں۔

لارڈ لیک نے جب ۱۸۰۳ء میں دھلی فتح کی تو شاہ اور اہل شہر کو مرہٹوں کی جابرانہ قید سے رہائی دلوائی۔ مرہٹوں کا دھلی پر قبضہ دہلی کیلئے بدفالی کا دیباچہ تھا جب شاہ کی بے عزتی کی جاتی تھی تو روسائے دہلی کی کیا خاک عزت ان کی نگاہ میں ہوتی عدالتیں اوندھی پڑی تھیں کہ کوئی قانونی کارروائی مطلق نہ ہوتی۔ مرہٹہ اگر کسی کو بیجا ستاتا تھا تو کوئی دریافت کرنیوالا نہ تھا۔ نہ اس کیلئے فوجداری کی عدالتیں تھیں، نہ کوئی دادرسی کی کورٹ تھی۔ چاروں طرف ظلم اور زبردستی کی حکومت تھی۔ یہی نہ تھا کہ مسلمان ہی ستائے جاتے ہوں بلکہ ہندو بھی سخت نالاں تھے دکانیں معمولی گفت و شنید پر لوٹ لی جاتی تھیں اور دکاندار کسی سے فریاد نہ کر سکتا تھا۔ حمیدالدین عراقی لکھتا ہے کہ میں چاندنی چوک میں جا رہا تھا۔ کہ ایک مرہٹہ سوار نے ایک بزاز سے ڈھاکے کی ململ کا تھان مانگا۔ اس نے مفت دینے سے انکار کیا۔ فوراً اس کے انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مشکیں باندھ لی گئیں اور اس کی دکان میں آگ لگا

دی گئی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ شاہی خاندان کا ممبر سرِ بازار مرہٹہ کے ہاتھ سے کوڑے نہ کھائے۔"

فاضل عراقی کے یہ واقعات چشم دید ہیں اس سے زیادہ یہ نظارہ قابلِ ماتم ہوگا کہ مرہٹوں کے زمانہ میں ڈولیوں کی رسم بالکل جاتی رہی تھی شرفاء کی مستورات نے باہم ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا کیا ممکن تھا کہ کوئی شریف زادی ڈولی میں نکلے اور سلامتی اپنے گھر پہنچے۔ نئے نئے وزن اور سکوں کی گوناگونی نے تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچایا تھا گیہوں بیشک روپیہ کے دو تین من ہو گئے تھے۔ لیکن یہ سستا سماں اس لئے زیادہ فائدہ بخش نہ تھا کہ مفلسی نے لوگوں کو گھیر لیا تھا۔ نوکری عنقا صفت ہو گئی تھی اور مسلمانوں کی بربادی کی پوری تدبیریں کی جاتی تھیں جب یہ کیفیت ہوئی تو ناچار نابینا شاہ دہلی نے اپنے کو انگریزوں کے سپرد کیا اور التجا کی آپ ہمیں آکے پناہ دیں۔ مرہٹوں نے ہمارا ستیاناس کر دیا ہے درخواست پر لارڈ لیک فوج لے کے بڑھے اور معمولی جنگوں کے بعد بے دھڑک دہلی پر قابض ہو گئے۔ یہ تاریخ عروج دہلی کی شمار کرنی چاہیئے۔ سرکار انگریزی نے شاہ کے قدیمی حقوق بحال کر دئے اور جو درباری توقیر ایک خود مختار حکمران کی طرف سے خود مختار شاہ کی کی جاتی ہے بہت فراخ دلی سے کی گئی۔

انصاف کی عدالتیں کھل گئیں اور ملازمت کو وسعت دی گئی بعد ازاں اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوئے ان کی بھی ایک بیش قرار تنخواہ اور چند علاقے کوٹ قاسم وغیرہ بحال رکھے گئے۔ شہر میں بھی گہما گہمی ہو گئی اور قلعہ میں بھی رونق نظر آنے لگی۔ شاہ کی سفارش اور کہنے کا بہت کچھ پاس و لحاظ کیا جاتا تھا۔ تاہم شہر کا

انتظام سرکار کمپنی کے سپرد تھا اور وہ اس کی ذمہ دار بھی تھی۔ لائق مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہونے لگے اور عموماً مقدمات کا فیصلہ انہی کی رائے پر ہوتا تھا ہر مذہب کو آزادی تھی۔ وعظ خوب دھڑاکے سے کیے جاتے تھے اور سرکار کمپنی کی طرف سے ذرا بھی مزاحمت نہ ہوتی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کوئی کارروائی ایسی نہ ہو جس سے امن میں خلل پڑنے کا خوف ہو۔

یہی زمانہ گویا مولینا شہید کی ریفارمیشن کا آغاز تھا، اور یہی زمانہ اس تلخ تر دشمنی کا تھا جو خواہ مخواہ حاسد مولینا سے کرتے تھے جب مختلف مضامین پر وعظ ہوئے تو لوگوں میں جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ایک شورش سی پھیل گئی اور چاروں طرف ایک دند مچ گیا بھلا وہ تو مدت سے مختلف پیروں شہیدوں سیتلا ماتا کے پوجنے کے عادی تھے انہیں اکیلے خدا کی پرستش کا ہے کو اچھی معلوم ہوتی وہ بھڑکتے بھڑکتے مولینا شہید کے فقیری کے وعظ سے پورے بھڑک اٹھے اور اب انہوں نے عدالت کی طرف رجوع کرنی شروع کی کیونکہ اکبر شاہ کی طرف سے تو صاف جواب مل چکا تھا مگر عدالت میں جانے سے پہلے انہیں ضرور ہوا کہ وہ مولوی فضل حق صاحب سے مشورہ کر لیں کہ کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔ مولوی فضل حق صاحب رزیڈنٹ کے بڑے منہ چڑھے اور معتبر تھے اور وہ انہی کے کہنے پر زیادہ چلتا تھا۔ جب یہ لوگ سررشتہ دار صاحب کے پاس پہنچے اور ساری کیفیت عرض کی تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے۔ کہ اسمٰعیل دین محمدی کی بیخ کنی کئے بغیر نہیں رہنے کے۔ یہ مولوی منطقی صاحب کا پہلا حملہ تھا۔ جو انہوں نے پیارے شہید کی نسبت استعمال کیا۔ عوام الناس نے پھر یہ فریاد کی کہ وہ صوفیوں کو برملا گالیاں

دیتے ہیں اور ہم سنتے ہیں کیا کریں آپ کچھ مدد کریں۔ ورنہ سارے مسلمان اس پر آمادہ ہیں کہ شہر سے جلاوطن ہو جائیں۔

مولوی فضل حق صاحب پہلے ہی شہید کی طرف سے خون کے گھونٹ پی رہے تھے اور دانت پیس رہے تھے انہیں اپنی کامیابی کی یہ فال نیک معلوم ہوئی اور انہوں نے فوراً اپنے منشی سے ایک عرضی عام مسلمانوں کی ناراضی کی صاحب رزیڈنٹ کو لکھوائی اور اس پر پندرہ سو دستخط کرائے اور وہ عرضی رزیڈنٹ کو ان الفاظ میں کہہ کے دیدی۔

"حضور میں کئی بار عرض کر چکا تھا۔ آپ نے توجہ مبذول نہیں فرمائی دیکھئے معاملہ طول پکڑتا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ذرا سی بے توجہی پر فوجی قوت کی بلوئی دفعہ کرنے کیلئے ضرورت ہو اس عرضی میں جس پر پندرہ سو مسلمانوں کے دستخط ہیں۔ صرف مولوی اسمٰعیل کے وعظ کو بالکل روک دینے کی التجا کی گئی ہے۔ اب حضور کو اختیار ہے چاہیں جو کچھ اس میں کارروائی کریں"۔

یہ سنتے ہی رزیڈنٹ کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے اس عرضی کو کئی کئی بار بغور دیکھا اور یہ الفاظ زبان پر لایا۔

"تعجب ہے شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا ایسا فسادی ہو گیا۔ مولوی فضل حق صاحب نے دوسری تدبیر یہ کی تھی کہ سو پچاس آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور انہیں سکھایا تھا کہ جس وقت صاحب نیچے کی طرف دیکھیں تم داویلا و بکا کرنا اور جو کچھ تمہیں بیان کرنا ہو گا اسمیں چوکنا نہیں غرض یہی ہوا مولوی منطقی صاحب کی مراد بر آئی اور کوتوال کے نام حکم بھیجدیا گیا کہ آئندہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ کہنے نہ پائیں

ادھر خود مولانا شہید کے پاس بھی ایک حکمنامہ بھیجدیا کہ تمہیں سرکار کمپنی کے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی تمہارے وعظ سے چونکہ امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اس لئے روک دیا گیا۔ تا حکم ثانی تم عام طور پر وعظ نہیں کہہ سکتے" برق انداز نے یہ حکم نامہ رزیڈنٹ کی طرف سے مولانا شہید کو دیا۔ آپ نے خاموشی سے اس فرمان کو لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ آپ کے معتقدین پریشان و خستہ آپ کے پاس آنے لگے اور سخت افسوس کرنے لگے مگر اس سے چارہ ہی کیا تھا۔ اور گورنمنٹ کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔

اصلی کاروائی تو یہ تھی جو لکھی گئی لیکن شہر میں عجیب عجیب افواہیں اڑ رہی تھیں کوئی کہتا کہ مولانا اسمٰعیل قید ہو گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ انہیں جلا وطن کرنیکا حکم ہوا ہے۔ کوئی کہتا تھا انہیں پھانسی دی جائے گی کوئی یہ تڑ ہانکتا تھا کہ ان کا گھر منسبط کرنے کے لئے برق انداز گئے ہیں" غرض دشمنوں نے خوب خوب اپنے جلے پھپھولے پھوڑے اور سوائے زہر اگلنے اور بے بنیاد گپوں کے انہیں اور کچھ بن نہ پڑا۔ "ملا کی دوڑ مسجد تک" مشہور مثل ہے۔ بفضل حق سے جو کچھ ہونا تھا وہ کر چکے تھے اور شہر والوں سے جتنی مخالفت ہو سکتی تھی انہوں نے کمی نہ رکھی تھی پچاس دن تک وعظ بند رہا۔ آپ کے دوستوں نے مختلف مشورے دئیے کہ یہ کرو اور یوں رزیڈنٹ کے پاس سفارش پہنچاؤ۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا خدا خود اپنے دین کی حفاظت کریگا مجھ سے زیادہ اس کو علم ہے"

بڑے بڑے رئیس جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ خواہ شیعہ ہوں یا سنی آآکے سمجھانے لگے۔ کہ آپ اپنے بھتیجی کو روکئے۔ یہ بڑی بدنامی

کی بات ہے شاہ صاحب سب کو یہی جواب دیتے تھے جب تک اسمٰعیل سے خلاف شریعت امر سرزد نہ ہو میں کیونکر اسے روک سکتا ہوں۔ وہ کوئی فساد انگیز تقریر نہیں کرتا کہ اس پر میں معترض ہوں آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہیئے جس سے میں اس کی کارروائی میں دست اندازی کرسکوں۔"

جب اعیان شہر شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ جواب پاتے تھے تو اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے تھے سوائے وعظ تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی طرح جاری تھا۔ اور اسے کوئی روک نہ سکتا تھا شاہ اسمٰعیل صاحب کو اپنے وعظ کے بند ہونیکا اس لئے اور بھی زیادہ قلق تھا کہ مسلمان پھر اسی شرک و بدعت میں پھنس جائیں گے جس سے انہیں کسی قدر نفرت دلائی ہے اور دوسرے اس امر کا قلق تھا کہ میری ضد سے لوگ اور بھی شرک و بدعت کرنے لگیں گے یہ تمام خیالات ایسے زبردست تھے جن میں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا مگر مجبوری تھی۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ علاوہ اور ستائے جانے کے پیارا شہید اس فانی کشمکش میں پھنسے اور پلنگ پر سینکڑوں کروٹیں بے چینی کی حالت میں بدلتا رہے۔

آخر سوچتے سوچتے شاہ اسمٰعیل صاحب نے اپنی وجہیں رزیڈنٹ کو لکھ کے بھیجیں اور ثابت کیا کہ اگر میرا وعظ بند رہے گا تو یہ خرابی واقع ہوگی جونہی رزیڈنٹ نے پیارے شہید کی درخواست کو پڑھا۔ آنکھیں کھل گئیں اور قدرتی طور پر اس کو پیارے شہید کی تحریر کا بغیر کسی شہادت کے ایسا یقین ہو گیا۔ کہ فوراً سررشتہ دار صاحب طلب کئے گئے جونہی وہ حاضر ہوئے رزیڈنٹ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے مولوی فضل حق صاحب کہ آپنے چالیس دن تک شاہ اسمٰعیل صاحب

عظ بند رکھا میری رائے ہیں یہ بالکل غلط کارروائی ہوئی ہے اور ایسے بڑے
ی کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے۔ ابھی حکم لکھ دو کہ وعظ کھولا جائے
جو کوئی مزاحم ہوگا اسے فوراً سزا دی جائے گی۔ یہ سنتے ہی مولوی منطقی صاحب
ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ادھر ادھر
یکا جھکنے لگے۔

اب یہ تو مجال نہیں تھی کہ رزیڈنٹ کی کچھ تردید کرتے اور اسے اونچ نیچ سمجھاتے
تے۔ اب فریب دینے کا زمانہ جا رہا تھا۔ رزیڈنٹ نے بعد ازاں کوتوال
نام دوسرا حکم جاری کیا اور لطف یہ ہے کہ مولوی منطقی صاحب ہی نے
حکم لکھا۔ ایک معافی نامہ لکھ لیا گیا۔ اور اس پر دستخط بھی ہو گئے۔ لیکن بدقسمتی
مولوی فضل حق صاحب نے اپنے بستہ ہی میں رکھا اور اسے جاری نہ کیا۔

ناظر اس قہرناک دشمنی کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جو منطقی صاحب علی التواتر بے
شہید کر رہے تھے اور لطف یہ تھا کہ ابھی تک کوئی جواب پیارے شہید کی طرف
نہ دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ ناممکن تھا جس نے اپنی بہادری سے پشاور اور قن۔ صاد
وں سے چھین لیا تھا۔ وہ منطقی صاحب کو دنداں شکن جواب نہ دے سکتا تھا۔
یں صبر اور تحمل اس عظیم الشان اصلاح کی کتاب کا دیباچہ تھا۔ جسے وہ لوگوں
نا ماچاہتا تھا۔ اور اس بڑے کام کے لئے سنجیدگی متانت مخالفین کے
وں سے بے پرواہی۔ محتاط طبیعت لازمی بلکہ فرض تھی۔ جیسی اخلاق کی وسعت
رورت تھی۔ اسی قدر دشمنوں کی گالیاں سہنے کا عادی ہونا بھی لابد تھا۔ یہ سب
تیں مولانا شہید نے اپنے میں دیکھ لی تھیں۔ جب اتنے بڑے کام کا بیڑا

اٹھایا تھا جس کی نظیر ہندوستان میں مذہب اسلام کی تواریخ میں نہیں ملتی۔

مولانا شہید کی تقریر اور تحریر میں فطرتی اثر بہت تھا۔ اور ساتھ ہی اس د
درخواست دینے پر آپ کو یقین بھی تھا کہ ضرور مجھے سرکار کمپنی کی طرف سے وعظ کہ
کا حکم ہو جائے گا۔ مگر جب تین چار روز گزر گئے تو آپ کو بڑا تردد ہوا کہ یہاں تک
جواب کچھ نہیں آیا خیال بھی درست تھا۔ اگر انکار ہوتا اور پہلا حکم بحال رکھ
جاتا تو معلوم ہو جاتا اور جو پہلا حکم منسوخ کر دیا جاتا تو یہ لازم تھا کہ فوراً ہی اطلا
دی جاتی اس تردد کو مٹانے کے لئے شاہ صاحب نے آخر یہ ارادہ کیا۔ کہ خو
رزیڈنٹ سے ملیں اور اس سے گفتگو کریں تاکہ یہ تردد دور ہو۔

آپ نے خارجی طور پر دریافت کر کے کہ فلاں وقت ملنے ملانے اور
فرصت کا ہوتا ہے۔ سیدھے کوٹھی پر پہونچے۔ ساتھ میں صرف مولوی عبدالصمد
بنگالی اور مولوی عبدالرحیم محدث تھے اور ایک آپ کا منشی ہیرالال تھا۔ اور ایک
خدمتگار تھا۔ پہلے آپنے جا کے اطلاع کرائی۔ جونہی رزیڈنٹ نے سنا کہ شاہ اسمٰعیل آئے
ہیں فوراً باہر نکل آیا اور باہر برانڈے سے آگے لے گیا۔ حد سے زیادہ عزت کی او
باربار یہ کہا :- "آپ نے بڑا ہی سرفراز کیا"

معمولی مزاج پرسی کے بعد رزیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے۔

"مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپکے وعظ بند کر دینے کا حکم
میں نے جاری کر دیا تھا۔ لیکن جب آپنے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو میں
نے اسی وقت حکم ثانی لکھوا دیا تھا کہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی
مزاحم نہ ہو۔ غالباً آپ وعظ فرماتے ہوں گے۔"

مولوی صاحب نے اس حکم سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اس پر وہ حیران ہوا اور اس نے تیزی سے کہا "شاید آج چھٹا روزہ ہے کہ اس حکم ثانی کے تعلق حکم دے چکا ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ فضل حق نے اس کی تعمیل نہیں کی"۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ جو دست خطی عرضی میرے خلاف گذری تھی اس کی سچائی کا مولوی فضل حق صاحب کی اس بے نظیر عداوت سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ فوراً ایک برق انداز روانہ کیا گیا کہ بہت جلد فضل حق کو لائے۔ چنانچہ منطقی صاحب تشریف لائے اور شاہ صاحب کی صورت دیکھتے ہی تن بدن میں رعشہ پڑ گیا۔ اور سمجھ گئے کہ آج خیر نہیں ہے۔

ہم یہاں اس نا ملائم زجر و توبیخ کو نہیں لکھتے جو رزیڈنٹ نے منطقی صاحب کی صرف ناظری کے اندازہ اور جانچ پر چھوڑا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ فضل حق صاحب تین مہینے کے لئے معطل کئے گئے اور وہ دونوں احکام فوراً جاری ہو گئے۔ گو پیارے شہید کو اپنے دوست مولوی منطقی کے معطل ہونیکا صدمہ تو ہوا لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ گو سفارش کا ارادہ کیا لیکن ایسی التجا کرنی اپنی شان کے خلاف جانی۔ اور آپ اُٹھ کے وہاں سے چلے آئے۔ رزیڈنٹ صاحب نے اسی عزت اور تپاک سے رخصت کیا یہ موقع ہمارے منطقی صاحب کا حد سے زیادہ ذلت کا تھا علاوہ ناکامی کے ان کا معطل ہونا ان کی پارٹی پر اور غضب ہوا ہر چند انہوں نے سفارشیں پہونچائیں اور اپنے بحال ہونے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا ناچار انہیں تین مہینے کیلئے شہر چھوڑنا پڑا اور وہ سیدھے رام پور چلے گئے ان کی پارٹی نے تو مولانا شہید کے جلاوطن ہونے کی جھوٹی خبر

اڑائی تھی۔ لیکن ان کا لیڈر سچ مچ بیچارہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

یہ بھی خدا کی بہت بڑی حکمت تھی حقیقت میں وہ ہی اپنے کاموں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے مولٰنا شہید کا چالیس دن وعظ بند رہنا ان کے کیمیا بن گیا۔ شہر میں عوام الناس کی شورش بھی دھیمی پڑ گئی اور اب اتنی مخالفت بھی نہ رہی۔ بایں ہمہ لوگ اب بھی دانت پیستے تھے اور رستوں میں مولٰنا پر پھبتیاں اڑتی تھیں۔ ڈھیلے پھینکے جاتے تھے اور گالیاں دی جاتی تھیں مگر یہ تمام باتیں محض کم ظرفی کی تھیں اور وہ بھی معمولی تھیں جو کہ ریفارمروں کے ساتھ عوام الناس کیا کرتے ہیں۔ ہاں ان باتوں کا سہارنا بیشک بڑا کام اور سہارنے والے کی کامیابی کا دیباچہ ہے۔ یہ واقعہ ایک ایسا تھا جس سے شہر میں تہلکہ پڑ گیا اور رب کی رنگینیاں فق ہو گئیں۔ اب یہ اڑنے لگا۔ کہ مولوی اسمٰعیل نے ریزیڈنٹ پر جادو کر دیا ہے کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ رائے زنی کرتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے میاں فضل حق کی اس فاش شکست سے ایک یہ بھی اثر ہوا کہ لوگ کھچ ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر آنے لگے اور باہم ہر جگہ گفتگو ہونے لگی۔

جونہی مولٰنا صاحب گھر میں تشریف لائے رہنے آپ کو مبارکباد دی اور مرحبا وصد مرحبا کے نعرے بلند ہوئے پھول برسائے گئے۔ اور خوشیاں منائی گئیں۔

یہ مولٰنا کی عمر کا تینتیسواں[۳۳] سال تھا اس سن و سال کا بچہ جب اس پایہ کا ہو تو خیال کیا جا سکتا ہے سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کی گارنٹی روز ازل ہی سے پیارے شہید سے ہو گئی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ کیسا فاضل شخص ہو

جب بھی اتنی سی عمر میں اپنے ہم چشموں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔

جو الزامات مولانا شہید پر لگائے گئے تھے پہلے ان کے ازالہ کی فکر کرنی تھی۔ گویہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ محض جھوٹے اور غلط تھے ساتھ ہی اس کے مولوی اسمٰعیل صاحب کا فرض تھا کہ وہ عام جلسوں میں ان اتہامات کو اپنے اوپر سے اٹھاویں اور لوگوں کو بدگمانی کا رستہ نہ دیں۔

یہ زیادہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ آپ کے وعظوں کی اتنی دھوم مچی۔ کہ مخالفین بھی جوق در جوق آنے لگے "مجموعہ واقعات" والا خود اپنے کان سے سنا ہوا ایک بوڑھے کا قول نقل کرتا ہے۔ جو دھوپ میں لکڑی ٹیکے ہوئے بہت زور سے چلا جا رہا تھا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا خدا کرے میں وعظ شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں۔ ایک بچہ اس کے ساتھ تھا۔ جو غالباً اس کا پوتا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ بوڑھے کے جلدی چلنے پر اس نے یہ کہا "ابا جان رات کو تو پڑے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ خدا اسمٰعیل کے وعظ میں نہ لے جائے مگر اب اتنی جلدی چل رہے ہو اور کہتے ہو کہیں وعظ شروع نہ ہو گیا ہو۔ یہ کیا بات ہے" بوڑھے نے جواب دیا "یہ تو سچ کہتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں جب وعظ کا وقت ہوتا ہے تو از خود دل اچٹتا ہے گھڑی بھر بھی صبر نہیں ہوتا" پھر وہ بچہ کہنے لگا۔ آپ تو کہتے تھے کہ وہ ہم لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔ بوڑھے نے چٹخارے بھر کے کہا یہ اسی کی گالیوں میں تو مزا ہے کہ پیٹ ہی نہیں بھرتا اور سننے کو جی چاہتا ہے۔ مجموعہ واقعات والے کے اس قول سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مخالفین کی زبان پر بھی آپ کے پُر تاثیر کلمات

کے حسبکے موجود تھے۔ پہلا الزام جو مولانا پر قائم کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ آپ آئمۂ دین کی عزت نہیں کرتے خصوصاً امام ابو حنیفہؒ صاحب کو برا بھلا کہتے ہیں۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ اہل تصوف اور اولیاء کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں برا بتاتے ہیں۔ تیسرا الزام یہ تھا کہ نبی کو بے حقیقت (معاذ اللہ) جانتے ہیں۔ چوتھا الزام یہ تھا کہ تقلید امام اعظمؒ کو حرام بتاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نکتہ چینیاں اور افترا پردازیاں تھیں جو آپ کی پاک ذات پر عائد کی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے مولانا شہید نے اپنا یہ فرض جانا کہ وہ ان چاروں الزامات کو اپنے پر سے اٹھا دیں اور عوام الناس کی شورش اور غلط فہمی کو بالکل مٹا دیں۔

ہم آئندہ بابوں میں ان معاملات پر پوری بحث کریں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہ وعظ جو مولانا شہید نے ان خاص مضامین پر فرمائے ہمیں بجنسہٖ نہیں ملے لیکن یہ ضرور ثابت ہے کہ وہ تحریر کئے گئے۔ کیونکہ منشی ہیرالال کے بہت سے پراگندہ کاغذ ایسے ہیں جن سے کچھ کچھ پتہ چلتا ہے۔ پھر بھی ہمیں آپ کی تصنیفات سے آپ کے خیالات اور دینی عقائد کا جو علم ہوا ہے اس کے وسیلہ سے ہم ان مضامین پر جنہیں اکثر اصحاب نے صرف غلط فہمی اور زیادہ تر پارٹی فیلنگ کی وجہ سے تسلیم کر رکھا ہے بسیط بحث میں ادا کر دیں اور سمجھا دیں کہ وہ سچا دیندار تھا اور اس پر کسی قسم کی بدگمانی کرنا دین و دنیا میں اپنا منہ کالا کرنا ہے۔

چھٹا باب

مولٰنا شہید کی متواتر کامیابیاں صریح خلاف شرع امور میں اصلاح

یہ صحیح ہے کہ حق کو کہیں زوال نہیں ہوتا گو چند روز کے لئے کذب چمک جاتا ہے اور کوتاہ بینوں کو یہ دکھلائی دیتا ہے کہ اس چمک میں صدق کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن نہیں بعد ازاں چند روزہ زندگی خود بخود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ناحق کو فنا ہے اور حق کو فنا نہیں۔ اگر اسے سات پردوں میں بھی بند کردگے جب بھی اس کا جلوہ وہیں سے دکھائی دیگا۔ لاکھ چاند پر خاک ڈالو۔ پھر بھی کچھ نہیں ہوتا کوئی چاہے کہ خاک ڈال کے اُسے میلا کرلے یہ ناممکن ہے۔

ہزاروں ریفارمر دنیا میں ہر ملک اور قوم میں پیدا ہوئے انکے ساتھ بھی زیادتیاں کی گئیں جو پیارے شہید کے ساتھ دہلی میں ہوئیں مگر وہ ارادے کے پورے اپنے کام میں مستعد رہے اور انہوں نے وہ بیج بویا جو پودا بنا اور وہ پھلا پھولا اور اسی کا ہم آج پھل کھا رہے ہیں۔ نبی عربی پر جو مظالم بت پرستوں نے توڑے تھے ان کی نظر تمام دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے طائف میں کمینہ آدمیوں کا آپ پر سنگباری کرنا اور آپ کا زخمی ہو کے مکہ واپس چلا آنا۔ بار بار پیارے شہید کے دل کو مخالفین کی بیجا سختیاں سہنی اور اُف نہ کرنے پر مجبور کرتا تھا

ابن اسحاق کا قول ہے۔

"اگر کوئی شخص ناکامی میں بھی کوشش کئے جائیگا اور جی نہ ہارے گا۔ تو

آخر وہ ناکامی بھی کامیابی کی صورت میں بدل جائے گی۔ خدا نے قرآن میں خود بشارت دی ہے " میں صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہوں "

بردباری، سکینت، اخلاق اپنے فرض کی انجام دہی میں سرگرم رہنا ایک زبردست مقناطیسی کشش رکھتا ہے جو مخالفین کو اپنی طرف ایک نہ ایک دن جبراً کھینچ لاتا ہے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اتنے کم رہے جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا۔ مگر اس ناکامی سے کسی قسم کی دلشکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔ ایک دن آپ وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے جارہے تھے بغل میں حمائل تھی اور ذرا شتابانہ قدموں سے جارہے تھے۔ ایک بوڑھے شخص نے جس نے اپنی جان اسلام پر قربان کرنے کا ارادہ کر لیا تھا آبدیدہ ہو کے کہا :۔

" اے ہمارے نوجوان ہادی تو اس طرح راہ حق دکھانے میں کوشش کرے اور تیری کوشش یوں رائیگاں جاوے، افسوس کیسے سنگدل لوگ ہیں جو تیری بات نہیں سنتے اور اگر سنتے بھی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے "

آپ نے مسکرا کر جواب دیا۔

" بڑے میاں ہر کام بتدریج ہوتا ہے صدیوں کی خرابی صدیوں ہی میں دفع ہو سکتی ہے۔ یکایک کوئی سنگلاخ پر بیج نہیں ڈال سکتا۔ اس امید سے کہ یہ بارآور ہو اور جس کا یہ نہال ہے وہ ہوا پر نقش کرنے چاہتا ہے۔

بوڑھے نے منہ اٹھا کے یہ دعا دی :۔

" تو قطعی کامیاب ہوگا اے نوجوان ہادی۔ خدا تیری عمر میں کامیابی کیساتھ برکت دے "

دوسرے راہ گیر نے بہت دور سے آمین پکاری - یہ دعا فوراً مقبول ہوئی اور اس کا اثر دو گھنٹے کے بعد ظاہر ہوگیا جب آپ وحدانیت پر وعظ فرما رہے تھے اور ایک پر اثر اور پر جوش لہجہ میں ربانی مطالب کو حل فرما رہے تھے تو قریباً دو سو آدمیوں کے گروہ نے غل مچا کے یہ کہا کہ ہم نے شرک و بدعت سے توبہ کی اور آئندہ ہم عہد کرتے ہیں کہ کبھی اپنی حاجتیں سوائے خدا کے کسی کے پاس نہ لے جائیں گے - قرآنی مطالب میں بیشک زبردست اثر ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اثر کا دوسروں پر پرتو ڈالنے کے لئے بھی زبان کی خصوصیت درکار ہے جیسا سانچہ ہوگا ویسے ہی پرزے ڈھلیں گے جب خدا کی لازوال قوتوں پر دل سے بھروسہ ہے اور جو کچھ زبان سے کہا جا رہا ہے دل میں اس سے بھی زیادہ یقین ہے - پھر تاثیر خود بخود سامعین پر ہوگی -

ہمیشہ بڑے بڑے فارغ التحصیل طلبہ خاص اس نظریہ سے آتے ہیں کہ ہم فلاں مسئلہ میں مولٰنا شہید سے مناظرہ کریں گے - لیکن وعظ سننے کے بعد کسی میں یارا رہتا تھا کہ کچھ بھی زبان سے کہہ سکے اور ہر بات تسلیم کرتے بنتی تھی اور یہ شبہ بھی کسی کے دل میں نہ رہتا تھا کہ اس میں کوئی بھی غلطی ہے -

مولانا شہید کے مختلف وعظ اپنا اثر برابر پھیلاتے جاتے تھے اور گروہ کے گروہ سچے دیندار بنتے جاتے تھے جوں جوں کامیابی ہوتی جاتی تھی دوسری طرف دلی میں عداوت بھی بڑھتی جاتی تھی یہانتک کہ مفتی صدرالدین صاحب کے مکان پر ایک

لـہ مولوی مفتی صدرالدین صاحب مولانا شہید کے بڑے گہرے معتقدین میں سے تھے اور اس جلسہ میں وہ خود شریک بھی نہ تھے - (مجموعہ واقعات صـ۲۱۱)

جلسہ ہوا اور اس میں مولوی حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی اور دینا[ل] بیگ خاں اس جلسہ کے سرغنہ تھے۔ اذیت دینے میں تو ان لوگوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی۔ لیکن جب یوں بس نہ چلا تو تعصب نے آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ وہ بالکل ہی اندھے ہو گئے اور ان دونوں نے باری باری سے پہلے تو وعظ کہا اور اس میں بے گناہ پیارے شہید پر تبرے بازی کرتے رہے اور بعد ازاں یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ جس کو اسمٰعیل حلال کہے ہم اسے حرام کہیں گے۔ اور جسے وہ حرام کہے گا ہم اسے حلال کہیں گے۔

اس صریح ہٹ دھرمی اور قابلِ نفرین ضد کا اثر اہل جلسہ پر جس میں عموماً مولانا شہید کے مخالف ہی تھے کچھ بھی نہ ہوا اتنی سی عقل ان پڑھ میں بھی ہوتی ہے۔ آخر کو وہ مسلمان تھے اور ان کے بزرگوں کی چند بے عنوانیوں سے ان کے عقائد میں فرق آ گیا تھا۔ مگر نہ ایسا جیسا حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی۔ اور دینا بیگ خاں کا خیال تھا۔ خدا کی قدرت ہے کہ تاریکی میں ہمیشہ نور چمکتا ہے اس تاریک تر جلسہ میں جہاں بکثرت بدعتی جمع تھے۔ خدا پرستی کا نور چمکا اور باہم یہ گفتگو کرنے لگے۔ ہم ایسا کبھی نہ کریں گے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب سود اور شراب کو حرام کہتے ہیں یہ کیونکر ممکن ہو گا۔ ہم اسے حلال کہنے لگیں گے۔ حاجی قاسم کی محض ہٹ دھرمی ہے۔

اس جلسہ کا الٹا اثر بدعتی گروہ پر پڑا اور وہ محمدی دائرہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ یہانتک کہ ایک دن میں اگر "ہم مجموعہ واقعات" والے کی بات کو سچ مانیں تو آٹھ

[ل] دینا بیگ خاں وہ شخص تھا جس نے پیارے شہید کی شہادت کی خبر سن کر اس خوشی میں بکثرت شیرینی جامع مسجد میں تقسیم کی تھی۔ مجموعہ واقعات صہ ۱۰۱۔

سو آدمی دیندار ہوئے تھے انہوں نے قبروں پر سجدہ کرنا چھوڑ دیا اور پیروں شہیدوں کی اپنی حاجات برآری کیلئے نیاز نذر دلوانا ترک کر دیا۔ یوں بھی جتنی بدعتیں کرتے تھے ان سب سے توبہ کی۔

یہ کامیابیاں بظاہر کچھ وقعت نہ رکھتی تھیں لیکن ان میں ہی ایسے جوہر شامل تھے جو بعد ازاں چمک کے رہے اور ایسی تابانی دکھائی جن کی روشنی ہنوز جھلک مار رہی ہے۔

جب بدعتیوں کو پے در پے یہ فاش شکستیں ملیں تو اب انہوں نے مخالفت کا دوسرا پہلو بدلا اور وہ پہلو یہ تھا کہ ہر گلی کی نکڑ پر ایک ملانا کھڑا کر دیا۔ کہ وہ مولانا شہید کو کافر بتائے اور گمراہ کہے غرض سوائے تبرے کے اور کچھ نہ کہے۔ جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی۔ کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ شہر میں دو چار جگہ لاٹھی چلی تھی کہ گورنمنٹ کمپنی کی طرف سے اکبر شاہ کے مشورہ کے ساتھ وعظ بند کر دیئے گئے۔ منہ در منہ گالیاں مولوی اسمٰعیل صاحب سنتے تھے لیکن کچھ نہ کہتے تھے جس عظیم الشان فرض کا انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ طعن و تشنیع سننا اور اذیت اٹھانا ضرور تھا۔

کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آپ کے وعظ میں دس پانچ ہندو اور درجنوں بدعتی مسلمان نہ ہوتے تھے بلکہ یہانتک جو اپنے مذہب شرک و بدعت میں پختہ تھے وہ جان کے نہ آتے تھے مبادا ہم پر کوئی اثر مولوی کے وعظ کا پڑے دہلی میں تو مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی مگر پنجاب میں جو بدعت خیز خطہ ہے کچھ کم مخالفت

مولانا شہید کی طرف سے ان کی طبائع میں نہ تھی۔ تمام پنجاب دانت پیستا تھا کہ جس طرح ہو کوئی جا کے مولوی اسمٰعیل کو قتل کر آئے یہ حد سے زیادہ مسلمانوں کی بدبختی کا زمانہ تھا کہ وہ سکھوں کی سلطنت کے ناقابل رحم مظالم میں مٹے جاتے تھے۔ ان کا کچھ بھی نہ سکتا تھا۔ ایسے موقع پر کہ رنجیت سنگھ نے اذان پکار کے کہنا منع کر دیا تھا۔ کوئی مذہبی رکن کھلم کھلا ادا نہ ہو سکتا تھا۔ رمضان میں سکھ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے کھانا کھلاتے تھے اور ان کے روزے توڑ ڈالتے تھے۔ مولویوں کی سکھوں کے راج میں وہ گت بنی تھی۔ کہ توبہ سور کے گوشت کی بوٹیاں معمولی جرائم میں ان کے منہ میں جبراً ٹھونسی جاتیں اور انہیں مجبور کیا جاتا۔ کہ تم اسے کھاؤ۔ کھا لیا تو جانبر ہو گئے نہ کھایا تو تلوار سے سر قلم کر دیا گیا۔

ایسے ظالمانہ اور حد سے زیادہ جابرانہ سلطنت میں تو کبھی پنجاب کے مسلمانوں کو یہ خیال نہ ہوا کہ ہم اپنے کو اس بلائے بے درماں سے نجات دیں اور ایسے اظلم حکمرانوں کو تہ تیغ کریں بہادری نے جوش مارا تو ایک بیچارے شہید کی جان پر جو تنہا تلوار حمائل کئے ہوئے جنگل کے قبرستان میں پھرا کرتا تھا یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ ہر وقت تلوار ہی پاس ہو۔ نہیں بعض وقت لکڑی بھی نہ ہوتی تھی اور آپ صرف اللہ کے بھروسہ پر قانع ہو کے آزاد ادھر ادھر پڑے پھرتے تھے لاہور میں ایک انگریز رہتا تھا۔ جو رنجیت سنگھ سے تعلق پیدا کر کے بڑا امیر کبیر ہو گیا تھا۔ اس کی بیٹی سے رنجیت سنگھ نے شادی کر لی تھی اور اسے ایک جاگیر بھی دے دی تھی۔ وہ لڑکی تو رنجیت سنگھ کے محل میں بھی مسلمان ہی رہتی تھی

اس کا حسن ہی خونخوار سکھوں سے اس کی جان کا محافظ تھا۔ ورنہ رنجیت سنگھ کی تیغ براں کی وہ کبھی کی شکار بن جاتی۔ مگر یہ رنگریز خوشامد میں آکے کچھ سکھ سا بن گیا تھا اور پیشوایان دین اسلام کو محض سکھوں کے خوش کرنے کے لئے گالیاں دیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ وہ بدعتی تھا اس کے گاؤں میں دو تین قبریں تھیں جن کی پرستش خود بھی کرتا تھا۔ اور دوسروں کو بھی کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ رسول مقبول صلعم کی شان میں بے ادبانہ الفاظ کہہ دیتے میں کوئی گناہ نہ سمجھتا تھا۔ لیکن ان اہل تبور کے خیالی ماموں کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس شخص کا پہلے نام غلام رسول تھا۔ اور بعد ازاں اس نے صرف اسلام کی ضد میں اپنا نام بندہ رنجیت سنگھ رکھ لیا تھا۔ دہلی کے بدعتیوں سے بھی اس کی خط و کتابت تھی۔ اور بعضوں کا اس نے وظیفہ بھی لگا رکھا تھا۔ جب ان کی یہاں سربازاری ہونے لگی۔ اور لوگ اسلام اور اس کے روشن اصول سے واقف ہونے لگے۔ تو انہوں نے بندۂ رنجیت سنگھ سے جا کے شکایت کی۔ کہ ہماری قبروں پر چڑھاوا بھی بہت کم چڑھتا ہے اور لوگ کچھ غیر معتقد سے ہوئے جاتے ہیں۔ جو اس کے معتقدین میں سے نہیں ہیں۔ وہ بھی بعض وقت ایسی باتیں کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمیں ان کے عقائد میں بھی شبہ معلوم ہوتا ہے نہ وطن ہی چھوڑتے بن پڑتی ہے اور نہ کچھ اور بن آتا ہے۔ کیا کیا جائے۔ بندۂ رنجیت سنگھ ایسے خیالات کا جانی دشمن تھا اس نے سنتے ہی یہ کہا تم بھی بڑے نامرد ہو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ راتوں رات اسے قتل کر ڈالا ہوتا جھگڑا ہی جاتا۔ کوئی تو بچانے اس کے پاس نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا پھر تم اتنا کیوں ڈرتے ہو۔ اور تم نے ناحق اتنی سی بات

کے لئے اتنی بڑی مسافت طے کی ؛

دہلی والے رو رو کے یہ کہنے لگے ۔ ہم پہلے ہی بلا سوچے سمجھے منہ اٹھائے ہوئے یہاں نہیں چلے آئے ہیں ۔ سارے ہی جتن کر لئے ایک بھی نہ چلا ۔ کوئی تدبیر ہم نے اٹھا نہ رکھی ۔ مگر آخر ناکامی اٹھائی ۔ اس کا علاج ہی کیا ۔ ان باتوں سے دلی والے تو بہت ہار گئے اور اب ان سے از خود کچھ نہیں ہوتا ہے ۔ ہاں کوئی انہیں اکسانیوالا پیدا ہو تو کچھ کام چلے ۔ اس کے بعد جو جو کچھ تدبیریں کی تھیں وہ سب دُہرا دیں ۔ یہ سن کے بندۂ رنجیت سنگھ چونکا اور پھر اس نے تامل کر کے کہا تم گھبراؤ نہیں ۔ سب کا بندوبست میں کر دونگا ۔ وہ ایک ہی آدمی ہے اس کا پار اتار دینا کتنی بڑی بات ہے ۔

کئی دن کے مشورہ کے بعد چار آدمی اپنے گاؤں سے چُنے وہ چاروں گرانڈیل جوان تھے ۔ یہ لوگ زمیندار نہ تھے ۔ بلکہ میرزہ کے بیٹے پوتے تھے ۔ یہ مسلمان تو تھے لیکن بیچارے اصول اسلام سے محض ناواقف تھے ۔ بندۂ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آکے وہ اپنے سارے خیالات کی پونجی کھو بیٹھے تھے ۔ بایں ہمہ ان کی خداداد ذہانت اس کی مقتضی نہ تھی ۔ کہ بندۂ رنجیت سنگھ کی قبر کی بے معنی پرستش سے کوئی مضمون نہ تراشتے اور اس کے بدنما اثر کی جانچ نہ کرتے ۔ وہ رئیس زادے تھے اور انہیں مدت سے حق کی تلاش تھی چونکہ اس عرصہ میں انہیں کوئی ہادی نہ ملا تھا ۔ اس لئے بیچارے تذبذب میں پڑے ٹیے ٹوئیاں مار رہے تھے ۔

خیر اس صفت اور نوعیت کے شخص پیارے شہید کے قتل کیلئے تیار ہوئے

ان جوانوں میں جن کی عمر ۲۴ برس سے زیادہ نہ تھی۔ قدرتی تہذیب موجود
تھی۔ اچھی بری باتیں ان کی طبائع پر جداگانہ اثر ڈالتی تھیں۔ گو وہ پنجابی نژاد
تھے۔ پھر بھی ان میں شائستہ بننے اور خدا پرست ہونے کا مادہ مضمر تھا۔ بندہ تجربت
سنگھ نے ان چاروں کو خوب سمجھا دیا۔ اور ساری باتیں بتا دیں۔ اور یہ قرار دیا
جس کی تلوار اسمٰعیل کی گردن پر پہلے چلے گی اور جس کے ہاتھ سے وہ پہلے مرے
اس کو ایک ہزار روپیہ ایک ٹیکا اور ایک تلوار ملے گی۔ ان نوجوانوں نے ہنس
کر کہا ایسے شخص کے مارنے کے لئے تو ایک ہی ہم میں سے کافی ہے چار
کی کیا ضرورت ہے بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ بدھی ان نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے کے
دہلی روانہ ہوئے "مجموعہ واقعات" والے نے ان نوجوانوں کی دلچسپ حکایت
لکھی ہے جسے میں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

"راہ میں نوجوانوں نے دریافت کیا کہ جس شخص کے قتل کرانے کے لئے
تم ہمیں لے جاتے ہو وہ کون ہے اس نے کیا جرم کیا ہے اور تمہیں اس سے اب
تک کیا نقصان پہنچا ہے"، انہوں نے جواب دیا اصل یہ ہے کہ وہ قبر پرستی
سے منع کرتا ہے، وہ کہتا ہے قبر پہ بیٹھ کے چلہ کھینچے یا کسی ولی کی قبر پہ مراد بر آنے
کے لئے کلاوا باندھنے بڑے پیر کی گیارھویں کرنی اور مردوں کی فاتحہ خوانی دلوانی
اور سید احمد کبیر کی گائے کرنا منع ہے دن بدن لوگ بہکتے جاتے ہیں اور ہماری
روزی میں فرق آتا جاتا ہے"۔

یہ سن کر نوجوانوں نے گردن نیچی کر لی اور بڑی دیر تک سوچتے رہے پھر
انہوں نے سوال کیا۔ یہ باتیں وہ منع تو کرتا ہے لیکن ان کی بجائے کن باتوں کے

کے کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ سوال نہایت معقول تھا۔ اس سے سائل کی دانائی اور انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ وہ کہتا ہے صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ اس کے دربار میں کسی کو سفارشی نہ بناؤ اسکے پیغمبر کو سچا نبی جانو!"

اس تقریر نے نوجوان کے دل پر اچھا اثر کیا حق کی تلاش میں جو ایک بے چینی اور ایک کریدسی ہو رہی تھی اس میں کسی قدر کمی واقع ہوئی لیکن ابھی یہ بات نہ تھی کہ انہیں دین خدا کے اصول معلوم ہو گئے تھے بلکہ ان کی لوح قلب ایسی تھی جس پر دین خدا کے نقوش ہو سکتے تھے۔

غرض وہ دہلی پہنچے کئی دن تک تو اہل بدعت نے انہیں چھپائے رکھا پھر بھی یہ افواہ اڑ گئی کہ شاہ اسمٰعیل کے قتل کے لئے پنجابی بلائے گئے ہیں یہ سن کے پیارا شہید بھی چوکنا ہوا کیونکہ جان بچانی فرض تھی اور ادھر ادھر مخبری کے لئے آدمی چھوڑ دیئے کہ اس کی تحقیق کر کے لاؤ یہ کہاں تک صحیح ہے اہل بدعت نے بڑی چالاکی کی تھی کہ دہلی کی گلیاں اور رستہ دکھانے کے لئے انہیں ڈولیوں میں پھراتے تھے مہینہ ڈیڑھ مہینہ تک وہ ڈولیوں میں پھرتے رہے بعد ازاں یہ غل بھی مچا کہ لوگ ڈولیوں میں پھرتے ہیں تاکہ شاہ صاحب پر پوشیدگی اور بے خبری میں حملہ کریں۔

جب یہ ڈولیوں کی خبر اڑ گئی تو انہوں نے دو پہر اور شب کو مختلف اوقات میں انہیں نکالنا شروع کیا۔ اس زمانہ میں عموماً ہتھیار تو سب ہی باندھتے تھے اور کچھ ممانعت نہ تھی پھر بھی نوجوان پیش قبض چھپا چھپا کے نکلتے تھے۔ پیارے

شہید کی صورت بخوبی کھنچوادی گئی تھی۔ اور اب وہ گھات میں لگے پھرتے تھے

ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب کی روشنی کر زمین گرم گرم اور تیز تیز زمین پر پڑ رہی تھیں۔ در و دیوار اور آسمان و زمین جھلس رہے تھے وہ قہرناک وقت تھا کہ دور سڑک پہ کوئی متنفس نظر نہ آتا تھا۔ بس چیل انڈا چھوڑتی تھی۔ اہل بدعت کو خبر لگی کہ مولوی اسمٰعیل تنہا فتحپوری کے حوض پر ٹہل رہے ہیں۔ شاید وہ کسی خاص خیال میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس سے بہتر موقع اہل بدعت کو کہاں مل سکتا تھا۔ انہوں نے ایک نوجوان کو روانہ کیا کہ وہ جاکے اسمٰعیل کا سر لے آئے۔ وہ جوان سیدھا فتحپوری میں آیا۔ کل حجروں کے کواڑ بند پائے اور ادھر ادھر مسجد میں ایک شخص بھی چلتا پھرتا نہ دیکھا۔ در و دیوار تنور بن رہے تھے جس طرح بھاڑ میں چنے بھن جاتے ہیں اس طرح حوض کی پتھر یلی زمین ہو رہی تھی کہ اگر کوئی چاہے تو باسانی چنے بھون لے۔ شاہ اسمٰعیل صاحب نیچی نگاہیں کیے ہوئے بے تکان گشت لگا رہے تھے جوان نے پہلے اپنا پیش قبض سنبھالا جوتیاں جلدی سے اتار کے ایک طرف رکھیں۔ اور برہنہ پا نیچے کی طرف جانے لگا جونہی اس نے زمین پہ قدم رکھا پیر کے تلوے پھڑتا ہو گئے اور اسے اس قدر تکلیف ہوئی کہ جلدی سے پھر جوتی پہن لی۔ اور اب یکایک اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مولوی اسمٰعیل تو کوئی پہنچا ہوا ولی ہے آہستہ آہستہ اس جلتے ہوئے پتھر پہ ٹہل رہا ہے اور اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ خیال ایسا قوی ہوا کہ آخر کار عقیدت کی صورت میں بدل گیا۔ اور اب اس نے اپنا خنجر نکال کے مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے رکھ دیا اور جو کچھ کیفیت تھی ساری بیان کر

دی۔ مولانا شہید نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا خدا کی تجھ پہ رحمت نازل ہوئی۔ وہ سب کا سچا ہادی ہے۔ تو اپنا خنجر اٹھالے اور جا خدا تجھے ہدایت کرے:۔

نوجوان نے ہاتھ باندھ کر کہا میں کہاں جاؤں جدھر میں گیا پریشانی دست و گریبان رہی لیکن آپ کی صورت اور گفتگو سے گونہ اطمینان ہوا ہے۔ اب مجھے اپنا غلام تصور کیجئے اور راہ حق سکھائیے۔

شاہ صاحب کے مزاج میں مذاق بہت تھا لیکن وہ مزاج میں مذاق جس کی رسول مقبول نے اجازت دی ہے۔ اور بعض[1] وقت آپ بھی کیا کرتے تھے یعنی

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں نے ایک دن نبی اکرم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کبھی ہم سے مزاح بھی کرتے ہیں فرمایا البتہ اگر کبھی مزاح کرتا ہوں تو سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ (ترمذی) نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی اکرم کبھی کبھی اپنی ازواج مطہرات سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک بڑھیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے فرمایا کہ جنت میں کبھی کوئی بڑھیا نہ جائے گی۔ وہ رونے لگی۔ آپ نے فرمایا اس وقت بڑھیا نہ رہے گی کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۔ یعنی ہم نے وہ عورتیں ایک اٹھان پر اور پھر کیا انہیں کنواریاں (ترمذی در شمائل مرسلاً) اور زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک عورت ام امین نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ آپ کو میرا شوہر بلاتا ہے آپ نے فرمایا تیرا شوہر وہی ہے نا جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے اس نے عرض کیا (گھبرا کے) اس کی آنکھیں تو اچھی ہیں ان میں سفیدی نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ بیشک ہے اس نے بقسم کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے ارشاد کیا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو یعنی حلقہ چشم ہر انسان کا سفیدی اور سیاہی دو رنگ کا ہے از زبیر بن بکار وابن ابی الدنیا بروایت عبداللہ بن سہم فہری ۱۲

ایک دن ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھے ایک اونٹ سواری

جس میں جھوٹ نہ ہو اور دوسرے شخص کی غیبت نہ ہوتی ہو آپ نے اپنی معمولی مذاق سے یہ فرمایا۔ بھائی تم پنجابی ہو عموماً پنجابی پیر پرست اور گور پرست ہوتے ہیں۔ میں نہ پیر ہوں نہ میرے ہاں کوئی قبر ایسی ہے جس پر آٹھویں دن کا میلا ہو اور چڑھاوا چڑھتا ہو۔ میں ایک اکیلے خدا کی پرستش کرتا ہوں اور اسی

کو ملے آپ نے فرمایا میں تیری سواری کے لئے اونٹ کا بچہ دوں گا۔ وہ حیران ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ بچے کے میں کیا کروں گی۔ وہ مجھے کیسے اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا جو اونٹ ہوتا ہے وہ اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے (ابوداؤد۔ ترمذی بروایت انس) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے نے ایک لال پالا تھا۔ اور وہ اس سے کھیلا کرتا تھا۔ جب آپ ان کے گھر جاتے تو اس لڑکے سے فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" یعنی اے ابوعمیر تیرا لال کیا ہوا (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جنگ بدر میں رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ آپ نے فرمایا آؤ ہم تم دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے اپنا مضبوط باندھ لیا۔ ایک نشان کھینچ کر اس پر کھڑی ہوئی اور دوڑی مگر آنحضرت آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے۔ ذی المجاز ایک جگہ کا نام ہے جب حضرت عائشہؓ چھوٹی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں کچھ لینے کو بھیجا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دے حضرت عائشہ نے انکار کیا اور آپ ان کے پیچھے دوڑے۔ مگر وہ ہاتھ نہ آئیں اسی واقعہ کو عبداللہ بن حسن کی روایت سے زبیر بن بکار نے دوسری طرز سے بیان کیا ہے وہاں جنگ بدر کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں آپ موجود نہ تھیں ضحاک بن سفیان کلابی بہت بدصورت آدمی تھے جب وہ بیعت کو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ بھی موجود تھیں اور اس وقت تک پردہ کا حکم نہ ہوا تھا بیعت کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس طرح خوبصورت یعنی عائشہ سے بھی اچھی ہیں اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپ کے واسطے بھیجدوں۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ وہ خوبصورت ہیں یا تم۔ انھوں نے کہا کہ میں ان سے کہیں اچھا ہوں اس سوال جواب پر آنحضرت ہنس پڑے کہ یہ شخص اتنا بدصورت ہونے پر بھی اپنے کو نہایت خوبصورت سمجھتا ہے (زبیر بکار و ابوالعلیٰ،

کی قرآن و حدیث کے مطابق حتی الوسع تعلیم دیتا ہوں اگر تمہیں خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم لینی ہو جو ٹھیک اسلام ہے۔ تو میرے ساتھ مزدوری کرکے حلال کی روزی سے پیٹ بھرو اور اگر بچ رہے تو حقیقی محتاج کو دو اور ہمیشہ خدا کا بھروسہ رکھو۔ بس یہی میری تعلیم اور یہی میرا مذہب ہے اگر تمہیں دین اسلام کے یہ اصول اچھے معلوم ہوں تو میرے ساتھ بھی رہنے کی کچھ ضرورت نہیں جہاں جی چاہے رہو اور انہی پر عمل کرو۔ اور مغفرت کے لیے پانچوں وقت کی نماز میں صرف خدا سے دعا کرتے رہو۔ یہ تقریر سن کے یہ جوان کچھ وجد میں آگیا اور خداوند حقیقی کا سچا نور اس کے جملہ دل میں ایسا چمکا کہ اس نے جوتی اتار کے جودہ سیڑھیوں تک نہیں آیا تھا پیارے شہید کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ اور کہا۔ یہ غلام تو اگر دھکے بھی دیجئے گا تب بھی نہیں ٹلے گا۔ آخر وہ پیارے شہید کے ساتھ تا زیست رہا۔ اور جب قندھار کی سرحد میں منافقین کے مقابلہ میں شہید ہوا۔ تو اس کا سر پیارے شہید کے زانوں پر تھا۔ لہو اس کی پیشانی سے پونچھے جاتے تھے اور وہ اپنی اس مسکراتی ہوئی صورت میں جلیبی صورت کی حالت میں اس کی نہی پیارے ہادی کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ آخر اس کی جان پاک عالم ارواح کو سدھاری اور وہ اسلامی شہداء میں شمار ہوا۔

غرض مولانا شہید اسے اپنے ساتھ اسی وقت گھر لے آئے۔ دوسرے دن وہ اپنے تین دوستوں کو بھی لے آیا۔ اور انہوں نے بھی طریقہ محمدی اختیار کیا۔ ایسی ایسی کامیابیاں گو بظاہر خفیف معلوم ہوتی ہوں لیکن

حقیقت میں ان میں بڑا اثر تھا۔ ایک گروہ میں سے ایک کا بدعت و شرک کو ترک کر کے خالص خدا کی سہریتی کو قبول کرنا اور اسی کا بندۂ رضا ہونا عجیب بے غریب فتحیابی کا اثر اپنے میں رکھتا تھا۔

مولانا شہید کی ہدایت کسی خاص گروہ کی طرف محدود نہ تھی۔ آپ ہر انسانی سوسائٹی میں خواہ کیسی ہی ناپاک کیوں نہ ہوتی جانا اور رغنی لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے چنانچہ ایک کتاب میں کسبیوں کی ہدایت کرنے کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

صاحب فیض کرم علی ایک قسم کا قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے دروازے پہ کھڑے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جا رہی تھیں مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلاں کسی بڑی کسبن کے گھر کچھ تقریب ہے۔ وہاں جا رہی ہیں مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں مسلمان ہیں تب مولانا نے فرمایا کہ جب مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں کیا خداوند تعالےٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے ان کو نصیحت نہیں کی اس واسطے اب تو میں انکے مکان پر ان کو نصیحت کروں گا۔ آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف لے جانے سے آپ کو بدنام کریں گے۔ کہ کنجر واڑے میں بھی آپ جانے لگے۔ آپ

نے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی کچھ پرواہ نہیں۔ جب اللہ اور رسول کا حکم سنانے کو نکلا تو ہر ایک کو سنا دیگا۔ اس کے واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے آپ نے اول اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلا دیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھچوائیں کیا تو اس وقت اللہ ہی کی بات بولتا رہے گا۔ دل نے کہا ہاں جب تک میرے اندر سانس ہے خدا کی بات کو کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے بھی باز نہ آؤں گا جب شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبن کے مکان پر پہنچے جہاں سب کسبیاں جمع ہو کے کچھ گا بجا رہی تھیں آپ نے وہاں جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "او اللہ والیو" او اللہ والیو" اس وقت چند چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کون ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے کچھ صدا سنائے گا۔ اور تماشا دکھائے گا۔ وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے دروازہ کھولکر اندر بلا لیا آپ نے اندر جا کے بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوپر بالاخانہ میں معہ اپنے مہمانوں کے جشن کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب اوپر تشریف لیگئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک و احتشام سے معہ اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ چاروں طرف شمعدان روشن ہیں۔ چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحب زادے تھے باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئیں اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اٹھ کے آپ کے سامنے مؤدب کھڑی ہو گئیں اور پوچھا کہ حضرت آپ نے کیونکر تکلیف فرمائی۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں کچھ صدا سنانے آیا ہوں۔ تم سب جمع ہو کے اپنی اپنی جگہ

میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ چونکہ ان کی ہدایت کا وقت آگیا تھا سب ایک جگہ جمع ہو کے بیٹھ گئیں۔ مولوی صاحب نے حمائل کھول کے ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کہ اسی کو سن کے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ پھر آپ نے ان آیتوں کے معنے بیان کر کے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حسن و جوانی کو قیام ہے نہ مال و زندگی کو۔ یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مولانا نے موت اور جان کندنی کی سختی اور اس وقت کی بے کسی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا ذکر ایسے پر درد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا دنیا میں سبب اور وسیلہ یا موجد و معاون ہوا ہے وہی اس دن اس گروہ کا پیش رو ہوگا جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجرم بدکاری گرفتار ہو کے حاضر کی جاؤ گی تو ہر ایک زانیہ کے ساتھ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار بھی بلائے جائیں گے جن کی زناکاری و بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں اور تمہارے ہی ناز و اداتے انہیں اس آفت میں پھنسایا تھا۔ تو خیال کرو کہ ایسی حالت سے جب کہ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے ہونگے۔ اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان ایسا گرم ہوا کہ سبھوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ تب آپ نے اب توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا

کے لئے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اس بیان وعدہ عفو اور شرح غفاری اس غفور رحیم سے ان بے دلوں کو کچھ ہوش آیا معاً آپنے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے اس سے نکاح کرلے اور اپنے افعال ماضیہ سے تائب ہوجائے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں جب یہ وعظ ہورہا تھا۔ اس کی شہرت تمام شہر میں ہوکر ہزاروں خلقت اس کے سننے کو وہاں آکے جمع ہوگئی تھی راستے بند ہوگئے تھے آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس دلپذیر وعظ کا نتیجہ یہ ہوا جس قدر جوان عورتیں قابل نکاح ہیں مجمع میں موجود تھیں سبھوں نے توبہ کرکے نکاح کرلئے اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ تھیں انہوں نے محنت مزدوری سے اپنی گذران شروع کی۔ (کتاب تواریخ عجیبہ کی تحریر ختم ہوئی)

اس بے نظیر کامیابی نے اہل بدعت کے دل ہلا دیئے اور اب پرانی بڑھیوں کی طرح یہ رونا لے بیٹھے کہ اسمٰعیل کو یا تو جادو آتا ہے یا کچھ موکلوں کو ایسا تابع کر رکھا ہے کہ فوراً اپنا اثر دیتا ہے۔ مگر ان کی ان بوئی باتوں کو تسلیم کرنے والے ان ہی کے گروہ کے فہم تھے۔ اور جس میں ذرا بھی عقل تھی وہ باوجود مخالف ہونے کے اتنا ضرور سمجھتا تھا کہ اسمٰعیل اپنے خیال میں پختہ ہے اور اس کی تقریریں غیر معمولی اثر ہے۔

اس کامیابی نے ایک نتیجہ بخش سماں دکھایا اور وہ یہ تھا کہ بڑے بڑے

علماء آپ کے وعظ میں تشریف لانے لگے۔ یوں تو ہزاروں مضامین تھے جن پر آپ وعظ فرما سکتے تھے۔ مگر زیادہ تر ان برائیوں کے دفعہ کرنے کے لیئے وعظ فرماتے تھے جو اس وقت مسلمان کو گھیرے ہوئے تھیں اور یہی باتیں زیادہ اثر رکھتی تھیں؛

مثلاً پہلے بہت بڑی بات یہ تھی کہ جامع مسجد کے حوض پر خوانچہ والوں کا آنا موقوف ہو۔ بھلا عبادت خانہ میں ناپاک بدعت کب موزوں تھی۔ ایک دن آپ نے صرف اسی پر وعظ فرمایا اور آپ کا وعظ سن کر لوگوں کو اسقدر جوش آیا کہ اگر انہیں روک دیا نہ جاتا تو شاید وہ خوانچہ والوں کا مارے لکڑیونکے بلیتفن نکال دیتے۔ وعظ کہنے کے بعد آپ نے اکبر شاہ کی خدمت میں ایک درخواست لکھی۔ اور اس پر تمام حاضرین جلسہ کے دستخط کرائے اور یہ التجا کی کہ جامع مسجد میں سودا بیچنا موقوف ہو۔ اور اس کی سیڑھیوں پر کھلونے نہ فروخت ہونے پائیں

اکبر شاہ نے فوراً منظور فرمایا اور اطلاع عام دے دی کہ آئندہ سے سب سودے والے مسجد تک آنے کے لئے بھی بند کئے گئے۔ یہ ایک بڑی اصلاح[1] تھی جس کو خاص و عام نے پسند کیا۔ اپنے دوسرے وعظ میں آپ نے قبیح رسم کو روکا جو تیمور کے خاندان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی نگاہوں میں اہل

---

[1] آج کل تو یہ غنیمت ہے کہ سودے والے مسجد میں آکر فروخت نہیں کرتے لیکن باہر ان کا مجمع لگا رہتا ہے اور کوئی جامع مسجد کا ممبر ظاہراً نفع کے لئے ان سے ہٹانا بھی نہیں چاہتا۔ یہ تو سب کچھ تھا ہی غضب یہ کر رکھا ہے کہ الوداع کے دن جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بت پرستی ہوتی ہے یعنی کھلونے بکتے ہیں مسلمان مسجد کے پاس مندر بننے پر تو اہل ہنود سے سر پھٹول کرتے ہیں لیکن خدا کے گھر میں جو بت پرستی ہوتی ہے اس کا بسہولت تدارک ان سے نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

ہنود کی رسمیں ہوتی اور انہیں اسلام اصول سمجھنا عورتوں کے خیال ایسے سخت اور شدید ہوتے ہیں کہ جو بات ان کے ذہن میں جم جاتی ہے اس کا نکلنا مشکل پڑجاتا ہے مگر مولانا شہید کے متواتر وعظوں نے ان کی ہمت بھی پلٹی اور انہوں نے بھی آئندہ سے توبہ کرلی۔ اگر خیال کیا جائے تو یہ اصلاح سب سے بڑی تھی کہ یکایک صدیوں کے خیالات عورتوں کے بدل دیئے۔

سیتلا کی پرستش

بت پرستی کا چونکہ گھر گھر رواج تھا اور مسلمان اسے عیب بھی نہ سمجھتے تھے اور طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار تھے اس لئے ان کی مستورات بھی ان سے اس شرک و بدعت میں کئی قدم آگے تھیں وہ بالکل ہندوؤں کی طرح ماتا مائی کی پرستش کرتی تھیں اور یہ سمجھتی تھیں اگر ہم ماتا مائی کو نہ پوجیں گے اور ان کے آستان پر چڑھاوا نہ چڑھائیں گے۔ تو ہمارے بچے ضائع ہو جائیں گے۔ الحمد للہ کہ مولانا شہید بڑی کوشش کے بعد اس میں بھی کامیاب ہوئے اور ہر گھر سے سیتلا اور چیچک کی پرستش بالکلیہ مٹادی۔

تعزیہ داری اور ماتم کرنا

دہلی میں کوئی خاندان شریفوں کا ایسا نہ تھا جس کے ممبر شیعہ سنی دونوں نہ ہوں کسی کی ننہال شیعہ تھی۔ تو کسی کی ددیال شیعہ تھی۔ چنانچہ خود شاہ عبد العزیز کے نانا شیعہ تھے جو بعد ازاں سنی ہو گئے تھے[1]۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے جس ملک میں کہ دونوں معزز گروہ رہتے ہوں اور پھر مسلمان ہوں وہاں باہمی تعلق کا ہونا حیرت انگیز نہیں خدا کو دونوں قومیں واحد جانتی ہیں۔ رسول مقبول کو برحق سمجھتی ہیں۔ خلافت کا جزوی جھگڑا ہے جسے جہلا نے زیادہ خوفناک بنادیا ورنہ

[1] مجموعہ واقعات ص ۱۵۶

کوئی عاقل اور مہذب شیعہ کبھی تبرا بھیجنا اچھا نہیں سمجھ سکتا۔

اس تعلق نے سنی مستورات پر یہ قابل شرم اثر ڈالا تھا کہ وہ محرم میں اپنے بچوں کو حضرت امام حسین کے نام کا سقہ بنا کے تعزیوں کے نیچے سے نکلتے کو بھیجتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ اس بچہ کی زندگی اور ترقی مال و دولت اس کام کے انجام دینے پر موقوف ہے محرم کی یکم تاریخ سے دہم تک چوڑیاں پہننا، مہندی لگانا، نفیس کپڑے پہننے تیل اور عطر استعمال کرنا۔ پان کھانا۔ شادی بیاہ کرنا حرام خیال کرتی تھیں وہ نویں تاریخ سر کھول کے بوسہ اڑاتی تھیں اور بشدت ماتم کرتی تھیں اور وہ اپنی ان باتوں کو اسلام سمجھتی تھیں ان کا عام مقولہ یہ تھا کہ جس نے دسویں دن حضرت امام حسین شہید کربلا کی شہادت پر ایک بھی آنسو بہایا اس کے لئے ایک موتی کا محل جنت میں تیار ہو گا

مولانا شہید نے انہی شیعہ افعال پر متواتر وعظ فرمانے شروع کیے۔ آخر رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ ان کے مرد خود انہیں ایسے بدنما کام کرنے پر روکنے لگے۔ اور بعد ازاں سنیوں کی مستورات میں سے یہ رسم بالکل جاتی رہی۔

قبر پہ چلے باندھنا

شرفا کی خواتین میں گور پرستی کی بھی انتہا ہو گئی تھی اور پردہ میں بد وضع لوگوں کی بن آتی تھی اور وہ اپنی نا واجب خواہش حاصل کرنے کے لئے شریف زادیوں پر تاک جھانک کیا کرتے تھے۔ ہر سال بڑی بڑی قبروں پر شرفا کی بہو بیٹیاں کے ہجوم رہتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا پردہ کی کچھ پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ مولانا شہید نے ان کے مردوں کو غیرت دلائی اور قرآن و حدیث کی باتیں سنائیں اور ان کے آگے علاوہ دینی نافرمانی کے

جو وہ کرنے تھے دنیا دی بے عزتی کا بھی نقشہ کھینچا ہے. خدا خدا کرکے وہ ساری باتیں بند ہوئیں اور عورتوں کا قبروں پر جانا موقوف ہوا.

عورتوں کا مرید کرنا اور مرید ہونا

چونکہ چاروں طرف سے بدعت و شرک کے دروازے کھلے ہوئے تھے. اور ہر فرد و بشر دنیا کا طالب نظر آتا تھا. دوسرے کا مال اینٹھ لینا بھی ایک بڑی حکمت سمجھی جاتی تھی اسلئے اس رستخیز میں پنجاب کے بعض اضلاع میں ان عورتوں کا بھی ظہور ہوا کہ جو صرف عورتوں ہی کو مرید کرتی پھرتی تھیں چونکہ یہ بالکل ایک نئی بات تھی اور مردوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے عورتوں کو کسی قدر لحاظ بھی تھا وہ بہت جلد جلد مرید ہونی شروع ہو گئیں. اگر تحفۂ عزیزی والے کا قول صحیح ہے تو ایک سال میں ان عورتوں سے صرف پانی پت اور کرنال وغیرہ قصبوں کی ڈیڑھ ہزار عورتیں ہی مرید کی تھیں اس کے بعد یہ عورتیں دہلی میں بھی آگئیں جس کا دلچسپ حال "تحفۂ عزیزی" والا اپنا چشم دید بیان کرتا ہے جس پر اعتبار کرنے کا ہمارے پاس بہت عمدہ قرینہ موجود ہے. اول تو بڑی بات یہ ہے کہ مجموعہ واقعات میں بھی اس کا صرف ایک جگہ تذکرہ پایا جاتا ہے. لیکن اس نے کچھ ایسے مبہم طریقے سے بیان کیا ہے. گویا اس کی نگاہ میں یہ واقعہ زیادہ نامور اور دلچسپ نہیں ہے بہر حال اس کے صحیح ہونے پر ہم بھروسہ کر کے تحفۂ عزیزی میں سے عبارت ذیل نقل کرتے ہیں، جو ناظر کی دلچسپی بڑھانے کے لئے اپنے میں کافی مادہ ہے وھو ہذا :-

"جب میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھا کرتا تھا. تو مجھے ساتھ

لہ تحفۂ عزیزی ص ۲۷ سے ص ۲۵ تک ۱۲

ہی اس کئے مجھے بھی شوق تھا۔ کہ ہر سوسائٹی میں جاؤں۔ اور اس کی حالت سے واقفیت حاصل کروں شب و روز مولویوں کی صحبت میں رہتا تھا پھر بھی خشک مغزی کا مجھ میں نام و نشان نہ تھا۔ میری ملاقات شہر میں عموماً سب ہی سے تھی اور کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا کہ جہاں لوگ مجھے نہ جانتے ہوں۔ ایک دن میں مصوروں کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنے ایک دوست کو خاموش اور سست بیٹھا ہوا دیکھ کر اس سے سبب دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس کی بیوی پانی پت میں ان عورتوں کی مرید ہو گئی ہے اور کچھ ایسی بے خودی اس پر چھا گئی ہے۔ کہ ہر وقت انہی کی خدمت میں رہتی ہے اور اپنا سارا زیور بھی انہیں کی نذر کر رکھا ہے۔ پھر مجھے اس مصور کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کی وجہ سے اس نے اپنے بڑے مکان کی آرائش ان ہی مرید کرنیوالی عورتوں کے لئے کی ہے۔ یہ سن کر مجھے ان پنجابی عورتوں کے حالات دریافت کرنے کا بہت شوق ہوا۔ اور میں نے ایک نظر انہیں دیکھنا بھی چاہا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ میرے دوست مصور نے مجھ سے کہا کہ میں کیا تدبیر کروں اور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میری ان کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ وہ اسے بھی اپنی لونڈی گیری میں پنجاب لے جائیں گی۔ میں نے دلاسا دیا۔ اور کہا۔ شرعاً مرد کو اختیار ہے کہ وہ اس خرافات پیری مریدی سے عورت کو روکے اور یہ خبر نہیں کسی شریعت میں جائز نہ ہے کہ عورتیں عورتوں کو مرید کرتی پھریں۔ میرے اس کہنے پر مصور کچھ چوکنا ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر میں زیادہ جبر اس بارہ میں اپنی بیوی پر کروں گا تو شاہ اسمٰعیل صاحب بھی اسے برا نہ بتائینگے میں نہ کوئی مفتی تھا نہ مولوی۔ نہ ان بحثوں سے اتنی دلچسپی تھی میرا اگر مذاق تھا تو صرف

یہ کہ مختلف خیالات کا باہم مقابلہ کر دں اور ہر سوسائٹی کو بغور ملاحظہ کر دں۔

اتفاق سے دو چار ہی دن میں دہ عورتیں بھی دہلی میں داخل ہوئیں۔ انکے ساتھ کوئی مرد نہ تھا تمام خدمتیں متفرق عورتوں کو سپرد تھیں۔ تقریباً ان کی بیس پچیس تعداد ہوگی اور یوں ان کا بھیڑ بھنکا اسباب کی وجہ سے بہت دکھائی دیتا تھا۔ یہ عورتیں جو مرید کرتی تھیں دو بہنیں تھیں جن کی عمر پچاس پچاس سال سے کم ہوتی انہیں قرآن شریف اچھا یاد تھا۔ اور نہایت خوش لہجگی میں پڑھتی تھیں۔ معمولی مسائل کی دس بیس حدیثیں بھی یاد تھیں۔ سب سے زیادہ یہ تھا جس سے جاہل عورتیں ان کے داؤں میں آجاتی تھیں کہ دہ شعبدہ باز پوری تھیں۔ آناً فاناً میں خود بخود نور بن جاتیں اور اپنی مریدہ سے کہتیں کہ خدا نے ہم میں حلول کیا۔ زمین پر عصا مارنے سے ایک گڑھا ہو جاتا اور اس میں پانی بھر جاتا بیری یا آم کی خشک ٹہنیوں میں صرف اس پر تھوکنے سے ہرے پتے لگ جاتے اور پھل بھی نمودار ہو جاتا۔ بعض وقت تین بجے شب کے جب بالکل سناٹا اپنی سلطنت کرتی ہے ملائکہ کی آمد و رفت بھی دکھائی دیتی تھی جو اوپر سے نیچے آتے اور پھر اوپر چڑھ جاتے۔ وہ اپنی بعض باتوں اور سوالات کا جواب آسمانی آواز سے لیتیں۔ جو اس طرح آتی گویا آسمان سے کوئی پکار رہا ہے۔ میں نے خفیہ طور پر یہ بھی سنا تھا کہ یہ شعبدہ باز اپنے کو نبیا کہتی ہیں سب سے زیادہ ان کا ایک شعبدہ بڑا بھاری تھا۔ اور وہ یہ کہ مردوں کو زندہ کر دیتی تھیں۔

ان کا آنا تھا کہ قلعہ کی بیگمیں سب سے پہلے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کثرت سے جانی شروع ہوئیں۔ کہ ان کے ہوش و حواس بھی اڑ گئے۔ اب انہیں اتنا وقت

بھی نہ ملا تھا کہ اپنا شعبدہ بازی کا مصالح تیار کریں۔ آخر دق ہو کے انہوں نے یہ مشہور کیا کہ ہمارے پاس وہی عورت آوے جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے دہلی کی خلقت عجیب خیالات کی ہوتی ہے اس پر بھی عورتیں نہ رکیں سب سے زیادہ قلعہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور رتھوں اور بہلیوں کو سڑک پر چلنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ نذرانے گذرنے لگے۔ اور اس قدر روپیہ کا نچھاور ہوا۔ کہ وہ دو عورتیں مالا مال ہو گئیں۔ یہ تعجب ہے کہ انکا شہر دہلی میں سوائے پندرہ سولہ دن کے زیادہ قیام نہ ہوا اور جب انکی شہرت کا سلسلہ تمام حصص دہلی میں پھیلنے لگا تو وہ چل دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس سے کتنے سال بعد غرضیکہ یہ صحیح ہے دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی۔ کہ کلکتہ سے بردہ فروشی کے جرم میں گرفتار ہو کے عورد ریاسے شور کی گئیں اور جس وقت ان کی تلاشی لی گئی تو ۲۳ لاکھ روپیہ کا نقد زیور ان کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔"

فقط تحفہ عزیزی والے نے مولانا شہید کا اس مشہور واقعہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے کہ آیا اس اصلاح کی اسٹیج پر بھی مولانا نے کوئی حصہ لیا تھا۔ یا خاموشی ہی سے سیر دیکھا کئے۔ لیکن مجموعہ واقعات[1] والا صاف طور پر یہ لکھتا ہے:۔

"گو ان شعبدہ باز عورتوں کی یہاں (یعنی شہر دہلی میں) آؤ بھگت ہوتی۔ لیکن مستورات پر دائمی قبضہ پانے کی دال نہ گلی۔ مولانا نے یہاں تک اپنے معتقدین سے کہا تھا۔ کہ اگر یہ اپنے اس فعل کو ترک نہ کریں تو ان پر جہاد کرنا چاہئے۔ یہ بدینین کے دین خدا میں رخنہ ڈالنا چاہتی ہیں۔"

بھلا جس شہر کی چار دیواری میں مولانا شہید کی یہ آواز گونجتی ہو کہ خدا ایک ہے کوئی۔

---

[1] مجموعہ واقعات ص۲۵۱

اس کا شریک نہیں ۔ اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں وہاں
ان پنجابیوں کا ڈھکوسلہ کیوں کر چل سکتا تھا ۔ بڑے بڑے بدعتی پسپا ہونے چلے
گئے تھے ۔ اور دن بدن نور خدا پھیلتا جاتا تھا ۔

قبروں پر حال آنا صوفیوں کا گتیں بھرنا بعض غلط الزامات کے مشہور ہونے کی وجہ

میں اپنے پہلے کسی باب میں لکھ آیا ہوں کہ ہندوستان خصوصاً دہلی میں اہل تصوف کا
زور شور محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں بہت ہو گیا تھا ۔ اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا
جاسکتا کہ اسلام کے ابتدائی زمانوں میں ہی اس کی بنیاد پڑ گئی تھی ۔ صوفیوں کے والا شان
گروہ میں ہزاروں ایسے ایسے بڑے بڑے علماء ہوئے ہیں جن پر اسلام ہمیشہ فخر
کرے گا ۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کی نگاہ میں وقعت سے دیکھے جاتے ہیں ۔ بلکہ اہل
یورپ نے بھی ان کی بہت سی کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کر لیا ہے ۔ اور ان کے
آداب و محاسن اور حسن اخلاق کے دل سے مدح خواں ہیں ۔

ہمارا روئے سخن ان صوفیائے کرام کی طرف نہیں ہے جو آسمان اسلام کے
چمکتے تارے ہیں ۔ بلکہ ان ظاہرا صوفیوں سے غرض ہے جنہوں نے دلیلوں کی صورت
بنائی ہے ۔ اور اصل دل میں ناجائز افعال کرنے کا مذاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے
پیارے شہید نے جب جھوٹے صوفیوں کا دہلی میں جب یہ عروج دیکھا ۔ اور ہزاروں
جہلا عوام الناس کو ان کا گرویدہ پایا تو یہ خیال کیا جب تک ان کی اصلاح نہ ہو گی
کبھی اسلام میں عمدگی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ روزمرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے تھے
کہ ہر قبر پر تقریباً خوب صورت نوعمر قوال خوش الحانی سے عشقیہ غزلیں گاتے ہیں ۔

اور بیسیوں صوفی ان کی آواز اور صورت پر للچتے ہیں۔ ان کی لمبی لمبی زلفیں عطر میں
ڈوبی ہوئی ہیں۔ خوشبودار مصالح میں نفیس ڈھاکے کی ململ کے کپڑے رنگے ہوئے
ہیں۔ اور کسبیوں کی طرح گتیں بھری جا رہی ہیں۔ عام جاہل مسلمان انہیں پہنچا ہوا
اور ولی جانتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں شان اسلام اور فرمودۂ خدا و رسول یہی ہے۔
قوالوں کے جلتے بچے ہونے وہ بیش قرار تنخواہوں پر صوفیوں کے ملازم ہو جاتے اور
جہاں ان کی نوعمری کا زمانہ منقضی ہوا۔ موقوف کر دیئے گئے اور ان کی جگہ بے ریش و
بروت آجاتے۔ یہ بات عام طور پر مشہور تھی (صوفیوں کے دائرہ میں) جب حُسن
صوت کے ساتھ حسن صورت نہ ہو کبھی حال نہیں آسکتا۔ ان کا لہک لہک کے حافظ
کی عشقیہ غزلیں پڑھنا اور پھر ظاہردار صوفیوں کا تھرکنا اور ایسی گتیں بھرنا کہ کسبیاں
بھی جھینپ جاتی تھیں۔ عین اسلام (معاذ اللہ) خیال کیا جا رہا تھا۔ پیارے شہید
کے لئے یہ ایک خوفناک نظارہ تھا۔ کہ شریعت محمدیہ یوں بے ادبی سے کچلی جا رہی
ہے اور کوئی دریافت کرنے والا نہیں ہے۔ آخر آپ بہت دھوم دھام سے عین
قبروں ہی کے نزدیک وعظ فرمانے لگے۔ ادھر ڈھولک پر چوٹ پڑتی اور ادھر
پیارے شہید کا وعظ ہوتا۔ ہزاروں آدمی قوالی میں موجود ہیں۔ کبھی پیارے شہید پر حقارت
کی آوازیں بلند کرتے ہیں۔ اور کبھی منہ چڑا لیتے ہیں۔ مگر انکا یوں برا بھلا کہنا خوش آئند تھا۔
پہلے دن تو ایک دو اشخاص قوالی میں سے ٹوٹ ٹوٹ کے آنے لگے۔ اور بعد ازاں
مجمع ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ قوالی ہو رہی ہے اور یہ غل مچا۔ شاہ صاحب
وعظ کہنے کے لئے تشریف لے آئے۔ گروہ کے گروہ اللہ کے چلے آئے اور انہوں
نے قوالی اور گانے بجانے کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔

ایک دن آپ شاہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں وعظ فرما رہے تھے ایک صوفی نے باآوازِ بلند چھر چھری آواز میں یہ کہا۔

"آپ کیوں ہاتھ دھوکے دین پیچھے پڑے ہیں[۱]۔ ہمارا ستیاناس ہو گیا اور آپ کے ہاتھ کچھ نہیں لگتا۔ اپنے باوا اور چچا ہی کو دیکھو۔ انھوں نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔ حالانکہ وہ بھی بہت بڑے فاضل ہیں۔ لیکن تم تو بڑا ہی غضب ڈھا رہے ہو۔"

آپ نے خاموشی سے اس آواز کو سنا اور پھر اس کا جواب یہ دیا:۔

"میرا جہانتک خیال ہے میں فرمودۂ خدا و رسول بیان کرتا ہوں۔ مجھے اپنی قبر میں جانا ہے۔ دوسرے کی ذات پر میں کچھ حکمران نہیں ہوں۔"

ایسی ایسی آوازیں بازار میں بکثرت پڑتی تھیں۔ لیکن پیارے شہید کو ناگوار نہ معلوم ہوتی تھیں۔ اور اگر ان کے معتقد یعنی محمدی عوام الناس کے آوازے کسنے پر ناراض ہوتے تھے۔ آپ سکرا کے انھیں یہ کہہ کے تھپک دیا کرتے تھے۔ ناراض ہونے کی جگہ نہیں۔ بظاہر یہ تو قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی روزی میں خلل انداز ہوتا ہوں۔ پھر جو کچھ یہ شکایت کریں انھیں کرنے دو۔ جب حق کا نور ان کے جملہ قلب پر چمکے گا۔ یہ آپ اندازہ کریں گے۔ اسمٰعیل جو کچھ کہتا تھا۔ وہ صحیح تھا یا ہماری خیالی باتیں صحیح ہیں۔ آپ نے راگ اور اس کے سننے پر کئی وعظ فرمائے۔ ان کا مضمون صرف یہی تھا کہ:۔

"راگ کی یہ حالت جو قبروں پر کی جاتی ہے شرع میں درست نہیں ہے۔

---

[۱] نوٹ ہذا کا حاشیہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔۱۲

بہت سے بزرگانِ دین راگ سنا کرتے تھے۔ لیکن وہ راگ کیسا ہوتا تھا۔ جس میں موسیقی کے ارکان کی قیود نہ ہوتی تھی۔ اور نہایت سادگی سے دف پہ گانا گایا جاتا تھا۔ چند نابالغ لڑکیوں کا دف بجا کے عید کے دن باہم بیٹھ کے گانا اور نبی اکرم کا منع نہ کرنا بلکہ یہ فرما دینا "عید کا دن ہے انہیں گانے دو" یہ معنی نہیں رکھتا جو ہمارے ظاہر دار صوفیوں نے سمجھ لئے ہیں۔ اول تو وہ لڑکیاں ہی ناسمجھ تھیں، دوسرے عید کا دن تھا۔ تیسرے وہ یہ بھی نہیں جانتی تھیں۔ کہ گانا بجانا کسے کہتے۔ اور ان کے ارکان کیا ہیں۔ وہ بمنزلہ ایک کھیل کے کھیلتی تھیں۔ مثلاً جیسے گڑیاں کھیلنی آنحضرت نے جائز قرار دیدیں۔ لیکن صرف بچیوں کے لئے اسی طرح ایسے گانے بجانے کو بھی جو موسیقی کے قواعد کی کل قیود سے آزاد تھا۔ ارشاد کر دیا یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوعیت کے گانے سننے اور اس پر غور کرنے اور گتیں بھرنے کی مومنین کو اجازت دی ہو۔ بلکہ صحابہ تو صرف سادے گانے میں بھی اس قدر تشدد کرتے تھے۔ کہ عام لوگوں میں ان کا خوف پھیل رہا تھا۔ ایک لڑکی نے یہ منت مانی تھی۔ کہ جب فلاں مہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب واپس تشریف لے آئیں گے تو میں دف بجا کے انہیں اپنا گانا سناؤں

---

۵۱ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروان کو جب بہت تکلیف دی تو آپ نے مکہ والوں سے جان بچانے کے لئے اپنے معتقدین سے ہجرت کے لئے ارشاد فرمایا تھا جب وہ سب مدینہ چلے گئے اور مکہ کے بہت سے گھر ویران ہو گئے تو عتبہ بن ربیعہ نے کعبہ میں نبی اکرم سے یہ کہا:" اے میرے چچا کے بیٹے اس ساری ویرانی اور تباہی کا تو ہی باعث ہوا ہے، نہ تو دعویٰ نبوت کرتا۔ نہ ہمارا شہر ویران ہوتا۔

(طبری صفحہ ۱۱۸ ابن ہشام صفحہ ۳۰۸)

۵۲ ابن ہشام صفحہ ۱۰۹

گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ لڑکی نبی اکرم کی خدمت میں دف لے کے حاضر ہوئی اور اس نے اپنی منت ماننے کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپؐ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ دف بجا بجا کے گانے لگی اس کا گانا وہی سیدھا سادھا بچیوں کا سا تھا جو عموماً ہوا کرتا ہے۔ اتنے میں اس نے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ خوف کے مارے تھرا گئی۔ اور اپنا دف زمین پر رکھ کے اس پر ہو بیٹھی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی۔ آپ نے بہت خوش ہو کے یہ فرمایا "عمرؓ سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔" یہ احکام تھے اور یہ خیالات تھے کہ نبی اکرم نے بچی کے بے جوڑ گانے کو بھی شیطانی افعال سے تعبیر کیا۔ اور پھر حضرت عمرؓ کا یہ خوف بچہ بچہ کے ذہن میں کہ آپ معمولی گانے کو بھی ایسا برا جانتے ہیں۔ ہمارے لئے برحق حقیقت اور سچی نصیحت کا کس قدر مادہ رکھتا ہے۔

اگر واقعی ہم مسلمان ہیں۔ اور نبی عربی سے ہمیں اسلام کے باعث نسبت ہو سکتی ہے۔ پھر کونسی بات ہے جو فرمودۂ خدا اور رسول پر عمل کرنے سے ہمیں روکتی ہے اور ہم ذراسی دیر کی نفسانی لذائذ کے مقلد بن کے ان وسائل کو جن پر ہماری نجات کا بالکلیہ دار و مدار ہے کھو بیٹھے ہیں۔ کتابیں موجود ہیں۔ حضرات صوفیہ سابقہ کے حالات قلمبند ہو گئے ہیں۔ پھر حجت اور شبہ پیدا کرنے کا کونسا مقام باقی ہے یہ عجب تماشا کی بات ہے کہ اپنے کو مسلمان بھی کہتے جائیں اور پھر اسلام کے احکام سے روگردانی بھی کرتے جائیں!"

اس اس قسم کی اکثر باتیں بنارا شہید وعظ میں بہت زور دے دے کے فرماتا تھا اور کسی میں یہ یارا نہ ہوتا تھا۔ کہ حق کو جھٹلا سکتا۔ آخر اُن کے پے در پے

وعظوں سے ایک عظیم الشان اصلاح ہوئی۔ گور پرستی جو قوالی سے زیادہ زندہ تھی دن بدن تنزل پذیر ہونے لگے اور آخر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ صوفی اپنی سرد بازاری کی تاب نہ لاکے خود بخود جلاوطن ہونے لگے۔ اور ادھر ادھر ریاستوں میں جاکے اپنا مسکن کیا۔

ہاں یہ ضرور ہوا کہ صوفی دہلی سے تو چلے گئے لیکن عوام الناس کے دلوں پر یہ جما گئے کہ اسمٰعیل صوفیوں کو برا بتاتا ہے اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔

جب اس کی شورش زیادہ مچی تو آپ نے ایک ضخیم کتاب[1] اصل تصوف نامی بڑے بڑے جلیل القدر صوفیوں کے بیان میں تصنیف فرمائی اور اس کے اکثر نسخے نقل کرا کے مختلف لوگوں کے پاس بھیج دیئے جس سے عوام الناس کے خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اسماعیل بڑا جید صوفی ہے۔

ہمارے ہاں یہ عام عیب پھیلا ہوا ہے اور اس میں تقریباً سب ہی مبتلا ہیں کہ جس کی نسبت جو کچھ سن لیا بلا تحقیق اور تفتیش کے اسے یقین کر لیا۔ اس سے غرض نہیں کہ وہ صحیح ہو یا غلط اسی طبیعت نے ایک عام ناراضی مسلمانوں

---

[1] اس کتاب کا نام حقیقت تصوف ہے عذر میں اس کے بہت نسخے ضائع ہوگئے ہیں شاید ہندوستان میں کسی کے پاس موجود ہو گئی۔ کشمیر میں میرے ایک دوست نے مجھے دکھائی تھی میں نے سرسری طور پر دیکھ کے واپس دیدی۔ اس میں شک نہیں جو کچھ مولانا شہید نے اس میں کمال کیلئے اور سچے صوفیوں کی تعریف میں رطب اللسانی کی ہے۔ اس سے مولانا کی انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے۔ اور تمام ان غلط الزامات کی تردید ہوتی ہے جو خواہ مخواہ اب تک آپ پر محض نفسانیت سے عاید کئے جاتے ہیں۔

میں مولانا شہید کے خلاف پھیلادی اور اب تک مسلمانوں کا بڑا گروہ بیچارے شہید کو ملزم گردانتا ہے۔ حالانکہ جو الزامات اس ذات والا پر قائم کئے ہیں کبھی کسی کو یہ نصیب نہیں ہوا۔ کہ ان کی پوست کندہ کیفیت دریافت کرتا۔ اور حق و ناحق میں تمیز کرتا۔ بمبئی میں عموماً مولانا اسمٰعیل کے نام سے لوگ جلتے ہیں۔ لیکن جلنے کی وجہ صرف وہ سنی سنائی باتیں ہیں جن کی کچھ بھی بنیاد نہیں ہے۔ اور وہ محض بے اصل ہیں۔ ایک دفعہ جمعہ کو میں بمبئی کی جامع مسجد میں گیا۔ تو نماز پڑھنے کے بعد مجھے میرے ایک دوست نے ٹھیرالیا۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ کئی شخص اور بھی میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ لکھے پڑھے ہیں۔ وہ باہم مولوی اسمٰعیل صاحب کا ذکر تحقیر آمیز الفاظ سے کر رہے تھے اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں قائم کر رہے تھے جو میرے کانوں میں جہاں تک مجھے یاد ہیں کبھی نہ پڑی تھیں۔ ایک شخص تو یہ کہہ رہا تھا کہ تقویۃ الایمان میں سوائے کفر کے کچھ نہیں ہے۔ نبی اور آپ کے صحابہ کو برملا گالیاں دی گئی ہیں۔ دوسرا شخص بولا کہ صوفیوں کو تو ایسا سخت لکھا ہے کہ ہندو عیسائی بھی کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ یہ ناواجب باتیں سن کے مجھ سے رہا نہ گیا۔ ہر چند میں چاہتا تھا کہ ان کے خیالات میں خلل اندازی نہ کروں لیکن جب قرآن کا یہ ارشاد ذہن میں آیا کہ حق کی بات چھپانی نہیں چاہیئے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کے ان کے پاس جا بیٹھا اور میں نے نہایت ادب سے اُن کی خدمت میں یہ عرض کیا "آپ نے تقویۃ الایمان دیکھی ہے" انہوں نے نہایت سادگی سے بے پروایانہ لہجہ میں یہ جواب دیا۔ نہیں ہم نے نہیں دیکھی نہ ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں میں نے نہایت عاجزی

سے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ بڑے ظلم کی بات ہے آپ نے ایک چیز ملاحظہ نہیں کی اور اس کی بابت اس مضبوطی سے رائے قائم کی جاتی ہے۔ میری اس بات سے وہ ناراض ہوئے اور انہوں نے میری طرف حقارت کی نظر سے دیکھا۔ پھر میں نے یہی التماس کیا۔ کہ میرے خیال میں زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ آپ اسے ملاحظہ فرما کے اپنی رائے قائم کریں۔ بڑی ردوکد کے بعد انہوں نے میری بات مان لی۔ میں نے انہیں تقویۃ الایمان بھجوا دی۔ آٹھویں دن جب وہ مجھ سے ملے تو ان کے خیالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور وہ سچے موحد تھے۔

یہ بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے۔ کہ ہماری عادت میں داخل ہو گیا ہے جہاں ہم نے کسی کی نسبت کوئی بری افواہ سنی اسکی استواری سے شہرت دینے لگے اور ایسا یقین کر لیا۔ گویا ہم اپنے خیال میں اسے تحقیق کر چکے ہیں یہ غلط فہمی پہلے سے چلی آتی ہے اور بدخواہوں نے محض اپنی نفسانیت سے جو الزامات مولنا شہید پر قائم کئے انکی اس دھوم دھام سے عوام الناس میں اشاعت ہوئی کہ شاید کسی حق بات کی بھی اتنی جلدی نہ ہوتی جو کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں موجود ہیں جن تواریخ میں آپ کا ذکر خیر ہے وہ مٹ نہیں گئیں انہیں تو کوئی دیکھتا نہیں اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا ہے کہہ گذرتا ہے۔

جو دخط پے در پے مولانا نے شرک اور مروجہ تصوف پر فرمائے انہیں لوگوں

---

[1] شرک کی چار قسمیں ہیں۔ شرک فی العلم۔ شرک فی التصرف۔ شرک فی العبادۃ شرک فی العادۃ شرک فی العلم سے یہ غرض ہے کہ کوئی نبی اور ولی چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانتا تھا۔ جب تک خود خداوند تعالیٰ ان کو کسی بات پر آگاہ نہ کرے۔ اس عقیدے کے خلاف سمجھنا شرک فی العلم ہے۔ گویا خدا کی غیب دانی کے علم کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا۔ خود ہمارے آخر الزمان

نے بڑی بڑی مبالغہ آمیز رنگ آمیزیوں سے شہرت دیا اور ایسے ایسے حاشیے ان پر چڑھا دیئے جن کا وعظ میں معاذ اللہ اشارہ تک بھی نہ تھا۔ مگر پھر بھی حق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غیب کی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ مثلاً جب چند نا فہموں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن تقدس پر دھبہ لگانے کی کوشش کی۔ اور نبی کے ذہن میں شبہ ڈالا آپ کو اصلی واقعہ کی صداقت وغیر صداقت کا علم نہ ہوا۔ یہاں تک کہ خدا نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی اور پاکی بتائی۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی نجومی کوئی رمّال کوئی پیر شہید پوشیدہ باتیں بیان کرتا ہے شرک فی العلم کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ بھی شرک فی العلم ہے کہ مدد کے وقت سوائے خدا کے کسی کو پکارنا یا اس کا نام دشمن پر حملہ کرتے وقت لینا مثلاً بعض جہلا کا قاعدہ ہے مدکہ دیا علی مدد کہتے ہیں یا "یا علی" کہہ کر دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔ (دوم) شرک فی التصرف۔ یہ خیال کرنا کہ خدا کی قوت کے ساتھ دوسرا شخص بھی قوت رکھنے میں شریک ہے۔ جو شخص پیر شہید وغیرہ کو خدا کے درمیان واسطہ ٹھیراتا ہے۔ وہ شرک فی التصرف میں مبتلا ہے مثلاً بعض لوگ یوں کہتے ہیں۔ کہ ہم ان پیروں یا اولیاء کی نیاز نذر اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خدا کے نزدیک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح سے دوسروں کو شفیع گرداننے یا خدا کے درمیان ایک واسطہ بنانے کی تین قسمیں ہیں مثلاً ایک مقدمہ شاہ کی خدمت میں پیش ہے وزیر نے ملزم کی شفاعت چاہی۔ شاہ نے وزیر کے رتبہ کا لحاظ کر کے اس مجرم کی خطا کو بخش دیا۔ اسے شفاعت وجاہت کہتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ اس طرح خدا بھی اپنے کسی مقرب یا وزیر کا لحاظ کر کے کسی مجرم کا گناہ بخش دے گا صریح شرک ہے۔

دوسری قسم شفاعت کی یہ ہے کہ بادشاہ بیگم یا شہزادے شاہ سے سفارش کریں اور کسی مجرم کی خلاصی چاہیں۔ شاہ صرف ان کی محبت سے اس مجرم کو بخش دے اسے شفاعت محبت کہتے ہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ خدا بھی کسی سے ایسی محبت رکھتا ہے۔ جیسے بادشاہ کو بادشاہ بیگم اور بچوں سے ہے۔ اور اس محبت سے وہ مجرم کا گناہ بخش دے گا۔ سخت شرک ہے۔ خدا کی عدالت میں کسی فرد بشر میں یہ قدرت نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت کے دباؤ ڈالنے پر خدا پر تکیہ کرتا ہو۔ یہ اس کی

کی فتح ہوئی۔ حق چمک کر رہا اور پیارے شہید نے اسلام کی جو کچھ خدمت کی ہزاروں لاکھوں مسلمان اس بے نظیر احسان سے سبکدوش نہ ہونگے۔ مسلمانوں سے گذر کے یورپین مصنفوں نے بھی قبول کر لیا ہے۔ کہ اسمٰعیل نے دین میں بہت بڑی اصلاح کی ہے؛

جب متواتر وعظوں کی بھرمار ہوئی تو دہلی کے عمائد کو آپکے وعظ سننے

بے انتہا مہربانیاں اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان ہیں کہ اس نے لفظ حبیب اور لفظ خلیل سے یاد کیا ہے۔ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی بندہ بندہ ہی ہے۔ کسی میں یہ یارا نہیں کہ عبودیت کی حدود کے باہر اپنے قدم بڑھا سکے۔ یا بندہ کے مرتبہ سے وہ اپنا سر اونچا کر سکے۔ تیسری قسم کی شفاعت یہ ہے۔ کہ خود شاہ کی مرضی ہے شفاعت کرنے یا کسی مجرم کی خطا معاف کرنے کی لیکن اسے خوف ہے کہ قانونی جبروت و جلال کو اس کو کچھ نقصان نہ پہنچے وزیر نے شاہ کی خواہش اور مرضی پہچان لی۔ اور اس نظر سے مجرم کی شفاعت چاہی۔ یہ شفاعت قانونی ہے۔ اسے شفاعت باذن کہتے ہیں۔ اس قسم کی شفاعت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کریں گے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ نبی میں اس کے علاوہ بھی شفاعت کی قوت ہے۔ شرک فی التصرف میں داخل ہونا ہے۔ خود قرآن مجید میں موجود ہے کون ہے جو انکی شفاعت اللہ کے آگے کر سکتا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہے قرآن و حدیث میں جہاں کسی نبی اور پیغمبر کی شفاعت کے متعلق تذکرہ ہے۔ اس سے مطلب اس تیسری قسم کی شفاعت سے ہے۔

(۴) شرک فی العبادۃ۔ کسی مخلوق کے آگے پرستش کی نظر سے جھکنا شرک فی العبادۃ ہے۔ نہایت تعظیم سے خم ہونا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے کھڑا ہونا۔ کسی شخص کے نام پر روپیہ خرچ کرنا اس کی یادگاری میں روزہ رکھنا اور کسی ولی شہید پیر کی قبر کے لئے فقط زیارت و تقرب کی نظر سے سفر کرنا اور اسے پکارنا۔ قبر پر چادر سے پوشش کرنی اور کسی مقبرہ میں قبر پر نماز پڑھنی قبر کے پتھر پر بوسہ دینا مقبرہ کی دیوار سے اپنا منہ اور پشت ملنی۔ یہ ساری باتیں شرک فی العبادۃ میں داخل ہیں۔ مومن کی شان ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان خرافات باتوں میں اپنے کو مبتلا کر کے شان مومنیت میں تنقیص پیدا کرے یہ سخت شرم کی بات ہے کہ جو فرض حج بیت اللہ میں جاکے ہم انجام دیتے ہیں انہیں کو عام قبور پر ادا کریں۔ یہ باتیں نہ صرف دین ہی میں

کا اس قدر چسکا لگا کہ پہلے ہی سے مفتی صدر الدین وغیرہ کہلا بھیجتے تھے۔ آپ قرآن شریف کی فلاں آیت پر وعظ فرمائے گا۔ اور پھر وہ اس آیت کی تفسیر اپنے اپنے گھر میں دیکھ دیکھ جاتے تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لیئے دیکھیں کس تفسیر کا مضمون مولانا شہید سناتے ہیں مگر جب وہ وعظ سنتے تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان فرمایا ہے بالکل نئے نئے نکات ہیں۔ جو ان کے کانوں میں کبھی نہیں پڑے۔ یہ خداداد ذہانت اور ربانی انکشاف تھا خصوصیت سے اس ذات والا کو بخشا گیا تھا۔ یہ وہ چوکھٹ ہے کہ مخالف بھی آکے اپنی پیشانیاں ٹکاتے تھے۔ اور انہیں دم زدن کا یارا نہ تھا۔

جن چند اصلاحوں کو ہم نے بیان کیا ہے۔ بظاہر ناظر کو ان کی کچھ بہت بڑی شان نہ معلوم ہوگی۔ لیکن جب وہ دہلی اور دہلی کی حالت اور تعصب کو دیکھے کا اس وقت

خرابی پیدا کرتی ہے بلکہ انسانی اخلاق سوسائٹی پر اس کا خوفناک اثر ہوتا ہے۔ ان خیالات پر انسان کبھی زندگی کے مرتفع مدارج حاصل نہیں کر سکتا۔ اور عین انسانیت کے سچے جلال کی تابانی کبھی اسے نصیب نہیں ہو سکتی ہے

(۴) شرک فی العادۃ ہے مثلاً فوق الفطرۃ رسومات کو اپنے ساتھ جاری رکھنا اور ان پر عقیدہ رکھنا کہ یہ غیب کی باتوں کی طرف ہماری رہنمائی کرینگے مثلاً استخارہ[لہ] وغیرہ سے خدا کی مرضی اور اسکی چھپی ہوئی باتوں کو تلاش کرنا فی العادۃ کے دائرہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ نیک اور بد شگونوں پر اعتماد اور اعتقاد رکھنا اور بعض دنوں کو خوش قسمت اور بعض کو بد قسمت اور عبد النبی جیسے نام رکھنا سب شرک العادۃ میں داخل ہیں نبی کی قسم کھانا یا علی یا اماموں اور پیروں کی قسم کھانا گویا ان میں وہ پر جلال جبروت تسلیم کرنی ہے جو خدا کے ساتھ شامل ہے یہ بات اشراک فی الادب میں داخل ہے۔

لہ۔ یہاں استخارہ مسنونہ مراد نہیں۔ بلکہ وہ استخارہ مراد ہے جو تسبیح کے دانوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ مصحح ۱۲۔

اسے اندازہ ہو گا کہ پیمانے نے جو کچھ کیا ہے نظم کیا۔

اسکے ضمن میں ایک نادر الوجود واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جو نہایت ہی دلچسپ اور لذیذ ہے مجھے امید ہے کہ ناظر اس واقعہ کو سن کے دلچسپی کے ساتھ ایک نیا سبق حاصل کرے گا۔

چند روائتیں بڑے شد و مد سے بیان کی جاتی ہیں جو مشہور الانام ہیں اور شاید محمدی گروہ کے لوگ سوائے اہل تصوف کے اس کے یقین کرنے میں کچھ پس و پیش بھی کریں لیکن میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں۔ وہ ساری باتیں صحیح ہیں۔ ہاں کلام اس میں ہے۔ کہ ان کی نوعیت کیا ہے؟

عموماً یہ مشہور ہے کہ فلاں صوفیوں کے جلسہ میں ایک بے ادب معترض بھی آ گیا تھا۔ اس نے صوفیوں کے حال اور وجد کرنے پر بہت مسخری کی فوراً ایک رقص کناں صوفی کی نظر اس پر پڑی اور وہ بھی ان کے ساتھ پھرکیاں کھانے لگا۔ اجمیر میں میں نے عرس کے دنوں میں خود ایک قسم کا واقعہ ایسے اشخاص کی زبانی سنا جن کے اقوال کا مجھے ہر

لے ہر برس کیا تھا۔ گویا ایک نمائش تھی تقریباً کل ہندوستان سے فقرا و زائر آتے تھے۔ لاکھوں روپیہ کا مال فروخت ہوتا تھا۔ اور نہ صرف بارہ ہی دن بلکہ مہینہ دو مہینے تک عجیب کیفیت رہتی تھی۔ اس میلہ کے تنزل کے اسباب بہت سے بیان ہوئے لیکن ہمارے مورخ نے جو خاص سبب لکھا ہے وہ یہ ہے "چند فقیروں نے ایک سخت ناواجب کام کیا مسلمانوں کی طرف سے تو پہلے ہی سستی اور نہیں معاف کر دیا گیا۔ لیکن فریق ثانی اہل ہنود تھے۔ انہوں نے رزیڈنٹ سے مدد چاہی اور ان فقیروں کو گرفتار کرا دیا۔ انہیں معمولی سزائیں مل گئیں۔ مگر بعد ازاں وہ بڑی بڑی سفارشوں سے چھوٹ گئے اس دن سے عوام الناس کی طرف سے فقیروں کی اتنی خاطر و مدارات نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص کھٹک گیا تھا اسکے علاوہ اور بھی چند بے اعتدالیاں فقیروں نے کیں بس پھر سال بسال اس کی کمی ہونے لگی۔ اور اب تو ایک بھی نہیں آتا۔ (امیر دہلی حصہ سوم ۹۱)

طرح اعتبار ہو سکتا تھا ایک شخص نے مجھ سے آ کے بیان کیا۔ آج بڑا ہی غضب نازل ہوا۔ ایک صوفی پور پور چھلے پہنے ہوئے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی لمبی لمبی عطر بیز زلفیں حال کی سرخوشانہ حالت میں کھڑا ہوا گتیں بھر رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے اس کی یہ صورت شکل دیکھ کے کہا: ”کفر کن بھی ایسی ہی زنانی صورت کو زیبا ہے“ یہ سنتے ہی نوجوان صوفی نے تیز نظروں سے اُس شخص کی طرف دیکھا اور وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ اور اس قدر سر پٹکا کہ اگر شاہ صاحب کی خدمت میں لبندت النجانہ کی جاتی ضرور ان کی جان جاتی رہتی اس کا عام مجمع پر سخت بڑا اثر ہوا اب ہزاروں آدمی اس فقیر کے پاس دوڑے ہوئے چلے جاتے ہیں روپیہ الگ برس رہا ہے۔ اور لوگ مرید جدا ہو رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی میں نے اپنے ذہن میں اس واقعہ کی صداقت کی گو چند محدثوں کو اس کا یقین نہ آیا ایسے ہی چند صوفی دہلی میں بھی شاہ اسمٰعیل صاحب کو مات دینے اور بے ہوش کرنے کے لئے بلائے گئے تھے۔

ماہ ربیع الاول کی گیارہ اور بارہ تاریخ قدم شریف میں جو فراش خانہ کی کھڑکی کے باہر واقع ہے بہت بڑا عظیم الشان عرس ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے اپنا التزام کر لیا تھا کہ ایسے مجمعوں میں جانا اور وعظ فرمانا چنانچہ آپ کو خبر لگی کہ ایسے صوفی بھی یہاں تشریف لائے ہیں۔ جو چشم زدن میں کبوتر کی طرح لٹا دیتے ہیں، اور جب تک ان ہی کی عنایت نہیں ہوتی جانبری کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔

آپ نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ ایسے زبردست کشش رکھنے والے فقیروں سے میں ملونگا اور ان کی اصلی حالت دریافت کرونگا آیا جو کچھ کہا جاتا ہے۔

اس کی حقیقت کیا ہے۔

چونکہ آپ کو عموماً دہلی کے لوگ خوب پہچانتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سپاہیانہ لباس[۱] پہنا اور چھٹی تاریخ دس بجے شب معتقدانہ صورت میں وہاں پہنچے دربار ہو رہا تھا۔ اور سو دو سو آدمی نہایت ادب سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے معزز مورخ نے اس دربار صوفیہ کا جس میں پیار شہید بھی موجود تھا چشم دید نقشہ کھینچا ہے وہو ہذا:۔

اس عظیم الشان میلہ میں جو بارہ دن تک قدم شریف میں رہتا تھا اور جس میں صدہا قسم کے فقیر اور تاجر آ آ کے شامل ہوتے تھے۔ جلال شاہ صاحب کے آنے کی دھوم دھام اور داخل ہونے پر خاطر و مدارات میں جو کچھ لطف آتا تھا وہ قابل بیان ہے۔ شہر میں داخل ہونے پر ان کی پیشوائی کی جاتی تھی۔ اور بڑے بڑے شہزادے اور امراء انہیں ہاتھوں ہاتھ اس بڑے خیمے میں پہنچا دیتے تھے۔ جو خاص شاہ کی طرف سے ان کے لئے ایستادہ کیا جاتا تھا جلال شاہ کے ساتھ ہمیشہ دو تین سو مرید آیا کرتے تھے۔ یہ فقیر امیرانہ سامان رکھتا تھا بڑے بڑے ایرانی غالیچے اور جواہرات کا بکثرت سامان اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور یہ قابل تعریف بات تھی کہ اس کے ہاں سے خیرات بہت ہوتی تھی۔ علاوہ اور صفات کے حسن سے فقیر موصوف

---

[۱] سیر دہلی ص۹۴ تذکرہ مشاہیر دہلی ص ۹۴۸ تواریخ علمائے دہلی ص۱۱۱ ۔۱۲

[۲] سیر دہلی ص۵۱ اس دربار کے لکھنے والے مورخوں نے بھی یہ تذکرہ کیا ہے لیکن وہ بہت اختصار کیساتھ اس واقعہ کو لکھتے ہیں۔ عموماً مشرقی مورخوں سے (وہ بعض ہیں اکثر نہیں ہیں) یہ بات ضرور رہ جاتی ہے کہ بعض اوقات لائق بیان واقعات کا ذکر نہیں کرتے اس لئے کہ ان کو ان واقعات سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور جس واقعہ سے دلچسپی ہو خواہ ناظر پسند کرے یا نہ کرے اسے بڑی رنگینی سے بیان کیا جائے گا لیکن ہم سیر دہلی والے سے زیادہ ممنون ہیں۔ کہ اس نے ہمیں قابل بیان واقعات کو معرض تحریر میں لا کے بے انتہا دلچسپی دی ہے ۱۲

موصوف ہوتے ہیں۔ یہ صفت بہت بڑی تھی کہ وہ صورت دیکھتے ہی یا آنکھیں ملاتے ہی آن کی آن میں ہر شخص کو بے ہوش کر دیتا تھا۔ اس کے معتقد تمام شہزادے اور امیر زادے تھے۔ اس کی وضع خود امیرانہ تھی۔ اس لئے غریبوں کو ذرا دخل کم ملتا تھا۔ بایں ہمہ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ غربا پر گوناگوں نوازشات کیا کرتا تھا۔ اس کی موجودگی میں یہ کسی کو یارانہ تھا جو ایک دوسرے کی طرف اشارہ بھی کرے۔ بات کرنا تو کجا۔ عموماً شب کا دربار ہوا کرتا تھا۔ کئی کوڑی قیمتی فانوس روشن ہوتے تھے حاضرین کو شیرینی تقسیم ہوتی تھی۔ اور عطر ملا جاتا تھا جو شخص جاتا خواہ وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہوتا اس کی یکساں خاطر داری ہوتی تھی۔ جلال شاہ کی عمر ۳۱ برس سے زیادہ نہ تھی۔ نہایت چھریرے جسم کا خوبصورت نوجوان تھا غریبوں سے بخندہ پیشانی پیش آتا اور امرا سے کسی قدر متکبرانہ وضع میں ملتا تھا بات بہت کم کرتا تھا۔ اور ایسا بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ جو وہ کبھی کھل کھلا کے ہنسا ہو ہاں بعض وقت مسکرا دیتا تھا۔ جب مولانا شہید پہنچے ہیں۔ اور پائیں میں بیٹھنے لگے ہیں جلال شاہ نے دیکھتے ہی اپنے پاس بلایا اور باصرار اپنے ہی پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا آپ سادگی سے وہاں بیٹھ گئے اب تک جتنی باتیں دربار میں ہوئیں سب مولانا شہید کو پسند آئیں لیکن جب اس پاس تبرک لائے گئے وہ سراپا کھڑا ہو گیا اس کے ساتھ سارا مجمع بھی کھڑا ہوا۔ مگر مولانا شہید آہستہ آہستہ پیچھے سرک کر ہو بیٹھے اس رستخیز میں کسی کی نظر مولانا پر نہ پڑی لیکن جلال شاہ نے دیکھ لیا کہ یہ اجنبی شخص نہیں اٹھا اس نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا۔ اور نہ رنگت پر کچھ غصہ نمودار ہوا جب زیارت ہو چکی اور خدام تبرکات کو انعام وغیرہ دے دیا گیا۔ پھر وہ بھی

سکوت جلال شاہ کے دربار میں حکمرانی کرنے لگا اور ویسی ہی سلطانی جبروت معلوم ہونے لگی یہ ایک غیر معمولی بات ضرور ہوئی کہ جلال شاہ نے مولانا شہید کو اپنے پاس بلا کے بٹھایا یعنی اپنی گدی پر اور کن انکھیوں سے مولانا کی صورت کو تکتا رہا مولانا ان نظروں کو جو غیر معمولی وضع کا جامہ پہن کے آپ پر پڑ رہی تھیں خوب اندازہ کر رہے تھے مگر ابھی تک خاموشی تھی تھوڑی دیر کے بعد آخر جلال شاہ کی مہر سکوت ٹوٹی اور وہ باآہستہ (مگر ممکن السمع لہجہ میں) یہ گویا ہوا۔ آپ دہلی کے رہنے والے ہیں شاہ صاحب نے جواب دیا ہاں پھر وہ یہ کہنے لگا برسویں دن آپ ہی لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں آجاتے ہیں آپ جیسے اصحاب کی زیارت ہو جاتی ہے ورنہ ہمارے کہاں اتنے نصیب کہ ہم دہلی اور اہل دہلی کی خوش صحبت سے فیض یاب ہوں۔ اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایسی رطب اللسانی کی کہ اس کے دل پر نقش ہو گیا اور اسے آپ کی باتوں میں کچھ ایسا مزا آیا اس نے فوراً دربار برخاست کیا اور اپنے مریدوں کو ذکر[1] کرنے کے لئے اجازت دی سب اللہ اللہ کے اپنے اپنے تمبوؤں یا مسجدوں میں چلے گئے اور اب مولانا شہید یا نوجوان

---

[1] ذکر مختلف ممالک میں مختلف طور پر کیا جاتا ہے اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ ایسا مقرر نہیں ہے جس کی عام ذاکر پابندی کریں ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر جلی و خفی ذکر جلی سے مطلب بآواز بلند خدا کی حمد کرنی یا خدا کے پکارنے کو کہتے ہیں اور ذکر خفی خاموشی سے دل ہی دل میں مناجات پڑھنے کو کہتے ہیں نقشبندیہ ذکر خفی کیا کرتے تھے اور قادریہ ذکر جلی اس کی مختلف صورتیں ہیں لیکن ان کا خط و خال قریباً یکساں ہے۔
مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بیش بہا کتاب قول الجمیل میں ذکر جلی کی بابت یہ گوہر افشانی کی ہے۔
ذاکر معمولی نشست سے بیٹھ جاتا ہے اور زور سے بائیں طرف منہ پھیر کے اللہ کی آواز حلق سے نکالتا ہے اور پھر گردن کو ٹھمکی دے کر سیدھا ہو جاتا ہے نماز کی نشست بیٹھ کے وہ اللہ آواز میں کہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز بلند ہوتی جاتی ہے وہ آواز پہلے دائیں جانب کی طرف رخ کر

جلال شاہ تنہا رہ گئے۔ جلال شاہ نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شاہ اسمٰعیل صاحب ہیں یہ سنتے ہی مولانا کسی قدر حیران ہوئے اور دل میں کہا اسے کیوں کر معلوم ہو گیا۔ آپ سے

کے نکالتا ہے اور پھر بائیں جانب سے پھر اپنی ٹانگوں کو سمیٹ کے اسی طرح داہیں بائیں سے اللہ کا لفظ پکارتا ہے اس کے بائیں سے دایاں رخ ہو جاتا ہے اس کے بعد اسی حالت میں وہ اپنے بائیں گھٹنے کی طرف منہ کر کے پکارتا ہے "اللہ" اسکے بعد اسی حالت میں اپنے بائیں گھٹنے کی طرف منہ کر کے پکارتا ہے اللہ اسکے بعد پھر دائیں جانب سے پھر بائیں سے پھر سامنے سے اللہ کا نعرہ مارتا ہے اور بہت تیزی ہی ہوتا ہے نماز کی نشست میں بائیں منہ بکمر کیطرف کر کے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے "لا" اس آواز سے اس کی ناف سے بائیں کندھے تک جنبش معلوم ہوتی ہے پھر وہ کہتا ہے "اللہ اللہ" کی آواز سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا اس نے دماغ سے نکالی ہے اور پھر وہ لا اللہ ھو کہتا ہے اور بڑے جوش سے بائیں طرف سے اس جملہ کو دہراتا ہے۔

ذکر کی ہر اسٹیج دو نوبت الضرب کہلاتی ہے البتہ صد ہا بار ایسی ضربیں لگائی جاتی ہیں اور جو اختلافات ہم نے بیان کئے ہیں وہ صرف آوازوں کے پست اور بلند ہونے اور جسم کو دائیں بائیں حرکت دینے پر موقوف ہیں جو زیادہ تر مشرقی سیاحوں نے اس کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ذکر جلی اور ذکر خفی کرتے ہوئے دیکھا ہے مفصلہ ذیل ذکر خفی ہے اپنی آنکھیں اور لب بند کر کے دل کی زبان سے ذاکر یہ کہتا ہے اللہ سامع یعنی خدا سنتا ہے اللہ باصر اللہ دیکھتا ہے اللہ عالم اللہ جانتا ہے یہ تینوں جملے نمبروار ترقی اور تنزل کرتے ہیں یعنی پہلا جملہ تو صرف ناف سے سینہ تک کھینچا جاتا ہے اور دوسرا سینہ سے دماغ تک اور تیسرا دماغ سے آسمانوں کے پرے تک نکل جاتا ہے اور پھر یہ اسی طرح یہ جملے دہرائے جاتے ہیں اور نوبت بنوبت بڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں پہلے وہ نہایت پست آواز سے کہتا ہے اللہ اور دائیں گھٹنے سے بائیں زانوں کی طرف پھر جاتا ہے اور اپنے سانس کی ہر تصعید میں وہ لا الہ کہتا ہے اور دوبارہ دم چڑھاتے وقت وہ الا اللہ کہتا ہے تیسری ضرب سب سے زیادہ ہے جو صدہا بلکہ ہزاروں بار لگائی جاتی ہے اسی لئے اس تیسری ضرب کا لگانا قابل تحسین خیال کیا جاتا ہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی حبیب اللہ جو ضلع گاؤں قصبہ کھنڑی حدود پشاور میں رہتا تھا اس ضرب لگانے میں بہت مشہور تھا۔

ظہر کی نماز پڑھ کے ذکر کے پہلا حصہ لا الہ کی صعود دم کے وقت ضرب لگاتا تھا اور پھر ذکر کے دوسرے حصہ الا اللہ کی ضرب عصر کی نماز پڑھنے کے وقت دم چڑھانے میں لگاتا تھا گویا یہ

رہا نہ گیا اور آپ نے جلال شاہ سے دریافت کیا اس نے مسکرا کے جواب دیا

ساڑھے تین گھنٹے حبس دم کئے ہوئے بیٹھا رہا۔ ذکر کا دوسرا ساتھی مراقبہ ہے جو مفصلہ ذیل ہے اللہ حاضری۔ اللہ شاہدی۔ اللہ معی ان الفاظ کو دل میں یا آواز سے دہرا کے ذاکر پھر قرآنی آیتوں کی طرف رجوع ہوتا ہے جس کا بیان مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے کیا ہے (مگر یہ بیان خاندان قادریہ تک محدود ہے) تو آیتیں وہ قرآن کی پڑھتے ہیں ان سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ وحدت پرستی میں یہ لوگ کیسے ڈوبے ہوئے ہیں وہ آئتیں یہ ہیں:۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے (سورہ حدید) وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو (سورہ حدید) ہم اس کی رگ شہ ربان سے بھی اس کے پاس ہیں (سورہ قاف) جس طرف تم اپنا منہ پھیر دو ہاں خدا کا منہ ہے (سورہ بقر) خدا سب چیزوں پر محیط ہے (سورہ نسا) جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا۔ مگر تیرے رب کا چہرہ جاہ و جلال اور بزرگی کے ساتھ تابناک رہیگا (سورہ رحمن) صوفی اپنے مریدوں کو کہا کرتے ہیں کہ دل کے دروازے میں ایک جسمانی ایک روحانی ذکر جلی سابق الذکر دروازہ کو مستحکم کرتا ہے۔ تاکہ اس سے موخر الذکر دروازہ کھل سکے اور ذکر خفی دوسرے دروازہ میں داخل کر دیتا ہے اور پھر دونوں دروازے تابناک ہو جاتے ہیں۔

ذکر کیا ہے صوفیوں کے مذہب میں دل اور زبان کا خدا کی یاد میں ملا دینا ہے تاکہ پھر فرق نہ رہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ دل اور زبان دو چیزیں ہیں اول ہی بار شیخ اپنے دل میں یہ پھیرتا ہے کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ اور محمدؐ اس کا برحق نبی ہے مرید اپنے شیخ کے مقابلہ میں بیٹھا رہتا ہے اس کی آنکھیں اپنے شیخ پر ہوتی ہیں وہ پہچان جاتا ہے کہ شیخ اپنے دل میں یہ پھیر رہا ہے پھر مرید اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور بہت مضبوطی سے اپنا منہ بھینچ لیتا ہے اوپر اور نیچے کے دانت بہت زور سے بند کر لیتا ہے اور اپنی زبان تالو سے لگا لیتا ہے پھر اپنا سانس ٹھہرا لیتا ہے۔ پھر بڑی قوت سے شیخ کے ذکر میں ہمراہی کرتا ہے اور اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے ذکر کرتا ہے پھر وہ آہستہ سانس لیتا ہے اور کم سے کم ایک سانس میں تین بار مذکورہ بالا کلمہ کو دہراتا ہے۔ اور آخر نوبت بنوبت اپنے دل کو اس قابل بنا لیتا ہے کہ اس پر ذکر کے نقوش ہو جائیں ذکر کی مداومت خدا کی باجاہ و جلال ذات کا کامل علم دیتی ہے۔ اور اس کی پر نور ذات کی تابانی صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور جب اس کی مشق بڑھ جاتی ہے تو جلوت میں بھی ذاکر کی وہی کیفیت رہتی ہے جو خلوت میں تھی

پہلے آپ یہ تو فرمائیے کہ آپ اسمٰعیل ہیں بھی یا نہیں مولانا شہید نے اقرار کیا پھر

اور پھر اس کو ذکر کامل کہتے ہیں اگر ذاکر جلوت کو خلوت نہ بنا سکے تو اسے نہایت کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذاکر کامل بن سکے دل انسانی ترکیب کا سب سے نازک حصہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے دنیاوی خواہشات کے نقوش دور ہو سکیں اس منزل تک پہنچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے سانس کے سمیٹنے کی مشق بڑھائیں اور اپنے منہ کو بہت مضبوطی سے بند کریں کہ زبان لبوں سے آشنا ہی نہ ہو سکے (پیر شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، دل کی صورت آگ کے درخت کی مخروطی شکل سے بہت مشابہ ہے۔ جب تم ضمیر سے ذکر کرو گے تو تمہارے استغراق کا اس پر بہت بڑا دباؤ پڑے گا جب اس کے دباؤ کا پورا اثر ہو گا۔ تو تمام دنیاوی سامان خیال سے محو ہو جائیں گے۔

اور پھر بزبان حال یہ گویا ہو گی ؎ شعر آنچہ در دنیاست بر آزادگان آمد حرام۔
خاطر جمع ست در زیر فلک سامانِ ما۔

جب یہ حالت ہو گی پھر کوئی چیز بھی ذکر کرتے وقت تمہارا ہاتھ نہ بٹائے گی اور پھر تم توحید کی حقیقت سمجھ جاؤ گے مخروطی شکل کا دل بائیں جانب آرام کرتا ہے جس میں انسانی نیکیاں بھری پڑی ہیں تمام انسانی جوہر اس میں مضمر ہیں یہ خدا کی تجلیات کا بازگشت ہے خدا کی کتاب کے رازوں کا مفہوم اس میں سے چشمہ ابلتا ہے اور اس میں گرتا ہے یہ ایک آئینہ ہے جس میں انسان اپنی مرتفع بزرگی اور پریشان نکلنت ملاحظہ کر سکتا ہے جب ذاکر قلب کی ان گوناگوں صفات سے پورا آگاہ ہو جاوے گا اس وقت ترک دنیا کے معنی اسے معلوم ہوں گے اور اس کے اصل مفہوم سے آگاہ ہو گا وہ حقیقت ذکر ہے اور ذکر کے حقیقی مفہوم کو بھی اسی حالت میں سمجھ سکتا ہے۔ خاندان چشتیہ ذکر کی نئی صورت قائم کر کے اس میں فوق الفطرۃ صفت کی رنگ آمیزی بھی کرتا ہے عام ذکر خدا کے ایک کم سو ناموں کا ہے جس کی نسبت نبی اکرم نے یقین دلایا ہے کہ اگر کوئی ان مقدس ناموں کا ذکر کرتا رہے گا تو وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گا (مشکوٰۃ) ذاکر ایک کم سو ناموں کے جپنے کے لئے تسبیح کا استعمال کرتا رہے جو مشرقی دنیا میں عام طور پر لوگوں کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی ہے ذکر کی بابت جو کچھ ابھی بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ تین اور بھی بیان کئے جاتے ہیں وہ تین یہ ہیں۔ تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر۔ تسبیح کا مفہوم خدا کی پاکی بیان

اس پاک باز نوجوان نے ساری کیفیت بیان کی کہ میرے پاس کئی بار آپ کی تصویریں اور حلیئے لکھ کے لوگوں نے بھیجے اور استدعا کی کہ کوئی تدبیر ایسی ہو اسمٰعیل کو شکست فاش ملے مگر میں کہتا ہوں۔ مولوی صاحب میرا مذہب نہیں کہ میں کسی کو ایذا دوں میں

کرنے کا ہے۔ جہاں یہ کہا جاتا ہے سبحان اللہ پاکی خدا کے لئے ہو تحمید خدا کی حمد کرنا ہے مثلاً یہ کہا جاتا ہے الحمد للہ تعریف اللہ کے لئے ہے تکبیر خدا کی بزرگی ظاہر کرتی ہے مثلاً اللہ اکبر خدا بزرگ ہے اور جب تسبیح اور تحمید ملا کے دہرائی جاتی ہے اس وقت کہا جاتا ہے سبحان اللہ وبحمدہ اس کا حدیث میں ذکر ہے چنانچہ نبی اکرم نے فرمایا ہے جو شخص اس جملہ کو صبح و شام سو سو بار پڑھے گا اس کے کل گناہ بخشے جائیں گے پھر نبی اکرم نے فرمایا سو بار اس تسبیح کا ذکر کرو خدا ہزار نیکیاں تمہارے نام اپنے دفتر میں درج کرے گا یعنی ایک بار کہنے کے عوض دس نیکیاں ملیں گی۔

ایک دلچسپ بیان کرنے کی بابت ڈمی یوحیین شالی لر نے اپنی کتاب د حالات ترکستان میں تحریر کیا ہے جس کا یہاں درج کرنا ہمارے ناظر کتاب کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

جمعرات کی شب کو قریب آٹھ بجے میں اپنے چند دوستوں کی ہمراہی میں ایک مسجد میں گیا اور ہم سب ایک ہی دفعہ اس مسجد میں چلے گئے ہم نے دیکھا کہ تیس آدمی جوان بوڑھے قبلہ رو دوزانو بیٹھے ہوئے زور زور کی آواز میں ذکر کر رہے ہیں ان کے اجسام بڑی تیزی سے حرکت کرتے جاتے ہیں ان کے گرد کئی آدمی حلقہ کئے تھے جو اسی طرح سے باآواز بلند ذکر کرتے اور اپنے اجسام کو حرکت دیتے جاتے تھے سب ہم ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے اور بہت غور سے ان کی کارروائی دیکھتے رہے ذاکروں میں کئی آدمیوں نے اپنے اوپر کے کپڑے اور عمامے اتار لئے کیوں کہ وہ شب گرم بہت تھی وہ لوگ نہایت سرگرمی سے یہ فقرے کہہ رہے تھے میری پناہ خدا ہی کے پاس ہے خدا ہی کی ذات قابل بزرگی ہے میرا نور محمد خدا اس پر اپنی برکتیں نازل کرے سوا اس کے اور کوئی خدا نہیں یہ الفاظ آہستگی میں نصف موسیقی خیز لہجہ میں دہرائے جاتے تھے لیکن اس وقت سر کو بہت زور و شور سے جنبش ہو رہی تھی پہلے وہ اپنے سر کو بائیں کندھے کی طرف پھیر لیتے تھے اور پھر دائیں جانب اور بعد ازاں زور سے دل کی طرف جھکا دیتے تھے یہی الفاظ کئی سو بار دہرائے گئے اور ذکر دو گھنٹے تک جاری رہا پہلے

نے ان خطوط کی پروا نہیں کی۔ ساتھ ہی مجھے ایک علم بھی آتا تھا یعنے میں نے مشق بڑھا

ذاکروں کی آواز دھیمی نکلتی تھی اور رفتہ رفتہ وہ بڑی ہو جاتی تھی یہاں تک کہ پوری تیزی پر آجاتی تھی اور پھر ذاکر تھک جاتے تھے اگر ذاکروں میں سے کوئی شخص ذکر میں ذرا بھی کمی کرتا تھا مثلاً اس نے آواز قاعدہ کے موافق سب کے برابر نہ نکالی یا اپنے جسم کو تیزی کے ساتھ جنبش نہ دی یا بہ نسبت اور ذاکروں کے کسی بات میں بھی ذرا کمی کی۔ ذاکروں کے دائرہ کے منتظم نے پہلے تو اس غافل کے سر پر ایک چوٹ لگائی اس چوٹ کھانے پر یا تو ہوشیار ہو گیا اور یا اس پر بھی وہ غافل رہا تو تھوڑی دیر کے بعد اس کو دائرہ سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر فوراً دوسرے کو اس کی جگہ بلا لیتے ہیں۔

ذاکر رفتہ رفتہ اس قدر شور مچاتے ہیں اور اتنا چیخ چیخ کے روتے ہیں کہ آخر کار انہیں تھوڑی دیر کے لئے آرام لینا پڑتا ہے اور ان کی جگہ فوراً دوسرے ذاکر آجاتے ہیں پہلے ایک شخص دھیمی اور لیپت آواز سے کہتا ہے وہ زندہ ہے دو دو پہر تک یہ آواز بڑھتی جاتی ہے اور سب ساتھ مل کے غل مچاتے ہیں "وہ زندہ ہے" یہ کہتے وقت اپنے جسم کو جھکا دیتے ہیں اور ان کے ماتھے زمین پر پہنچ جاتے ہیں اس حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر ہوتا ہے اور یوں دائرہ میں ہو کے وہ صحن مسجد کا طواف کرتے ہیں ہر بار جھکتے جاتے ہیں اور باواز بلند کہتے ہیں اللہ زندہ ہے مگر اس وجد کی حالت میں اور ان کی صورت استغراق یا شغل میں ایک اور بھی خوفناک نظارہ دیکھنے میں آیا ہے جو انتہا درجہ مہیب تھا کہ زود طبائع کبھی اس کے دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتیں میرے چند ساتھیوں نے مجبور کیا۔ جبٹی یہاں سے بہت جلدی چلو۔ ہم سے تو وحشیانہ صورت دیکھی نہیں جاتی مگر میں ایسا سنگ دل تھا کہ یہ مضحکہ خیز اور زیادہ تر وحشی نظارہ دلچسپی سے دیکھ سکتا تھا اس سے زیادہ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ ذاکروں کی حرکتوں سے پورا جنون برستا تھا اور جتنی باتیں وہ کر رہے تھے جان بوجھ کر رہے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی وحشت کو دمبدم ترقی دیں ہر ذاکر جس وقت خوفناکی سے غل مچاتا تھا۔ اپنے منہ پر کیا تو ایک طرف ہاتھ رکھے غل مچاتا تھا تو ان کا یہ غل مچانا محض بے معنی تھا کوئی لفظ تیز آواز میں ایسا نہ پکارتے تھے جو کچھ بھی معنی رکھتا ہو۔ ان کی آوازیں صرف یہ ہوتی تھیں ہی ہو ہو او خ او خ با با غل مچاتے مچاتے اپنا سینہ پیٹنے لگتے تھے اور پھر باواز بلند روتے تھے یہ ناچنے والے مصر قسطنطنیہ اور قاہرہ میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور

کے اپنی آنکھوں میں ایسی کشش مقناطیسی پیدا کر لی ہے کہ میں اپنے سے کمزور

یورپین سیاحوں سے کچھ ایسی مناسبت ہو گئی ہے ادھر انہوں نے دیکھا اور اپنے پاس بلوا لیا فقط

یہ جتنی باتیں ہیں سب بے بنیاد اور خلاف اسلام ہیں یہیں دین کی باتوں میں ضرور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع بننا چاہیے کسی تواریخ اور کسی حدیث میں یہ نہیں پایا جاتا کہ نبی اکرم نے یہ سوانگ کیا ہو اور حلقہ باندھ کے یہ غل مچا مچا کے عبادت کی ہو قرآن مجید میں تو اس کا کہیں اشارہ بھی نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم خواہ مخواہ کھینچ تان کے قرآن کی کسی آیت یا لفظ سے اپنے موافق مطلب نکال لیں۔ لیکن ان کی سند کہاں سے آئے گی۔ پہلی صدی کے اختتام پر ابن اسحٰق اور اس سے پہلے زہری نے جو تواریخ لکھیں اور نبی اکرم کے سوانح عمری اسلامی دنیا میں گردش لگا لگا کے اور ہر صحابی سے یا تابعی سے جو اس وقت زندہ تھا۔ دریافت کر کر کے قلم بند کیں۔ پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ قرآنی آیت کے گھڑے ہوئے معنی کے آگے ہم تواریخ یا احادیث کو خارج کر دیں گے۔ اسلام میں تو یہاں تک ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کو جو کعبہ میں بیٹھا وظیفہ میں مستغرق تھا جھڑکی دی تھی اور فرمایا تھا تیرے بھائی تو یونانیوں سے اپنے بھائی مومن کی خوں بہا طلب کرنے شمشیر بدست گئے ہیں اور تو بآرام وظیفہ پڑھ رہا تھا یہ ساری باتیں نہایت ہی متبذل صورت کی ہیں۔

خدا شاہد ہے اس کا دین ان ساری باتوں سے بالکل پاک ہے اس نے کبھی وحشیانہ طور پہ غل مچانے اور دائرہ کر کے تھئیٹر بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اس شور و غل' اس تکلیف اور اس آفت خیز زہرہ پھاڑنے' بار بار زمین پر جھکنے کندھے پہ ہاتھ رکھنے ایک طرف منہ پہ ہاتھ رکھ کے بے انتہا غل مچانے پھر سینہ بسینہ ہو کے آرام لینے کے لئے ٹھیر جانے سے سوائے توہین اسلام کے اور کیا ہوتا ہے مولانا شہید کو پہلا نظارہ جو طبیعت میں کھٹکا تھا وہ یہی تھا جو غیر مذہب والوں کے دل میں مذہب اسلام کی حقارت کا موجب ہو سکتا ہے ۱۲ منہ

پر غالب آسکتا ہوں آج تک میں نے سوائے اپنے بھانجہ کے دوسرے شخص پر اسی لئے عمل نہیں کیا۔ مباد اسے کوئی گزند پہنچے اور میں عذاب سخت میں پکڑا جاؤں گا یہ سن کے شاہ اسمٰعیل صاحب آنکھوں سے آنسو بھر لائے اور کہا افسوس ہے ایسا خدا ترس شخص دوسروں کی ایذا کا تو یہ پاس رکھے اور اپنے نفس کی تکلیف کا ذرا بھی خیال نہ ہو مولٰنا شہید نے پھر اس کے آگے اسلام پر وعظ فرمانا شروع کیا۔ اور جن غلطیوں میں وہ مبتلا تھا اسے خوب سمجھایا قرآن وحدیث کے منشا کو سمجھایا اور اسے بتایا کہ فطرۃ اللہ کا مقصود کیا ہے۔ نبی نے ہمیں کون سی راہ بتائی ہے اور ہم کون سی چل رہے ہیں جلال شاہ کی طبیعت پہلے ہی صلاحیت مآب تھی وہ بہت بڑا رقیق القلب اور خدا ترس تھا شاہ صاحب کا بیان سن کے کانپ گیا اور بصد لجاجت جھر جھری آواز میں یہ کہا جو کچھ آپ نے ارشاد کیا سب بجا و درست ہے حقیقت میں اب تک جو کچھ میں نے کیا اسے دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں نے قبور کی زیارت کے لئے سفر کئے۔ پھولوں کی چادریں قبروں پر چڑھائیں قبروں پر چڑھاوا طیب مال سمجھ کے لیا غرض جتنی باتیں شرک اور بدعت کی ہو سکیں۔ سب ہی خوب عقیدت مندانہ وضع میں کیں اور حق یہ ہے کہ اب تک میں ان باتوں کو اصل اسلام جانتا تھا۔ شاہ صاحب میری پرورش ہی ایسے لوگوں میں ہوئی ہے کہ میں نے سوائے ان باتوں کے دوسری بات نہیں سنی اور ہمیشہ اسی کو برحق جانا لیکن اب مجھے زاری کرنا چاہئے کیونکہ میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا جواب وہ تو میں خدا کے آگے ہو جاؤنگا مگر جب مجھ سے یہ سوال کیا جائے گا۔ جلال شاہ تیری وجہ سے اتنے آدمی بہکے

اس کا جواب میں کیا دوں گا۔

یہ کہتا جاتا تھا اور بے اختیار روتا جاتا تھا۔ مگر مولانا شہید کی جادو بھری تقریر اسے تسکین بخشنے کے لئے کافی تھی آپ نے توبہ کے مدارج اور پاک دل توبہ کی بزرگی بیان فرمائی اور کہا اگر تو توبہ کرے ! تو آہم دونوں خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کریں۔ شاید وہ تیرے پہلے گناہ بخش دے یہ وقت جیسا کہ تذکرہ مشاہیر دہلی والا لکھتا ہے دو بجے کا تھا عالم میں سنسانی اپنا دورہ لگا رہی تھی ذاکر کبھی کے ذکر کرتے کرتے سو گئے تھے سوائے چوکیداروں کی "جاگو، جاگو کی آوازیں اور کوتوال کے گھوڑے کی ٹاپوں کی صداؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ نیلی چھت پر تارے چمک رہے تھے جو پاک فرشتوں کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں گویا اہل زمین کو یقین دلا رہے تھے کہ اس خاموش خنک شب میں اپنے خداوند حقیقی سے دعا کرے گا اس کی دعا مقبول ہوگی ایسے پاک اور سہاونے وقت میں مولانا شہید اور جلال شاہ نے مل کے دعا کی یہ وہ دعا تھی جس پر یہ صادق آتا تھا اجابت از درحق بہر استقبال مے آید دونو پاک باز مسلمانوں کی دعا قبول ہوئی اور ایک گرجتی ہوئی مگر تسکین بخش آواز آسمان سے یہ سنائی دی۔

اے جلال شاہ تیرے گناہ ہم نے معاف کئے اور آج سے تو ہمارے دوستوں میں شمار ہوا یہ آواز سنتے ہی دونوں بے ہوش ہو گئے اور پھر گھنٹہ بھر تک ہوش نہ آیا جب ہوش میں آئے تو جلال شاہ نے اپنا دل ربانی جلوؤں سے بھرا ہوا دیکھا اور اب وہ اسلام کے سچے پیروان میں ہو گیا یہ بے نظیر مقبولیت اور یوں آسمانی آواز کا آنا گو ایک فلسفی کے دماغ کو خلجان میں مبتلا کر دیگا

لیکن جب وہ دل یاد رقوت یقین) کی پر زور حالت کو دیکھے گا تو اپنے ذہن میں اندازہ کرنے سے یہ بات اسے سمجھ میں آجائے گی کہ جب انسانی قلب تمام دنیاوی تعلقات سے پاک اور صاف ہو کے اپنے گزشتہ گناہوں کی ناپاکی سے توبہ کرے گا۔ خود اس کا دل بہت زور سے آواز دے گا کہ خداوند حقیقی کی درگاہ میں تیرے سب گناہ معاف ہوئے اور وہ آواز ایسی مغلق اور باریک ہو گی کہ وہ اس کے راز سے واقف نہ ہو کے خدا کی آواز سنے گا اور حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر پاک دل میں بولتا ہے جب اس بات کا یقین کر لیا گیا کہ دل گزرگاہ جلیل اکبر ہے پھر اسے یقین کرنے میں کوئی بات شبہ پیدا کر سکتی ہے کہ دل کی آواز خدا کی آواز نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا شہید نے جلال شاہ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی اور جب تک فجر کی نماز کا وقت نہ ہوا آپ سجدہ میں پڑے رہے اور خدا کی پاکی زبان دل سے بیان فرماتے رہے۔

جلال شاہ کا راہ راست پر آنا صوفیوں کے حلقہ میں زبردست تہلکہ کا باعث ہوا اور آخر کار جتنے اس کے مرید تھے سب نے جلال شاہ کے کہنے پر توبہ استغفار کی یہ بے نظیر کامیابیاں تھیں جو وقتاً فوقتاً مولانا شہید کو خدا کی تائید سے حاصل ہوتی جاتی تھیں اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے معمولی الفاظ حد سے زیادہ پر تاثیر تھے جن سے جلال شاہ گرویدہ ہو گیا ہنوز ایسے بھی سخت آدمی موجود تھے جو برابر مخالفت پر تلے ہوئے تھے مگر یہ خوب سمجھنا چاہئے انکی مخالفت صرف ضد سے تھی وہ خود جانتے تھے کہ ہم حق پر نہیں ہیں ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں صرف

اسی قدر کافی ہے کہ مولوی حاجی قاسم امام عید گاہ دہلی یہ کہا کرتا تھا بلکہ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اسمٰعیل جس چیز کو حلال کہے گا۔ میں حرام سمجھوں گا ان باتوں سے ہر عاقل وذی شعور اس لاانتہا ضد کا اندازہ کر سکتا ہے جو بعض اکابر دہلی مولانا شہید سے کرتے تھے اس کے مقابل میں اگر مولانا شہید کو دیکھا جائے کہ ان کا برتاؤ اپنے ایسے تلخ تر دشمنوں اور ضدی مخالفوں سے کیسا تھا تو ناظر سخت متعجب ہو کے اس والاشان ذات کی بزرگی کا اندازہ کرے گا جو فطرت نے مولانا شہید کے لئے خاص کر دی تھی عید کے دن جب آپ عید گاہ نماز پڑھنے جانے لگے لوگوں نے آپ سے کہا حاجی قاسم بڑا بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز نہیں خیال فرماتے آپ نے ارشاد کیا جماعت میں تفرقہ ڈالنے والوں پر لعنت آئی ہے ہم تفرقہ مسلمین کے باعث نہ ہوں گے مولوی قاسم بھی ہمارے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں وہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں اپنے عقیدے سے نہیں کہتے۔

مولانا شہید کی اس اسپرٹ نے آپ میں یہ تاثیر دیدی تھی آپ کا کلام جیسا فصیح ہوتا تھا اسی قدر پر درد اور پر تاثیر ہوتا تھا آپ اسلام کے سچے متبع تھے اور ہر مومن کو یہی چاہئے آپ کے ہر کام میں بے شمار اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور افعال مد نظر رہتے تھے جہاں تک ہمیں اطلاع ملی ہے مولانا شہید دین کے معاملہ میں ہرگز نفسانیت کو کام نہ فرماتے تھے گو ہم یہ قبول کرتے ہیں کہ فرائض دین کی انجام دہی میں بعض وقت سخت بے تاب ہو جاتے تھے اور جو شخص مخالفت کرتا تھا اس کے لئے تیغ تیز کا حکم رکھتے تھے آپ کی اصلاح عام

تھی نہ امرا کی قید تھی نہ عوام الناس کی نہ شرفا کی نہ رنڈیوں کی نہ وضع داروں کی نہ بدوضع لوگوں کی اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ انسانی ارذل گروہ میں بھی جن کی طبائع میں صلاحیت کا بیج من کے شنیعہ افعال سے بار اجا چکتا ہے آپ کا پرتاثیر وعظ وقتاً فوقتاً اپنا جلوہ دکھا دیتا تھا اور ایسے گمراہ لوگوں کی لوح دل کا مدت کا چڑھا ہوا زنگ مٹا دیتا تھا ایک دلچسپ واقعہ ہمارے ہمعصر مورخ نے بیان کیا ہے جس کو ہم یہاں درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے مولوی صاحب ممدوح (مراد مولانا شہید سے ہے) جامع مسجد کی سیڑھیوں پر گدڑی بازار میں کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اس وقت ایک ہیجڑے کے نصیب جو چمکے وہ بھی مہندی لگائے ہوئے اور ہاتھوں میں چوڑیاں کڑے پاؤں چھڑے اور سہانہ جوڑا پہنے ہوئے بغرض تفنن طبع مولوی صاحب کے روبرو آکھڑا ہوا اور وعظ سننے لگا جب اس کے دل پر کچھ اثر ہوا تو حالت محویت میں آپ کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ آپ بھی اس کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ کے اسکی طرف متوجہ ہو گئے اس وقت آپ نے اس کی زنانی ہیئت کی برائی اور مواخذہ الہی اور عذاب آخرت کا اس زور شور سے بیان کیا کہ ہیجڑے نے وہیں بیٹھے بیٹھے چوڑیاں توڑ ڈالیں اور اپنا کل زیور اتار ڈالا اور ہاتھ پاؤں سے مہندی کا رنگ چھٹانے کے لئے سیڑھیوں کے پتھروں پر انہیں اس قدر رگڑا کر تلوے خوناخون ہو گئے بعد اختتام وعظ کے تائب ہو کے آپ کے خادموں میں داخل ہو گیا اور آپ کی ہم رکابی میں خراسان وغیرہ کا سفر کیا یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ وعظ کی بے نظیر تاثیر نے دہلی کے مخنث کو ایسا بہادر بنا یا کہ اس نے میدان

کارزار میں سکھوں کے مقابلہ میں خوب دادِ مردانگی دی۔ یہ باتیں زیادہ توجہ اور غور کی محتاج ہیں جس شخص کے وعظ میں یہ تاثیر ہو اس سے ناظر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا صرف خدا کے لئے اسے نہ اپنی ناموری مطلوب تھی نہ حصولِ زر مدعا تھا نہ کسی کی ضد سے یہ کام کیا جاتا تھا نہ عداوت سے ؏

چھٹا باب

سکھوں کا مذہب اور اس کا بانی۔ سکھوں اور مسلمانوں کا اخلاقی اور ملکی برتاؤ مولانا شہید کا سفر پنجاب

تھوڑی دیر کے لئے ہم مولانا شہید کو دہلی میں وعظ فرمانے اور سکھوں کے قابل رحم مظالم کی وقتاً فوقتاً افواہیں سننے اور ان پر غور کرنا چھوڑتے ہیں اور پہلے سکھوں اور مسلمانوں کے ابتدائی وسطی اور موجودہ اور آخری انیسویں صدی کے برتاؤ کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔ کیوں کہ آئندہ ہمیں محمدیوں اور سکھوں کے باہمی مجادلہ اور مقاتلہ کی نسبت جس کا سب سے زیادہ پارٹ میدان کارزار میں ایکٹ کرنے کو مولانا شہید نے پسند فرمایا تھا اور آپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ سکھوں سے دو دو ہاتھ کرنے میں صرف کر دیا تھا بہت کچھ لکھنا ہے ناظران خونی اور رخانی واقعات سے ہرگز دلچسپی نہیں لے سکتا جب تک اسے سکھوں اور مسلمانوں کے اس باہمی تعلق اور برتاؤ کا حال پورا نہ معلوم ہو۔ جو دو نوگروہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے اسی نظر سے میں نے اپنے باب کا ایک بڑا جزو اسی پر قربان کر دیا ہے یہ بیان گویا ایک دروازہ ہوگا جس سے ہم آسانی سے محمدیوں اور سکھوں کے جدال و قتال کے میدان میں داخل ہوکے وزرائے قائم کرسکیں گے کہ حق پر کون اور مظلوم کون ہے اور کس طرف سے محبت اور کس کی جانب سے عداوت کی بھرمار رہی سکھ مذہب جس نے خداپرستی اور فقیری سے

سپاہیانہ وضع میں اسوقت اپنا جلوہ دکھایا ہے ابتدائے پیدائش میں ایک بے گناہ مت تھا اس کا بانی گرو نانک ہوا ہے جو قصبہ تلونڈی میں (جسے اب ننکانہ کہتے ہیں) دریائے راوی کے کنارے پہ لاہور کے قریب ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا تھا آدی گرنتھ میں جو سکھوں کے ہاں کی ایک مقدس کتاب ہے صاف طور پر یہ شہادت ملتی ہے کہ سکھوں کے مذہب میں مسلمانوں کے تصوف کے اجزا بہت کشادگی سے پائے جاتے ہیں گویا یہ کتاب اس روحانی میل جول اور نزدیک تر رشتہ کا اظہار جو سکھ مذہب اور اسلام میں ہے۔

ساکھی میں گرو نانک کی نسبت مفصلہ ذیل بیان لکھا ہوا ہے۔

نانک پیدائشی ہندو اور ویدی کھتری مذہب کا تھا اس کا باپ ننکانہ کا جو لاہور کے پڑوس میں واقع ہے پٹواری تھا نانک کو ہوش سنبھالتے ہی فقیروں کی صحبت کی جستجو ہوئی اور وہ تنگی ترشی اور عموماً خیرات پر اپنی زندگی ان میں بسر کرنے لگا پندرہ برس کی عمر میں اس نے اس روپیہ کو خورد برد کر لیا جو اس کے باپ نے اسے تجارت کے لئے دیا تھا اس نظر سے نانک کے والدین نے اسے اس کے کسی رشتہ دار کے ہاں سلطان پور بھجوا دیا تا کہ وہ اسے روکے اور فقراء کے گروہ میں نہ ملنے دے اور فقیروں کی محبت اس کے دل سے نسیاً منسیا کر دے نانک کا پہلا کام اپنے نئے گھر میں نواب کی ملازمت کرنے کا تھا وہ دولت خان لودھی کی ملازمت میں داخل ہوا جو کچھ اسے ماہانہ ملتا تھا سوائے قلیل مقدار کے سب فقیروں کو دیدیا کرتا اور اس قلیل مقدار سے بہ تنگی اپنی گزر کرتا بعض وقت اس کے دل میں خوشی کا چشمہ ایسا از خود ابلتا اور اسکو اتنی بلندی حاصل ہوتی کہ نانک اپنی اس حالت کو خدا کیطرف

سے سمجھ کے یہ خیال کرتا ہیں القائے ربانی کی بازگشت بن رہا ہوں سکھوں کی مذہبی روایات کے بموجب نانک ایک دن منہ ہاتھ دھونے دریا کے کنارہ پر گیا اور وہ اپنے فرائض عبادت کی انجام وہی کر رہا تھا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ بہشت میں مع جسم پہنچا دیا گیا پھر خدا کے حکم سے اسے امرتا د آبحیات کا جام پلایا گیا اور خدا نے فرمایا یہ جام ہمارے نام کا ہے تو اسے پی لے اس پر گرونانک نے سجدہ شکر ادا کیا اور جام امرتا پی لیا خدا نے شفقت فرمائی اور یہ ارشاد کیا نانک! میں تیرے ساتھ ہوں میں نے تجھے خوشی بخشی ہے جو تیرا نام لے گا اسے بھی خوشی دینے کا میرا ذمہ ہے تو جا میرے نام کی سمرن جپ اور دوسروں سے میرے نام کی سمرن جپوا جا اور دنیا سے محض بے علاقہ اپنی زندگی بسر کر میرے نام پر خیرات دے طہارت رکھ اور میری اطاعت کر اور مجھے یاد رکھ میں نے تجھے اپنا نام دیا ہے تو اس کام کو کر۔ جوں ہی نانک کے بہشت بریں سے دریا کے کنارہ پر قدم رکھا اسکی زبان سے یہ فقرہ سرزد ہوا نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان ہے۔ پھر جنم ساکھی والا لکھتا ہے۔

لوگ دولت خاں لودھی کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور کہا بابا نانک یہ کہہ رہا ہے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے دولت خاں نے جواب دیا اسکی توضیح کا کچھ خیال نہ کرو وہ فقیر آدمی ہے ایک قاضی خاں مذکور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا خانصاحب بڑے تعجب کی بات ہے بابا نانک کہتا ہے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے خاں نے اپنے حاضر باش کو بھیجا کہ بابا نانک کو بلا لاوے حاضر باش جب بابا نانک کے پاس پہنچا اور خان کا بلاوا سنایا وہ سنتے ہی یہ کہنے لگا مجھے تیرے خاں سے واسطہ ہی کیا ہے۔ حاضر باش نے کہا یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔

یہ سُن کے نانک نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور جب حاضر باش نے اور کچھ کہا تو اس نے اپنے سابق کے جملہ کو دہرایا کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے۔ پھر قاضی نے خان سے کہا "اے خان کیا یہ صحیح ہے کہ وہ یہ کہے جاتے ہیں نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے" خان نے اپنے حاضر باش سے کہا اسے حیلہ کر کے یہاں بلا لاؤ۔ حاضر باش پھر نانک کے پاس گیا۔ اور کہا خان آپ کو بلاتے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں برائے خدا آپ اپنی زیارت سے مجھے فیضیاب کیجئے۔ یہ سُن کے گرو نانک نے کہا "میرا آقا مجھے بلاتا ہے اب میں چلتا ہوں اور اس کی خدمت کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے اپنی جریب گردن پر رکھی اور خان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خان نے صورت دیکھتے ہی کہا "خدا کیلئے نانک اپنی گردن سے اس جریب کے حلقہ کو نکال لے اور کمر میں لپیٹ لے تو ایک نیک فقیر ہے" یہ سنتے ہی گرو نانک نے اپنی گردن میں سے حلقہ کی ہوئی جریب نکال لی اور اپنی کمر پر اسے حلقہ دے لیا۔ خان نے کہا "اے نانک یہ میری بدقسمتی ہے کہ میرا مودی فقیر ہو گیا۔ پھر خان نے گرو نانک کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا "قاضی اگر تو کوئی بات دریافت کرنا چاہتا ہے تو دریافت کر لے ورنہ پھر یہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالیگا" قاضی نے محبانہ طور پر مسکرا کے کہا "نانک ایسی کہنے

لہ اس تحریر کو دیکھ کے ناظر مسلمانوں کی انسانیت و سنجیدگی اور اہل ہنود کے ساتھ خلیقانہ برتاؤ اور حق کی طرفداری کرنے کا پورا اندازہ کریگا۔ اسے معلوم ہو گا مورخوں نے جو یک طرفہ الزامات مسلمانوں پر قائم کئے ہیں وہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہیں خان کا اپنے ملازم ہندو کی قاضی کے مقابلہ میں پوری تائید اور اس کی ہر ہر بات کو حق سمجھنا اہل ہنود کے لئے عموماً اور سکھوں کے لئے خصوصاً کتنی توجہ کا محتاج ہے۔ خان نے ان کے گرو کی کیسی تعظیم کی اور اس کے ہر قول پر صداقت کی شہادت دی اور پھر سکھ مسلمانوں سے یوں تعصب کریں۔ شرم۔ شرم۔ شرم! ۱۲

سے تیرا کیا مطلب ہے کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان ہے"۔ نانک نے جواب دیا۔ جھکو کی مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی مشکل ہے کہ اسے اس وقت مسلمان کہہ سکیں سب سے پہلے وہ اپنا مذہب ایسا شیریں بتاتا ہے تاکہ اس سے مسلمان کی دولت کا صفایا لیوے اور جب وہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کا مذہب اس طرح اسے موت اور زندگی کے بھنور میں پھنسا کے اختتام پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ سنتے ہی قاضی سخت متعجب ہوا۔ خان نے نانک کے اس جواب پر کہا۔ قاضی نانک کے قول میں بظاہر کوئی غلطی نہیں معلوم ہوتی۔ اس اثناء میں ظہر کا وقت آ گیا سب مسجد میں نماز پڑھنے گئے نانک بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ نانک نے پھر اپنی فوق الفطرۃ قوت سے قاضی کے خیالات کے اندازہ کرنے میں استدلال کیا۔ پھر قاضی آیا اور پیروں کے بل گر پڑا اور اس نے یہ کہا۔ یہ تعجب تعجب خدا کی مہربانی ہے۔ اب قاضی کو یقین آیا اور نانک نے ان پر جملہ کہا۔ سچا مسلمان اپنے کو پاک اور بے لوث بناتا ہے۔ اس میں راست بازی صبر اور صداقت قوی ہوتی ہے۔ جو کچھ قائم ہے اس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچاتا۔ اور جو کچھ مردہ ہے اس کو نہیں کھاتا۔ اے نانک ایسا ہی مسلمان سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ جب نانک نے یہ فقرے ابیات میں پڑھے۔ سید۔ شیخ کے لڑکے قاضی مفتی خان سخت متحیر ہوئے۔ خان نے بعد ازاں کہا" قاضی! نانک نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔ اب اس سے زائد سوال کرنا غلطی ہے جس طرف بابا نانک نے دیکھا جماعت کی جماعت نے اسے جھک کے سلام کیا۔ اس کے بعد بابا نانک نے پھر چند ابیات پڑھیں۔ یہ سنتے ہی خان آیا اور بابا نانک کے قدموں پر گر پڑا۔ اس وقت جتنے ہندو مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

بابا نانک میں خدا بول رہا ہے (از نسخہ انڈیا آفس ۲۴۔ ۴۱ ورق تک)

یہ بیان تو انڈیا آفس ۱۷۲۸ء کے نسخہ سے لیا گیا ہے لیکن جنم ساکھی والا جس کا رواج پنجاب میں بہت ہے اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے۔

" جب خان نے نانک سے یہ کہا میرے بلانے پر بھی تو نہیں آیا اس وقت آخر الذکر نے جواب دیا " سُن او نواب جب میں تیرا ملازم تھا تیرے پاس آیا۔ اب میں خدا کا نوکر ہوں " نواب نے کہا " صاحب اگر آپ خدا کے ملازم ہو گئے ہیں تو آئیے اور میرے ساتھ نواج (نماز) پڑھئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ نانک نے کہا چلئے صاحب خان قاضی اور نانک کو لے کے جامع مسجد آیا اور بہت سے آدمی ساتھ تھے جو لوگ مسجد میں تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ آج نانک مسلمان ہو گیا ہے اس سے سلطانپور کے ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی۔ جے رام نہایت غمگینی سے واپس گھر آیا۔ نانکی نے جب اپنے خاوند کو افسردہ دل دیکھا تو دریافت کیا " وجہ کیا ہے آج غمگین معلوم ہوتے ہو۔ جے رام نے کہا " سُن اے بندۂ خدا تیرے بھائی نانک نے کیا کیا۔ وہ نواب کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا ہے۔ شہر کے ہندو مسلمانوں میں یہ غل مچ رہا ہے۔ نانک آج ترک (مسلمان) ہو گیا "

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نانک کے دل میں اسلام نے کیسا زبردست گھر کر رکھا تھا۔ حقیقت میں وہ مسلمان تھا۔ لیکن صوفی مسلمان تھا۔ ہندوؤں میں بھی مل جاتا تھا۔ اور نماز بھی پڑھ لیتا تھا۔ اس نے کبھی دین اسلام کی توہین نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ بڑے بڑے مسلمان کاملوں کی صحبت سے بہت کچھ فیض اٹھاتا رہا۔ پھر پانی پت چلا گیا۔ یہاں وہ شیخ نظیر سے ملا جس نے نانک کی صورت دیکھنے

بھی کہا "السلام علیکم"۔ نانک نے جواب دیا "وعلیکم السلام" (از نسخہ انڈیا آفس) پانی پت سے نانک دھلی چلا آیا اور یہاں لوگوں نے ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ابراہیم نے بھی نانک کی فقیروں کی طرح توقیر کی۔ مردانا نے جو وہیں نانک کے قریب موجود تھا۔ یہ دریافت کیا "نانک کیا خدا ایک ہے؟" نانک نے دلیری اور مضبوطی سے جواب دیا "ہاں خدا ایک ہے۔ ہندو مسلمان کے خدا میں کوئی فرق نہیں ہے" دہلی سے نانک بنارس چلا آیا۔ اور یہاں اول ہی ملاقات پنڈت ستو داس سے ہوئی۔ اس نے رام رام کیا۔ نانک نے ویسا ہی جواب دیا۔ پھر وہ پنڈت بھی کچھ اعتراضوں کے بعد نانک کا چیلا ہو گیا۔ بعد ازاں نانک نے جوگیوں کھتریوں۔ جادوگروں جادوں گرنیوں کو اپنا چیلا بنایا۔ اس کے بعد نانک کی شیخ فرید مشہور و معروف صوفی سے ملاقات ہوئی اور باہم دونوں کی ایسی دوستی پڑی کہ گھڑی بھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ دونوں نے ساتھ مل کے سفر کیا۔ اور بکثرت لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نانک جب پٹن[1] پہنچا ہے تو شیخ ابراہیم مشہور صوفی سے ملا۔ اس متبرک شیخ کی صحبت سے بھی نانک نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اسی اثنا میں نانک بہت سے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے بابر کے دربار میں حاضر ہوا۔ بابر نے فقیر سمجھ کے اُسے رہا کر دیا۔ اور اس پر عنایات شاہی مبذول کیں۔ رہائی کے بعد نانک میاں مِیٹھا سے ملا۔ اس نے قرآن کی بابت سوال کیا۔ نانک نے کہا "قرآن کلام ربّانی اور سچا ہے" اس سننے سے میاں مِیٹھا بھی مرید بن گیا۔ نانک پھر ملتان میں مخدوم بہاؤ الدین سے ملا۔ جو ملتانیوں کا مشہور پیر تھا یہ بالکل صحیح ہے کہ گرو نانک نا تعلیم یافتہ شخص تھا۔ مگر مسلمان صوفیوں کی صحبت

---

[1] پنجاب میں اس کو پاک پٹن کہتے ہیں ۱۲۔

سے نبی کو برحق اور خدا کو ایک سمجھنے کی عقل آ گئی تھی۔ گرو ارجن جو نانک کا چوتھا جانشین تھا۔ اسی سے لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ گویا وہی لکھا پڑھا تھا۔

گرو ارجن سے سکھوں کی سپاہیانہ تاریخ اور شاہان اسلام کے ساتھ متواتر بغاوتیں شروع ہوتی ہیں۔ اپنے گرو کے فقیرانہ لباس اور صلح کل مذہب کو اس نے سخت حقارت کی نظر سے دیکھا اور بہت جلد اپنے معتقدوں کی حالت بدل دی۔ انہیں سپاہیانہ کپڑے پہنائے اور فنون سپہ گری کے سیکھنے کی ترغیب دی۔ اس نے پھر فوج بھی جمع کر لی۔ اور اب چھوٹی چھوٹی مسلمان بستیوں پر اندھیرے اجالے میں چھاپے مارنے لگا۔ شہنشاہ دہلی نے بلوائیوں کے گرفتار کرنے کا حکم دیا اور وہ سب پکڑے ہوئے معہ گرو کے دہلی لائے گئے۔ یہ صاف نہیں معلوم ہوتا۔ آیا شہنشاہ دہلی گرو کی مرگ کا باعث ہوا تھا۔ یا خودکشی کر کے گروجی خود بیکنٹھ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ہرگوبند جانشین ہوا۔ اس نے فوج جمع کر کے بہت سے بے بس اور بے گناہ مسلمانوں کو صرف اس جرم میں کہ تم ہی میرے باپ کی گرفتاری کے باعث ہوئے قتل کر ڈالا۔ پھر شہنشاہ کے خوف سے اس نے جہانگیر کے دربار میں رسالہ میں نوکری کر لی مگر اس کی فساد انگیز طبیعت نے اسے چین نہ لینے دیا اور آخر کار وہ قزاقی کا پیشہ کرنے لگا۔ اب سکھوں میں فقیروں کی ذرا بھی بو باس نہ رہی انہوں نے مسلمانوں کو ستانا حکام سے لڑنا مسلمانوں کے گاؤں میں آگ لگانا اپنا پیشہ کر لیا۔

ہر رائے اس کے بعد اپنے دادا کی جگہ پر متمکن ہوا کیونکہ ہرگوبند کے اپنی

زندگی ہی میں اپنے بیٹوں کو نالائق کر کے خارج الارث کر دیا تھا بہر رائے دارا شکوہ کی طرف سے عالمگیر سے خوب لڑا۔ لیکن جب دارا شکوہ کو شکست فاش ملی تو عالمگیر کی خدمت میں معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا عالمگیر نے نہایت مہربانی کی۔ اور اُس کا قصور معاف کر دیا یہ اورنگ زیب کی انتہا درجہ کی رحیمی، خلیفانہ برتاؤ، انصاف پسندی اور غیر اقوام کے ساتھ پیش آنے کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے

ہر کشن بہر رائے کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کی جانشینی کے زمانہ میں کسی مشہور واقعہ کا وقوع نہیں ہوا اورنگ زیب نے اسے دہلی بلا کے شاہانہ نوازشات اس پر مبذول کیں۔ مگر یہ بدقسمت گر چند روز کے بعد عارضہ چیچک میں مبتلا ہو کے فوت ہو گیا۔ یہاں گرو بننے کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ کیونکہ بدنصیب نوجوان ایسا کمزور تھا کہ گرو نامزد کرنے اور اپنا جانشین بنانے کی اس میں قوت ہی نہ تھی محض اس نے مرتے وقت اس امر کا نشان دیا کہ آئندہ گرو بکالا میں رہے گا۔ جو انند پور کے نزدیک ایک ضلع ہے۔

تیغ بہادر جو بکالا میں رہتا تھا ہر گوبند کا بیٹا تھا۔ اور اپنے باپ کی ناراضگی اور اس کی ہر رائے کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ اپنی زندگی بسر کرتا تھا وہ فطرتی طور پر دور اندیش تھا۔ اور جنگ آور سکھوں پہ کمانڈر بننے کی نازک حالت حاصل کرنے کی طرف خصوصیت سے متوجہ نہ تھا اورنگ زیب سکھوں کے سپاہیانہ جوش کی طرف تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا اگر یہ ذرا سر اٹھائیں تو انہیں پوری تادیب دی جائے تیغ بہادر شمالی ہند میں آنند کے

لہ ہیوجیز ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۵۹۲-۱۲

تار بجاتا پھرتا تھا۔ سردار اتر سنگھ نے اس کے سفر کا حال پنجابی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو سکھ طلبا کے لیے مخصوصاً زیادہ دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے:۔

"وہ ہندو مسلمان کی چھوٹی سی جماعت گرو کو چرا لے گئی لیکن آخری لمحہ مسلمانوں کو پشیمانی ہوئی انہوں نے دیکھتے ہی کہا تیغ بہادر تو بچ گئے ہیں۔ بیدارام میں پہنچ کر گرو کی ایک سید سے ملاقات ہوئی۔ جو سرہیہ کے درخت کے نیچے جہاں گرو نانک نے وفات پائی تھی بیٹھا ہوا تھا۔ سید نے تیغ بہادر کی صورت دیکھتے ہی نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور کہا مجھے آپ کی نورانی صورت دیکھ کے متحقق شادمانی حاصل ہوئی ہے۔"[2]

شرف الدین جو پٹیالہ کے قریب رہتا تھا تیغ بہادر کی اپنے قصبہ میں داخل ہونے پر بہت بڑی خاطر و مدارات کی مسلمانوں نے اُسے تحفے بھیجے اور اس کے ملنے کے لیے غول کے غول آئے۔ اُس کا سفر نامہ میں خصوصیت سے یہ ذکر کیا گیا ہے

"کہ تیغ بہادر کی آنکھیں ایک مسجد پر پڑیں۔ شرف الدین کی زبان سے بے اختیاری میں یہ سرزد ہوا یہ خدا کا گھر ہے"[3] یہ تحقیق امر ہے کہ پاک اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے تیغ بہادر کی حد سے زیادہ خاطر اور عزت کی۔ اس کے مقابل میں گرو مسلمانوں کے خلاف سخت اور زندہ دشمنی رکھتا تھا اور اپنی معاندانہ کاروائیوں میں چوکتا نہ تھا۔"[4]

اس سفر نامہ کے صفحہ ۱۳۱-۱۳۰-۱۲۶-۱۶۹-۵۸-۵۷-۴۹-۵۰-۴ میں اسی قسم

---

[1] سفر نامہ گرو تیغ بہادر ص ۲۲ [2] ایضاً ص ۲۶ [3] ایضاً ص ۲ [4] ہیوجیز ڈکشنری آف اسلام ص ۱۲۵

کی دلچسپ روایتوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ لیکن میں زیادہ نقل کر کے اپنے ناظر
کا فضول وقت نہ لونگا صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ تیغ بہادر نے جہاں تک
اس سے ہو سکا مسلمانوں کو قتل و غارت کرنے میں دلچسپی حاصل کی۔ اور وہ خوش
اعتقاد مسلمان جو اس کی انتہا درجہ کی عزت کرتے تھے۔ ان ہی کو بلا سبب ستانا اور
بے وقت قتل کرنا شروع کیا جب اس کی زیادہ شہرت ہوئی تو دربار دہلی کو خون آلودہ
انتقامی نظریں سکھوں پر پڑنے لگیں۔ ہر چند پہلے دربار دہلی نے طرح دی اور اسی طور
پر سکھوں اور اُن کے گرو کو سمجھایا لیکن جب یہ باز نہ آئے اور انہوں نے اپنا فضول پنے
کا پیشہ نہ چھوڑا تو جنگی پولیس کو دربار دہلی نے تیغ بہادر کی گرفتاری کا حکم دیا پولیس نے
نہایت پھرتی سے اسے گرفتار کر کے دربار میں حاضر کیا دربار کی طرف سے مذہب اسلام
کی دعوت دی گئی تیغ بہادر نے ناتراشیدہ پنے سے اس کا جواب دیا آخر وہ عمر قیدی
کر دیا گیا۔ اور ایک مسلمان ہی نے قید خانہ میں تیغ بہادر کی گردن اسی کے حکم سے اُڑا دی
گوبند سنگھ دسواں گرو تھا جو اپنے باپ تیغ بہادر کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ اس کی عمر صرف
پندرہ برس کی تھی۔ ہندوؤں کے گروہ میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ اور اس پر ہندو
مذہب کا ایسا زبردست اثر پڑا تھا۔ کہ درگا پوجا کرنی اپنا دین و ایمان خیال کرتا تھا۔
یہاں سے سکھوں کو گوبند سنگھ نے مسلمانوں سے بالکل علیحدہ کر لیا۔ سکھ سوسائٹی میں
اس نے بہت سے تغیر و تبدل کئے۔ ان میں خاص تبدیلی خالصہ کا قائم ہونا تھا جس
کی وجہ سے ایک نئی سپاہیانہ روح سکھوں کے تن میں پھونک دی گئی۔ اور انہیں
بالکل [illegible] فوج بنا دیا۔ اور ہر نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ جس کے معنی شیر کے ہیں۔
داخل کیا۔ اس نے ہر مذہب کا آدمی اپنے لشکر میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ اور یہ نسبت تندہی

نگہداشت کے جنگی تہذیب اور شائستگی کی طرف زیادہ رجوع ہوا۔ جو لوگ گرو نانک کو اپنا سچا گرو یا پیشوا مانتے تھے۔ اور اس کے سچے اصول پر چلنا اپنا سبب فخر یا نجات سمجھتے تھے انہوں نے سخت حقارت کی نظر سے گوبند سنگھ سے علیحدگی اختیار کی۔ اور اپنے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ ملانا نہایت خلاف اور نازیبا دیکھا۔ گوبند سنگھ نے عزم بالجزم سے بغاوت کا جھنڈا مسلمانوں کے خلاف بلند کیا۔ اور بڑی خونریزی سے مسلمانوں سے جنگ کرنے لگا۔ قدرتی طور پر بے گناہ مسلمانوں کی طرف سے ایسا برافروختہ تھا کہ اس نے اس سکھ کے لئے پچیس روپے کا جرمانہ مقرر کیا جو مسلمان اولیا کی قبر کو سلام کرے (اس تاریخ سے سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف انتہا درجہ کے معاندانہ خیالات شروع ہوتے ہیں۔) ان کی تلخ تر دشمنی کی حد ہو چکی تھی۔ اور وہ خدا واسطہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے تھے۔ گرو کے آخری زمانہ میں اس جرمانہ کی تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔ لیکن اس کا فعل بیڑا ۱۲۵ روپیہ پر جا کے ٹھیرا[1] گرو نانک کے زمانہ کی مذہبی آزادی کی روح کا تو کبھی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ایک اصول بھی ایسا نہ رہا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ سکھ نانک کے خیالات یا اعمال کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر ہاں آخری دنوں میں گرو کی طرف سے یہ اصول مذہبی قرار دیا گیا۔ اصلی سکھ وہ ہے جو مسلمانوں سے ہمیشہ جنگ کرے اور ان سے آمنے سامنے لڑے اور انہیں قتل کرتے ہیں اپنی زندگی بسر کرے۔ مفسد اور تمرد راج کے بعد گرو گوبند سنگھ کا ایک پٹھان نے پیٹ میں چھری گھونپ کے فیصلہ کر دیا۔ اس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کیا اور اپنے پیرواں سے کہا کہ آئندہ تمہارا کوئی گرو نہ ہو گا صرف گرنتھ صاحب

---

[1] سفرنامہ تیغ بہادر ص۹۱۳

یعنی کتاب[1] گرنتھ صاحب تمہاری حالت اور صورت میں رہنمائی کرے گا۔ مذہب سکھ اس کے بانی اور سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی یہ مختصر کیفیت ہے۔ جس کا خلاصہ زیادہ تر سکھوں کی مستند مذہبی کتابوں سے کیا گیا ہے ہم اس پر کچھ رائے زنی نہیں کرنا چاہتے صرف اسی قدر لکھنا کافی ہو گا۔ ناظر جب پڑھے گا خود اندازہ کرے گا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے سکھوں کے گرو کے ساتھ کیا کیا نیک سلوک کئے اور سکھوں نے اس کے مقابل میں مسلمانوں کے ساتھ کیسی نازیبا کارروائیاں کیں یہ انصاف ہر مذہب کے ناظر پر چھوڑا جاتا ہے۔ اب ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اور مولانا شہید کے سفر پنجاب کے متعلق کچھ تازہ حالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جس زمانہ میں مولانا شہید دہلی میں بدعت و شرک کی اصلاح کر رہے تھے۔ اور آپ نے ایک تازہ روح مسلمانوں کے مردہ تنوں میں پھونکنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پنجاب میں رنجیت سنگھ حکومت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت میں مسلمانوں کی جو کچھ ناگفتہ بہ کیفیت تھی وہ قابل ماتم ہے۔ جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض پنجابی چونکہ مولانا شہید کے بہت معتقد ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کو سکھوں کے قابل رحم اور مذہب اسلام میں دست اندازی کی خبریں پے در پے آ رہی تھیں۔ جب آپ سنتے سنتے دق ہو گئے تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ پہلے بذات خود اس امر کی تحقیق کرنی چاہئے۔ اور پھر اس کا تدارک کرنا زیبا ہے۔

مولانا شہید نے اپنے خاص معتمد شاگردوں سے اپنے سفر کا ذکر کیا انہوں نے ہمراہ چلنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا اور فرمایا میں تنہا ہی جاؤں گا میں ایک نفس کو بھی ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔ صرف تمہیں اطلاع دینی

---

[1] سکھاں دی رہت نامہ بھائی دیسا سنگھ۔

سے یہ غرض ہے۔ کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اور اگر تم سے کوئی دریافت کر لے تو کہہ دینا اپنے کسی کام کے لئے باہر گئے ہیں"۔ اس میں تمہیں جھوٹ بھی بولنا نہ پڑے گا۔ اور سائل کی تسکین بھی ہو جائے گی۔

ہمیں صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سپاہیانہ بھیس بدل کر عازم پنجاب ہوئے پہلے آپ انبالہ پہنچے۔ یہاں اپنی مطلب برآری زیادہ نہ تھی پھر آپ سیدھے امرتسر[1] روانہ ہوئے۔ یہاں کے مسلمانوں کی فلاکت زدہ حالت کا قہرناک نظارہ قابل دید تھا۔ علاوہ ان تشدد اور سختیوں کے جو اسلام اور مسلمانوں سے برتی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کا کامل بت پرست بنا تھا یہاں تک کہ پیروں اور شہیدوں کی نماز ہونے لگی تھی۔ پیر غیب کے نام پر بہت زور شور سے روزے رکھے جاتے تھے۔ کہیں شیخ فرید کو مشکل کشا اور بہت کچھ (معاذ اللہ) تسلیم کیا جاتا تھا کہیں شیخ احمد کبیر کو اپنا نجات دہندہ مانا جاتا تھا۔ ایک عجیب طوفان بے تمیزی برپا تھا کوئی گھر ایسا مشکل سے ہوگا جس میں کسی پیر شہید کی کوئی قبر نہ ہو اور اس پر کھلم کھلا سجدے نہ ہوتے ہوں۔ قرآن نہ کوئی پڑھتا تھا۔ اور نہ اس کے معنے سمجھنے کا کسی کو خیال تھا نہ ملا نہ واعظ نہ قاضی نہ مفتی غرض سوائے گنڈے تعویز والوں کے دور دور کوئی نظر نہ آتا تھا خدا اور نبی کو سچ مچ سب نے بھلا دیا تھا۔ اور ان کے مقابل میں فرضی پیروں کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ بچہ بچہ اپنے کو صوفی کہنا اپنا فخر جانتا تھا۔ اور جتنے گروہ صوفیوں کے دنیا میں آباد ہوں گے[2]۔ شاید سب ہی وہاں موجود ہوں تو عجب نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے عقائد کی کیفیت تھی۔ لیکن ان کے ساتھ

---

[1] امرتسر! تو کیسا خوش قسمت شہر ہے۔ کہ شہید کے قدم تو نے چومے۔ (رحمۃ اللہ ۔ ناشر)

[2] یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ صوفیوں کے متعلق اصول قرآن اور احادیث کے روشن اصول سے کامل

سکھوں کا برتاؤ اور بھی زیادہ نشق کرنیوالا نھا فی صدی دس مسجدیں سکھوں کے

بکی مطابق ہیں۔ اگر باہم متضاد ہیں تو کن مسائل میں اختلاف ہے۔ میں اس پر بحث کرنے کی تکلیف برداشت نہ کروں گا۔ صرف بندگ تر صوفیوں کے اصول اور ان کے مختلف گروہوں کا تذکرہ کرکے ناظرین کے انصاف پر اس کا فیصلہ چھوڑتا ہوں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں اس مذہب کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور اس مذہب کے بانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوئے ہیں۔ مگر کوئی اسلامی تاریخ مثلاً ابن اسحٰق۔ ابن ہشام۔ مدائنی۔ واقدی۔ طبری وغیرہ جو ابتدائے زمانہ کی تاریخیں ہیں اس امر کی شہادت نہیں دیتیں کہ ہم کس بات سے حضرت حضرت علیؓ کو صوفی گردانیں لیکن محققوں کی تحقیقات کے بموجب اس قدر معلوم ہوا ہے۔ کہ تصوف ہندوؤں کے ویدانت اور کسی قدر مسیحی اصول سے لیا گیا ہے۔ یونانی حکما کی قدیمی کتابوں میں بھی اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ سر ولیم جانسن نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ افلاطون نے دانایان شرقیہ سے علم **تصوف** سیکھا ہے۔ بایں ہمہ اس مذہب میں اسلام کی زبردست شان معلوم ہوتی ہے۔ صوفیوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ لیکن بلا لحاظ دنے فرقوں کے صوفیوں کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں ایک گروہ الہامیہ کہلاتا ہے اور دوسرا اتحادیہ؛

ان صوفیوں کے مجمل اصول یہ ہیں

(۱) خدا زندہ توانا ہے وہ ہر چیز میں ہے اور اس میں سب چیزیں ہیں۔ (۲) تمام ظاہری دیکھی ہوئی مخلوق اسی کی ذات سے نکلی ہے۔ اور ان میں اپنے خالق سے کوئی اصلی فرق نہیں ہے۔ (۳) مذاہب اختلافات کے اسباب ہیں۔ مگر وہ نفس الامر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ بعض مطالب کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ہیں۔ مثلاً اسلام جس کا سچا فلسفہ تصوف ہے۔ (۴) نیک اور بد میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں خدا ہی کی ذات سے نکلی ہیں۔ اور خدا انسانی افعال کا سچا اصلی خالق ہے۔ (۵) یہ خدا ہے جو انسان کی مرضی قائم اور مستحکم کرتا ہے۔ اسلئے انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ہے (۶) روح جسم سے پہلے ہی زندہ تھی۔ اور آخر الذکر کے پنجرہ میں بعد ازاں بند کر دی جاتی ہے۔ اس لئے موت صوفی کی خواہشات کا خاص مدعا ہوتی ہے۔ یہ اسی لئے ہے کہ وہ الوصیت

قبضہ میں تھیں۔ اور ان مسجدوں میں گھوڑے بندھتے تھے۔ یا سکھوں کے دفتر تھے۔ قطعاً حکم دے دیا گیا تھا۔ کہ کوئی شخص اذان بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اس

کے سینہ میں چلا جاتا ہے۔ (۷) اگر کوئی روح ایک جسم میں اپنی پاکی اور تقدس کے مدارج اعلیٰ طے نہیں کرتی تو اسے پھر تناسخ کے رو سے دنیا میں آنا پڑتا ہے اور پھر اپنی حالت درست کر کے وہ خدا کی ذات سے ساتھ مل جاتی ہے۔ (۸) خدا کی توفیق کے جس کو صوفی فضل اللہ کہتے ہیں کوئی روح اس کی ذات میں نہیں مل سکتی لیکن پھر بھی روح خدا کی ذات میں سرگرمانہ طور پر بغیر اس سے اجازت لئے کے مل سکتی تھی۔

(۹) صوفی کا اپنی دنیاوی زندگی میں واحدانیت میں استغراق رکھنا فرض ہے۔ خدا کا ذکر کرتا رہے۔ اور طریقت میں برابر ترقی کرتا رہے یہاں تک کہ اسے سب سے برتر ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔

سفر صوفی

انسانی زندگی سفر کی مشابہ ہے۔ جو مسافر خدا کی تلاش میں سفر کرتا ہے اُسے سالک کہتے ہیں سالک کا بہت بڑا کام یہ ہے کہ علم خدا یعنی معرفت حاصل کرلے میں جو تمام اشیاء کے تنوں میں پھونکی گئی ہے اپنی جان لڑا دے۔ کیونکہ انسان کی روح اپنے ما سے راندہ ہے۔ اور انسانی زندگی روح کی اپنے خالق سے جلا وطن ہونے کے باعث سے ہے چاہیے کہ روح کو ہم منزل بمنزل ارتفاع پر چڑھاتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ اس کا وصل خدا کی ذات کے ساتھ ہو جائے۔ ہر انسانی تخلیق کی فطرۃ ناسوت ہے۔ جس حالت میں مرید کو ضرور قا نون شریعت دیکھنا چاہیے۔ لیکن جب کہ یہ انسانی زندگی کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کی تکمیل جستجو کرنے والے کی کوشش پر منحصر ہے۔

صوفی مصنفوں نے مختلف منازل کا مختلف طور پر ذکر کیا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیوں میں ذلکم کی تحریر کے مطابق حسب ذیل مدارج یا معمولی تسعریہ ہے۔ پہلی منزل جو ہم نے ابھی بیان کی ناسوت ہے۔ جس میں مرید کو ضرور قانون شریعت کے مطابق رہنا چاہیے۔ اور مذہب اسلام کے تمام اصول۔ ارکان۔ طریق ادا کرنے واجب ہیں۔ دوسری منزل ملکوت کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ طریقت کا ایک راستہ ہے۔ تیسری منزل قوت جبروت پر پہنچنا ہے۔ اسی کے ساتھ معرفت کا پورا علم ہے چوتھی منزل فنا فی اللہ کی ہے جس کی وجہ سے حقیقت کا کھوج لگ جاتا ہے اور وہ حاصل ہوتی ہے۔

خاموشی سے اذان کہے کہ اس کا دوسرا بانزد منتظل سن سکے۔ بقرعید کو قربانی کرنے کے قوانین بھی بہت سخت تھے۔ بعض اضلاع میں جاہل سکھ مسلمانوں کو بکرا ذبح کرتے وقت مجبور کرتے تھے۔ کہ بجائے اللہ اکبر کے واہگرو کہیں اور انہیں اپنی جانوں کے خوف سے کرنا پڑتا تھا۔ ریاست میں بڑے چھوٹے عہدے ملنا تو درکنار یہ غضب

مفصلہ ذیل بیان سے زیادہ سالک کے وسیع سفر کی بابت ایک صوفی مصنف عزیز بن محمد نفیسی نے اپنی کتاب مقصد الاقصیٰ میں تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ ۱۸۶۷ء میں پروفیسر پامر کیمبرج یونیورسٹی نے انگریزی میں کیا تھا:-

جب انسان کے قبضہ میں اخروی مقاصد کشادہ دلائل کے ساتھ جو اس کی تمام شبہات سے نجات دلوائیں آجائیں۔ اور اس کے دماغ میں کسی قسم کی خدا کے وجود کی نسبت بے اعتباری اور تذبذب نہ رہے۔ اسوقت وہ شخص طالب کہلاتا ہے یا بہ تبدیل الفاظ طالب کی مذکورہ بالا صفت ہے اگر وہ زیادہ تر اپنا میلان ان کے سلسلہ کے مطابق تخصص میں علانیہ ظاہر کرے اس کو مرید کہتے ہیں۔ جس کے معنی میلان کرنے والے یا رجوع ہونے والے کے ہیں۔ جو کوئی مذہب صوفیہ کرام کی روحانی تعلیمات پر اپنے کو وقف کرتا ہے۔ گویا سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اور سالک ہو جاتا ہے۔ اس کی تمام زندگی میں جو اس کا کام ہوتا ہے۔ وہ نفس اور تسلیم و رضا ہے یہاں تک کہ اسے ذات باری کے پورے علم سے کامل واقفیت ہو جائے۔ (۱) یہاں اسے خدا کی خدمت کرنے کی نصیحت دی جاتی ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے کہ اپنا پہلا قدم خدا کے بسیط علم کے حاصل کرنے کی طرف بڑھائے یہ گویا اس کے سفر کی پہلی منزل ہے۔ اور اس کا نام عبودیت ہے (۲) حالت عبادت میں ربانی اثر اور مقناطیسی کشش خدا کی محبت میں اسے مستغرق کر دیتی ہے۔ اسوقت یہ کہا جا سکتا کہ وہ منزل عشق تک پہنچا (۳) یہ ربانی عشق تمام دنیاوی خواہشات کو جواب تک اس کے دل پر محیط ہو رہی تھیں بالکل مٹا دیتا ہے۔ اور اس کی دوسری منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس منزل کا نام منزل زہد ہے۔ (۴) اس منزل پر پہنچ کر وہ قدم آگے بڑھانے کا فطرۃ کے بعید الفہم یا مخلوق اصول کی تفتیش اور [illegible] کی گرہ

تھا کہ کوئی مسلمان مسجد کے کواڑ کھول کے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ اور اگر کسی نا واقف نے ایسا کیا تو اسے راستے چلتا سکھ پیچھے سے دھکا دے کے الٹ دیا کرتا تھا۔ معمولی جھگڑوں میں گھس آنا اور مبترک کتابوں کو جلا دینا یہ ایک معمولی بات تھی بعض خاندان اپنا وطن چھوڑ کے انگریزی سلطنت میں چلے گئے تھے۔ اتنی بات بیشک قابل تعریف تھی۔ کہ رنجیت سنگھ جہاں تک مولانا شہید نے تحقیق کیا بذات خود اتنا جابر اور ظالم نہ تھا ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کی طرف سے ہم اُسے تحاظی نہیں کہہ سکتے

پہنچنے کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لے گا پھر اُسے درجہ معرفت حاصل ہو گا بشرطیکہ وہ اپنی جستجو میں کامیابی حاصل کرے (۵) طریقت کے متعلق اصول کا یوں مصروفیت سے مراقبہ کرنا صوفی کی ضمیر کو پوری کوشش کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے ضمیری جوشش کے بھڑکانے کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بے خودانہ حالت گویا۔ اس امر کی علامت ہے۔ کہ اس کا دل ربانی جلوؤں سے منور ہو گا۔ اور پھر اس منزل پر پہنچے گا جسے منزل وجد کہتے ہیں۔ (۶) اس منزل کے درمیان اسے خود بخود خدا کے علم کا القا ہو گا۔ اور یہاں سے وہ اس منزل پر پہنچے گا جسے منزل حقیقت کہتے ہیں (۷) اس منزل سے وہ دوسری منزل تک از خود کھنچا ہوا پہنچ جائے گا۔ اور یہ منزل بمنزل وصل کہلاتی ہے (۸) اس سے زیادہ وہ آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا ہاں اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھنے کا یقین دن بدن اسکے دماغ و دل میں بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اسی میں اسے موت آجائے گی۔ اور یہ منزل فنا فی اللہ کی کہلاتی ہے۔ اس کے بعد عزیز بن محمد نفیسی نے ذکر کے بہت سے طریق بیان کئے ہیں۔ جو منازل صوفیوں کے لکھے گئے اس سے ناظر خود اندازہ کرے گا مذکورہ بالا صفات سے کون سا صوفی آراستہ ہے اور کن اصول کی تقلید کی جاتی ہے۔

ان صوفیوں کے اصول کے موافق کامل شخص کون ہے؟

کیمرج یونیورسٹی کے پروفیسر ای۔ ایچ پامر نے بڑے بڑے صوفیوں کی کتابوں سے یہ بیان منتخب کیا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

بہ نظر تعجب سے دیکھا جائے گا۔ اس کے خاص محل میں کئی مسلمان عورتیں تھیں جن میں کوئی رنگریزن اور کوئی کنکر ڈالی تھی۔ پھر بھی اس کی پالیسی کچھ ایسی مبہم تھی۔ جس سے یہ نہیں کھلتا تھا کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کن کن حقوق کو برقرار رکھا ہے۔ اور وہ سکھوں کے غیر ضابطہ جوش کا مسلمانوں کے مقابلہ میں کس درجہ اندازہ کر سکتا ہے۔ مولانا شہید چونکہ ایک معمولی سپاہی کی صورت میں تھے اس لئے انہیں ہر مقام پر جانے اور وہاں کے حالات دریافت کرنے کا بہت اچھا موقعہ ملتا رہتا وہ ہر حاکم اور ہر دفتر کی کاروائی کو جو مسلمانوں کے خلاف روز مرہ ظہور پذیر ہوتی رہتی تھی اچھے طور سے اندازہ کر سکتے تھے۔ وہ ادنے سے ادنے مسلمان سے ملے اور

وہ کامل شخص وہ ہے جو قانون اصول اور حقیقت سے (شریعت کی) پورا واقف ہو یا دوسرے الفاظ میں جسے کامل طور پر چار چیزیں حاصل ہیں۔ یا خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ مثلاً حسن مقال (۲) حسن اعمال (۳) نیک اصول (۴) علوم حقیقہ سالک کا یہ فرض ہے کہ وہ ان چار چیزوں پر کامل طور سے عبور حاصل کرلے جب وہ اس میں اکمل ہو جائے گا۔ اسوقت گویا وہ کامل صوفی ہوگا ایسے کامل صوفیوں کو کئی کئی ناموں سے پکارا گیا ہے۔ مثلاً بزرگ، راہ نما، پیش رو، تلقین کرنے والا معلم دانا، نیک نشان اور آئینہ دنیا، قوی تریاق۔ زبردست اکسیر، مسیح وقت، خضر وقت جس نے آب حیات کے چشمہ کا کھوج لگایا تھا۔ سلیمان وجو پرندوں کی بولی سمجھ سکتا تھا،

کل کائنات کو ایک ایسے جسم سے تشبیہ دی گئی جس کی روح کامل آدمی ہے۔ اور پھر کائنات کو ایک درخت تسلیم کیا گیا ہے جس کا میوہ انسان ہے۔ اور کامل شخص اس کا جوہر اور مغز ہے کامل سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ذات خدا کا علم حاصل کرنے کے بعد نہ فطرت کی ماہیت۔ اور مادی اشیاء کے جواہر دل کو پہچان جاتا ہے۔ اور پھر اسے یہاں کوئی کام سوائے اس کے نہیں ہوتا کہ خدا کی مخلوق پر رحم کرے۔ اور ان کی بہبودی کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دے اس سے زیادہ اور کوئی رحم نہیں ہے۔ کہ وہ دوسروں کے کامل بنانے والا نہیں زبانی علوم سے واقفیت

اور ساری کیفیت ان سے دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب سے افغانیوں کا خوف سکھوں کے دلوں سے گیا ہے ہماری کتے کے برابر بھی عزت نہیں کی جاتی ہمارے مذہبی ارکان میں کھلم کھلا دست اندازی کی جاتی ہے۔ اور ہماری مقابر اور زیارتگاہوں میں سکھ ناجائز افعال کرتے ہیں اور شب روز اپنے جانور باندھے رکھتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ٹوٹی ہوئی مسجد کی مرمت کر سکے۔ یا نئی مسجد بنا سکے مگر شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے۔ اگر کوئی رنجیت سنگھ تک پہنچ گیا اور اس کی بڑی خاطر منظور ہوئی لئے تعمیر مسجد کی اجازت مل جاتی ہے۔ سر دربار اسلام اور پیغمبر اسلام

دینے میں اپنا تن من دھن قربان کر دے۔ پند و نصیحت سے بھی اور اپنے اعمال سے بھی کیونکہ نصیحت کرنے والے کے اقوال سے زیادہ لوگوں پر افعال کا اثر پڑتا ہے۔ خود خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "مخلوق پر رحم کرو" ساتھ ہی اس کے یہ ضروری ہے کہ دنیاوی آرزوؤں اور خواہشوں سے اپنا دل بالکل پاک رکھے اور اپنی زندگی اور اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھے اور اس کامل یقین رکھنے میں صرف کر لے وہ پھر اصول اور علم میں کامل ہوگا۔ ورنہ ضمیری قابلیتیں اور دلی تعلق اس کا ادھورا رہ جائیگا۔ اور بے شبہ وہ شخص کامل ہے جس میں ایسی زبردست قوت ہو جو شہنشاہوں اور حکمرانوں میں ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس عاجزانہ اور منکسرانہ ہستی کا خیال کر کے ہمیشہ مسکین بنا رہیگا اور یہی عاجزی ایسی زبردست قوت ہونے پر مستحسن ہوتی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک پر زور شان اور قوت حاصل ہونے کے بعد عاجزی ہے۔ برخلاف سلاطین اور شاہوں کے کہ وہ بہت سی چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن پھر ان میں خواہش باقی رہتی ہے۔ یا وہ ایسی چیزوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ جن میں آخر کار وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اس الائش دنیا سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی۔ انسانی سرشت میں کامل و ناقص دونوں ہی جوہر ہیں۔ اس میں شاہ ہونے کا بھی مادہ ہے۔ اور رعیت بننے کا بھی اس کی ذات میں دانائی بھی ہے اور نادانی بھی لیکن یہ تمام جوہر مایوسی کے ہم کنار اور نقص کے پہلو بہ پہلو پیدا ہوئے ہیں۔ تمام مخلوق اپنی ضمیری خواہشات کے خلاف اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ مگر کامل جانتا ہے کہ سوائے ترک دنیا کے اور کوئی چیز انسان کے لئے افضل تر نہیں ہے۔ جبتک وہ دنیاوی تعلقات کا مذاق اپنے دل سے دور نہ کریگا۔ کبھی آزاد

کو توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ عام طور پر مسلمان کو مسلا کہتے ہیں۔ اور یہ گویا بڑی شائستگی سمجھنی چاہیئے ورنہ ہر سکھ کا تکیہ کلام مسلمانوں کیلئے خاص کر یہ نا مہذب اور انتہا درجہ کا نعرہ ہے جو روزمرہ ہر سکھ بچہ کی زبان پر جاری ہے۔ جو مسلمان کی صورت دیکھتے ہی ضرور کہا کرتے ہیں۔ سوردا بچہ (یعنے سور کا بچہ) آپ سرائیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور یہاں دو چار دیسی مسلمان بھی موجود تھے۔ جب

یا کامل نہیں بن سکتا۔ کمال حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے۔ کہ دولت و مرتبہ کو لات مارے۔ پھر بزرگی اور علمی پر تین حرف بھیجے۔ اور بعد ازاں ہر شے ادنی کی توقیر اور احترام کرے اپنے کو سب سے حقیر جاننے میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ کامل شخص میں چار باتیں ہونی چاہئیں جس میں یہ دو اور بھی بڑھائی جائیں گی۔ (۱) ترک دنیا۔ (۲) عزلت گزینی۔ توکل بے شغلی (دنیاوی کاموں سے) جس شخص میں یہ چار صفتیں ہیں وہ نیک ہے لیکن آزاد نہیں ہے۔ اور اب کامل آزادی کیلئے بھی دو درجے ہیں ایک تو وہ ہے جو دولت اور مرتبہ سے ترک تعلق کر دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو ترک دنیا۔ عزلت گزینی توکل کے بعد تنہائی کی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور کسی کی صورت دیکھنی انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ دوسرے وہ ہیں کہ جو ان تین چیزوں کے بعد رضا جوئی ابلاغ مراقبہ اور تپاک کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کا مفہوم یکساں ہی ہوتا ہے۔ بعض صوفی مصنف کہتے ہیں کہ آزادی اور بے شغلی اول الذکر کے ساتھ شامل ہے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ آخر الذکر کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ صوفیوں نے ان تمام باتوں کے علاوہ مرید کیلئے وہ قواعد بھی منضبط کئے ہیں جن کا اسے اپنے مرشد کی حضوری میں پابند ہونا لازم ہے اور وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

سنو۔ متوجہ رہو۔ کم بولو۔ ہرگز اس سوال کا جواب دو۔ جو تم سے دریافت نہیں کیا گیا۔ اور جب سوال کیا جائیگا تو بلا توقف مجملاً جواب دینا چاہیئے جھینپ کے یہ نہ کہنا چاہیئے ہم کچھ نہیں جانتے کسی بات پر بحث اور جھک جھک کے ساتھ نہ کرنا چاہیئے۔ اپنے بڑوں کے آگے شیخی بازی کرنی ہرگز جائز نہیں ہے کبھی اعلیٰ مقام پر مجلس میں نہ بیٹھو اگر اعلیٰ مقام کی درخواست بھی کی جائے۔ ظاہری عاجزی اور ادب میں اپنے بزرگوں کے آگے تجاوز نہ کرو ورنہ ان کے مقابل میں انہیں بھی بے فائدہ تکلیف اٹھانی پڑیگی۔

کو جب سو گئے تو ایک بوڑھے نے اپنے ساتھی نوجوان سے جو غالباً اس کے بیٹے تھے کہا اگر جان بچانی ہو تو نور کے تڑکے سے پہلے یہاں سے چل دو ورنہ جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ نوجوان نے ٹھنڈا سانس بھر کے بوڑھے کو جواب دیا۔ یہ یاں ہماری چھن گئیں اسباب ہمارا لے لیا اب کیا خاک ہم زندہ یہاں سے جائیں اپنے کنبہ میں کیا منہ دکھائیں گے۔ بوڑھا بڑا ہوشیار تھا۔ کہنے لگا جو کچھ ہوا ظلم ہوا اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو اور یہاں سے اگر میرا کہنا سنتے ہو تو بہت جلد چل دو تمہیں شیر سنگھ سردار کا قول یاد نہیں۔ اگر کل شہر میں دیکھا تو لاش کو گدھوں سے رندوا دوں گا یہ باتیں خاموشی سے مولانا شہید نے سنیں اور دریافت کیا لیکن وہ کچھ ایسے خوف زدہ

تمام حالتوں میں آداب مجلس جو مناسب اوقات مقام اور موجودہ اشخاص کے ہوں نگاہ رکھو۔ ایسی بات کی عادت نہ ڈالو جو غیر ضروری ہو اور تمہارے جلیس کی آزردگی خاطر کی باعث نہ ہو صوفیوں نے لکھا ہے تین قسم کی دستگیری ہے۔ جو سالک کی اسکے راستہ میں راہنمائی کرتی ہے (۱) انجذاب (۲) عبادہ (۳) عروج۔ انجذاب خدا کا کام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ انسان اپنا دل دولت دنیا کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔ اور اس کے گوناگون سامانوں سے دلچسپی لیتا ہے مگر خدا اپنا جلوہ اس کے حجلۂ قلب میں چمکا دیتا ہے۔ اور پھر اسے دنیا سے نفرت اور خدا کے رستہ پر چلنے کی محبت ہوتی ہے۔ نفرت ہوتے ہوتے وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ خدا خود ان کا قبلہ بن جاتا ہے۔ اس حالت کو صوفیوں کی اصطلاح میں "مجذوبیت" کہتے ہیں لیکن جو لوگ اس منزل سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ ان میں اپنے نفس کے امتحان کرنے کی قوت آجاتی ہے۔ اور پھر انکی باقی ماندہ زندگی صرف تسلیم و رضا میں صرف ہوتی ہے ایسے شخص مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین اپنی بیش بہا کتاب "عوارف المعارف" میں تحریر فرماتے ہیں۔ بزرگ علم عموماً دوسرے درجہ کا منتخب کیا جاتا ہے وہ اس لئے قابل ہوتا ہے۔ کہ شاگردوں کو تعلیم دے

تھے کہ انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ بلکہ یہ کہنے لگے نہیں صاحب کچھ نہیں ہم اگلے بادشاہوں کا ذکر کر رہے تھے۔ مولانا شہید کے دل میں اور بھی زیادہ کرید اس مخفی امر کے دریافت کرنے کی پیدا ہوئی آپ نے تنہائی میں مظلوموں کو دیکھ کے یہ فرمایا یہ صحیح ہے یہاں تم پر قابل رحم مظالم توڑے گئے جو کچھ تم پر گذری ہے بیان کیوں نہیں کرتے میں بھی پردیسی ہوں اگر مجھے اطلاع ہو جائیگی تو میں ان کے بے رحم پنجہ سے نجات پاؤنگا۔ مجھ سے چھپانا عبث ہے۔ یہ تقریر ان کے خاموشی سے بوڑھے نے ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ قدیم سے ہم ملتان کے رہنے والے ہیں وہاں کے حاکم نے ہمارا گھر لوٹ لیا۔ اور جلا دیا ہم لاہور گئے تھے شاید رنجیت سنگھ ہماری فریاد سنے

سکے اور درجہ کے ہر طرح اس سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن تعلیم دینے کے قابل وہ نہیں ہوتے خدا تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک کی مجاز دہ ہے اور ایک راستہ غیر مجازدہ ہے جس کی نسبت ایک زبردست عارف باللہ کی ایک رباعی ہے۔ جس کا ترجمہ ہم اردو میں ترجمہ کرتے ہیں ۔اے رب تیرے علم کا دانا سمجھ لیتے ہیں۔ اور تیری زبردست قوت کا اور تیرا علم حاصل کرتے ہیں لیکن تیری ذات سے دانا کے اس علم کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں نکلتا جیسا قطرہ بحر سے کم گئے "

شیخ محی الدین ابن العربی اپنے تصص میں لکھتا ہے قرآنی الفاظ میں جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ جب میں نے انسان بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی، تو انسان بنانے سے غرض ایک مادہ کی خاص تیاری ہے۔ اور روح پھونکنے سے مطلب انسانی روح کی مسند نشینی ہے اس لئے سالک پر دو باتیں فرض ہیں پہلے ریاضت سیکھے اور پھر لیاقت پیدا کرے یہاں تک جو بیان ہوا ہے ناظر کو بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ کس قدر صوفی ہونا مشکل اور دشوار تر ہے اس کے مقابل میں مولانا شہید کے زمانہ میں بھی اور اب بھی ہر فرد بشر صوفی یا ولی بننا اس قدر آسان سمجھتا ہے جس سے زیادہ آسان اور کوئی چیز نہیں ہے۔ گیروا کپڑے پہننے چاہئیں بس صوفی بھی ہو گئے۔ اور

وہاں اور بھی بے عزتی ہوئی۔ ہماری ڈاڑھیاں گدھے کے بول سے منڈوا دی گئیں اور سارا سامان چھین کے ہمیں نکال دیا۔ ہم روتے پیٹتے امرتسر آئے کہیں حاکم ملتان کا رشتہ دار یہاں رہتا ہے۔ اس ظالم نے ہمارے گھر آگ لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ امرتسر اپنے رشتہ دار شیر سنگھ نامی کو لکھ بھیجا کہ فلاں فلاں شخص آویں تو ان کی عورتیں اور اسباب چھین کے انہیں شہر بدر کر دینا۔ ہم پرسوں امرتسر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کیے گئے۔ ہماری عورتیں چھین لی گئیں اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا تھا وہ بھی سب رکھوا لیا۔

شاہ صاحب بھی ہو گئے لیکن خدا کی نظر میں اس سے بدتر کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو دین کی آڑ میں لوگوں کو ٹھگے اور یتیموں کا مال غصب کرے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان جس سے مذہب صوفیہ کا اور بھی صاف صاف نقشہ معلوم ہو محمد المصری کی کتاب سے ان سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں جس سے اور بھی صوفیوں کے خیالات کا ناظر بخوبی اندازہ کرے گا۔ (یہ مصری مصنف الہامیہ طریقت کا متبع ہے)

سوال | تصوف کی ابتدا کیا ہے؟

جواب | ایمان جس کے چھ ارکان ہیں یعنے (۱) خدا پر یقین (۲) اس کے فرشتوں پر یقین (۳) کتابوں پر یقین جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔ (۴) انبیاء علیہم السلام پر (۵) روز آخر پر (۶) نیکی اور بدی کو خدا کے حکم میں سمجھنے کا یقین۔

سوال | تصوف کا نتیجہ کیا ہے؟

جواب | یہ نہیں ہے کہ ان ایمانی ارکان کو زبان سے جپے جائیں۔ بلکہ یہ ہے دل پر ان کا گہرا نقش ہو یہی جواب جنید بغدادی نے بھی دیا تھا۔ جب ان سے یہی سوال کیا گیا تھا۔

سوال | صوفی اور معمولی آدمی میں کیا فرق ہے۔

جواب | معمولی شخص کا ایمان تقلیدی ہوتا ہے۔ صوفی کا ایمان تحقیقی ہوتا ہے۔

اب ہم بہت ہی لاچار ہیں نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مضمون ہے یہ دردناک بپتی کہہ کے وہ رونے لگے مولانا شہید نے انہیں صبر کی تلقین کی۔ گو آپ کا دل بھی بھر آیا تھا۔ مگر آپ نے بہت ستعدی سے اپنے کو روکا اور جہاں تک ممکن ہوا

سوال | ایمان تقلیدی سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

جواب | اس سے ہمارا مطلب یہ ہے ہمعمولی شخص ایمان کی بابت جو کچھ سیکھتا ہے۔ اپنے باپ دادوں سے سیکھتا ہے۔ یا اپنے زمانہ کے معلموں اور استادوں سے کچھ اسے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا اس کی وجہ کیا ہے۔ کہ انسان ایمان کے چھ ارکان پر دل سے یقین رکھنے کو اپنی نجات کی کنجی جانتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے ایک شخص بازار میں جا رہا ہے۔ اسے ایک لعل اتفاقاً مل گیا۔ یہ وہ لعل ہے جو بڑے بڑے شاہوں کو نصیب نہیں بڑے بڑے حکمران تلاش کرتے کرتے مر گئے۔ لیکن انہیں نہ ملا۔ پانیوالے نے وہ لعل شب چراغ پایا۔ اس کی روشنی کو دیکھا جو آفتاب سے ٹکر کھاتی ہے۔ اور چاندنی کو دھندلا کرتی ہے۔ جب وہ اندھیری رات میں رکھتا ہے۔ تمام مکان جگمگانے لگتا ہے۔ یہ سب کچھ ہے اور ان ساری صفات کو پانے والا بھی اس لعل میں دیکھتا ہے۔ لیکن اس کی قیمت نہیں جانتا اور اسے کچھ بھی مال نہیں سمجھتا اس کی نگاہ میں اس لعل کی اتنی بھی قدر نہیں ہے کہ اگر پیاسا ہو تو سقہ کو اپنی پیاس کے عوض دیدینے میں ذرا بھی دریغ نہ کریگا۔

سوال | ایمان کا قیام کیا ہے۔

جواب | ایمان کا قیام اس تفتیش کے ساتھ شامل ہے جو ایمان کے ہر رکن کی اصلیت دریافت کرنے پر کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شخص کنا اس منزل تک جا پہونچتا ہے جس کو منزل حقیقت کہتے ہیں یہیں ایمان کا قیام ہوتا ہے۔ بکثرت لوگ اس راہ میں دس بیس چالیس برس تک راستہ طے کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت ایمان کا انہیں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ وہ غلط منزل پر پہونچتے ہیں۔ اور اس راہ سے ۲، راستے جاتے ہیں جن میں صرف ایک حقیقت کا راستہ ہے آخر کار مرشد کی کامل تعلیم کی تبعیت کے وسیلہ سے وہ گم شدہ لعل کی قیمت کی جانچ کرتا ہے۔ اور پھر ایسے ایک شخص کا یا اشخاص کا ایمان عیاں اپنی تابانی دکھلانے لگتا ہے۔ اور یہ تم خیال کر سکتے ہو۔ کہ وہ ایک چراغ کی روشنی سے آفتاب کی روشنی تک پہونچ گئے پھر انہیں معلوم ہوا کہ طریقت شریعت اسلام کے ہو بہو مطابق ہے۔

انہیں صبر دینے کی کوشش کی۔ غرض تین چار بجے شب کو وہ نصرانی کے دو چار پیسے بھگتا کے روتے ہوئے چل دیئے اور چلتے وقت مولانا شہید کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ کہا کہ ہم انگریزی عملداری میں جا کے قیام کریں گے یہ گفت و شنید گو ایک معمولی بھی مگر مولانا پر اس نے غیر معمولی اثر کیا اور اب آپ کی تیز تیز انتقامی نظریں سکھوں کی طرف اٹھنے لگیں۔ پھر بھی اس ارادے کے پورے مرد نے اپنے کو ضبط کیا اور اپنی طبیعت کو زیادہ برفروختہ نہ ہونے دیا گو آپ جانتے تھے سکھوں کی ایسی زبردست قوت کے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر بھی آپ کا دل سب سے زیادہ منتقم حقیقی کی طرف لگا ہوا تھا۔ اور خود بخود اس تیقن کا دل سے چشمہ ابل رہا تھا کیا عجب ہے جو سکھوں سے مسلمان اپنے بھائیوں

سوال | ایمان اور عبادت کے معاملات میں صوفیوں کا کس طریقہ یا مذہب سے تعلق ہے۔
اس سوال کا جواب مصنف نے سنی مذہب کے اصول کے موافق دیا ہے۔ اور وہی معمولی جواب ہے جو ہر سنی دے سکتا ہے شیعوں کے من گھڑت مسائل کو سے کیا کرنا۔ جس پر بعض یورپین اعتراض کرتے ہیں یہ ان کی غلطی اور اسلام کے اصول کی ناواقفیت کی وجہ ہے

سوال | جب بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا۔ آپ کا مذہب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا تھا۔ میرا مذہب اللہ کا مذہب ہے اس جواب کے معنی کیا ہیں۔ یا اس جواب سے بایزید کا کیا مطلب ہے

جواب | خدا کے مذہب چار رائج الاعتقاد مذہب اسلام کے ہیں ہمارے صوفی نے مذہب صوفیہ سے اس جواب میں صاف گریز کی ہے۔ اور حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کی طرف انجھکا ہے جس کے مقلدوں نے ایمان کو ایمان تقلید کہہ چکا ہے۔ تعجب ہے ایسی گریز کیوں کی گئی)

سوال | اکثر صوفیوں نے اپنی نظم میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب تناسخ کے وہ قائل تھے مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ بعض وقت بیج تھا پھر نباتات ہوا پھر

کا انتقام لیں غرض کئی دن کے عرصہ میں آپ نے امرتسر میں سکھوں کے برتاؤ کی پوری کیفیت دریافت کرلی یہ صاف عیاں تھا کہ اسلام کی سکھوں کی سلطنت میں جیسی توہین ہوتی تھی دنیا میں مسیحی متعصب حکمرانوں کے زمانے میں بھی ایسا نہ ہوتا ہوگا۔ سینکڑوں شریف خاندان جلاوطن ہو کے انگریزی عملداری میں چلے گئے تھے کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے سکھوں کے رحم کو جنبش ہوتی۔ دن دہاڑے نمازیوں پر مسجدوں میں غلاظت پھینکنا۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں اور ان کے مذہب سے کیسا برتاؤ کیا جاتا ہوگا۔ چوہڑی (مہترانی) ان کے گھر میں کمانے کے لئے جا سکتی

جانور بنا اس کے بعد انسان ہوا اس کا کیا مطلب ہے :؛

جواب بھائی ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میری امت آئندہ زندگی میں کئی جماعتوں میں اٹھے گی یعنی کوئی بندروں کی جماعت میں اٹھے گا اور کوئی سوروں کے گروہ میں یا دوسری صورت میں جیسے قرآن کی اس آیت میں لکھا ہوا ہے (قیامت کے دن ہمارے گروہوں میں تم آؤ گے "بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے جن لوگوں نے اپنے جس قسم کے حیوانی خواہشوں کی اپنی زندگی میں متابعت کی ہے وہ قیامت کے دن انہیں جانوروں کی صورت میں اٹھیں گے مثلاً خنزیر کی سی حریص ناپاک طبیعت جس شخص کی ہوگی۔ یا شتر کینہ جس فرد بشر کی طبیعت کا خاصہ ہوگا چغل خور نقصان رسائی مثل بندر کے ہوگا اگو زندگی میں ان لوگوں کی صورت انسانی ہوگی لیکن انکا حشر ان جانوروں کے ساتھ ہوگا جس کی طبیعت وہ رکھتے تھے ہمیں چاہیے کہ آئندہ زندگی کی اس قہرناک حالت سے بچیں اور جو صفات ہم میں ارذل مخلوق کی ہیں اپنی ذات میں ان کا اثر نہ ہونے دیں اور اپنی پاک روح کو ان برائیوں کی آلائش سے بچاتے رہیں اسی لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سونا موت کا بھائی ہے: مردہ شخص اپنے آپ کی اصلی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔ اور اپنی ذات کی عادت وصفات کا اندازہ اسے خوب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سوتے میں وہ اپنے خیالات اور دلی جذبوں کا پرتو ملاحظہ کرتا ہے۔ مثلاً محاسب زر جب خواب دیکھے گا اپنے کو اپنی ہی کام کی ادھیڑبن میں مستغرق پائے گا۔ اس نظریے خدا نے آگاہ کردیا ہے کہ اپنے کو حیوانی دعوے یا مبتذل

تھی اور گھر کی دہلیز اس کے آنے سے دہلتی نہ تھی اس کے خلاف مسلمانوں کا ان کے فرش یا زمین پر قدم رکھنا ان کے کل گھر اور اس کے سامان ناپاک کرنے کا پورا سبب تھا ان کے گرو نانک نے کب ایسی تعلیم دی تھی۔ اول دن سے وہ مسلمانوں کا نمک خوار تھا اور جو کچھ اسے روحانی تعلیم حاصل ہوئی وہ شیخ فرید کی بزرگ صحبت سے اس پاکباز مرد نے نہ کبھی مسلمانوں کو ستایا نہ ان کے دین کی توہین کی بلکہ اس نے قرآن کے من جانب

استغراق میں محو نہ کر دو کہ تمہیں بھی مرنے کے بعد ہی اپنے خیالات کا پرتو دیکھنا پڑے اس لئے بصرف عبادت اور نیک نیتی کی بندگی سے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی نیند میں حیوانیہ جوش اور ناپاک جذبوں سے اپنے کو علیحدہ پاکر زندگی کے مرتفع حصہ پر جو علین انسانیت ہے پہنچا ہوا دیکھے گا۔ اگر خواب میں ایک بندر دیکھو تو اسے خدا کی طرف سے اس بات کے لئے ایک تازیانہ سمجھو اور اپنے دل سے نقصان کرنے کی عادت نکال ڈالو اور ہرگز ایسا نہ کرو کہ تمہارے سبب سے کسی کا نقصان ہو یا دل دُکھے اگر سور کی صورت دیکھو تو اپنے دل سے حریصانہ جوش اور بے شرمی کو نکال کے پھینک دو اور سچے بے لوث پاکباز مرشد کے حوالے کر دو جو اپنی پاک دل کی عادت میں تمہاری برائیاں تمہارے خوابوں میں دکھلائے گا۔

"یہاں تک کہ ایک کے بعد ایک عادت تم ترک کرتے چلے جاؤ گے بعد ازاں برائیوں کی جگہ نمودار نیکیاں رہیں گی۔ خدا کے فضل سے جب تمہاری ساری برائیاں دھو دی جائیں گی اور تم ترک تمرد کرو گے۔ تو پھر تمہیں خوابوں میں ولیوں اور خدا کے نیک بندوں کی صورتیں نظر آئیں گی۔ جو نظر آنا اس امر کا شاہد ہوگا کہ تمہارا دل غلیظ کدورتوں سے پاک ہو گیا اور رحم نے تمہارے دل میں پاکی کے ساتھ اپنا گھر کر لیا۔ تمہارے سوال اکثر شاعر تبدیل ابدان کی بابت لکھتے ہیں۔ یہی یہ جواب ہے اور یہی صوفیوں کا منشا ہے اور اسی قسم کی تحریر ہے جو وہ انسانوں کو اشرف الموجودات سمجھتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ انسان کی ذات میں اعلیٰ درجہ پر بتدریج پہنچنے کا مادہ موجود ہے اور کائنات کی کل علامتیں اس میں ہیں بہت سی متعلق کتابیں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں اور ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کی کائنات

اللہ ہونے کی ہمیشہ ہر موقع پر بہت زور شور سے شہادت دی مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو نماز پڑھتا تھا۔ اور قرآن سنا کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ لکھا پڑھا بالکل نہ تھا۔ پھر بھی اس کا یہ خیال قابل توقیر تھا کہ سب کو اس ایک خدا کی پرستش کرنا سکھادوں جس کی گواہی قرآن مجید دیتا ہے۔ وہ ہندوؤں کے خیالات کا مخالف تھا۔ اس نے زنار گلے میں نہیں ڈالا۔ نہ کبھی ماتھے پر قشقہ لگایا ۔ بلکہ وہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے یہ کہا کرتا تھا۔ ہندو مسلمان کا خدا ایک ہے۔ سکھوں کی تمام مقدس کتابوں

کا ان سب سے بڑا حصہ ہے اور تمام مخلوق اس کے آگے چھوٹا سا حصہ ہے انسانی ہیولا میں اور مخلوق کے حصے بھی شامل ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان قوس قزح سے بھی زیادہ کشادہ ہے کیونکہ جب انسان اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اپنی ضمیری قابلیت سے تمام شہر کو اتنا فاصلہ میں اپنے ذہن کو جگہ دے لیتا ہے گو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا صرف ضمیر کی لاثانی قابلیت کا طفیل ہے جن کتابوں میں کشادگی کے ساتھ یہ مضامین بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب **حوض الحیات** ہے اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اگر انسان اپنی آنکھیں کان نتھنے بند کرلے تو اسے سردی ہرگز معلوم ہو دائیں نتھنے کو آفتاب اور بائیں نتھنے کو چاند کہتے ہیں سابق الذکر سے وہ سانس کے رستہ حرارت کھینچتا ہے۔ اور بائیں کے خنک ہوا۔

سوال | صوفیوں کی تناسخ کے بارے میں مختلف آرا کا بیان فرمایئے۔

جواب | اے بھائی ہماری تعلیم برزخ نے تناسخ کو ہیچ اور ناکارہ ثابت کر دیا ہے دنیا میں جو مذہب تناسخ کا قائل ہے اسے بدترین مذہب میں سمجھنا چاہیے

سوال | صوفی ان خاص چیزوں کو جو قانون شریعت نے منع کی ہیں جائز سمجھتے ہیں مثلاً بادہ فرشی کی دوکان پر مے خواری کھلم کھلا کرتے ہیں عشق بازی میں نہیں چوکتے وہ اپنے دلرباؤں کی بلدار زلفوں کی مدح سرائی میں رطب اللسان دیکھے گئے ہیں وہ گورے گورے رخساروں کے تلوں کی توصیف چٹخارے بھر بھر کے کہتے ہیں اور مزے لے لے کر بلا انگیز حسن کی ثنا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور قرآنی آیتوں سے ان کی زخم دار ابروؤں کو مشابہت دیتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے۔

اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ گرونانک کی زندگی کا بہت بڑا حصہ بلکہ قریب کل کے مسلمان فقرا اور صوفیوں کی بابرکت صحبت میں گزرا۔ وہ ہندوؤں سے ان کی اصلی تعلیم کی رو سے متنفر تھا۔ اور اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ دنیا میں ہزاروں مصلح اور مختلف گروہوں کے بانی گزر گئے۔ لیکن آج تک یہ کہیں نظر نہیں آیا کسی فریق نے اپنے بانی کے اصول سے ایسی علانیہ روگردانی کی ہے۔ کہ اس کی ایک بات کو بھی ماننا اپنے اوپر حرام سمجھ لیا ہے۔ اور زبانی یہ دعوے ہو ہم گورونانک کے چیلے ہیں یہ بالکل غلط ہے مسلمانوں کا برتاؤ ہمیشہ سکھوں کے ساتھ دوستانہ بلکہ بھائی چارے کا

جواب | صوفی اکثر تمام چیزوں کے اندرونی خیال بخط کا بیرونی اشیاء کے بیرونی خیال وخط سے تبادلہ کر دیتے ہیں یعنی جسمانی کا روحانی سے اور اس طرح بیرونی اشکال کا خیالی خاکہ کھینچتے ہیں وہ چیزوں کو نظرتی بہت اور صفات میں نظر کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کے اقوال کا بہت بڑا حصہ روحانی اور پیرایہ استعارہ معنی میں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً حافظ شیرازی کو ہی لو جب وہ شراب کا ذکر کرتا ہے۔ تو اس سے علم خدا مراد ہوتا ہے جیسے استعارہ کے طور پر عشق اللہ پر اس کا اطلاق کر دیتے ہیں شراب سے بھی محبت کا استعارہ ہی سمجھنا چاہیے یہاں عشق اور محبت ایک معنی رکھتے ہیں۔ جہاں وہ میخانہ کا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے مراد مرشد کامل ہوتا ہے۔ اور جام سے مراد تلقین ہے جو اس حلقہ پر زیادہ تر موقوف ہے۔ لا الہ الا اللہ جس مرشد کامل کی زبان سے یہ مقدس کلمے نکلے نہ صرف زبان سے بلکہ اس کے جسم کا ہر ہر مو زبان بن کے یہی کہے۔ اسے سالک کہتے ہیں جو سچے راستہ کا تعقب کرتا ہے اور اپنی روح اور دل کی روحانی شادمانیوں سے لبالب بھر دیتا ہے معشوق اور دلبر سے مراد خدا ہے اس واسطے جب کوئی شخص اپنے پیارے دلبر کو دیکھتا ہے وہ اس کی کامل متناسب الاعضائی اپنے محبت بھرے دل سے صفت و ثنا کرتا ہے مگر اس کے مقابل میں سالک خدا کے پوشیدہ علم دیکھنے سے جو اس کے روحانی مرشد کے دل کو اپنے جلال سے بھر دیتا ہے۔ گو اس کو اب الہام بھی ہونے لگتا ہے اور اکثر پوشیدہ باتیں جو اسے معلوم نہیں خوب جانتا ہے پھر بھی

رہا۔ ہاں ان آخری گورو نانک کے جانشینوں نے جنہوں نے اپنے گورو کے اصول سے علانیہ روگردانی کی سکھوں کو ناحق مسلمانوں کا خدا واسطے خون کا پیاسا بنا دیا۔

ایک دن مولانا شہید ایک سکھ حلوائی کی دوکان پر دودھ لینے گئے۔ ناواقفیت سے آپ اس کی دوکان کے ذرا قریب پہنچ کے دودھ کے پیسے دینے لگے۔ حالانکہ ابھی آپ نے بڑھنے کا اور بھی ذرا آگے ارادہ تھا۔ کیونکہ دوکاندار بہت دور تھا۔ اس تک ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اتنی ہی دور سے غل مچانا شروع کیا کہ اس مسلے نے میرا دودھ کا کڑھاؤ بھسٹ دیا۔ اس وقت خیر یہ ہوئی کہ ایک شخص مسلمان اس طرف آنکلا اور اس نے چپکے سے دو چار روپے دیکر فیصلہ کر دیا۔ ورنہ خبر نہیں کیا ناگہانی آفت مولانا شہید پر نازل ہوتی۔ اس کی تصدیق ان ریاستوں میں جہاں سکھوں کا اثر اب تک موجود

اپنے استاد کے آگے شاگردوں کی طرح تعلیم حاصل کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کے موجود ہونے سے پھولا نہیں سماتا۔ اس طرح سالک اپنے مرشد کی صحبت میں اس سے بھی زیادہ روحانی حظ حاصل کرتا ہے معشوق دنیاوی محبت کی ایک چیز ہے اور مرشد روحانی عشق کا کرشمہ ہے معشوق کی پیچ و خم زلفیں مرشد کی پسندیدہ اور مقبول تعریفیں ہیں جن سے مرید کی محبت کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ خال رخ اور تمام چہرہ کے حسن بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مرید اپنے مرشد کی ذات میں تمام دنیاوی چیزوں کی عدم موجودگی دیکھتا ہے۔ وہ بھی دنیا کی مقناطیسی کشش رکھنے والی اشیاء سے رشتہ موانست توڑ دیتا ہے اور پھر اپنی آمادگی سے اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اسے سوائے مرشد کے دوسری چیز کی ذرا بھی خواہش نہیں رہتی جن خم دار ابروؤں کی تشبیہ وہ آیات قرانی سے دیتے ہیں اس سے ان کی مراد مرشد کے دل کی روشنی ہوتی ہے۔ اس واسطے یہ خدا کی صفتیں ہیں۔ جن کی ہمارے نبی نے ہدایت کی ہے تم ربانی صفات اور خصوصیات سے موصوف ہونے کی کوشش کرو جو مرشد کے قبضہ میں ہیں۔

سوال: اکثر مرشدوں اور ان کے مریدوں کو یہ کہتے سنا ہے ہم نے خدا کو دیکھ لیا کیا خدا کا دیکھ لینا

ہے بخوبی ہو سکتی ہے جموں وغیرہ میں دیکھ لیا جائے چنے والا تک روادار نہیں ہے کہ مسلمان اس کی دوکان کے قریب آئے اور چنے خریدے بلکہ جب کوئی مسلمان لینے جاتا ہے دور سے پیسہ دکھاتا ہے اور زبانی کہتا کہ اتنے کے چنے دوں گا فوراً اسنے چنے تولے اور دونی میں (اس لئے کہ یہاں ہر چیز دونے میں آتی ہے) رکھ کے وہ سڑک کے کنارے پر رکھ گیا۔ مسلمان نے پیسہ اس کے ہاتھ میں ذرا اوپر سے پھینک کر سڑک پر سے دونا اٹھا لیا۔ اور بیچارہ دل میں خفیف ہوتا ہوا گھر چلا آیا۔ موجودہ زمانہ میں جب یہ کیفیت ہے تو اس زمانہ میں جب سکھوں کے عروج کا تھا آفتاب چمک رہا تھا کیا کیفیت ہو گی۔ مولانا شہید نے تمام باتوں پر نوٹ کر لیا تھا۔ اور نہایت حفاظت سے اپنی نوٹ بک کو رکھتے تھے۔ یہ لا انتہا تنفر بے حد سے زیادہ تلخ تر حیرت انگیز نظارہ اس زہریلے

ممکن ہے ۔

جواب | یہ ممکن نہیں ہے۔ اس بیان سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کو جانتے ہیں۔ وہ اس کی بے نظیر اور زبردست جبروت کو دیکھتے ہیں اس واسطے کہ فانی آنکھیں اس کے پرتو پر جلال کو نہیں دیکھ سکتیں۔ قرآن مجید میں صاف طور پر موجود ہے کوئی آنکھ اس تک نہیں پہنچ سکتی حضرت فخر انبیاء میں خدا نے ہمیں ہدایت کی ہے۔ تم خدا کو اس طرح سجدہ کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو گو تو اسے نہیں دیکھتا مگر وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے کاش میری آنکھوں سے نقاب اتر جاتی تو میں اپنے رب کا دیدار دیکھ لیتا۔ اس مقولہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت علی خدا کا دیدار نہ دیکھ سکے تو اور کون دیکھ سکتا ہے ۔

سوال | کیا یہ صحیح اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے قدموں کے کھوج سے ہم اسے دیکھ بھی سکیں۔

جواب | ہاں خاص طور پر اسی طرح دیکھ بھی سکتے ہیں جب کوئی شخص آفتاب کی روشنی دیکھتا ہے اسنے گویا آفتاب ہی کو دیکھ لیا اگرچہ اس نے اصلی طور پر آفتاب کو نہیں دیکھا اور مثال لو مثلاً تم ہاتھ میں آئینہ لے کر اس میں اپنی شکل دیکھو تم یہ سمجھتے ہو گے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں لیکن درحقیقت تم اپنا چہرہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے

دشمنی کا نقشہ کھینچتا ہے جو سکھوں کو مسلمانوں سے تھی۔ پھر مولانا موصوف نے یہاں بہت سی مسجدیں غیر آباد اور ٹوٹی ہوئی ملاحظہ کیں۔ اور ان میں خوک اور کتوں کو بندھا ہوا دیکھا۔ ہر سکھ کو مجاز تھا اگر اس کو دوسری جگہ سونے کو نہ ملے وہ چاہے جس مسجد میں

سوال۔ جب کہ ہر شخص خدا کے کھوجوں کو دیکھ سکتا ہے یعنی ہر شخص ان کھوجوں کو دیکھنے کی قابلیت رکھتا ہے پھر صوفی یہ دعوے کیوں کرتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی خدا کے کھوجوں کو نہیں دیکھ سکتا

جواب۔ جو لوگ یہ بیان کرتے ہیں (صوفیوں سے مطلب ہے) وہ نہیں جانتے وہ کیا کہہ رہے ہیں حقیقت حال یہ ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً ایک شخص نے شیریں اور خوش ذائقہ چیز کھائی جب دوسری بار اسی لذیذ چیز کے کھانے کو جی چاہا جبکہ اس کا نام نہ جانتا تھا۔ اب بڑی پریشانی ہوئی وہ اس کی تلاش میں آوارہ و سرگرداں پھرنے لگا۔ مگر نہ جاننے کی وجہ سے اسے اپنی مطلوبہ چیز کا کھوج نہ ملا اسی طرح وہ لوگ ہیں جو خدا کے بغیر جانے اس کی نقش پا کی تلاش میں پھرتے ہیں اور نہیں ملتا۔

سوال۔ بعض صوفی یہ بیان کرتے ہیں ہمیں نہ جنت کی خواہش ہے نہ دوزخ کی پرواہ۔ اس کے کیا معنی ہے یہ سخت خیرہ چشمی اور خدا کی جناب میں بے ادبی کا کلمہ ہے

جواب۔ اس کے کہنے سے ان کا اصلی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم نہ دوزخ سے ڈریں نہ جنت کی خواہش رکھیں۔ اگر اس کہنے سے ان کی یہ غرض ہی ہو تو بے شک یہ کلمہ کفر ہے ان کے الفاظ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ظاہرا معنی میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنے سے ان کی اصل غرض یہ ہے "خدایا تو ہی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہمیں بنایا ہے۔ جو کچھ ہم ہیں تو نے ہمیں اسلئے نہیں بنایا ہے کہ ہم تیری تیرے کاموں میں مدد کریں ہمارا تو یہی فرض حقیقی ہے۔ کہ ہم تیری بندگی کریں سب سے زیادہ تیری راہ میں اپنے کو فنا کر دیں تیری پاک مرضی کی زنجیر میں اپنے کو بالکلیہ مقید کر دیں ہم تیرے ساتھ معاملہ نہیں کرتے نہ ہم اس نظر سے عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں بہشت ملے یا دوزخ میں نہ ڈالے جائیں جیسے کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ یقیناً خدا نے مومنین سے ان کی دولت اور جانوں کو بہشت کے بدلے خرید لیا جو انہیں دی جائے گی۔ اس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ خدا کے جود و کرم کی کوئی حد نہیں ہے اس کے رحم کی کہیں انتہا نہیں اور اس طرح وہ اپنے ایماندار بندہ پہ ربانی نوازشات نازل فرماتا ہے

چلا آوے۔ ملا کا ہاتھ پکڑ کر نکال دے اور آپ وہاں شب باشی کرے۔ سور کا گوشت بازاری کھا سکتا تھا۔ اور مسجد کو پاخانہ بنا سکتا تھا۔

خدا اس کی ذات کو اس سے فائدہ دیتا ہے۔ وہ کہیں گے۔ تو کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا۔ تیری عبادت ہم اپنے دل کی راستبازی اور اخلاص سے کرتے ہیں اور صرف تیری ہی محبت کے ہم بند ہیں مثلاً یہ شعر بیاں بخوبی صادق آتا ہے: صوفی بہشت و دوزخ پر عاشقان حرام است: ہر دم رضائے جاناں رضوان شد ست مارا۔ چاہے جنت ہو یا نہ ہو دوزخ ہو یا نہ ہو تو بھی ہمارا تو یہی فرض ہے کہ ہم تجھے اپنے پورے سچے دل اور پوری طاقت سے سجدہ کریں۔ تجھ کو ہی اے غفار اے رحیم پورا استحقاق۔ اصل ہے چاہے ہمیں دوزخ میں ڈال چاہے جنت میں بھیج اور آرزو ہے کہ تیرے تیرے احکام تیری مرضی کے مطابق نافذ ہوں اگر تو ہمیں بہشت میں رہنے کی حکم دے یہ تیری نوازش ہے یہ ہم کبھی نہیں سمجھتے کہ ہماری عبادت کا سبب ہے کہ ہم جنت میں گئے اگر تو ہمیں دوزخ میں بھیجے یہ بھی تیرا عین انصاف ہے کسی کا زہرا نہیں ہے کہ اس پر انگشت اعتراض دراز کر سکے۔ اگر بخشے تیری رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آوے۔

سوال | تو نے کہا ہے شریعت اور حقیقت میں اختلاف نہیں ہے اور تاہم ان دونوں میں امتیاز کلی موجود ہے اور صوفیوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ کی حقیقت میں بڑی بڑی باریکیاں مضمر ہیں۔

جواب | باریکیاں مضمر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت اور حقیقت میں تباین یا باہم کچھ امتیاز بھی پایا جائے اس میں شک نہیں اس کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پر تم لوگوں کو ان کی ضمیری قابلیتوں کے موافق فہمائش کرو کیونکہ تمام باتوں کی ہر شخص کے آگے توضیح کرو گے ان میں سے بعض تمہاری باتیں نہ سمجھیں گے اور پھر غلطی میں پڑ جائیں گے اسی لئے صوفی بھی حقیقت کی ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہ آسکیں۔ اور جو ان باتوں کو سمجھتے ہیں انہیں وہ بتا بھی دیتے ہیں لیکن عام طور پر ان کی تلقین نہیں کرتے۔

سوال کیا وہ علوم جو صوفی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حالانکہ وہ ان ہی احکام پر عمل کرتے ہیں جو شریعت صاف طور پر نہیں بتاتی ہیں۔ اور اس میں ان کا اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔

جب مولانا شہید علی الصبح کسی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو ایسا اتفاق بارہا ہوا کہ آپ نے سکھوں کو مسجد میں سوتا ہوا اور ناپاک کرتا ہوا ملاحظہ کیا۔ بعض خوبصورت مسجدیں ٹوٹ کر سکھوں کا گھر بن گئی تھیں اور اکثر دروں میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے،

کیا ایسے لوگوں کا ایمان صوفیوں کے ایمان سے کم درجہ کا متصور ہو سکتا ہے۔

جواب نہیں ہرگز نہیں پابند شرع کا ایمان اور اسلام کبھی صوفی کے ایمان اور اسلام سے کم درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ صوفی تو صوفی اسکا ایمان اور اسلام خود انبیا علیہ السلام کے ہم پلہ ہوگا کیونکہ ایمان اور اسلام ایسے بسیط جوہر ہیں جن کے اجزا ہی نہیں ہو سکتے نہ وہ بڑھ سکتے ہیں نہ ان میں کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ آفتاب سے شاہ مستفیض ہو سکتا ہے اسی طرح فقیر بھی استفادہ پاتا ہے یا جیسے دولت مند اور غریب کے اعضا دشمار میں برابر ہیں اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان وہی ہے جو عوام مسلمانوں کا ہے کسی حالت میں وہ کم زیادہ نہیں ہو سکتا۔

سوال بعض آدمی پیغمبر، اولیا اور پاکباز ہیں اور بعض فاسق۔ ان میں باہم کیا فرق ہے۔

جواب ان میں باہم فرق ہے تو صرف معرفت یعنی روحانی چیزوں کے جاننے میں لیکن ایمان کا معاملہ میں وہ سب برابر ہیں ٹھیک جس طرح شاہ اور رعیت کے شمار اعضا میں فرق نہیں ہوتا۔ مگر لباس قوت اور عہدہ میں تفاوت ہے فقط

ان سوال وجواب سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ بزرگ صوفیوں کے مذہبی اصول کیا ہیں اور مولنا شہید کے زمانہ میں ظاہر دار صوفیوں کی کیا کیفیت تھی یہ الزام جو مولانا شہید پر لگایا جاتا ہے کہ وہ صوفیوں اور تصوف کے دشمن تھے محض لغو اور ہٹ دھرمی کا ہے۔ اس لحاظ سے وہ اعلیٰ درجہ کے صوفی تھے اور ہم ایسے تصوف کو عین اسلام کہتے ہیں اس پاک تصوف کا پنجاب میں کہیں بھی رواج نہ تھا تصوف کا بڑا اصول اس خدائے واحد کو ماننا ہے جس کی قرآن شہادت دیتا ہے مگر ان ظاہر دار بندی یا پنجابی صوفیوں نے اس بات کو بالکل ہی اڑا دیا تھا وہ گور پرستی اور رنگین کپڑے پہننے ہی کو تصوف خیال کرتے تھے۔ حالانکہ بزرگ صوفیوں نے نہ کبھی ایسا کیا نہ کبھی وہ اس

سور۔ کتے۔ گھوڑے۔ بیل وغیرہ باندھے جاتے تھے۔ علانیہ طور پر اجازت نہ تھی کہ کوئی فرد بشر قرآن گلے میں لے کر نکل سکے اگر کسی ناواقف ایسا کیا قید خانہ بھیجدیا گیا اور اس کا قرآن زبردستی آگ میں ڈال دیا گیا۔

اس کے شائق دکھائی دیئے۔ ان کا ظاہر نہایت سادے سیدھے کپڑوں سے آراستہ تھا۔ ہاں ان کا باطنی لباس خوب زرق برق بھڑکیلا تھا۔ مجھے ظاہر دار صوفیوں کے ذکر میں کلام ہے جنہوں نے خدا کی عبادت کو بالکل تھیٹر کی سی صورت بنا لیا ہے۔ جو دراصل تصوف کے بانی ہیں انہوں نے کبھی خدا کی عبادت کو ایسا تماشا نہ بنایا تھا۔ کہ لوگ ہزاروں کوس سے سیر دیکھنے کے لئے جائیں اور خوف کھا کھا بھاگیں۔ کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کوئی صوفی بشر بلکہ اصول تصوف پر پورا عمل درآمد کرتا ہو قبر پرست یا ہو یا بے ریش اور خوش الحان قوالوں کی آواز پر گتیں بھرتا ہوں ہمارے مولانا شہید نے اپنے سفر پنجاب میں صرف برائے نام صوفیوں یا پہنچے ہوئے فقیروں کا جو کچھ شیوہ دیکھا وہ یہ تھا۔ کہ تن میں کپڑے نہیں۔ اور لمبی لمبی ڈاڑھی زلفیں بڑھا کے گور پرستی کمہیں اور گنواروں کو زبردستی قبروں پر سجدہ کرنے پر مجبور کریں۔ تصوف جس کا نام شریعت محمدیہ ہے۔ گو بعض اجزا نہایت مغلق اور بعید الفہم اس میں آمیز ہو گئے ہیں پھر ایک چیز ہے۔ بظاہر دونوں میں بعض بعض حالتوں میں تباین پایا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے جیسا کہ نفس اسلام کل مذہبوں کا عطر ہے اسی طرح تصوف تمام مذہبوں مثلاً ہندوؤں کی ویدانت اور مسیحی انکسارانہ مذہبی اصول کے عطر کا مغز ہے۔

علاوہ ان صوفیوں کے مشرقی اسلامی دنیا میں فقرا بھی قسم قسم کے موجود ہیں وہ بھی قریب قریب صوفیوں کے یا بالکل ویسے ہی ہیں (گو خفیف طور پر صوفیوں سے بعض باتوں میں نہ ملتے ہوں) ان کی باہم یگانگت مناسبت ہے کہ جس شخص پر صوفی کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسی پر لفظ فقیر بھی عاید ہو سکتا ہے میں چاہتا ہوں کہ ان فقرا کی مختصر کیفیت سے ناظر کو آگاہ کروں جو مولانا شہید نے زیادہ تر پنجاب میں ملاحظہ کئے اور اس وقت وہ اسلامی دنیا میں بکثرت پائے جانے میں اس سے یہ

مولانا شہید نے اس کی بابت مختلف افواہیں گوشگذار کیں۔ مگر ذاتی تجربہ سے آپکو یہ نہ پایا گیا کہ جب سے لاہور وغیرہ میں سکھوں کی عملداری ہوئی ہے۔ بیس لاکھ سے زیادہ قرآن مجید جل چکے ہیں۔ اور اب کوئی دن ایسا نہیں جلتا جہاں ہر شہر میں آٹھ دس قرآن

معلوم ہو جائیگا کہ فقیروں کے اصول کیا ہیں اس کے فرقے کتنے ہیں اور ان کے معززبانی کس سنہ میں اور کہاں کہاں پیدا ہوئے چونکہ پیارے شہید نے فقیروں کی حالت کی بھی بہت کچھ اصلاح کی تھی اور زیادہ تر ہر ملک کا مسلمان کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں ہے۔ کم و بیش فقیروں کا معتقد ہے اس لئے ہمارے مشرقی ناظر کے لئے یہ نہایت ہی دلچسپ مقام ہوگا جہاں وہ ہر فرقہ کے فقیر کا تذکرہ اس کے معززبانی کے ساتھ ملاحظہ کرے گا۔ یہ وہ بیان ہوگا جو عینی شہادت پر مبنی ہے

فقیر معلموں نے اس امر کو بہت دھوم دھام سے ثابت کیا ہے۔ کہ فقیری حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ سے نکلی ہے یہ تو بہت ناممکن ہے کہ فقیروں کے بیشمار فوائد اور ان کی لاانتہا مذہبی تقریبات اور اصول سے کوئی آگاہ ہوئے۔ کیونکہ ان میں باہم اکثر اسلامی ممالک میں ایسی پوشیدہ اور رازدارانہ انجمنیں ہوتی ہیں جہاں کوئی دوسرا شخص کبھی جا نہیں سکتا۔ اور ان کی کیفیت بالکل فری میشن (فری میسن) والوں سے ملتی ہے۔ پھر بھی جو کچھ اپنا ذاتی تجربہ اور مغربی سیاحوں کے سفرناموں سے ملا ہے اپنے معزز ناظر کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سنہ[1] ہجری میں ۵ہم اہل مدینہ نے اور مدینہ والوں کی طرح اپنے کو بھی اسلام میں داخل کیا انہوں نے وفاداری اور صداقت کی قسم کھائی کہ ہم نبی اکرمؐ کے اصول پہ ثابت قدم رہیں گے پھر انہوں نے ایک جتھے کے فرقہ کی بنیاد ڈالی اور شب و روز مذہبی فرائض کے انصرام اور زہد و ریاضت، نفس کشی میں اپنے کو محو کر دیا اپنے کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہوں نے اپنا نام صوفی رکھا۔ یہ نام آخری زمانہ میں نہایت پر جوش مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ لیا جانے لگا اور اب تک اس مقدس نام کا اطلاق اس مسلمان پر ہو سکتا ہے جو دنیا کی لذائذ کو نفسانی خواہشوں کے لئے ترک کر دے اور اپنے کو نہایت محنت اور مشقت سے خدا کی یاد میں محو کر دے یا ہمہ تن اپنے کو عبادت بنا دے صوفیوں نے اپنے نام کے ساتھ فقیر کا لفظ بھی ملا لیا۔ کیونکہ ان کے مذہب کا اصول یہ تھا۔ جو اس شعر میں لکھا

---

[1] مصنف نے یہاں سنہ کا عدد نہیں لکھا (مصحح)

روزمرہ نہ جلائے جاتے ہوں یہ مولانا شہید کو پتہ نہ لگا آیا رنجیت سنگھ کو بھی اسکی
اطلاع کی جاتی ہے یا نہیں مگر وہ حکام جو اسکی طرف سے ہر قریہ اور دہ میں متقرر تھے
اپنے ماتحتوں سے علانیہ ظلم کرتے تھے عموماً جب اُ گھاٹی کا زمانہ آتا مسلمان زمینداروں کی جان

ادا ہوا ہے۔ ۔۔۔

آنچہ در دنیاست بر آزادگان آمد حرام   خاطر جمع است در زیر فلک سامان ما

خدا کی بندگی میں تمام عالم کو بھول جانا صوفیوں کے مذہب کا اصل الاصول ہے وہ نبی اکرم کی اس حدیث پر مٹے ہوتے تھے ۔ الفقر فخری ۔ یعنی فقیری میرا فخر ہے نبی اکرم کے وصال سے پہلے زمانہ حیات ہی میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذکر کے طریقے علیحدہ علیحدہ مذہبی عبادت میں ادا کرنے کے لئے بتائے تھے یہیں سے دو گروہ صوفیوں یا فقیروں کے قائم ہو گئے اپنے بستر مرگ پہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلمان الفارسی کو طرق ذکر میں اپنا جانشین متقرر فرمایا اور حضرت علی نے اپنا جانشین حسین البصری کو متقرر فرمایا۔ ان دونوں معزز جانشینوں نے اپنے خلفاء کے ذکر کے طرق کی پوری طور سے تقلید کی اور اپنے کو اسلامی گروہ میں واجب الاحترام اور اعلیٰ درجہ کا زاہد اور متقی ثابت کیا ان میں سے بعض عبادت اللہ کی پرجوشانہ حالت میں ملک بملک گشت لگانے نکلے اور ہزاروں کو اپنا ہم خیال بنایا یہاں تک کہ ان کا لاثانی جوش حد میں ابلا کر ۳۷ھ میں اویس القرنی قلدر (یمن) کے رہنے والے نے ایک دن یہ بیان کیا میں نے فرشتہ جبریل کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے خدا کا یہ حکم سنایا تو دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور سراپا خدا کی یاد میں محو ہو جا۔ اس ربانی قاصد نے تمام و کمال ذکر کے قواعد بھی بتائے اور جو کچھ اس پاکباز صوفی کے آئندہ ترک ذکر قرار پائے سب کی ہدایت جبریل نے بی کی دوسرے دن سے اویس القرنی نے دنیا کو ترک کر دیا اور اس کے سحر آمیز سامانوں پر لات ماری دنیادی راحتوں کو اپنے اوپر حرام کیا اور شب و روز ذکر اللہ میں زندگی بسر کرنے لگے ۔ آخر کار ترک دنیا اور عبادت خدا اور بانئے اسلام کی محبت نے یہاں تک طول کھینچا اور اس قدر محبت نبی کا جوش ابلا کہ اویس نے اپنے دانت اس لحاظ سے تو ڑ ڈالے کہ رسول خدا کے بھی دو دانت مشہور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے ۔ آپ نے چاہا میرے

پر بن جاتی ان سے یہ کوئی سننے والا نہ ہوتا تھا کہ اب کے کال پڑا اور اب کے فلاں سنگھ جی اپنے مویشیوں کو سال بھر فصل کے دنوں میں چرایا کئے بلکہ ان پر کوڑے بازی ہوتی تھی اور مجبور کیا جاتا تھا۔ کہ روپیہ لاؤ اگر کسی نے روپے محصول کے دے دیئے تو خیر ورنہ ان کے بال بچے چھین لئے جاتے اور سر بازار نیلام کر دیئے جاتے تھے۔ مولانا شہید نے یہ خونی نظارے اپنی پرنم آنکھوں سے دیکھے۔ آپ نے بعض دولتمند اور زمیندار مسلمانوں کو بھی دیکھا اور آپ کو تعجب ہوا کہ یہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد نہیں کرتے مگر تحقیق کے بعد یہ سارا شبہ رفع ہو گیا۔ یعنی ان کی ثروت اس وجہ سے قائم تھی کہ وہ سکھوں کو مجلسوں میں ملا اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت توہین آمیز

مرید بھی ایسا ہی کریں۔ اور پھر آپ نے یہ ارشاد کیا کہ تمام وہ میرے مرید جو باتی الطاف یا یادری سے خصوصیت سے بہرہ ور ہوں گے اور جن کے دلوں پر میرے طرق کے نقش پورے منقش ہوں گے ان کے دانت فوق الفطرۃ کرشمے سے خود بخود ٹوٹ جائیں گے یعنی ایک فرشتہ جب وہ گہری نیند میں ہونگے۔ الگ سے ان کے دانت نکال لے گا اور جب وہ جاگیں گے تو سرہانے پر ان دانتوں کو رکھا ہوا پائیں گے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس قسم کی باتیں شروع ہو گئی تھیں لیکن ان کا اثر لوگوں کی طبائع پر بہت کم ہوتا تھا۔ ہمارے عارف باللہ اویس نے زیادہ مرید اپنی زندگی میں زیادہ بہم نہ پہنچائے آخر یمن میں ہی آپ کو وفات ہو گئی [illegible] مطابق [illegible] میں شیخ الوان نے اول ہی اول فقیری کے مستقل قاعدے وطرق کی بنیاد ڈالی اب تک آپ کے پیر د موجود ہیں جو الوانیہ کہلاتے ہیں گو اسلام نے نفس پر زیادہ تشدد کرنے اور صومعہ نشینی سے منع فرمایا ہے پھر بھی فقرا نے وہ وہ قواعد تشدد نفس اور خوفناک ریاضتوں کے نکالے جن پر آج بڑے بڑے عالم اور مولوی چلتے ہیں۔ ایم۔ ڈی اوسن نے اپنی مشہور کتاب عثمانی سلطنت میں لکھا ہے۔ کہ مشکل سے کوئی مشہور و معروف مولوی یا فاضل اسلام کا ایسا ہو گا جو الوانیہ سوسائٹی کا ممبر نہ ہو۔ ہر صدی میں فقرا کے نئے پیشوا پیدا ہوئے اور پھر سب کے گروہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے جو آج تک موجود ہیں۔ مذکورہ

الفاظ استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات سلطنت کی آنکھ میں اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے اب غریب مسلمانوں کو ناحق بے گناہ گرفتار کرا دیتے تھے وہ بظاہر مسلمان تھے مگر دراصل سکھ ہی تھے۔ جو اپنی عارضی زندگی آرام سے گذارنے کیلئے یہ ملازم

بالا فاضل نے تیس تئیس پیشواؤں کے نام مع ان کے وطن وغیرہ کے اپنی بیش بہا کتاب میں لکھے ہیں جو ہم درج ذیل کرتے ہیں

نمبر	طبقہ فقراء	بانی	وطن بانی	سنہ ھ	سنہ ع
۱	الوانیہ	شیخ الوان	جدہ	سنہ ۱۴۹	سنہ ۷۶۶
۲	ادہمیہ	ابراہیم بن ادہم	دمشق	سنہ ۱۶۱	سنہ ۷۷۷
۳	بسطامیہ	بایزید بسطامی	جبل بستنم	سنہ ۲۶۱	سنہ ۸۷۴
۴	سقطیہ	سری سقطی	بغداد	سنہ ۲۹۵	سنہ ۹۰۷
۵	قادریہ	عبد القادر جیلانی	بغداد	سنہ ۵۶۱	سنہ ۱۱۶۵
۶	رفیعیہ	سید احمد رفیع	بغداد	سنہ ۵۷۶	سنہ ۱۱۸۲
۷	سہروردیہ	شہاب الدین	بغداد	سنہ ۶۰۲	سنہ ۱۲۰۵
۸	کبروردیہ	نجم الدین	خوارزم	سنہ ۶۱۷	سنہ ۱۲۲۰
۹	شہزلیہ	ابوالحسن	مکہ	سنہ ۶۵۶	سنہ ۱۲۵۶
۱۰	مولویہ	جلال الدین رومی	کنواح	سنہ ۶۷۲	سنہ ۱۲۷۳
۱۱	بداویہ	ابوالفطن احمد	تانتا مصر میں	سنہ ۶۷۵	سنہ ۱۲۷۶
۱۲	نقشبندیا	پیر محمد	قصر عریفا	سنہ ۷۱۹	سنہ ۱۳۱۹
۱۳	سعدیہ	سعد الدین	دمشق	سنہ ۷۳۶	سنہ ۱۳۳۵
۱۴	بکتشیہ	حاجی بکتش	کیرسہر	سنہ ۷۳۶	سنہ ۱۳۳۵
۱۵	خلوانیہ	عمر خلوانی	قیصریہ	سنہ ۸۰۰	سنہ ۱۳۹۷

باتیں کرتے تھے مگر سچ پوچھو تو ان کی بھی عزت نہ تھی۔ ہاں صرف اتنی بات تھی کہ سکھوں کے دست ظلم سے ان کا مال و متاع بچا ہوا تھا۔ غرض امرت سر کی مولانا شہید نے خوب خوب سیر کی اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ خستہ حالت کو بغور ملاحظہ فرمایا پھر آپ

۱۶	زینیہ	زین الدین	کوفہ	سنہ ۸۳۸ھ	سنہ ۱۴۳۶ء
۱۷	بابیہ	عبدالغنی	ایڈریانوپل	سنہ ۸۷۰	سنہ ۱۴۶۶
۱۸	بیرامیہ	حاجی بیرامی	انگورا	سنہ ۸۷۶	سنہ ۱۴۷۱
۱۹	اشرفیہ	اشرف رومی	جلین ازنک	سنہ ۸۹۹	سنہ ۱۴۹۳
۲۰	بکریہ	ابوبکر وافعی	الیپو	سنہ ۹۰۲	سنہ ۱۴۹۶
۲۱	سنبلیہ	سنبل یوسف بلوی	قسطنطنیہ	سنہ ۹۳۶	سنہ ۱۵۲۹
۲۲	گلشانیہ	ابراہیم گلشنی	قاہرہ	سنہ ۹۴۰	سنہ ۱۵۳۳
۲۳	اگہیت تستبیہ	شمس الدین	مگینیا	سنہ ۹۵۱	سنہ ۱۵۴۴
۲۴	ام شنبہ	شیخ امام سنن	قسطنطنیہ	سنہ ۱۰۱۰	سنہ ۱۵۹۳
۲۵	جلواتیہ	پیر آفندی	بروسا	سنہ ۹۸۸	سنہ ۱۵۸۰
۲۶	عشاقیہ	حسن الدین	قسطنطنیہ	سنہ ۹۵۹	سنہ ۱۵۵۲
۲۷	شمسیہ	شمس الدین	مدینہ	سنہ ۱۰۱۰	سنہ ۱۶۰۱
۲۸	سنن امیہ	علم سنن امی	الوالی	سنہ ۱۰۷۹	سنہ ۱۶۶۸
۲۹	نیازیہ	محمد نیاز	لنس	سنہ ۱۱۰۰	سنہ ۱۶۹۴
۳۰	مرادیہ	مراد شامی	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۳۲	سنہ ۱۷۱۹
۳۱	نورالدینیہ	نورالدین	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۴۶	سنہ ۱۷۳۳
۳۲	جمالیہ	جمال الدین	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۶۴	سنہ ۱۷۵۰

ان میں سے تین گروہ بسطامیہ نقشبندیہ بکتشیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے اپنے کو کہتے ہیں اور باقی ماندہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکلا ہیں۔ ہر گروہ ان در

نے جیسا کہ تاریخ علمائے دہلی والا لکھتا ہے اس سفر سے امرت سر سے کچھ نہ کچھ پولیٹکل فائدہ بھی اٹھانا چاہا۔ گو یہاں سکھوں کے ظلم و ستم کی یوں آگ مشتعل ہو رہی تھی پھر بھی آپ کی دلیر مگر دور اندیش طبیعت نے پولیٹیکل فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کیا۔ آپنے پوشیدہ پوشیدہ لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ نکالا اور ان کے خیالات

عظیم الشان بانیوں تک اپنا سلسلہ پہنچاتا ہے۔ نقشبندیہ جو خواجہ پیر محمد نقش بند کے پیرو ہیں۔ مختلف ترک رکھتے ہیں یہ لوگ عموماً ذکر خفی کرتے ہیں اور بالکل یہی طریقہ ان کے ہاں رائج ہے۔ ان کی خاص عبادت کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔ ایک بار استغفار کہتے ہیں سات بار سلامات سات بار فاتحہ۔ نو دفعہ سورہ الم نشرح پڑھتے اور اس کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے ہیں۔ ان عبادتی تقریبات کا نام ذکر ہے اس کے خاص کرنے کے لئے وہ ہفتہ میں ایک بار باہم ملتے ہیں معمولی طور پہ یہ دن جمعرات کا ہوتا ہے عشا کی نماز کے بعد سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور تمام شب رہتا ہے۔ ہر شہر اور شہر کے ہر ضلع میں اس کے ممبر مختلف سوسائٹیوں میں منقسم ہیں۔ وہ سب مل کے اپنے مرشد کے مکان پہ جمع ہوتے ہیں۔ اور نہایت ہی توجہ سے ذکر کرتے ہیں پہلے پیر یا کوئی بھائی ایک لفظ زبان سے نکالتا ہے اور بعد ازاں سب مل کے کہتے ہیں یا اللہ۔ بعض شہروں میں نقشبندیہ کے خاص خاص وسیع مکان مقرر ہیں جو خاص ذکر ہی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں شیخ اپنے ممتاز عامہ سے اپنے مریدوں میں پہچانا جاتا ہے۔ فرقہ بکتشیہ کا بانی بخارا کا رہنے والا تھا جس نے جاں نثاروں میں پر جوش روح پھونک کر بہت بڑی ناموری حاصل کی تھی اس گروہ کے فقیر کی نشانی ایک پٹکا ہے جسے مفصد ذیل فقرے کہہ کر اپنی کمر سے باندھتے ہیں۔

(۱) میں نے حرص و ننگ چشمی کو کس لیا اور فراخ چشمی یا نیز حرمی کو کھول دیا۔

(۲) میں نے غصہ کو باندھ لیا اور عاجزی کو کھول دیا۔

(۳) میں نے بخل کو گانٹھ لیا اور پارسائی کو کھول دیا۔

(۴) میں نے جہالت کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا۔

(۵) میں نے حیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا۔

(۶) میں نے حیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی محبت کو کھول دیا۔

سکھوں کی بابت دریافت کئے وہ بیچارے روزمرہ پر امن انگریزی عملداری میں بھاگے جاتے تھے خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی تادیب دہندہ کھڑا ہو اور ان ناواجب باتوں کا سکھوں سے عوض لے۔ مسلمانوں کو خوف اس قدر تھا کہ وہ سکھوں کے خلاف مشورہ کرنے میں اپنی جان کی ہلاکت سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے اگر کچھ سن گن سکھوں نے اس

---

(۷) میں نے بھوک کو کس لیا اور توکل کو کھول دیا۔

(۸) میں نے شیطنت کو باندھ لیا اور رحمانیت کو کھول دیا۔

سلطنت ترکی میں مولویہ فقیر بکثرت ہیں اگر گروہ فقراء کے بانی مولوی جلال الدین رومی ہیں جو مشہور مصنف مثنوی کے ہیں یہ مثنوی ایران اور تقریباً کل اسلامی دنیا میں شوق سے پڑھی جاتی ہے ان فقراء کے تکئے بنے ہوئے ہیں جہاں بدھ اور اتوار کو ان کے جلسے ہوتے ہیں یہ فقیر گول لمبی لمبی ٹوپیاں پہنتے ہیں اور جامہ کے طور پر ان کا لباس ہوتا ہے۔ جامہ کی صورت بالکل راجپوتانہ کے تلک کے مشابہ ہے جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں ذکر کرتے ہوئے وہ اپنے جامے اتار ڈالتے ہیں اور صرف جاکٹ اور نیچے کو ٹ پہنے رہتے ہیں کبھی اچھلتے ہیں اور کبھی سر کو گردش دیتے ہیں اور کبھی غیر معمولی جوش میں چکر کھانے لگتے ہیں فقرائے قادریہ کا بانی سید عبدالقادر ہوا ہے جس کا لقب پیر دستگیر ہے اور آپ بغداد میں مدفون ہیں یہ لوگ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں ہی کرتے ہیں ہندوستان کی شمال مغربی حدود میں بہت سنی المذہب مولوی قادریہ ہیں

چشتیہ معین الدین بندہ نواز کے پیرو ہیں جن کا لقب گیسو دراز ہے آپ کا مزار گلبرگہ میں ہے عموماً شیعہ بھی اسی مذہب یا طرق کے فقیر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ راگنی سے شوق رکھتے ہیں کیونکہ اس گروہ کا بانی نے کہا ہے کہ گانا روح کی خوراک ہے یہ لوگ ذکر جلی کرتے ہیں

گروہ جلالیہ کا بانی سید جلال الدین بخارا کا رہنے والا ہے۔ یہ فقیر وسط ایشیا میں بہت پائے جاتے ہیں اکثر مذہبی دریوزہ گر اسی پنتھ کے فقیر ہوتے ہیں

سہروردیہ افغانستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان میں فاضل بھی دیکھے گئے ہیں شہاب الدین سہروردی کے رہنے والے کے پیرو ہیں (سہروردی عراق کا ایک شہر ہے) یہ شہر

کی پامالی تو گھر بار اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا۔ اور بال بچے کولہو میں پلوا دیے جائیں گے۔ مولانا شہید کو پنجابیوں سے تو کچھ مدد نہ ملی ہاں افغانوں سے اپنے ارادہ میں بڑھتی ہوئی دیکھی ایک دن مولانا شہید ایک بوڑھے افغان سے ملاقات ہوئی

فقیر ہیں اور ہیں بھی بے شمار۔

ہندوستان میں مداریہ پنتھی کے فقیر بکثرت آباد ہیں اس گروہ فقرا کا بانی زندہ شاہ مدار شامی ہوا ہے جس کا مزار مکن پور (اودھ) میں ہے ملنگ فقیر اسی گروہ سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک گرہ میں اپنے بالوں کو باندھ لیتے ہیں جو اکثر ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ رفیعیہ گروہ کے فقیر بھی ہندوستان میں بے شمار ہیں۔ وہ اپنے نفس پر بہت سختی توڑتے ہیں۔ ان کی عبادت یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کی کھال رات دن ادھیڑا کریں۔ یہ درویش ترکی اور مصر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ فقرا کا قلندریہ ہے جس کا بانی قلندر یوسف اندلسی ہوا ہے جو اسپین کا رہنے والا تھا۔ کچھ زمانہ تک وہ نقشبندیہ رہا لیکن جب اس پنتھ سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے بطور خود ایک طریقہ کی بنیاد ڈالی۔

غرض تحقیق سے یہ ثابت ہوگئی کہ کل گروہ کے فقرا کے اصول ذکر مختلف ہیں اور جب غور سے دیکھا گیا۔ تو سب اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخر الزمان نبی مانتے ہیں یہی عین اسلام ہے۔ اور یہی دین خدا ہے۔ گویا ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ بعض گروہ افراط و تفریط میں پڑ کر شریعت کے اصول سے متجاوز ہوگئے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے کبھی وہ باتیں نہیں کیں۔ جو آج ان کے نام لیوا کر رہے ہیں۔ ان کا ایک بڑا اصول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے۔ مگر آج ہمارے بھائی صوفی یا فقیر اس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کا میں نے تجربہ کر لیا ہے۔ کہ کوئی صوفی یا فقیر جس گروہ میں اپنے کو بیان کرتا ہے۔ نہ تو اس کے بانی کی سوانحعمری اسے یاد ہوتی ہے نہ وہ اس کے اصول جانتا ہے۔ نام کے قادریہ اور نقشبندیہ رہ گئے ہیں۔

ان میں سے بعض قسم کے فقیر مولانا شہید کو پنجاب میں بہت ملے مگر سوائے گودڑ پرستی اور چڑھاوا لینے کے کسی مذہبی فرض کا انجام دہی میں انہیں سرگرم نہیں دیکھا۔ پیری مریدی کا بھی

عند التقریر اس نے بیان کیا ہماری ناچاقی نے سکھوں کو ہم پر چیرہ دست بنا دیا ہے جب سکھوں نے ہم پر حملہ کیا ہے ہم یوسف زئی فرقہ سے کشت و خون کر رہے تھے ہمیں خود اپنی جانوں کا ہوش نہ تھا۔ کہ سکھوں نے ہم پر دھاوا کیا اس شکستہ حالت میں بھی اگر اتفاق کر کے سکھوں کا مقابلہ کرتے تو ایک بچہ بھی بچ کر نہ آتا۔ مگر افسوس کہ ہم میں مخالفانہ جنگ و جدل برقرار رہی اس وجہ سے سکھوں کو فتح حاصل ہوئی ہے

بہت زور دیکھا جو کم و بیش اب تک موجود ہے مگر وہ بھی بے نتیجہ پایا۔ نہ مرید یہ جانتا ہے کہ جب دست بیعت دیتے ہیں تو کیا کہتے ہیں۔ نہ پیر کو یہ خبر ہے مرید سے کیا کہلانا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر مولانا شہید ان ظاہر دار صوفیوں اور فقیروں کی زبوں حالت کی اصلاح نہ کرتے تو خبر نہیں کہ قوم اسلام کی کیا بری گت بنتی۔ آج ہندوستان میں صرف مولانا شہید ہی کا طفیل ہے۔ کہ ہماری آنکھوں میں جھوٹے سچے صوفی اور فقیر کی شناخت کی قوت آگئی ورنہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اس میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ہر فقیر میں چاہے وہ قزاق ہو یا رہزن خدا بولتا ہے۔ ہم نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے بزرگوں کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کے اصول کی دل سے تعریف کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ جتنے مت نکلے ہیں سب خدا پرستی کے طریقے کو آسان کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ ان کا پہلا اصول حرص و ہوا کو چھوڑنا اپنے نفس کو اپنے تابع کرنا اور خدائے واحد کی سچے دل سے پرستش کرنا چنانچہ جب سہروردیہ میں کسی کو مرید کرتے ہیں تو مرید سے یہ کہلواتے ہیں۔ میں اس خدا کے آگے استغفار کرتا ہوں جس کے سوائے کوئی دوسرا معبود نہیں جو زندہ ہے۔ توانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اسکی مہربانی اور نگاہ مکرمت کا امیدوار ہوں۔ یہی استغفاری جملہ کئی بار مرید اپنی زبان سے دھراتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے۔ میں خدا اور اس کے پیارے نبی کی تابعداری سے اسے اپنا ہادی یا مرشد بناتا ہوں۔ اور خدا کی درگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی اس سے جدا نہیں ہونے کا خدا ہمارا شاہد ہے خدا کی قسم سوائے خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے آمین۔ اس کے بعد مرشد اور مرید دونوں کلام مجید کی پہلی سورۃ پڑھتے ہیں۔ پھر مرید مرشد کے ہاتھوں پر بوسہ دیتا ہے اور اس طرح تقریبا

اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ کہ ہمارے نابالغ بچوں اور بیمار مردوں عورتوں کو سکھوں نے کس بے رحمی سے قتل کیا ہے اور آگ میں جلا دیا بلکہ اگر خیال ہے تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے پاک مقابر کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ اور ہماری مسجد میں سور ذبح کئے اور جو کچھ انہوں سے ہوسکا دین اسلام کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اب تک وہ اسی سرگرمی سے توہین اسلام کئے جاتے ہیں بے محابا سکھ ہر مسلمان کے مکان میں چلے جاتے ہیں۔ انہیں اختیار ہے جو چاہیں اٹھا لیں

مریدی ادا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مرید اکثر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔ اور کبھی کبھی مرشد بھی اپنے مریدوں کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ یہ مکان جہاں یہ مقدس نفس خدائے برحق کی پرستش کی اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ عموماً باغوں میں بنے ہوتے ہیں۔ اور جنہیں ترکی اور مصر میں تکیہ کہتے ہیں وہاں دوسرے شخص کا گذارا نہیں قادریہ میں مرید ہونے کا دوسرا دستور جو توکل بیگ نے جرنیل ایشیاٹک میں بیان گیا ہے وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جب میں نے آخوند ملا محمد کے ذریعہ سے شیخ ملا شاہ سے شرف مریدی حاصل کیا میں نہیں بیان کرسکتا میرے دل کی کیا حالت ہو گئی نئی نئی امنگیں وحدت پرستی کی دل سے خود بخود ابلنے لگیں اور غیر معمولی جوشوں نے میرے قلب کو گھیر لیا۔ آپ سے میری طبیعت میں خدا کے پیچھے علم سیکھنے کی بھڑکتی ہوئی آگ لگ گئی۔ اس کی تلاش اور تحقیق میں شب و روز کی بے چینی مجھ کو آرام نہ لینے دیتی تھی۔ ابتدائے تعلیم میں شب و روز مجھے سورہ اخلاص کا ورد رہتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شب میں کتنی بار پڑھ جاتا۔ میرا خیال یہ ہے جو شخص اس سورہ کو سو بار پڑھے گا۔ وہ اپنی دلی حاجت پوری کرے گا

میں نے چاہا کہ شیخ مجھے توجہ دے اور اپنی محبت مجھے بخشے میں نے سورہ اخلاص کا وظیفہ ابھی ختم کیا تھا۔ کہ خود بخود مرشد کے دل میں میری طرف سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ گذشتہ شب میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام شب وہ مجھے توجہ دیتا رہا۔ جبکہ میں نے اپنے کو بالکل باطنی استغراق میں محو کر دیا۔ تین شب یونہی توجہ لیتے گذر گئیں۔ چوتھی شب شیخ نے کہا۔ اب ملا

اگر کھانا پکتا ہو تو اس پر سور کی ہڈی ڈال کے پاک کر لیتے ہیں۔ اور خود ہی بیٹھ کے کھانا ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ہر طرح سے ناک میں دم کر رکھا ہے کوئی دریافت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ پشاور چلیں تو میں آپ کو یہ ساری کیفیت دکھا دوں۔ مولانا شہید کو اس بوڑھے پشاوری کی معیت اچھی معلوم ہوئی اور آپ امیر

سنگھم بیگ اور صالح بیگ تم اپنی روحانی تاثیرات توکل بیگ میں بخشو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جب کہ میں نے تمام شب استغراق میں مکہ کی طرف منہ کئے ہوئے گذاری۔ جوں ہی صبح صادق کی پو پھٹی شروع ہوئی کچھ روشنی میرے ضمیر میں پیدا ہونے لگی لیکن میں شکل اور رنگ میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد میں شیخ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ اس نے میری دماغی حالت کی کیفیت دریافت کی میں نے عرض کیا میں نے اپنی چشم باطن سے ایک روشنی دیکھی۔ یہ سن کر شیخ کی کسی قدر دل جمعی ہوئی۔ اور وہ بولا "تیرا قلب تاریک ہے۔ مگر وہ گھڑی آ گئی ہے۔ جب میں صفائی سے اپنے کو تجھے دکھاؤں۔ پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھنے کا مجھے حکم دیا۔ اور ارشاد کیا ہمارے خال و خط یا چہرہ مہرہ اپنے ضمیر میں جما لے پھر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اور ارشاد کیا ہم پر تو اپنے کل خیالات کا اجتماع کر۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر ایک لمحہ میں شیخ کی روحانی مدد سے میرے دل کا قفل کھل گیا اس نے دریافت کیا تو نے کیا دیکھا میں نے عرض کیا میں نے دوسرا توکل بیگ اور دوسرا ملا شاہ دیکھا۔ پھر میری آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی میں نے آنکھیں کھول کے شیخ کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پھر دوبارہ انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی پھر میں نے اپنی باطنی آنکھوں سے شیخ کو دیکھ لیا۔ میں نے استعجاب میں یہ کہا کہ اے مرشد آیا میں تجھے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یا جسمانی آنکھوں سے تجھے میں اس وقت ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا ہمیشہ دیکھا کرتا ہوں۔ اسی اثنا میں میں نے ایک چکا چوندی ہوئی نورانی شکل اپنے پاس آتی ہوئی دیکھی شیخ نے مجھ سے ارشاد کیا جو شکل تیرے قریب آ رہی ہے اس کا نام دریافت کر۔ میں نے اپنی روحانی زبان سے یہ سوال کیا یا دوسرے الفاظ میں میرے ضمیر میں یہ سوال دریافت کرنے کی کیفیت پیدا ہوئی۔ معاً اس نورانی شکل نے یہ جواب دیا۔ میں عبد القادر جیلانی ہوں

سے پوشیدہ اس کے ساتھ لاہور پہنچے۔ کیونکہ امرتسر میں سکھوں کے مختلف حلقوں میں مولانا کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگیں جن کی آواز ہنوز حکام کے کان تک نہ پہنچی تھی۔ مولانا شہید کا ظاہری لباس ایسا تھا۔ کہ ان پر کسی قسم کا جرم کبھی عائد نہ ہو

ابھی میں تیرے ساتھ آگے ملا جوں جا تیرا دل روشن ہو گیا میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ولی اللہ کا احترام میری ضمیر میں کس درجہ پیدا ہوا۔ میں ہر جمعہ کی شب کو سارا قرآن شریف پڑھ لیا کرتا تھا۔ ملا شاہ نے پھر کہا روحانی دنیا اپنے تمام و کمال حسن کے ساتھ تجھے نظر آ گئی ہیں نے کامل اطاعت اور فرمانبرداری سے باطنی الفاظ سے اپنے پیر کا شکریہ ادا کیا اور اُس کا سچا خادم بنا۔ دوسری شب میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چار صحابہ کی زیارت کی جو اپنے نبی کے ساتھ فرحان و شاداں تھے۔ اور پھر تمام اولیاء اللہ اور انبیاء علیہ السلام کی زیارت سے فیض یاب ہوا تین مہینے کے بعد میں ایک ایسی سرزمین میں پہنچا جہاں ان صورتوں میں ایک صورت بھی نظر نہ آئی۔ اس عرصہ تک شیخ مجھے توحید اور علم خدا کے اسرار بیان کرتا رہا۔ تاہم ابھی تک دل تکمیل کو میں نہیں پہنچا تھا نہ اس نے اس کی کامل حقیقت مجھے تبلائی تھی۔ ایک برس گزرنے کے بعد مجھے توحید کا علم ہو گیا اور اب میں شیخ سے ان الفاظ میں اپنے الہام و القائے ربانی کو یوں بیان کرنے لگا "میں اپنے جسم پر پانی اور خاک دیکھتا ہوں۔ اب مجھے نہ اپنے دل کا پاس نہ اپنے روح کا ہائے افسوس کس غفلت میں میری اتنی زندگی گذر گئی اس کے بعد دل سے نہایت ہی پرجوش" چشمہ ابلا۔ مجھ میں تو اور تجھ میں۔ یہ جملہ روحانی قوت سے میری زبان دل سے نکلا شیخ سنتے ہی خوش ہو گیا۔ اور یہ کہنے لگا توحید کی اصلی سچائی اب تجھ پر کھلی ہے۔ توکل بیگ نے مجھ سے اصول توحید کی پورے طور پر تعلیم پائی اس کی باطنی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں۔ گونا گوں رنگوں اور صورتوں کے گرے اس نے بخوبی دیکھ لئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بے رنگ کمرہ میں داخل ہوا۔ اور اب اس کا یہ نکلا یہ گویا ہے۔ ~

شکر اللہ کا در ساغر من ریختہ
اندرے بیرنگ زمیخانہ بے نام و نشاں

اب وہ توحید کے قریب پہنچ گیا جہاں سے اسے وصل ہو سکتا ہے۔ شبہ اور تذبذب کی بیری اب

سکتا تھا۔ مگر یہ باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں قانون کی حکمرانی ہو سکھوں کی عملداری میں بڑا جرم مسلمان ہونا تھا۔ مجسٹریٹ کے سامنے جب کوئی جرم کسی مسلمان پر ثابت نہ ہوتا تھا۔ تو اس سے سکھ ہو جانے کی درخواست کی جاتی تھی۔ اور اب وہ انکار کرتا تو

کبھی اس پر نہ چلے گی۔

کوئی شخص توحید کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا جب تک اپنی باطنی آنکھیں نہ کھولے اور ان سے نہ دیکھے۔

میری اس تحریر سے ناظر سوانح کو اس قدر اندازہ کرنے کی سمجھ آجائے گی کہ وہ اصول تصوف اور جھوٹی فیلسوفی کو علیحدہ علیحدہ کرے گا اور اسے صاف طور پر بھی ظاہر ہو جائے گا کہ مولانا شہید نے جس تصوف کی مخالفت کی تھی وہ جھوٹا تصوف تھا جس سے لوگوں کو ٹھگا جاتا تھا۔ اور خدا کی مخلوق کو فریب میں پھنسا کے دین و دنیا کا نہیں رکھا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے میں چند شریر النفوس نے اپنے غافل پیروں کی تعریف میں وہ وہ کتابیں شائع کی ہیں جن میں سراسر کفر و الحاد بھرا ہوا ہے۔ مثلاً "نورالابصار" میں ایک پیر کی کرامتوں کا ذکر ہے۔ میرے خیال میں جتنی کرامتیں یا معجزے اس میں بیان ہوئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں سے ان کا وزن بھاری ہے۔ اس کتاب میں پیر جی کو عالم غیب بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ دین محمدی تیرہ سو برس سے تاریک تر تھا یہ پیر جی کا دم تھا کہ انہوں نے اسے روشن کر دیا۔ نبی اکرم غیب دان نہ تھے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا۔ اس کا صدق و کذب جب تک وحی نہ اتری آپ کو معلوم نہ ہوا مگر خود پیر جی کئی کئی سال پہلے کی خبریں اسی طرح بیان کر دیتے ہیں کہ گویا ان کی آنکھوں کے آگے ہو رہی ہیں دراصل وہ بے چارے سیدھے سادے بے لکھے پڑھے مسجد کے ملانے تھے ان کے جانشین نے مرنے کے بعد انہیں خدا بنا دیا (معاذ اللہ) اس قسم کے اشد کفریات بکنے والے کی مولانا شہید مخالفت کرتے تھے اور اصلی تصوف کے آپ بڑے حامی تھے اور خود بھی بہت بڑے صوفی تھے۔ میری اس توضیح سے ان بدگمانیوں کو کامل شکست ملے گی جو مولانا شہید کی مقدس ذات پر لاعلمی یا تعصب سے قائم کی جاتی ہیں۔ اور آپ کی عالی شان اصلاح کا صحیح مرتبہ معلوم ہو گا۔ (مصنف)

اس پر یہ عظیم الشان جرم قائم کر کے سزائے موت دی جاتی تھی چند کوتاہ قلموں نے سکھوں کے ان قابل رحم مظالم کو لوگوں کے دلوں سے نسیاً نسیاً کرنے کے لئے مسلمانوں شہنشاہوں کے سر پر جا بے جا ظلم چپکے ہیں اور اپنی بے معنی تواریخ میں من گھڑت قصے گھڑ گھڑ کے انہیں بدنام کرنا چاہا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ خاک ڈالنے سے نہ مہتاب چھپ سکتا ہے نہ روشن آفتاب کی کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی ہو سکتی ہیں ایسی تاریخوں سے ہندوؤں کے بچے ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں اور چسکے لے لے کر ایسی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ مگر منصف کی نگاہوں میں وہ ساری باتیں بیہودہ اور لغو ہیں۔ غرض مولانا شہید امرتسر سے لاہور پہنچے اور ایک سرائے میں جا کر قیام کیا۔ آپ نے حکومت کا رنگ دیکھ کر پشاوری کو علیحدہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ دن کو مجھ سے نہ ملے نہ کبھی بات کرے کیونکہ رنجیت سنگھ کا یہ حکم تھا کہ اگر پشاور یا قندھار کا باشندہ کسی پردیسی سے بات چیت کرتا ہوا دیکھا جائے تو اسے اسی جگہ پر فوراً بغیر پوچھے کچھے سزائے موت دی جائے صد ہا بے گناہوں کی کی جانیں اسی طرح ضائع ہو چکی تھیں مگر ان کا انتقام لینے والا کوئی نہ تھا۔

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہولے کر کے کھاتے ہیں۔ دہلی میں ہولے سوکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں مع شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں مگر سکھوں میں انہیں ہولے نہیں کہتے۔ وہ ایک بڑے فولادی پنجرے میں چیل۔ کوے۔ کبوتر۔ بٹیر۔ مینائیں۔ طوطے بغرض مختلف قسم کے جانور بند کر کے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے سے آگ دے دیتے ہیں۔ وہ زندہ پرندہ پھڑ پھڑا کے بھن کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں صاف کر کے یہ ناخدا ترس کھاتے ہیں اسی طرح بے

گناہ مسلمانوں کے ہوئے کٹے جاتے تھے اور یوں تڑپا کے انہیں مارا جاتا تھا۔ ہم ان شرمناک کاروائیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے جو سر بازار سکھ کرتے تھے۔ ہماری محمدی تہذیب اور قانون انگلشیہ ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم ان میں سے ایک بات کا بھی تذکرہ کریں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا کہ سکھوں کی قدرت میں جو کچھ تھا اور ان کی بونگی عقل جتنے مظالم ایجاد کر سکتی تھی۔ وہ انہوں نے بے گناہ مسلمانوں پر توڑے جنہوں نے اُف تک نہیں کی ہم اپنے قول کی سند کے لئے ایک معتبر کتاب سے جو ایک ہندو ایکسٹرا اسسٹنٹ کی تصنیف ہے چند جملے سکھوں کے مظالم کی بابت نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے غالباً کیا قطعی اس زمانہ کا ذکر کیا ہے جب مولانا شہید دورہ پنجاب میں تھے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"ابتدا میں سکھوں کا طریق غارت گری اور لٹیرے پنے کا تھا جو ہاتھ آتا تھا لوٹ کر اپنی اپنی جماعت میں تقسیم کر لیا کرتے تھے اور بسبب ان کی لوٹ کے علاقے داروں اور دیہات والوں نے ان کو نذرانہ دینا منظور کیا۔ کہ وہ راکھی کہلاتے تھے۔ مسلمانوں سے سکھوں کی بڑی دشمنی تھی۔ آذان یعنی بانگ بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کر گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے۔ اور اس کا نام مست گڑھ رکھتے تھے نند اور ہندوؤں کے ان کو مطلق نہیں شکار اور شراب خور ہوتے ہیں۔ اور گھوڑے پر چڑھتے ہوئے روٹی کھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور دیکھنے والے کہتے ہیں جہاں وہ پہنچتے تھے جو مٹی کا برتن کسی مذہب والے کا خصوصاً مسلمان کا پڑا ہوا ان کو ہاتھ آجاتا تھا پانچ جوتے اس پر مار کر کھانا پکا لیتے تھے۔ یعنی پانچ جوتے اس پر مارنا اس کو پاک ہو جانا

سمجھتے تھے"

ناظر سوانح اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندو مصنف نے جب یہ واقعہ بیان کیا ہے اور مجبوراً اس کے قلم سے یہی سرزد ہو گیا۔ پھر کون شبہ کر سکتا ہے کہ ہمارا مخبر رپورٹر غلط بیان کرے۔ اوپر والے حوالوں کے ہر ہر لفظ سے ٹپکتا ہے کہ ہمارا مصنف سکھوں کے مظالم کا حال لکھنا نہیں چاہتا مگر واقعات کا اظہار اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ دبی زبان ہی سے سہی ضرور قلم بند کرے ہر ہر لفظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مصنف قلم سے نکالنا نہیں چاہتا اور وہ نکلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک شخص ایک قدم بھی اٹھانا نہیں چاہتا اور زبردستی دھکیل کر کوئی شخص اسے لے جانا چاہئے۔

مولانا شہید نے لاہور میں پہونچکر امرتسر سے بھی زیادہ سکھوں کے جابرانہ مظالم کا رنگ چڑھا ہوا دیکھا۔ جہانگیر کے مقبرہ سے قیمتی پتھر اکھیڑے گئے تھے اور گرنتھ پڑھنے کا مقام اسے بنا لیا گیا تھا جس کا نام مست گڑھ رکھا تھا سینکڑوں نام آور مسلمانوں کی قبریں اکھڑوا کر پھینکوا دی تھیں۔ قیصاری دس مسجدیں بمشکل مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں۔ اور ان پر بھی سکھ اپنا ہی تسلط رکھتے تھے کہیں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ تو کہیں خود رہتے ہیں۔ کہیں گرنتھ پڑھنے کی جگہ ہے تو کہیں بد اعمالی کرنے کا مقام ہے۔

یہاں کے مسلمانوں کی حالت دو صورتوں سے قابل رحم تھی پہلی صورت تو یہ تھی۔ کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے روشن احکام کو بھلا دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایمان کے ذکر و اذکار میں قرآن وحدیث کو تو بالکل ہی اڑا دیا تھا۔ صرف

کسی ذہنی پیر شہید کے اقوال یاد رہ گئے تھے جنہیں وہ کلام ربانی سے بہتر اور مستند گردانتے تھے۔ یہ پہلا خونی نظارہ تھا جس سے پیارے شہید کے آنسو ٹپک پڑے اور وہ بے اختیار ہو گیا۔ نمازوں میں بجائے اللہ اکبر کے یاغوث اغثنی لوگوں نے کہنا فرض کر لیا تھا۔ اس سے زیادہ قہر خدا مسلمانوں پر اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے دین سے بالکل گمراہ ہو گئے۔ خدا کی گوناگوں رحمتوں کا پرتو ان پر سے بالکل اٹھ گیا تھا۔ بعینہ یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر کسی کے آگے قرآن کی آیتیں پڑھو تو وہ منہ پھاڑے ہوئے دیکھتا تھا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ اور کس ملک کی بولی ہے۔ ہاں پیروں شہیدوں ولیوں کی جھوٹی کراموتوں کی قلمی کتابیں ان کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی تھیں جو حد سے زیادہ کفر والحاد کی طرف ان کو لیجانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی کا مرید ہو جانا جنت کو خرید لینا ہے۔ پھر گویا جنت ان کے باپ دادا کی ہو گئی یہی کیفیت پیروں کی تھی۔ اور یہی حالت مریدوں کی۔ دونوں ایک ہی تھیلی کے بٹے تھے۔ یہ پہلا خونی اور تباہ کر دینے والا نظارہ تھا جس نے مولانا شہید کو خون کے آنسو رلایا۔ اور بعد ازاں اس سے دوسرے درجہ کا سکھوں کی دین اسلام کے ساتھ بے ادبی اور مسلمانوں پر ناقابل بیان مظالم تھے جو ہر عدالت ہر شاہراہ ہر محل اور سکھوں کے ہر مکان میں ہوا کرتے تھے۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ سکھوں نے کون کون سے ظلم مسلمانوں پر کئے بلکہ یہ لکھنا چاہیئے کہ کونسا ظلم دنیا میں ایسا باقی رہ گیا جو انہوں نے نہ کیا ہو پنجاب میں جہاں کثرت سے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ مگر یہ افسوس سے دیکھا جائیگا۔ کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ۳۵ فی صدی مسلمان جلا وطن ہو گئے انگریزی عملداری میں چلے آئے تھے اب سمجھ لیا جائے کہ سکھ مسلمانوں نے

کیسا وحشیانہ برتاؤ کرتے تھے جس کی نظیر سوائے اندلس اور بیت المقدس کے تیسری جگہ نہ ملے گی۔ یہ مظالم منظر غور سے مولانا شہید نے دیکھے اور آپ کی طبیعت پر ان افسوسناک منظروں نے مہیب اثر کیا آپ کا قطعی ارادہ ہو گیا کہ ان سکھوں سے حتی الوسع انتقام لینے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جس تدبیر سے ممکن ہو مسلمانوں کو ان کے پنجہ ظلم سے نجات دلوانی ضرور ہے۔ کئی موقعوں پر آپ نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھے اپنی نڈر طبیعت اور خطرناک بہادری سے کئی بار سکھوں کے مقابلہ میں دست شمشیر ہونا پڑا مگر آپ کی دوراندیش اور محتاط عقل سمجھتی تھی کہ یہ شجاعت نہیں ہے بلکہ حماقت ہے جس سے سوائے جان ضائع ہونیکے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

ایک ملکی یا قومی ہمدرد کبھی گوارا نہ کریگا کہ اس کے سامنے قوم کے بچے یوں بے بسی کی حالت میں ذبح کیے جائیں مگر مقتضائے وقت سے بشرطیکہ اس کے دماغ میں عقل ہے۔ وہ کسی خوش آئندہ موقع کا منتظر رہیگا۔ اور اسی کو سچی شجاعت اور قوم پر جانثاری کہتے ہیں۔ محض جان دینے کا نام بہادری نہیں ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر جان دینے کا نام شجاعت ہے جس سے قوم کا بیڑا پار ہو جائے اور تمام آفتیں قوم پر سے ٹل جاویں۔

مولانا تھیسرتے گاؤں در گاؤں اور قصبہ در قصبہ چکر لگایا سکھوں کے مظالم کی خوب بانگی دیکھی۔ انکے پولٹیکل معاملات اور بندوبست سلطنت کو بھی ملاحظہ کیا۔ راہ میں بہت سے مسلمان سرداروں سے افغانستان کی سرحدات پر ملاقات ہوئی ان سے بھی جو کچھ حاصل کرنا تھا کیا۔

تمام سفر میں دو تین جگہ مولانا شہید پر سکھوں کی طرف سے زیادتی بھی ہوئی اور
کوئی تعجب نہ تھا کہ پیارا شہیدان کی تیغ براں کا شکار ہو جاتا۔ مگر فطرۃ کو اس سے بہت
سے کام لینے تھے اور انہیں نازک کلائیوں پر سکھوں کے بہت سے شہروں کی فتح لکھی
ہوئی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ ذرا بھی بال بیکا ہوتا اور کسی قسم کا بھی آسیب آپ کی مبارک
ذات پر حادث ہوتا۔ دو برس تک مولانا شہید نے پنجاب کی سیر بالکلیہ کرلی اس
کثیر عرصہ میں آپ کو سکھوں کی گربہ بولی سے بھی مہارت تامہ حاصل ہوگئی۔ ڈوگری
پنجابی بخوبی بولنے اور سمجھنے لگے اور خاموشی ہی سے صدہا مسلمانوں کو گور پرستی کی
تاریکی سے نکالا۔ آپ کی خاموشانہ تلقین کا اہل پنجاب پر یہاں تک اثر ہوا کہ عورتیں
بھی عربتوں کی سی تہ بند باندھنے لگیں۔ اور عرصہ تک پنجابیوں کی یہ کیفیت رہی کہ برہنہ
شاہراہوں میں پھر رہے ہیں۔ کہیں انکے کان میں یہ پڑ گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی
بارہا برہنہ پا پھرے ہیں۔ کیا تو یوں گور پرست تھے اور کیا اپنے ہادی کی محبت میں تم
پیارے شہید کے ذریعہ سے ایسے محو ہوئے کہ دنیاوی معاشرت میں بھی رسول کا اتباع
افضل سمجھا۔ مولانا شہید کے وعظ میں قدرتی تاثیر تھی۔ کلکتہ کے اضلاع میں
بنگالی مسلمان ایسے دکھائی دیتے ہیں جو جوتیاں کم پہنتے ہیں اور کرتے کے گریبان
میں گھنڈی یا بوتام کم لگاتے ہیں۔

مولانا شہید نے اس سفر پنجاب میں جو جو سختیاں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں
انہیں مفصل بیان کر کے ہم ناظر کا وقت نہ لیں گے۔ صرف اس کے اطمینان کے
لئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ آپ نے یہ سفر پا پیادہ کیا تھا۔ اس سفر میں کبھی آپ
برہنہ پا ہوتے تھے اور کبھی پاؤں میں جوتی ہوتی تھی چونکہ چلنے پھرنے پانی میں

تیرنے کی مشق بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اس عظیم الشان سفر کو جتنا خیال میں آ سکتا تھا مفید بنایا اور خوش قسمتی سے کبھی آپ سفر میں مریض نہیں ہوئے۔

اگر ہمارے دماغ میں ذرا بھی عقل ہے اور ہمیں فطرت سے فہم سلیم کا حصہ ملا ہے تو آسانی سے ہماری سمجھ میں آجائیگا۔ کہ مولانا شہید میں فاروق اعظم جیسی روح اور حضرت خالد جیسے بید حڑک شیر کی سی سپرٹ اور سچے مسلمانوں کا سا دین پر فدائیانہ عشق تھا جس نے ہوش سنبھالتے ہی مسلمانوں کی خستہ حالی پر خون کے آنسو بہائے اور ان کی ترقی میں تڑا ہوا، بوڑھا ہوا اور آخر ان ہی کے لئے جان بدیدی اس تواریخی اتار چڑھاؤ کے دیکھنے کے بعد اس عظیم الشان اور محنت اور جان نثاری کے علم حاصل ہونیکے بعد اگر اب بھی ہم اپنی ناتراشیدہ عقول کے صدقہ میں نئی نئی گھڑی ہوئی باتیں آپ پر عاید کریں اور اپنی ناپاک تصنیف میں آنکھیں بند کرکے نا ملائم جملوں سے یاد کریں تو ہماری حالت پر افسوس ہے یہ کتنے ماتم کرنے کا مقام ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو مسلمان بنانے کے لئے ملک کے ملک چھان ڈالے تھے اور جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جانے تھے تو اپنی خطرناک محنتوں کا صلہ انہیں اپنی کامیابی سے وصول ہو جاتا تھا یا اب یہ زمانہ آگیا کہ ہم ان برتر نفوس کو جن پر قوم اسلام قیامت تک فخر کرے گی اپنی قوم سے نئے نئے من گھڑت الزام لگا کے خارج کرنا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ ان رذیل النفس کو دیتے ہیں جو درحقیقت ننگ اسلام اپنی زندگی میں بھی رہے اور مرنے کے بعد بھی رہیں گے۔ اگر چشم بصیرت وا ہو اور انصاف کی بو دل اور دماغ میں ہو اور اس سے کچھ بھی تعلق ہو تو معلوم ہو گہ ہندوستان میں پہلا شخص اسمٰعیل ہوا ہے

جسے ہم ریفارمر (مصلح) کا لقب دے سکتے ہیں۔ ہندوستان کی ہزار برس کی سلطنت کا اگر کچھ نتیجہ ہوا ہے تو یہ کہ مسلمانوں میں ایسا شخص پیدا ہوا۔ جس نے صدیوں کی خرابیوں کو دور کر دیا۔ اور جس کے واقعات سوانحعمری سے اس کی کافی شہادت ملتی ہے ہاں انصاف اور اسلام سے سچی محبت اور نبی اکرم سے فدایانہ عشق چاہیئے۔

ساتواں باب

سفر سے مراجعت۔ دہلی کی بے بنیاد افواہیں۔ سید احمد صاحب سے ملاقات

جب مولانا شہید نے اپنے دلی مقاصد حاصل کر لئے تو آپ دہلی تشریف فرما ہوئے فی الحال آپ نے اپنے ارادہ کی اطلاع کسی کو بھی نہیں کی نہ یہ بیان کیا ہیں کیوں گیا تھا کہاں کہاں کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ یہ باریک اور رازدار باتیں اسی حد تک کام دے سکتی ہیں جبتک وہ عالم بطون میں رہیں اور جہاں ان کا افشا ہو گیا پھر ان میں فائدہ پہنچانے کا زیادہ مادہ نہیں رہتا۔ آپ نے اپنے داخلہ کے وقت سے بھی کسی کو اطلاع نہیں دی آپ کا ارادہ جس طرح رازدارانہ تھا اسی آپ کا سفر بھی خاموشانہ تھا سکھوں کی بے انتظامی کی وجہ سے پنجاب کے راستے بہت خراب تھے اکثر جاٹ اور قزاقی پیشہ زمیندار اکے دُکے پر حملہ کرتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ تنہا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بھی سفر کر سکے۔ اور علاوہ رہزنوں کے بھیڑیوں بگھیروں تیندوں اور بعض اوقات شیروں کا بھی ڈر ہوتا تھا۔ جو سالانہ صدہا آدمیوں کا صفایا کر دیا کرتے تھے مگر آپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ آپ قافلہ کے پابند رہتے اور اسی کے ساتھ منزل بمنزل طے کرتا۔

سفر پنجاب میں بعض موقعے ایسے بھی پڑ گئے تھے کہ آپ کو چوبیس گھنٹے برابر چلتے رہنا پڑا۔ اور گھنٹہ بھر بھی آرام لینے کا موقع نہ ہوتا تھا۔ آپ کا مقصد عظیم کام خطرناک اور حالت نازک تھی۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان صورتوں میں آپ قافلہ کے ساتھ

معیت کر سکتے۔

یہ صحیح ہے جس کا عظیم الشان بھروسہ دل سے خدا کی مدد پر نہ ہوا سے کوئی چیز اذیت پہنچا سکتی ہے نہ اس بہادر پر کبھی خوف طاری ہو سکتا ہے وہ سو شیروں کا ایک شیر ہے اور سو بہادروں کا ایک بہادر ہے شیخ سعدی کی وہ حکایت جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یکے دیدم از عرصۂ رودبار   کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

بالکل صحیح اور درست ہے جس کے دل میں خوف خدا اور اسی پر بھروسہ ہے شیر کی ہرگز مجال نہیں ہے۔ کہ اس کو سواری نہ دے اور اس کے آگے غریب گدھے کی طرح نہ بن جائے۔ معمولی عقول ان باریک باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی جھجکیں گی۔ مگر جنہوں نے صوفیوں کے اقوال اور ولیاور (قوت تیقن) کی تاثیرات ملاحظہ کی ہیں۔ وہ ان باتوں کو کوئی بھی بڑا کام نہ سمجھیں گے۔ عربی داں واجب الاحترام صوفیوں کے اقوال دیکھ سکتے ہیں اور انگریزی خواں میڈم بلیوڈسکائی کی مصنفہ کتاب کا جو زیادہ تر دلیاؤ ہی کے بیان اور اس قیمتی اور قریب قریب لاینحل مضمون کی توضیح کیلئے لکھی گئی ہے دیکھ کر اور ساتھ ہی اس کے سمجھ کے اپنا اطمینان کر سکتا ہے صوفی ان کو خرق عادت اور کرامت کہتے ہیں۔

مولانا شہید چونکہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم تھے۔ انہیں نہ جنگل کی سنسانی نہ خبیث ارواح یعنی رہزنوں چوروں کی دستبرد اور درندہ جانوروں کی دہشت انگیز آوازوں کا کچھ ہراس تھا نہ دشمن دین والیان سکھوں کا چنداں خوف تھا جب آپ اپنے خیالات سے فرصت پاتے تو اپنے دل میں یہ خواہش تو ضرور کرتے

کہیں بیکار نہ مارا جاؤں میری سمان شیریں مسلمانوں پر صدقہ ہو اور جب اپنے عالی شان فرائض کی انجام دہی یا توحید پھیلانے کا خیال آتا تھا تو پھر سوائے خدا کے کسی مہیب چیز سے تل برابر بھی خوف نہ رہتا تھا۔

کیا ہم روزمرہ اپنی آنکھوں کے آگے نہیں دیکھتے کہ رذیلہ انفاس حیوانی جذبات کے آناً فاناً کس کس طرح مطیع ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں جبتک ان کے دماغ میں وہ جنون ہے دین و دنیا کا ہوش نہیں رہتا اور ایسی حالت میں ان سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جن کا حادث کبھی ان کی ذات سے ممکن نہیں سمجھا جا سکتا ہے جائیکہ پاک نفوس میں ربانی ذوق وشوق اور ملکیہ جذبات کا ابھار ہو پھر بھلا ارزل مخلوق میں سے ایسے کونسی چیز آب تاب پہنچا سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے بارہا اپنے محمدی بھائیوں سے اپنے سفر پنجاب کا بیان فرمایا اور اثنائے گفتگو میں یہ بھی تذکرہ کیا کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ شیر اور شیرنی بیٹھے ہیں اور میں اپنے خیال میں محو ان کے آگے سے چلا گیا۔ نہ شیر نے مجھے دیکھ کر میری طرف جست کی نہ میں نے یہ دیکھ کر خوف کھایا کہ یہ شیر ہے مجھے کھا جائے گا۔

اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ انسان کی آنکھ میں وہ کشش ہے اگر کسی جانور سے دو تین منٹ بھی ملی رہیں تو وہ جانور یا تو اپنی جگہ پر بیٹھا رہیگا یا زمین پر گر پڑیگا یا بدحواس ہو جائیگا۔ جب تجربہ سے آنکھ میں اس قدر مقناطیسی کشش ثابت ہو گئی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دل میں جو گذرگاہ جلیل اکبر ہے اس سے ہزار چند زیادہ کشش نہ ہو اور وہ جس پر توجہ کرے اسے پارہ نہ کر دے اس لحاظ سے ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی بات مانع نہیں آتی۔ کہ مولانا شہید کا دل پورا انسانی جوہروں سے سطرح آراستہ

تھا جس طرح کہ ربانی جلوؤں سے منور ہو رہا تھا۔ پھر بھلا یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ شیروں نے آپ پر حملہ نہ کیا۔ اور آپ بھیڑیوں کے غول میں سے نکل گئے انہوں نے کان بھی نہ ہلایا جب ایک بصیرانہ نظر انسانی جبروت پر ڈالی جائیگی۔ اور اس کی ماہیت پر دل کی آنکھوں سے دیکھا جائیگا۔ تو اس بات کا ثبوت پورا مل جائے گا۔ کہ انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کی ذاتی شرافت نے اُسے تمام کائنات پر فضیلت بخشی ہے۔ مولانا شہید کے سفر میں جن جن حوادث سے واسطہ پڑا تھا۔ اگر وہ مفصل بیان کئے جائیں اور ان کی ماہیت سے ناظر کو آگاہ کیا جائے تو گویا میں نے ناظر کو دھوکا دیا۔ اور اسے دیرینہ کرامتوں کے فسانہ کی بھول بھلیوں میں ٹپے ٹوئیاں مارتا ہوا چھوڑ دیا جہاں سے وہ فطرت کی گوناگوں قوتوں کی اصلیت اور نوعیت کو نہ سمجھ کر سخت پریشانی اور بے اطمینانی میں پڑ جائیگا۔ اس لئے میں ان واقعات کا ذکر نہ کرونگا۔ کیونکہ انہیں حل کرنے اور عام فہم بنانے میں جسقدر مجھے دقت پڑیگی اس سے کہیں زیادہ ناظر کو سمجھنے میں طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس لئے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ بیٹھے بٹھائے ناظر کو الجھن میں ڈالوں۔ بہتر ہے کہ دوسرے روشن اور صاف مطالب کی طرف اپنے قلم کو پھیروں

یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ دہلی میں مولانا شہید کے بعد کیا کیا افواہیں مخالفین نے بے پر کی اڑائیں اور اپنے شامت زدہ خیالات سے آپ کی والا ذات پر کیا کیا اتہامات عائد کئے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ پیارے شہید کا یہ سفر جسقدر نجی کا اور ذاتی تھا اسی قدر خاموشانہ تھا۔ وقت کی مصلحت ہرگز اسکی مقتضی نہ تھی کہ آپ اپنے سفر پنجاب کا تماشا کسی پر ظاہر کرتے یا یہ بھی بیان کرتے کہ میں سفر پنجاب پر روانہ ہونا

یوں جب محمدی گروہ میں سے یکایک مولانا شہید غائب ہو گئے اور مخالفوں کے جستجو کے بعد بھی نہ ملے تو انکی طبائع میں خلجان پیدا ہوا اور وہ اس راز سربستہ کی جستجو میں اپنی عقلیں دوڑانے لگے بہت سے مخبر خاص اس کام کی انجام دہی کیلئے مقرر کئے گئے کہ مولانا شہید کے شاگردوں سے جہانتک ہو سکے ان کا پتہ لگائیں آیا وہ کہیں جمنا میں ڈوب گئے یا خودکشی کر کے راہی ملک بقا ہوئے انکی پہلی کوشش یہ تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں مولانا شہید کے ہمدرد دین کے سامنے حاضر ہوئے اور انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں یہ دریافت کیا۔ حضرت کئی دن سے ہم نے شاہ اسمٰعیل صاحب کو نہیں دیکھا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ گھر میں نہیں ہیں تعجب ہے کہ وہ کہاں تشریف لے گئے اور یکایک ہمیں بے پناہ چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب خود متفکر تھے۔ اور انہیں اپنے پیارے بھتیجے کا یوں یکایک چلے جانے کا صدمہ سخت ہوا تھا۔ گو وہ یہ بخوبی جانتے تھے۔ کہ اسمٰعیل کا یوں سیدا جانا ضرور معنی رکھتا ہے اور اس میں اعلیٰ مقاصد کا مادہ مضمر ہے پھر بھی آپ کو خصوصیت سے محبت تھی آپ نے محض اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا تم پتہ لگاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے مجھے بھی اس کی اطلاع کر دینا۔

ناعاقبت اندیشوں نے اپنی خباثت طبائع کی بدولت یہ خیال کیا کہ شاہ صاحب جھوٹ بولتے ہیں انہیں ضرور معلوم ہو گا کہ وہ کونسا ہیں یہ نہ سمجھے کہ شاہ صاحب کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ اسی خیال سے جاتے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے اپنے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب اور اپنے خاندان کے ہر ممبر سے اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے نہیں اور جو شخص دریافت کریگا۔ انہیں کہنا پڑے گا۔

اور اگر وہ یہ کہیں گے مجھے معلوم ہے بتاتا نہیں تو نئے نئے شبہات لوگوں کو ہونگے اور تحیر تو ہیں اپنی نافہمی اور تذبذب طبائع کی بدولت لوگ کیا کیا خیال کرنے لگیں گے۔ یہاں سے مخالف ناامید ہوئے اور انہیں پتہ نہ لگا تو اب دوسری تدبیریں کرنی شروع کیں یعنی آپکے شاگردوں سے جا گھسے پہلے انکے معتقد بن گئے اور کچھ صدق دلی سے انہیں نذرانہ بھی پیش کیا۔ چار روز ہیں ان پاکیزہ طینت طلبا، کو ان چلتے پرزوں نے گانٹھ لیا۔ اور ایک دن ادھر ادھر کی باتیں ملاکر رونے لگے اور شاہ اسمٰعیل صاحب کے چلے جانے پر سخت افسوس کیا۔ اور کہا کہ ایسی حالت میں کہ شرک و بدعت کی اصلاح ہوتی چلی تھی شاہ صاحب کا دہلی چھوڑ کر یوں چلا جانا قہرناک ہے بغرض ایسی باتیں بنائیں جو انتہا درجہ کی ہمدردی سے بھری ہوئی تھیں اور ان میں دلسوزی سر تا پا پائی جاتی تھی۔ طلبہ نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب الہ آباد تشریف لے گئے ہیں۔ مگر یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ الہ آباد کیوں گئے ہیں۔ اتنا پتہ لگ جانا بھی انہوں نے اتنی فتح کی پیشین گوئی خیال کیا۔ اور ایسے راز سربستہ کے افشا ہونے پر وہ پھولے نہ سمائے۔ ان کے ظرف اس قابل تھے کہ وہ ان ناچیز کامیابیوں پر بغلیں بجائیں اور اپنی عقلمندی اس بے بنیاد خیالی کامیابیوں پر خیال کریں۔ انہوں نے یہ سنتے ہی کئی آدمی پوشیدہ الہ آباد دوڑائے کہ جا کر اسمٰعیل کی خبر لائیں۔ ڈیڑھ دو مہینے میں آدمی واپس آگئے اور انہوں نے صاف طور پر بیان کردیا وہاں اسمٰعیل نہیں گیا۔

اس تحقیق کے بعد خوفناک تذبذب ان کے دلوں میں پیدا ہوا اور اب وہ چاروں طرف ہکا بکا دیکھنے لگے کہ یہ معاملہ کیا ہوا۔ کبھی تو آپ سے آپ یہ خیال

کرکے خوش ہوتے ہیں کہ خدا نے ہمارے دشمن کو غارت کیا کبھی یہ قاتل اور فنا کر دینے والا خیال ان کے دل میں آتا ہے۔ خبر نہیں وہ اپنی کامیابی کی تدبیریں کرنے کیلئے ادھر اُدھر گیا ہوا ہوگا۔ ان دو متضاد خیالات سے ان کے دل پریشان تھے اور وہ حد سے زیادہ جستجو میں تھے جس طرح پتہ نکلے یہ نکالنا چاہیئے کہ آخر وہ غائب کہاں ہو گئے۔

اس جستجو کرنے والے گروہ کا لیڈر سب سے زیادہ دینا بیگ خاں تھا جس نے مولانا شہید کی بعد ازاں شہادت کی خبر سن کر جامع مسجد میں خوشی کی شیرینی عصر کی نماز کے بعد تقسیم کی تھی۔ اس کوتاہ اندیش کو بڑی جستجو تھی۔ اور اس نے اپنا صدہا روپیہ پیارے شہید کے پتہ لگانے میں صرف کر دیا تھا۔ کہیں مولوی فضل حق صاحب کے پاس لوگ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپکا دشمن خود بخود دہلی چھوڑ کر چلا گیا اب آپ دہلی آکر تشریف رکھیں وہ بیچارے ایسی شکست فاش کھا کر راہی خیر آباد ہوئے تھے کہ انہیں گوارا نہ ہوا کہ میں دہلی جا کر رہوں اس کے علاوہ رامپور میں انکی بیش قرار تنخواہ بھی ہو گئی تھی۔ نواب رامپور بھی آپ کے علم و فضل کا معتقد تھا۔ دینا بیگ[1] خاں اور امام عیدگاہ دہلی کی عجیب کیفیت تھی۔ جو شخص بھی انکے پاس کوئی جھوٹی خبر لاتا تھا اسے بھی دو ایک روپیہ دیا کرتے تھے۔ دینا بیگ نے تو عام طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ جو کوئی صحیح خبر اسمٰعیل کے مرنے کی سنا دیگا اسے پانسو روپیہ انعام کے دونگا معمولی طور پر کئی مہینہ تک یہ خبریں اڑتی رہیں کہ آج فلاں جگہ اسمٰعیل کی نعش دیکھی گئی ہے اور کل فلاں مقام پر ہم نے سنا کہ اسمٰعیل خودکشی کرکے مرگیا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ

---

[1] بیگ کے ساتھ خاں کا لفظ خطاب کا ہے جو مغلوں کو شاہ کی طرف سے ملتا تھا۔ ۱۲

اسمٰعیل کی چالاکی ہے آپ گھر میں بند ہو کر بیٹھ گیا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ میری نسبت لوگوں میں کیا کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور کیا کیا افواہیں اڑتی ہیں۔ یہ کبھی بھی کسی کو خیال نہ تھا کہ مولانا شہید نے اس عظیم الشان کام کیلئے سفر کیا ہے اور اس گرانبار فرض کی انجام دہی کیلئے اپنا دن کا چین اور رات کا آرام چھوڑ دیا ہے بھلا یہ خیال انکے دلوں میں آنے ہی کیوں لگا۔ اور وہ کیوں اس طرف متوجہ ہوتے لگے انہوں نے تو اپنی نافہمی سے پیارے اسمٰعیل کو دشمن اسلام سمجھ لیا تھا۔ اور یہ جانتے تھے قوم و ملک کی تباہی اسمٰعیل کی ذات سے ہوئی۔ بعینہ ان کی وہی مثال تھی جو کفار عرب کی رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ ہاں فرق اس قدر تھا کہ یہ لوگ مومن تھے۔ مگر حق کو زک دینے میں ان سے کم نہ تھے اس سے زیادہ ضد، اس سے زیادہ ہٹ دھرمی اس سے زیادہ تعصّب۔ اس سے زیادہ کمینہ پن۔ اس سے زیادہ بے ایمانی، اس سے زیادہ خلاف اسلام اور کونسا فعل ہوگا۔ کہ حاجی قاسم نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ کہہ دیا تھا جسے اسمٰعیل حرام کہے گا میں اسے حلال سمجھونگا۔ اور جسے وہ حلال بتائیگا میں اسے حرام خیال کرونگا۔ یہ دیکھ کر پھر کس کو شبہ رہ سکتا ہے۔ کہ پیارے شہید کو ہر طرح ستانے میں کوشش نہ کی گئی ہوگی اور سخت تنگ نہ کر دیا گیا ہوگا۔

دینا بیگ وغیرہ کی آرزو یہ تھی کسی طرح ہمیں صحیح خبر اسمٰعیل کی موت کی مل جائے تاکہ ہم کھیل کھیلیں اور پھر نئی نئی من گھڑت باتوں کے خیال کرنے کا موقع ملے مگر وہاں پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ وہ بیچارے بیچ بیچ کے بیٹھ رہے اور یہی پتہ نہ لگا کہ مولانا شہید کو زمین کھا گئی یا آسمان۔ بہرحال اس تذبذب آمیز خوشی میں بھی

وہ کسی قدر مطمئن تھے کہ اسمٰعیل خواہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے ہوں غرض دہلی سے تو چلے گئے یہی ہمارا مدعا تھا اور یہی ہمیں حاصل ہو گیا۔ کبھی نہ کبھی تو ہمیں خبر لگ ہی جائے گی۔ مخالفین کے یہ بے اطمینانی دل و دماغ کو تسلی بخش نہ تھی۔ نہ انکے روحانی اضطراب کو دفع کر سکتی تھی گو وہ اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ اب ہم یقینی اس امر کو سمجھ لیں کہ اسمٰعیل ہمیشہ کیلئے یہاں سے چلے گئے۔

سب سے زیادہ ایک لطیف بات جو یقیناً ناظر سوانح کی دلچسپی کا باعث ہو گی بیان کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صوفی نے دینا بیگ سے اپنا خواب آکر اس وقت بیان کیا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اس کی تھوڑی دیر بعد داخل دہلی ہونگے۔ وہ خواب بڑا ہی مذاق کا ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ صوفی نے درحقیقت خواب دیکھا تھا یا کچھ اینٹھنے کیلئے بطور خود تصنیف کر لیا تھا۔ مگر بظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوفی نے وہ خواب ضرور ہی دیکھا ہو گا۔ اور جب ہم اس کے خیالات دلی کا پتہ اور مولانا شہید کے حق میں خوش آئندہ پیش گوئی خیال کر سکتے ہیں خواب کا انحصار مفصلہ ذیل ہے۔

صوفی دینا بیگ سے بیان کر رہا ہے۔

"میں تہجد کی نماز پڑھ کر سو رہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جامع مسجد کے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور شاہ عبدالقادر جیلانی کا حجرہ میں دربار لگا ہوا ہے حجرہ کی وسعت آنکھوں میں نہیں سماتی ہزاروں آدمی دست بستہ حاضر ہیں اور بجائے صدر پر شاہ عبدالقادر جیلانی جلوہ افزا ہیں۔ ربانی جلوے کی حجرہ میں ایسی کثرت ہے گویا کئی آفتاب آ کر بند ہو گئے ہیں اس روشنی پر بھی کسی کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں ہوتی

۵؎ تحفہ عزیزی صفحہ ۱۹۵-۳۹۵-۱۲

آفتاب کی سی تیزی اس روشنی میں نہیں ہے۔ بلکہ چاند جیسی خنکی پائی جاتی ہے میں شاہ عبد القادر جیلانی کے بہت ہی قریب ہوں ہم سب فرحاں و شاداں ہیں ایک کیفیت آرہی ہے جس کے لطف کو میں تازیست نہ بھولونگا۔ ہر قسم کا ذکر ہو رہا ہے مگر لطف یہ ہے کہ ایک شخص بولتا ہے۔ اور معہ پیر دستگیر سب توجہ اور شوق سے سنتے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں ایک شخص نے جو میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اسمٰعیل کا ذکر ہتک آمیز الفاظ میں کرنا شروع کیا۔ قاعدہ کے موافق سب سنتے رہے جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا شاہ عبد القادر جیلانی نے فرمایا ہم نہیں چاہتے کہ ہماری مجلس میں ایسے شخص کا ذکر ہو جو دین خدا کا دشمن ہے۔ اور اس نے اسلام کے مٹانے میں کمر باندھی ہے۔ یہ سن کر ذاکر نے عرض کیا اس نظرے میں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہماری اس خوش صحبت میں دلچسپی بڑھے بلکہ یہ موقع غنیمت جان کر عرض پرداز ہوں کہ ایسے سرکش دشمن ایمان کو حضور کے دربار سے سزا ملنی چاہیئے اس نے دین خدا میں رخنہ ڈال رکھا ہے۔ اور آپ جیسوں کی نسبت کلمات توہین آمیز کہتا ہے یہ کہہ کر وہ چپ ہو رہا۔ پھر شاہ عبد القادر جیلانی نے اس سے کہا تو نہیں جانتا ہم نے اس کے قدموں کو دہلی کی سرزمین سے کاٹ دیا ہے۔ بلکہ وہ کبھی کا دنیا سے کبھی رخصت ہو چکا ہے۔ واقعی مجھے گوارا نہ تھا۔ کہ ایسا رخنہ انداز اسلام زندہ بچے ابھی شاہ عبد القادر جیلانی یہ فرمانے بھی نہ پائے تھے کہ یکایک ایک خوفناک صدا سنائی دی اور حجرہ کی چھت ہم سب پر آپڑی۔ اس صدمہ سے میں نے ایسا غل مچایا کہ میری آنکھ کھل گئی اور کل گھر والے میرے ساتھ اٹھ بیٹھے"

یہ سنتے ہی دیناجگ بہت خوش ہوئے پیر دستگیر کی بشارت اور چھت کا گرنا انہوں

نے اپنی عقل کے مطابق پیارے شہید کے ناپید ہو جانے کا ثبوت سمجھا۔ لیکن یہ خیال نہ کیا ایسے بلے دلوں پر خدا کی طرف سے چھپت لگائی گئی جو سچے حامی دین متین اور نبی اکرمؐ کے پیارے کو رخنہ انداز کہیں۔ بہر حال صوفی کے خواب کے ٹکے سیدھے ہو گئے اور ان کے قول پر اعتبار کر کے دنیا بیگ نے کچھ زر نقد عنایت کیا۔

اس معاندانہ روح کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس پر یہ حالت گو پوری نہ سہی مگر کسی قدر گزر چکی ہو وہ جان سکتا ہے کہ انسانی فطرت کی مایوسی جب چاروں طرف مخالف دکھائی دیتے ہیں کس درجہ تک بڑھ جاتی ہے قصہ مختصر یہ کہ جس دن مولانا شہید داخل شہر دہلی ہوئے تھے۔ افواہوں کا یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا جس کی نظیر ہندوستان کی تواریخ میں اور کہیں ملنی مشکل ہے۔

پیارے شہید کے داخل شہر ہوتے ہی مخالفوں نے ایسی چپ کھینچی۔ گویا انہیں سانپ سونگھ گیا اب وہ حیران تھے کہ یہ بھید کیا ہے خبریں تو ایسی گرم گرم اڑ رہی تھیں اور یہ یکایک زندہ آ کہاں سے پہنچے۔

غرض علاوہ وعظ و تعلیم کے مولانا شہید نے سکھوں سے انتقام لینے اور مسلمانوں میں توحید پھیلانے کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ آپ اپنے ہم خیال کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ اور جانتے تھے کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ اس کام میں سرگرم ملے تو میں اس کا مطیع بن کر اس سخت فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہوں یہ ظاہر تھا کہ ایک غیر معمولی پر جوش شخص جیسا مطیع بن کر محتاط بن سکتا ہے۔ اور قابل تحسین کام کر سکتا ہے بطور خود حکمران ہو کر ہرگز نہیں کر سکتا۔ کہیں اسے اپنے عہدے کا خیال ہوتا ہے اور کہیں سے مختلف دقتوں کی پیچیدگی میں پڑ کر ان سے نکلنے کا تصور بندھا رہتا ہے کہیں اپنی کامیابی

کے لئے نئی نئی صورتیں نکالنی پڑتی ہیں کہیں عظیم الشان مشکلوں کو جو اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں اٹھانا پڑتا ہے یہ سارے خیالات یہ سارے منصوبے یہ ساری تدبیریں اسی وقت تک عمل میں آسکتی ہیں کہ جب وہ انسری کے گراں زبار سے سبکدوش ہو اور کسی لائق شخص کی ماتحتی میں ہو کر کام کرے پیارا شہید خوب سمجھتا تھا کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جم سکتی اور یہ کام جب تک کہ اس میں مدت مدید نہ صرف کی جائے کبھی نہیں نکل سکتا۔ یہ مانا کہ آپ کی بے آرام روح اور غیر معمولی اصلاح اور انتقام کا اشتیاق لحہ بہ لحہ طبیعت کو گدگدا تا تھا مگر دور اندیش عقل اور سنجیدہ فکر اس کی بے چینی کو حد اعتدال سے نہ گزرنے دیتا تھا آپ کے سب سے زیادہ مشیر اور آپ کی سرگرمی میں جان ڈالنے والے مولانا عبدالحی صاحب خویش شاہ عبدالعزیز صاحب تھے روزمرہ مشورہ ہوتا تھا اور نئی نئی باتیں اپنی کامیابی کی سوچی جاتی تھیں۔

ایک دن مولانا عبدالحی صاحب سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شاہ عبدالقادر صاحب کی مسجد میں مقیم تھے۔

آپ ۱۸۱۶ء کے اختتام پر اول ہی بار دہلی میں تشریف لائے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے قرآن و تفسیر و حدیث کی تعلیم پائی تھی۔ عموماً لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے گو آپ کو ظاہری علم سے بہت کم حصہ ملا تھا۔ مگر آپ کا دل ربانی جلوؤں سے منور رہا تھا۔ اور آپ کے دل میں بھی سکھوں سے انتقام لینے اور توحید پھیلانے کا از حد شوق تھا۔ آپ کا اتقا اور صفائی قلب اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ بڑے بڑے علماء آپ کے معتقد بن گئے۔ جب سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو دیکھا اپنی بے مثال قوت قلب سے آپ کے دل پر اثر ڈالا۔ اور وہ

صرف یہ تھا کہ اپنے خیالات جو بالکل نتھرے ہوئے اور پاکیزہ تھے مولانا موصوف پر ظاہر کئے اور بہت سی باتیں ان منصوبوں کے متعلق بیان کیں یہ سنتے ہی مولانا موصوف سید احمد صاحب پر فریفتہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ جس راہ نما کی ہمیں تلاش تھی وہ مل گیا۔ اس سے بہتر چراغ لے کر اگر ڈھونڈیں گے تو نہ ملے گا۔ طبیعت کا بے لوث پن اور پاکیزگی عموماً ایسے نفوس بہت جلد قبول کر لیتی ہے۔ جو اس کے خیالات کے مطابق ہوں خواہ وہ ایک معمولی زبان سے کیوں نہ نکلیں بر خلاف اس کے سید احمد صاحب غیر معمولی ذکاوت اور لاثانی لیاقت کے شخص تھے۔ آپ کی دوراندیش طبیعت کی ایک متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے۔ پھر بھلا اس سے کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو اتنی جلدی اپنا شیدا بنا یا جتنی جلدی سنگ مقناطیس سوئی کو اپنی طرف گھسیٹ لیتا ہے۔ جب مولانا موصوف دل سے سید احمد صاحب کے والہ و شیدا بن گئے تو آپ نے پیارے شہید کو جا کر یہ سارا ماجرا بیان کیا اس عرصہ میں مولانا شہید یوں تو کئی بار سید احمد صاحب سے مل چکے تھے لیکن خاص استفادہ کے ارادہ سے کبھی حاضر خدمت نہ ہوئے تھے آپ نے یہ سنتے ہی فرمایا مجھے اس عظیم الشان فرض کی انجام دہی میں سید احمد صاحب کی متابعت لازم ہے۔ اور ہمارے مقاصد کا بر آنا اور ہماری امیدوں کی کامیابیاں صرف سید احمد صاحب کو اپنا امیر بنانے میں حاصل ہوں گی۔

نادیدہ جمال او بہش بدلم سر زد ناکاشتہ مہر دید دانا نہ چنیں باید

دوسرے دن مولانا عبدالحی صاحب اپنے پیارے شہید کو لائے اور بہت سی رازدارانہ باتوں کی بابت مولانا اسمٰعیل صاحب نے سید احمد صاحب کی خاص باتوں میں اطاعت

قبول کی اور سنت نبوی کے مطابق بیعت کی اس بیعت کی نسبت ایک متعصب انگریز

مورخ یہ لکھتا ہے۔

"سید احمد صاحب کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے کہ جو اپنی لاثانی ضمیری جوہر دل

اور قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے۔ یہ دونوں فرد اکمل دہلی کے سب

سے بڑے ڈاکٹر (حکیم) یا فاضل اجل کے کنبہ سے تعلق رکھتے تھے جس نے انہیں

بطور خود اپنی ہی نگرانی میں مذہبی تعلیم دی تھی۔ یہ دونوں مذہبی رنگ سے رنگے ہوئے

تھے۔ اور ان کے اصلاح پھیلانے کے جوش اور توحید کی اشاعت نے انہیں

سید احمد صاحب کا مرید بنا دیا تھا"

اس احترام اور اعتصام نے جوان فضلائے دہر اور حکیمائے عصر نے اپنے

ناخواندہ پیر کا غیر معمولی ادب سے کیا۔ اور بھی سید احمد صاحب کی شان کو بڑھا

دیا۔ اور آئندہ ان کے ارادوں میں جان ڈال دی۔ ان کی عربی کے علم و ادب اور

علوم مختلفہ سے عظیم الشان واقفیت نے عام طور پر انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے

امیر کی مجددیت کے لقب کی جس کو انہوں نے خود قبول کر لیا تھا۔ بہت زور شور

سے تائید کریں اور لوگوں سے منوائیں اس عقیدہ کے مطابق کہ خدا وقتاً فوقتاً اپنے

بندوں کی اصلاح کے لئے امام اور مجدد یا راہنما یا مصلح بھیجتا رہتا ہے۔ تاکہ اس

کی مخلوق کا ایمان ضعیف نہ ہونے دیں اور انہیں ایک حد تک قائم رکھیں۔ انہوں

نے یہ ثابت کیا ہے کہ سید احمد صاحب میں یہ تمام صفتیں اور نشانیاں پائی جاتی

ہیں۔ اور وہ خدا کی طرف سے توحید پھیلانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اول بڑی بات

لہ دی انڈین مسلمان ہنٹر ۵۲-۵۲

یہ تھی کہ سید احمد صاحب سید تھے آپ کے مذہبی وجدان کے انبساطی جوہر دل سے تھے جس زمانہ میں ان دو بزرگوں نے اپنے امیر کو ان بارہ اماموں میں سے تشبیہ دی جو دنیا میں تجدید توحید کے لئے آئے اور دنیا کو راہ راست پر لائے بعض ہندی مسلمانوں کے عقائد کے مطابق چھ امام آئے اور چار آئیں گے اور یوں ہی اصلاح کریں گے۔ اس پاک سلسلہ میں سید احمد صاحب کا دسرا نمبر شمار ہوتا ہے خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ نبی اکرم کی چہیتی بیٹی فاطمہ زہرا اور آپ کے معزز سرتاج حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے ملاقی ہوئے ہیں جو آپ کے معزز بزرگ تھے بیٹے کے موافق انہوں نے سید احمد صاحب پر نوازش کی اور خوشبوؤں سے آپ کو نہلایا اور شاہانہ پُرجلال پوشاک پہنائی"۔

بہر حال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں جو انسان بھیجا گیا ہے۔ خواہ ادنے بنانے یا اعلےٰ بنانے کو اسے ضرور قوانین قدرت کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخرالزمان نبی تھے اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے اگر آپکی خواہش ہوتی تو بلا زحمت خدا میں یہ قدرت تھی کہ کفار کے دلوں کو آپ کی طرف پھیر سکتا تھا۔ مگر منشائے الٰہی اس سے ساقط ہوتا تھا۔ اس نے نبی اور سب سے پیارے نبی کو بھی مجبور کیا کہ قوانین قدرت کی پیروی کرے۔ اور ان پر اس طرح پابند ہو جیسے عام آدمی ہوتے ہیں یہ ایک بڑی حکمت تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا کا انتظامی ڈھانچہ بھی کا توڑ مروڑ کر رکھ دیا جاتا۔ اسی طرح سید احمد صاحب کی زیادہ کامیابی صرف پیارے شہید اور دوسرے درجہ مولانا عبدالحی صاحب کے معتقد بننے سے ظہور پذیر ہوئی۔ والا حسبی اور اعلیٰ نسبی اور اس پر شرافت علمی نے پیارے شہید کو سید احمد صاحب

کا جان نثار معتقد بنا دیا۔ سید احمد صاحب اگرچہ کامل عالم نہ تھے۔ پھر بھی آپ کے دل پر القائے ربانی کا پرتو پورے طور سے پڑا ہوا تھا۔ اور آپ کی انتظامی حالت میں جان ڈالنے کے لئے شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحی صاحب حکمائے عصر کی ضرورت تھی۔ جن کی تقریروں نے ایک تہلکہ ہندوستانی سرحدوں میں ڈال دیا تھا۔ اور جن کے زبردست اثر نے نیا رنگ سید احمد صاحب کی کامیابی پر چڑھا دیا تھا۔ غرض جب پیارے شہید کو اطمینان ہو گیا۔ اور آپ نے اپنی تدبیروں اور نتھرے ہوئے خیالات کا بازگشت پالیا تو اب دوسری تدابیر میں سید احمد صاحب کے مشورہ سے مصروف ہوئے آپ کی غامض نظریں اور عمیق خیالات ان رازدانہ مصلحت کا مادہ مضمر رکھتے تھے۔ جنہیں سوائے سید احمد صاحب اور پیارے شہید کے یا مولانا عبدالحی صاحب کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ پولٹیکل معاملات کی پیچیدگیوں کا بار جس کی گردن پر پبلک لائف میں قدم رکھتے ہی رکھا گیا تھا وہ اسمٰعیل تھا جس نے تحمل سے اس بار کو سہارے رکھا اور جب تک اس کے بنا ڈالی معتقدوں نے بے اعتدالی نہ کی۔ اور جب تک اس کی جان میں جان باقی رہی اس وزنی بوجھ کو اپنی گردن پر سے ماندہ ہو کے نہ اتارا۔

آٹھواں باب

جہاد کی تدبیریں بعض واقعات کا ذکر

ہم پہلے بابوں میں لکھ آئے ہیں کہ مولانا شہید نے لوگوں کے دلوں پر نادرالوجود فتوحات علی التواتر حاصل کی تھیں۔ اور آپ کا اثر نہ صرف عوام الناس تک محدود رہا تھا۔ بلکہ بڑے بڑے شہزادے اور امرا بھی آپ کی بابرکت ذات کو مسلمانوں کے حق میں اکسیر جانتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے آخر کار یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اگر مولانا اسمٰعیل کا ظہور نہ ہوتا دہلی میں سے تو خصوصاً شرک وبدعت نہ مٹتی۔ اس قابل تحسین کامیابی نے آپ کے رازدارانہ ارادہ ومقصد میں جان ڈال دی۔ اور جس دن شہر دہلی میں یہ خبر ہوئی کہ مولٰنا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی نے سید احمد صاحب سے بیعت کی ہے پھر کیا تھا۔ ہزاروں آدمی آنے لگے اور صدق دلی سے آپ کی بیعت سے مشرف ہونے لگے نہ ہزار کی گنتی تھی اور نہ دو ہزار کی ہر وقت مکان میں ایک مجمع سا لگا رہتا تھا اور معتقدین کے جوق در جوق سرگرمانہ اعتقاد سے اپنے استاد کے پیر کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی نجات آخرت سمجھنے لگے تھے۔ جب دہلی میں زیادہ کامیابی ہوئی تو سید احمد صاحب قرب وجوار میں روانہ ہوئے۔ مولانا شہید ہم رکاب تھے۔ آپ کے پر اثر وعظ سامعین کے کلیجوں کو ہلا دیتے تھے اور انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہوں۔ اس وقت کئی سو آدمی ایسے بھی منتخب کئے گئے جو جوان اور مرد میدان

تھے۔ اور جن کی ذات پر میدان جنگ میں بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہ ایک پوشیدہ اور چھپی ہوئی کارروائی تھی جس کا حال کسی پر روشن نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی تک نہ علانیہ طور پر کسی کو یہ علم تھا کہ سید احمد صاحب اور آپ کے دوست یا مرید اسمٰعیل صاحب کا کیا ارادہ ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لئے جتنی صائب رائے اور جرأت و شجاعت کی ضرورت تھی۔ اسی قدر کثیر التعداد آدمیوں اور بے انتہا سامان کی حاجت تھی۔ اور یہ ضرور تھا کہ اس ارادہ سے عام ہندوستان کے مسلمان ہمدردی کریں۔ اور ہر متنفس اپنی حیثیت کے موافق سکھوں سے انتقام لینے میں مجاہدین کی مدد کرے۔

سید احمد صاحب گو اعلیٰ درجہ کے روشن دماغ اور مدبر تھے لیکن حقیقت میں آپ کی ہمت میں جان ڈالنے والے اور آپ کی تدابیر میں نئی بات پیدا کرنے والے اسمٰعیل اور عبدالحی تھے سید احمد صاحب کے خلق اور اتقا نے ان دو فضلائے دہر کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اور یہ اس طرح سے سید احمد صاحب کی خدمت کرتے تھے گویا اُن کے حلقہ بگوش یا زرخرید غلام ہیں۔ باہم مشورہ ہونے کے بعد طے پایا کہ مختلف شہروں میں مختلف آدمی روانہ کئے جائیں تاکہ وہ سید صاحب کے ارادہ سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور جو کچھ ان سے وصول ہو وہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ جب یہ کام تمام ہو چکا تو سوا سو آدمیوں کے ساتھ سید احمد صاحب نے خود بھی سفر کیا۔ اور آپ انگریزی عملداری میں ہوتے ہوئے شیعوں کے دارالخلافہ میں پہنچے۔ قصبہ نصیر آباد میں جہاں محترم سید اپنے بھائی اسحٰق کی وفات پر تشریف لے گئے تھے شیعوں کے مجتہد سے خفیف سی رنجش ہو گئی تھی گو بعض سوانح نویسوں نے اسے شاعرانہ

مبالغہ سے بیان کیا ہے۔ مگر وہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ صرف دیرینہ مذہبی کدورت کی ایک قابل شرم وجہ تھی جس نے سلطنت لکھنؤ کو خواہ مخواہ تہلکہ میں ڈال دیا۔ سید صاحب کے پاس گو نصیر آباد میں گنتی کے آدمی تھے۔ مگر ان کے مریدین کی کثیر تعداد دہلی میں پڑی ہوئی تھی۔ تبرا جس کی مذہبی بنیاد شیعہ مذہب میں کہیں سے ثابت نہیں ہوتی شیعوں کی حکومت میں برملا کہا جاتا تھا اور کوئی منع نہ کرتا تھا۔ محرم کے دنوں میں سید احمد صاحب اپنے وطن مالوفہ میں پہنچے تھے۔ اور یہی دن طوفان بے تمیزی کے برپا ہونے اور بزرگوں کو گالیاں دینے کے بہت مشہور ہیں۔ وہ لوگ سالہا سال سے عادی تھے کہ سر بازار تبرا کریں۔ اور سنیوں کو کہہ جاویں۔ مولوی حیدر علی صاحب جو مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب کے سالے تھے اور قصبہ میں چند ماہ سے مقیم تھے انہوں نے پانچویں تاریخ محرم الحرام سنہ ۱۲۴۱ھ سید صاحب کو دوستانہ رقعہ لکھ کر اطلاع دی کہ یا تو اپنے بھائی سنیوں کو لے کر چار پانچ روز کے لئے باہر شہر سے تشریف لے جاویں یا اگر آپ کو یہیں رہنا ہو تو اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھو ورنہ باہمی کشمکش سے نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ مومنین (یعنے شیعہ) اپنے فرائض مذہبی ادا کرنے کے لئے آزاد ہیں ان کا اس دینی کام میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ جوں ہی اس مضمون کا رقعہ مولوی حیدر علی صاحب کا محررہ سید کو پہنچا آپ نے مولوی اسمٰعیل کے آگے رکھ دیا۔ اس کا کیا جواب ہے۔ یہ لوگ اپنی حکومت پر غرہ ہیں پیارے شہید نے دور اندیشانہ یہ جواب دیا۔ ہمیں شیعوں کی کمزوری در

بزدلی کا بخوبی علم ہے یہ رقعہ صرف گیدڑ بھبکی ہے۔ یہاں ان کا اتنا زور بھی نہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ دین کے لئے ہم کوئی چشم زخم اٹھائیں انہیں لکھ دیا جائے کہ یا تو ہم سے عام مجمع میں آپ مناظرہ کرنے پر راضی ہوں ورنہ ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں اگر بازاروں یا سربستہ کوچوں میں ذرا بھی ہرزہ سرائی کی اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کی پھر ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ رقعہ کا یہ گرم جواب دیکھتے ہی مولوی حیدر علی صاحب تو جان کے خوف سے اسی دن شب کو لکھنؤ بھاگ گئے اور اپنے مریدوں یا معتقدوں کو خبر نہ کی کہ سید احمد صاحب یوں آمادہ ہیں انہوں نے حسب معمول تبرا بازاروں میں کہنا چاہا تھا مگر سنیوں کی آمادگی سے رک گئے اور اب انہوں نے نہ کوئی مجلس کی نہ تعزیہ داری اور آخر کار ایک ڈپوٹیشن لکھنؤ غازی الدین حیدر کی خدمت میں روانہ ہوا۔

سید صاحب اور ہمارے شہید کو شیعوں سے کچھ پرخاش تو تھی ہی نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں ستاتے اور ان پر حملے کرتے ہمارے شہید اور واجب الاحترام شہید کے بزرگ چچا شاہ عبدالعزیز صاحب تو اکثر اپنے وعظ میں شیعوں اور شیعی مذہب کا ادب سے ذکر کرتے رہتے تھے۔ اور یہی بہت بڑی تہذیب ہے۔ کہ مخالف کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ ہاں اس کے مقابل میں شیعوں کی تلخ تر عداوت کی کوئی بھی انتہا نہ تھی۔ وہ سنیوں کو ایذا دینا اور انہیں خدا واسطے ستانا اپنے دین میں سکھوں کی طرح افضل اور اعلےٰ کام خیال کرتے تھے اس عرصہ میں سید صاحب تو مع اپنے معتقدوں کے بریلی چلے آئے اور شیعوں کا ڈپوٹیشن روتا پیٹتا لکھنؤ پہنچا۔ یہاں مولوی دلدار علی صاحب جو شیعوں

کے قبلہ وکعبہ اور مجتہد وقت تھے. تشریف رکھتے تھے ۔ وہ اپنے معتقدوں سے بھی زیادہ سنیوں کے خون کے پیاسے تھے. شاہ اور دربار پر ان کا کا بہت بڑا اثر تھا۔ اور وہ جانتے تھے ۔کہ اودھ میں میری حکومت ہے. ساتھ ہی اس کے علم وفضل میں بھی اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے تھے۔ اور ادیب بھی بہت بڑے تھے۔

انہوں نے ڈپوٹیشن کی حسرت ناک حالت پر آنسو بہائے اور کہا ہمارے قصبہ میں ہم ہی پر خارجی (شیعہ سنیوں کو کہتے ہیں) ایسے چیرہ دست ہو جائیں کہ مومنین اپنے فرائض مذہبی کی انجام دہی نہ کر سکیں۔ اور یوں خوفزدہ فریادی یہاں بھاگے ہوئے آئیں۔ پہلے مجتہد صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور شیعوں کی زاری دیکھا پر بعد ازاں تسلی دی اور یقین دلایا کہ سید احمد اور ان کا جید مرید اسمٰعیل قتل کیا جائے گا اگر شاہ نے پہلوتہی کی تو میں تمہارا ساتھ دوں گا. ورنہ یہ تو تم جانتے ہو تمہارا منتظم حقیقی امام حسین شہید کربلا ہے جو تمہاری نجات کا باعث ہو گا جس کی مقدس شہادت پر ہماری نجات موقوف ہے بظاہر مجتہد صاحب کے بھبھیتے ڈپوٹیشن کے آنسو پونچھ رہے تھے. مگر ان کا دلی اطمینان تو جب ہی ہوتا جب وہ اپنے دانتوں سے سنیوں خصوصاً اسمٰعیل کی بوٹیاں چبا تے

قصہ مختصر یہ کہ مجتہد صاحب خود سکھا پڑھا کر ڈپوٹیشن میں سے دو چرب زبان آدمی اپنے ساتھ لے گئے اور غازی الدین حیدر سے کل کیفیت عرض کر دی پھر ممبر داران کے اظہار دلوائے یہ سنتے ہی شاہ لکھنو سخت غضبناک ہوا سنیوں کے نام پر دانت پیسنے لگا۔ اور اس نے قسم کھا کر کہا میں ابھی پہلے اپنے ہی

شہر میں سنیوں کو قتل عام کا حکم دیتا ہوں۔ ادھر ڈیپوٹیشن کا زاری کرنا ادھر مجتہد وقت کا زور ڈالنا ایسا معمولی نہ تھا۔ کہ شیعہ متعصب جیسے شاہ کے دل پر اثر نہ ہوتا اس کا خشمگین چہرہ ایسا خوفناک ہو گیا تھا۔ کہ تھوڑی دیر تو خود مجتہد صاحب ہی بات کرتے ہوئے ڈر رہے۔ نواب معتمد الدولہ نائب سلطنت خاموش کھڑا ہوا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا۔ دیکھئے مجتہد سلطنت کو رکھتا ہے۔ یا اس کی اینٹ سے اینٹ بجوا دیتا ہے چند منٹ تک شاہ پیچ تاب کھاتا رہا۔ بعد ازاں اس نے معتمد الدولہ کو حکم دیا۔ کہ افسر فوج کے پاس حکم بھیج دو کہ توپوں سے سنیوں کے محلے اڑا دے۔

یہ سن کر معتمد دلہ کی اور بھی سٹی گم ہو گئی اور اب اس کا قافیہ تنگ ہوا کہ اس کا کیا جواب دوں۔ جب نائب سلطنت نے غیر معمولی سکوت کیا تو شاہ اودھ نے زور کی آواز میں کہا کہ جواب کیوں نہیں دیتا۔ اور میرے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتا۔" نائب نے ہاتھ باندھ کر نہایت آہستہ لہجہ میں یہ کہا مجھے حضور کے حکم کی تعمیل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اگر میری جان بخشی ہو (حکم دیا منظور ہے) تو میں یہ عرض کرتا ہوں حضور منصف ہیں دولت انگلشیہ میں حضور کے عدل کی بڑی دھوم ہے اگر یہ سانحہ پیش آیا تو لندن تک ایسا تہلکہ پڑ جائے گا۔ اور خبر نہیں کیا آفت بپا ہو ہزاروں بیگناہ جانوں کا آناً فاناً میں یوں فیصلہ کر دینا کونسا مذہب صحیح بتاتا ہے۔ ان بے گناہوں میں بچے بھی ہیں حاملہ عورتیں بھی ہیں جب ان کو قتل کیا جائے آپ اس کا جواب روز جزا حضرت امام حسین شہید کربلا اور جناب امیر کے آگے کیا دیں گے۔ دوسرے حضور کی فوج کے اکثر افراد بہت

بڑا حصہ سنی ہے۔ تیسرے ایسی خونریزی خلاف معاہدہ سرکار انگریزی ہے جب یہ متواتر دو تین وجوہات غازی الدین حیدر نے سنیں نواب اس کی آنکھیں کھلیں غصہ بھی کچھ فرو ہو گیا۔ اور اب اس نے چند منٹ تک سکوت کیا۔ مولوی دلدار علی صاحب قبلہ وکعبہ بھی سناٹے میں آئے۔ بڑی دیر کے بعد مہر سکوت ٹوٹی اور پھر شاہ اودھ دھیمی آواز سے یہ گویا ہوئے۔ آخر اس ظلم کا جو مومنین پر توڑا گیا ہے کیا چارہ کرنا چاہیے اور ان کے زخم کا اندمال کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر معتمد الدولہ بہت خوش ہوا اور اس نے دلیری سے یہ جواب دیا ہاں یہ بات فکر کرنے اور باہمی مشورہ پر موقوف ہے۔ نائب السلطنت کے اس سفارش کرنے سے نہ صرف بے چارے سنیوں کی جان بچی۔ بلکہ خود سلطنت اودھ بچ گئی۔ ورنہ انگریز اس خونریزی پر لکھنو کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔

اس گفتگو اور سوال وجواب کے بعد معتمد الدولہ غازی الدین حیدر کے پاس گیا۔ اور عرض کیا اگر حضور اجازت دیں تو میں سید صاحب کو بلا لوں تاکہ آپ فاضل اسمٰعیل کا وعظ جس کا بارہا حضور نے شوق ظاہر فرمایا ہے سنیں اور ساتھ ہی اس کے حضور ظل اللہ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ جن پر مجتہد وقت نے یہ الزامات قائم کئے ہیں۔ وہ کیسے مہذب اور شائستہ ہیں۔ یہ سن کر شاہ نے حکم دیا تم ضرور بلا لاؤ۔ میں حکمران ہوں میری ایک آنکھ سنی اور دوسری شیعہ ہے اگر ان میں کوئی جھگڑا ہو گیا۔ تو آئندہ میں بے رورعایت فیصلہ کیا کروں گا۔

معتمد الدولہ نائب السلطنت نے رائے بریلی میں سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور لکھا حضور اپنے مبارک قدموں سے لکھنو کو بدنصیب ومحروم

نہ رکھیں گے اور اپنے مریدوں کے سحر آمیز وعظوں اور صداقت سے بھری ہوئی تقریروں سے ہمیں بھی اشرف بخشیں گے شاہ چشم براہ ہے اور حضور سے نیاز حاصل کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے۔

جوں ہی یہ عریضہ پہنچا سید صاحب متفکر ہوئے کہ چلیں یا نہ کیونکہ وہ سن چکے تھے۔ مولوی حیدر علی صاحب بھاگ کر چلے گئے تھے۔ اور دہلی مشن بھی کبھی کا پہنچ چکا ہوگا۔ ایسا نہ ہو ہمارے ساتھ دھوکا کرنا چاہئے۔ اور ہمیں غفلت میں ہلاک ہونا پڑے۔ سید صاحب کا یہ خیال حقیقت میں نہایت ہی محتاط اور دور اندیشانہ تھا۔ پیارے شہید اور مولوی عبدالحی صاحب نے اس پر بہت غور کیا پھر آئندہ شہید نے یہ کہا کچھ خوف کی بات نہیں ہے۔ ضرور ملنا چاہیے۔ شاہ خلاف وعدہ نہیں کر سکتا۔ جو سرکار انگلشیہ سے ہو گیا۔ دوسرے وہاں سنی بھی بہت ہیں۔ تیسرے فوج کا بہت بڑا حصہ سنی المذہب ہے ہمیں وہاں چلنے سے فائدہ بہت ہوگا۔ یہ باتیں سید صاحب کی سمجھ میں آ گئیں۔ اور اب آپ نے رائے بریلی سے لکھنو جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ زیادہ آدمی ہمراہ لے جانے خلاف مصلحت دیکھے۔ مبادا شاہ لکھنو کو بدگمانی ہو۔ دوسرے اتنے آدمی وہاں لے جانے سبب منافع بھی نہ تھے۔ کیونکہ جہاں سید صاحب تشریف لے گئے اور مولوی عبدالحی نے وعظ فرمایا بس ہزاروں آدمی معتقد ہونے لگے۔ پھر کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑ بھگے کے ساتھ جا کر اپنے کو انگشت نما بنائیں۔

آپ نے اپنے روانہ ہونے کی اطلاع معتمد الدولہ کو کر دی۔ لکھنو میں ایک ہلچل مچ گئی کہ اسمعیل آتا ہے۔ یہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ پیارے شہید کی جس

قدر دھوم شہر بشہر مچ رہی تھی۔ نہ سید احمد صاحب کی اتنی شہرت تھی۔ نہ عبدالحی صاحب وغیرہ کی بچپن ہی کے زمانہ میں شہر بشہر لوگ آپ کی ذہانت اور علمیت کا چرچہ کرنے لگے تھے۔ اور جب آپ نے وعظ کہنا شروع کیا تو دو تین ہی برس کے عرصہ میں چار پانچ کروڑ مسلمانوں میں قریب قریب آپ کی شہرت یا ناموری ہو گئی تھی۔ سید احمد صاحب آپ کے پیر تھے۔ مگر ان خواص کے سوا عوام بہت ہی کم جانتے تھے۔ لکھنو کے گلی کوچہ میں یہ دھوم ہو گئی۔ اسمٰعیل مناظرہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ مجتہد وقت مولانا دلدار علی صاحب تھے۔ ان کا گھر بھی مرجع خلائق ہو گیا تھا۔ اور ہر شخص مناظرہ کے لئے مجتہد صاحب کو آمادہ کرتا تھا مجتہد تو سناٹے میں تھے کہ کیا بندوبست کرنا چاہیے اور معمولی لیاقت کے طلباء جامے سے باہر ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے ہم اسمٰعیل کو باغ فدک کا سوال کر کے بند کر دیں گے۔ کہیں لکھنو کے چانڈو خانوں میں اسمٰعیل کی آمد آمد کی خبریں نئے نئے لباس میں اڑتی تھیں اور پھر وہاں سے اعجوبہ رنگ میں رنگین ہو کے شہر میں پھیلتی تھیں ساتھ ہی اس کے یہ سخت حیرت انگیز مقام ہے کہ ہر خبر میں ہمارے شہید کی وقعت اور جلال علمی مخالفین کے دلوں کو تھرّاتا تھا۔ سب سے بڑا خوفناک اثر مجتہد دلدار علی صاحب کے مقدس قلب پر ہو رہا تھا۔ مجتہد صاحب نے مولانا اسمٰعیل کی بے نظیر لیاقت اور بے مثال حاضر جوابی کی نسبت بہت کچھ سنا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اگر میں نے اس سے بحث کی اور آخر میں اس پر فتح بھی حاصل کی۔ پھر بھی وہ ناک چنے چبوا دے گا۔ اگر میں نے اس پر فتح پائی تو کوئی بڑی بات نہیں وہ ایک پردیسی آدمی ہے۔ دوسرے دن یہاں سمجھا جائے گا

تین دن جبہ جبہ کرکے لوگ بیٹھ رہیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ میں کسی مسئلہ میں بند ہوگیا تو میرا لکھنؤ میں رہنا محال ہو جائے گا ان خونی خیالات پر بھی مجتہد صاحب خوب جانتے تھے کہ میں اسمٰعیل کے مناظرہ سے پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ میں خود کوئی بہانہ کروں گا شاہ مجھے مجبور کرے گا۔

اس فانی کش مکش میں ہمارے شیعوں کے قبلہ و کعبہ پھنسے رہے جتنے کہ دن مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے امیر سید احمد صاحب کی ہم رکابی میں داخل شہر لکھنؤ ہوئے۔

شاہ کی طرف سے استقبال کیا گیا۔ جلوس معتمد الدولہ لے کر پہنچا اور نہایت توقیر سے آپ رونق افروز لکھنؤ ہوئے۔ شاہ پیر محمد عرف مینا شاہ کی درگاہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ بڑے بڑے تمبو نصب کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ کوئی اعلیٰ درجہ کا مکان ایسا نہ تھا جہاں ایسے معزز مہمان فروکش ہوتے۔

لکھنؤ میں جو لہریں تبلیغی مذہب کے سمندر میں اٹھ رہی تھیں وہ اب خوفناک طوفان سے بدل گئیں اور ہر شخص پیارے شہید کی اور ان کے پیر کی زیارت کرنے اور شکل دیکھنے کے لئے اُڑنے لگا۔

مجتہد صاحب بجائے اس کے سید اور اسمٰعیل کی ابراہیمی یا حسینی طریقہ سے مہمان نوازی کرتے انہوں نے صدہا جانباز شیعہ نوجوانوں کو آمادہ کیا کہ شب کو چھاپہ مارا جائے اور اسمٰعیل کا سر اتار لیا جائے۔

یہ افسوس ناک خبر افسر فوج شاہی کو جو سنی المذہب تھا، پہنچ گئی وہ دوڑا ہوا مجتہد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے علیحدہ لے جا کر لجاجتانہ لہجہ میں یہ

کہا۔ برائے خدا ہماری عزت حضور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بے چارے پردیسی ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ زیادتی نہ کرنا چاہیے میں نے ایسا الیسا سنا ہے اگر وہ صحیح ہے تو کتنے غضب کی بات ہے۔ برائے خدا آپ خاموشی اختیار کریں۔ یہ سنتے ہی مجتہد صاحب گرم ہوئے اور کہا تو سُنّی ہو کر سُنّی کی پیچ کرتا ہے تو ذرا صبر کر مجھ ہی کو حکم دیا جائے گا کہ سید اور اسمٰعیل کا سر اتار لا۔ اس وقت تو کیا کرے گا تو ایک ملازم ہے تجھے ایسی باتیں بنانی مناسب نہیں ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ کرنے آئے ہیں میرے دشمنوں نے اسمٰعیل کو بلا لیا ہے۔ کہ وہ مجھے سر جلسہ ذلیل کرے پھر میں کیوں کر جانوں کہ وہ میرے مہمان ہیں اور مجھے اذیت دیتے نہیں

کمانڈر انچیف نے یہ سن کر اپنی تلوار نکال لی اور کہا مجتہد تو سلطنت شیعی کے پھیلانے میں نہ رہے تیری تو ابھی گردن اتار لیتا ہوں اور شاہ کو قید کر کے سید احمد کو تخت شاہی پر بٹھا دیتا ہوں جب یہ گرم گرم باتیں ہوئیں اور مجتہد صاحب نے اپنی جان ہلاکت میں دیکھی تو اب انہوں نے اپنا روئے سخن بدلا اور یوں گویا ہوئے۔

تمہارا خفا ہونا عبث ہے میں تمہارا امتحان لیتا تھا۔ آیا شیعہ شاہ کے نمک خوار بن کر تم اپنے مذہب کا کتنا پاس و لحاظ کرتے ہو۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہارے شہر میں تمہارے اتنے بڑے بڑے علماء کا گذر ہوا جاؤ اپنے کام میں لگو۔ اور ان کی حفاظت کرو۔

کمانڈر نہایت بھولا اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ مجتہد کے دام میں آ کر ٹھ کھڑا ہوا اور الٹے مجتہد سے معافی مانگنے لگا۔

اس واقعہ سے سوانح اس قدر اندازہ ضرور کرے گا کہ جب مجتہد کا یہ حال تھا تو عوام الناس شیعہ جو سنی کی صورت دیکھنا حرام جانتے تھے۔ کیا کیا نئی تدبیریں ایذا پہنچانے کی کر رہے ہوں گے جن کی اطلاع ہمیں نہیں ملی ان کا عام مقولہ تھا کہ گھروں میں سور رکھنا بہ نسبت ایک سنی کے رکھنے سے زیادہ بہتر ہے گو وہ سنیوں کو بالکل اپنے میں سے علیحدہ نہ کر سکتے تھے۔ پھر بھی دربار میں اسی کی عزت زیادہ ہوتی تھی جو شیعہ ہو جاتا تھا:۔

شاہی کی طرف سے مہمان نوازی کا معقول سامان کیا گیا۔ اور اس کے ہنیمہ درخواست کر کے خود معتمد الدولہ نائب السلطنت نے آپ کی ہمراہی میں ۱۷ یا دوسرے مورخ کے قول کے موافق ۱۲۱ آدمی تھے جن میں سب پڑھے لکھے شریعت اور مرد میدان اور قوی تھے۔ دوسرے دن سید احمد صاحب دس آدمیوں کے ساتھ جن میں مولانا شہید اور مولوی عبدالحی صاحب دائیں بائیں چلتے تھے ہاتھیوں پر بیٹھ کر دربار میں تشریف لائے۔ محل کے دروازہ پر خود غازی الدین حیدر استقبال کے لیے موجود تھے۔ نہایت تپاک سے بخندہ پیشانی سید صاحب نے شاہ اودھ سے ہاتھ ملایا۔ پھر مولانا شہید اور مولوی عبدالحی صاحب نے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد ہمراہیوں سے ایک ایک کر کے شاہ ملا۔ یہ ملاقات پرائیویٹ تھی۔ سوائے معتمد الدولہ اور مجتہد کے یا دشاہی خاندان کے دو تین ممبروں کے اور کوئی نہیں تھا۔ پہلے بادشاہ نے سید احمد کی ممنونی ظاہر کی کہ آپ سفر کی تکلیف گوارا فرما کر یہاں تک تشریف لائے۔ اس وقت وہی معمولی سوال و جواب ہوئے جو ہوا کرتے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ تک جب رسمی گفتگو ہوتی رہی تو غازی الدین

حیدر نے دوسرا پہلو بدلا اور کہا میں جانتا ہوں کہ مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ فرمایئں آپ کی خوش بیانی اور روانی تقریر کے آوازے تو بہت دنوں سے سنتا رہا ہوں مگر یہ اتفاق نہیں پڑا کہ اپنے کان سے آپ کے لاثانی وعظ کو گوش گذار کروں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے ہی شہر میں آپ قدم رنجہ فرمادیں۔ اور میں بغیر اٹھائے تکلیف سفر اور دوسری جگہ جائے بغیر آپ کے وعظ کو بآسانی گوش گذار کروں:۔

سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے وعظ کہنا منظور فرمایا۔ اور دوسرے دن جمعہ وعظ کے لیے مقرر ہوا۔ پہلا وعظ جامع مسجد میں ہوا۔ مجتہد کے حواس باختہ تھے۔ اور وہ کوشش کرتا تھا کہ غازی الدین حیدر وعظ میں نہ جائیں یہ محض ناممکن تھا۔ آخر وقت مقررہ پر معتمد الدولہ نائب السلطنت اور مجتہد کو ہمراہ لے کر غازی الدین حیدر آموجود ہوئے۔ سید صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے مشورہ سے یہ قرار پایا۔ کہ پہلے مولانا شہید ہی وعظ فرمادیں اور شیعہ مذہب پر بیان کیا جائے معتمد الدولہ گو شیعہ تھا۔ مگر مجتہد سے اسے کامل نفرت تھی اور اسی وجہ سے وہ مذہب شیعی کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اور یہ کوشش کرتا تھا کہ اگر غازی الدین حیدر مسلمان ہو جائے تو میں بھی ایمان لے آؤں اب یہ بیان کرنا فضول ہوگا کہ مولانا شہید نے ایسا وعظ دیا اور ایسی زبردست تقریر کی صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ مولانا شہید نے پوری آمادگی اور قابلیت سے وعظ فرمایا مجتہد تو سناٹے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ اسمٰعیل بول رہا ہے یا خود خداوند تعالیٰ بلوا رہا ہے۔ غازی الدین حیدر آمادہ تھا کہ سنی ہو جاؤں اگر ایک خیال جہانداری اور اپنی دلربا مہتاب بیگم کی محبت کا نہ آتا۔ تو وہ ضرور عین جلسہ ہی میں بول

الغرض عوام اور خواص میں سے سات سو آدمی سُنّی ہوئے اور سب نے اپنے گذشتہ شنیعہ افعال سے توبہ کی اور سیّد صاحب کی بیعت سے مشرف ہو کر حلقہ غلامی میں آ گئے:۔

کئی گھنٹے تک یہی وعظ رہا چاروں طرف سکوت حکومت کرتا تھا اور سب کے سر ہلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے مخالف مخالف نہ رہا تھا اور ہر شخص تعریف کرتا تھا کہ ایسے بے ساختہ بیان مسلسل ہم نے کسی کا نہیں سنا حافظہ اس بلا کا کہ بیسیوں کتابوں کا حوالہ اور ان کی عبارت کا نوک زبان پڑھنا یہ اور بھی تحیرِ سامعین کی دلچسپی کا باعث تھا جب آپ وعظ فرما چکے تو غازی الدین حیدر مصافحہ کر کے اور حد سے زیادہ تعریف کر کے روانہ ہوئے معتمد الدولہ کہہ گئے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد سب رئیس سوائے مجتہد صاحب کے جمع ہوئے اور انہوں نے دوسرے دن کے لیے بھی عرض کیا اور اپنی خواہش اسی مضمون کے سننے کی ظاہر کی بیارے شہید نے قبول کر لیا مگر ساتھ اس کے یہ اعلان دے دیا گیا کہ صبح کی نماز پڑھ کر تو مولوی عبدالحی صاحب وعظ فرما دیں گے اور ظہر کے بعد اسمٰعیل صاحب کل کا بقیہ مضمون بیان کریں گے

مولوی عبدالحی صاحب کے علم و فضل کی بھی کامل شہرت تھی اور بڑے بڑے علماء آپ کی علمی لیاقت کے قائل تھے دوسرے دن اندھیرے سے لوگ جمع ہونے شروع ہوئے جامع مسجد میں خلقت کا ہجوم بہت تھا۔ کندھے سے کندھا چھلتا تھا اور چلنے میں شانہ سے شانہ رگڑ کھاتا تھا ایک کے اوپر ایک گرا پڑتا تھا شیعہ سنی دونوں گروہ کے لوگ بہت تھے کوئی تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ شیعہ کون ہے اور

ہستی کون ہے۔ ڈاڑھی منڈوانے کی رسم ایسی عام تھی کہ کوئی بھی اسے عیب نہ خیال کرتا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر مولوی عبدالحیؒ صاحب کھڑے ہوئے اور ہمارے ہمعصر سوانح نویس کے قول کے مطابق آپ نے وذالنون اذذھب الایہ تک قرآن کی آیت پڑھ کر وعظ کہنا شروع کیا۔ وعظ کا ایسا اثر ہوا کہ سامعین سکتہ کی حالت میں ہو گئے اور ہر ایک کے منہ سے واہ واہ کی آواز آ رہی تھی۔ یہ بیان اس فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ علماءِ فریقین (یعنے سنی و شیعہ) جو موجود تھے۔ وہ مولانا کے سحر انگیز تسلسل مضامین طلاقِ لسانی نوت بیانیہ قرآن وحدیث سے واقفیت نامہ رکھنے میں قائل ہو گئے اور یک زبان ہو کر یہ کہا کہ حیف ہے ہماری ساری عمر جہل و نادانی میں بسر ہوئی۔ مگر دادی کا ہنوز ہنہ نہ ملا۔ اور ہم نے منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑ کر اپنی تمام عمر ضائع کر دی:۔

پیارے شہید کی تقریر میں بڑا کمال یہ تھا کہ جہلا جس آسانی سے اسے سمجھ کر دلچسپی لے سکتے تھے۔ اور اس سے مستفید ہو سکتے تھے اسی طرح فاضل اجل بھی دلچسپی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتا تھا مولوی عبدالحی صاحب کا بے نظیر فہمی وعظ خصوصیت سے علماء اور جہلا دونوں ہی کو مزا دیتا بعض اوقات جُہلا منہ تکتے کے تکتے رہ جاتے تھے۔ حق یہ ہے مولانا شہید کو فطرت سے جن خاص صفتوں کا حصہ ملا تھا وہ سب ممتاز تھیں۔ اور ان میں خصوصیت کا رنگ ایسا تھا کہ دوسری جگہ کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید کے وعظ نے شیعی سرحدوں میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور شیعی عمارت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں۔ سخت متوحش نظروں سے مجتہد صاحب اور فضلا دیکھتے تھے۔ کہ یہ آفت بیٹھے بٹھائے ہم پر کہاں سے نازل

ہوئی۔ جس طرح محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا۔ اور برہمن مندر میں بیٹھے یہ کہہ رہے تھے۔ ہم آرام سے سنکھ بجاتے اور سومنات جی کے آگے ڈھوک (سجدہ) دیتے تھے یہ آفت ناک بلا ہم پر کہاں سے آپڑی یہی کیفیت علمائے اثنا عشریہ کی بھی تھی وہ باہم مشورہ کرتے تھے اگر اسمٰعیل سے مناظرہ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ ڈر گئے۔ اور اگر مناظرہ کیا اور ہار گئے تو پھر جلاوطن ہونا پڑے گا۔ صلاح کرتے کرتے یہ بات قرار پائی کہ فرنگی محل کے حنفی علما کو بہکاؤ اور ان کو اسمٰعیل کے مقابلہ میں کھڑا کردو جب ان سے بحث شروع ہو جائے گی پس پھر ہمیں سہل نجات مل جائے گی اس وقت مولوی اشرف صاحب علمائے فرنگی محل کے سرتاج تھے۔ مجتہد کا وہ دماغ تھا کہ شاہ کے پاس بھی کئی بار بلوانے سے نہ جایا کرتے تھے بھلا اور کسی شخص کے پاس جانا کیا معنے مگر ضرورت بری بلا ہوتی ہے اب اپنے حواریں ساتھ لے کر مولوی محمد اشرف کے پاس فرنگی محل میں حاضر ہوئے بے چارے محمد اشرف بھی گھبرا کر تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں تعجب تھا۔ کہ آج مجتہد صاحب رستہ بھول گئے:۔

پہلے وہی باتیں تکلف آمیز اخلاق کی ہوئیں اس کے بعد مجتہد صاحب نے مولوی محمد اشرف صاحب کے علم و فضل کی تعریف کی اور جب اپنے خیال میں انہیں شیشہ میں اتار لیا تو یہ گویا ہوئے:۔

آپ نے سنا ہوگا کہ سید احمد صاحب کے ساتھ مولوی اسمٰعیل بھی تشریف لائے ہیں انہوں نے اپنے ایک دو وعظوں میں عوام الناس اور جاہل رؤسا کو اپنا معتقد بنا لیا ہے۔ گو مذہبی خیالات میں ہم میں اور آپ میں فرق ہے مگر

ہم وطن ہونے اور بیرونی نیک نامی اور بدنامی میں حصہ لینے میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ اگر اسمٰعیل کے مقابلہ میں کوئی کھڑا نہ ہوا تو لوگ یہ کہیں گے شیعہ سنیوں میں ایک بھی مولوی اس قابل نہ تھا کہ جو مناظرہ کر سکتا یا اسمٰعیل کے سامنے ایک بات بھی کر سکتا:۔

مولوی محمد اشرف صاحب نے جواب دیا کیا مولوی محمد اسمٰعیل نے مناظرہ کے لیے ہم میں سے کسی کو طلب کیا ہے، مجتہد نے کہا طلب تو نہیں کیا۔ مگر اس کا وعظ خود اس بات کی شہادت دیتا ہے جس کا زہرہ ہو اس کی تردید کرے

مولوی محمد اشرف علی ایک لائق اور فاضل شخص تھا کتاب بینی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ حدیث و تفسیر و فقہ میں بھی خوب منجھا ہوا تھا علم ادب میں بھی بڑا مشہور تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر دماغ ملائی نادرات وصفات سے بھرا ہوا تھا۔ یعنی اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہ سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا کہ میرا ثانی پیدا ہونا محالات سے ہے۔ اس بے چارہ کا یہ قصور نہ تھا بلکہ ہر ملائی دماغ کی یہی خاصیت اور فطرت ہوتی ہے۔ آپ کے مجتہد کے دم جھانسوں میں آ کر یہ بول اٹھے کہ اسمٰعیل لاکھ کچھ عمدہ واعظ ہوں مگر میرا شاگرد ولایت علی اسے دو باتوں میں بند کر دے گا

یہ سن کر مجتہد کو اطمینان ہوا اور اب وہ یہ سمجھ گیا کہ ولایت علی کے ترک اٹھانے پر محمد اشرف ضرور مقابلہ پر آئیں گے۔ خوب پخت و پز کر کے چلتے بنے۔ مولوی محمد اشرف کو اسمٰعیل کا کچھ بھی خیال نہ تھا نہ وہ عبدالحی کی پرواہ کرتے تھے مجتہد کے جانے کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولوی ولایت علی کو بلا کر سمجھایا تم جاؤ اور سید احمد صاحب سے چند سوال مذہبی اور چند ادب میں کر دو اور اگر وہ جواب

دینے میں پس و پیش کریں تو اسمٰعیل سے پست تر ناوہ بھی اگر بند ہو جائے تو عبد الحی کو نہ چھوڑنا غرض جتنے مولوی سید احمد کے ساتھ ہیں سب کے ناطقے بند کر کے آنا مولوی ولایت علی عظیم آبادی خود بہت بڑے لائق شخص تھے۔ آپ فارغ التحصیل تو ہو گئے تھے مگر تبرکاً مولوی محمد اشرف صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور شہادت دریافت کر لیا کرتے تھے اور یہ بات تعریف کے قابل تھی کہ حق بات کو سمجھنے کی صلاحیت برخلاف عام ملاؤں کے آپ میں موجود تھی اور ساتھ ہی انصاف پسندی بھی اور ملاؤں کے علاوہ آپ کا شیوہ تھا۔

اپنے بزرگ استاد کے حکم کے بموجب آپ پہلے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صاف دل سے اس امر کا اظہار کر دیا کہ میں اپنے چند شکوک رفع کرنا چاہتا ہوں۔ سید احمد نے ایسے موقعوں کیلئے مخصوصاً مولوی اسمٰعیل کو خاص کر رکھا تھا۔ فوراً وہ بلائے گئے اور مولوی ولایت علی سے کہا گیا جو کچھ آپکو دریافت کرنا ہو اسمٰعیل حاضر ہے استفسار کر لیجئے۔

مولوی صاحب نے پہلے وہ شکوک دریافت لیئے جو ان کے استاد نے بتائے تھے۔ اور پھر اپنی طرف سے ہر بات پر اعتراض کیئے غرض جس قدر تحصیل کیا تھا کوئی بات بھی باقی نہ رکھی۔ ہر علم میں سے سوالات کیئے جواب دو لفظی اور جامع ہوتے دوسری بار جواب کے بعد پھر جواب الجواب دینے کا موقع نہ ملتا تھا مولوی ولایت علی نے چونکہ آپ کی طبیعت صلاحیت پسند تھی اور آپ کا دل انصاف پاک تھا بیتابی سے مولانا شہید کی پیشانی پر بوسہ دیا دونوں ہاتھ چوم لیئے اور کہا آج آپ نے مجھے اپنا سچا خادم بنا لیا۔ پھر مولانا شہید نے سید صاحب کی تعریف کی۔

قصہ مختصر یہ کہ ولایت علی نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور التجا کی کہ
مجھے اپنی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کا حکم دیجئے۔ سید احمد صاحب نے
بخوشی منظور فرمالیا پھر ولایت علی صاحب اپنے استاد کے پاس آئے اور جو
کچھ کیفیت تھی ساری بیان کر دی۔ مولوی محمد اشرف صاحب گو ملانی دماغ رکھتے
تھے پھر بھی عالم تھے اور علم دوست تھے۔ فوراً مولانا شہید کی علمی قابلیت
سن کر کھل گئے۔ اور خود دوڑتے ہوئے آئے۔ خوب خوب علمی گفتگو رہی سید
احمد صاحب نے بھی مختصر سی تقریر بیان کی اور پھر مولینا شہید نے جو بیان شروع
کیا اس میں تو دونوں استاد شاگردوں کو مزا آگیا مولوی محمد اشرف نے خواست
کی۔ کہ اللہ تعالے نے جناب رسالت مآب کو فرمایا
ہے اس کی تفصیل سننا چاہتا ہوں مولانا شہید نے ایسا رقت انگیز اور پر اثر بیان
کیا کہ مولوی صاحبان کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ کلام میں
اثر ہونا اور حافظ کی یہ لاثانی قوت ہونی خدا داد بات ہے کسبی نہیں کیسا زبردست
وہ اثر تھا اور کیسا شیریں لہجہ تھا کہ وہی باتیں دوسرا شخص کرتا تو اس قدر توجہ مبذول
نہ کی جاتی تھی۔ اور جب مولانا شہید فرماتے تھے تو ان میں ہی کچھ ایسا کمال ہو جاتا
تھا کہ از خود سننے کو جی چاہتا تھا۔ اور ایک حالت قلب پر ایسی طاری ہوتی تھی کہ جو
اس عمل پر کرنے کو مجبور کرتی تھی۔ ہائے جس نے پیارے شہید کا وعظ سنا ہے جنہوں
نے سننے والوں سے سنا ہے وہ میری اس تحریر کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے اب
جونہی فرنگی محل کے یہ دونوں سرتاج سید احمد صاحب کی بیعت سے مشرف
ہوئے تو اور بھی علماء کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پڑھا لکھا تو کوئی باقی نہ رہا

تھا۔ جو بیعت سے مشرف نہ ہوا ہو۔

مجتہد صاحب نے جب یہ سنا کہ مولوی محمد اشرف صاحب نے بھی بیعت کی تو وہ یہ سمجھے مولوی نے مجھے دھوکا دیا وہ پہلے ہی سے سید احمد اور اسمٰعیل کا معتقد تھا۔ آپ نے ایک کریہہ نا تہذیب جملہ ارشاد کیا۔ جس سے شیعی مذہب کی تہذیب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ غصہ تو بہت ہی آیا تھا۔ آپ فوراً یہ بول اٹھے کہ کتا کتوں میں جا کر مل گیا۔ ہم تو یہ سمجھے تھے یہ کچھ غیر وطن ہونے کی وجہ سے بھونکے گا مگر وہ بھی جا کر دم ہلانے لگا" ادھر یہ ناتراشیدہ جملہ مجتہد صاحب نے فرمایا اور ادھر مولوی محمد اشرف صاحب کو اس کی خبر ہوئی آپ سن کے چپکے ہو رہے اگر زبانی زبان سے کہا تو صرف اتنا ہاں یہی صحیح ہے۔ ان کی سلطنت ہے وہ چاہے جو کچھ کہہ لیں۔ ان کا دل جانتا ہے۔ کہ کتا کون ہے اور کون کس کے پاس التجا لے کر آیا تھا

تو و کسے ناسزا چرا گوید ناسزا آں کہ ناسزا گوید

ابھی سید صاحب کو چار دن لکھنؤ میں آئے ہوئے گزرے تھے دعوتوں کے صدہا پیغام سنی اور شیعوں کے ہاں سے آ چکے تھے۔ اتنی دعوتیں کیونکر منظور کر سکتے تھے۔ آپ نے عموماً نقد روپیہ لینے پر قناعت کی کیونکہ جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت تھی۔ گو روپیہ کا نقد لینا کسی قدر بدنامی کا سبب تھا۔ مگر جب لینے والوں کی نیتیں صاف تھیں اور اسے خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ پھر دوسرے شخص کو شبہ بھی نہیں ہوتا اور ہمیشہ دینے والا اطمینان تمام دے دیتا ہے۔ اور جب مولانا شہید جیسا مطمئن کرنے

والا ہو پھر لوگ کیوں سرگوشیاں کرنے لگے اور کیوں انہیں بدگمانی ہونے لگی تھی۔ چہ تھے دن کی شب کو چوبدار آیا کہ معتمد الدولہ تشریف لاتے ہیں کہ سید احمد صاحب ملاقات کے تمبو میں آ بیٹھے اور صرف آٹھ دس آدمیوں کے سوا کوئی بھی ان کے پاس اس وقت نہ تھا۔

نائب السلطنت کے آنے پر سید احمد صاحب مع مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے کھڑے ہو گئے اور بہت خاطر داری سے اپنے پاس بٹھایا۔ اس خوش باطن رئیس کو قدرتی طور پر سید احمد صاحب سے الفت بہت ہو گئی تھی۔ اور یہ الفت صرف مولانا شہید کی تقریر کا صدقہ تھا ہر شخص یہ کہتا تھا۔ جس کے مرید ایسے ہیں پیر خود کیسا ہو گا۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر نائب السلطنت نے دعوت کے لیے کہا۔ معمولی انکار کے بعد منظور کر لیا گیا۔ اور دوسرے دن شام کو سید احمد صاحب مع اپنے صادق مرید اسمٰعیل اور مولوی عبدالحی کے ہاتھیوں پر بیٹھ کر معتمد الدولہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے آج تو تقریباً کل ہی شیعہ سنی مولوی جمع تھے۔ اور سوائے شاہ کے اکثر امراء بھی تھے جلسہ نہایت پر تکلف اور امیرانہ تھا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب پر سب کی تیز تیز نظریں پڑنے لگیں۔ نگاہوں میں استعجاب اور خوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ برابر ٹکٹکی باندھ کر اس طرح دیکھ رہے تھے۔ جیسے کسی عجیب الخلقت چیز کو تکتے ہیں پہلے آہستہ آہستہ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مولانا سبحان علی خان صاحب جو ایک زبردست فاضل اور مفکر تھے آگے بڑھے اور معمولی تمہید کے بعد مولانا عبدالحی صاحب سے کچھ دریافت کیا۔ خطاب مولوی اسمٰعیل صاحب کی

طرف بھی تھا۔ مگر سید صاحب کے اشارہ سے مولوی عبد الحی صاحب نے جواب دیا سوال یہ تھا کہ حدیث الحیاء شعبۃ من الایمان کے کیا معنی ہیں مولوی عبد الحی نے گھنٹہ بھر کامل اس کی تفسیر بیان کی۔ بڑے روشن ہال میں سوائے سکوت اور گردنوں کے جنبش کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بڑے بڑے علماء حیران تھے کہ یہ معنی یہ بے مثال تشریح ہم نے نہ کسی کتاب میں دیکھی نہ اپنے کانوں سے سنی مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ خود ربانی جلوہ ہے کہ اپنی چمک دے رہا ہے۔ یہ کسبی امر نہیں ہے نہ کسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں جسے خدا چاہے۔ تقریر تھی یا ایک برقی تحریک تھی جو برابر دلوں کو اپنی مٹھی میں دبائے لیتی تھی اور ایسی مقناطیسی کشش تھی جو قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ تقریر کی عمدگی پر سب نے آفرین کی اور کسی میں معہ مجتہد کے یہ یارا نہ ہوا کہ ایک بات بھی مولوی عبد الحی صاحب سے اعتراضاً دریافت کر سکے۔ مشہور تھا جس مجلس میں مولانا اسمٰعیل ہوں وہاں نفس اعتراض فنا ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دماغوں اور دلوں سے ایسا محو ہو جاتا ہے کہ سوائے تسلیم و رضا کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ لکھنؤ کا پر تکلیف کھانا لایا گیا۔ اور سب نے بطیب خاطر کھانا کھایا عطر دیان کے بعد پانچ ہزار روپے معتمد الدولہ نے نذرانہ کے طور پر پیش کئے۔ سید صاحب نے لے لیئے اور پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے ڈیرے میں آ گئے۔ سید احمد صاحب نے لکھنؤ میں سوا مہینہ کے قریب قیام فرمایا۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ مذہب شیعی متزلزل کر دیں۔ اور وہ چڑے چڑیا کی کہانیاں جن پر شیعوں کے مذہب کا دار و مدار ہے مذہبی عقائد سے برطرف کر دیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی آرزو تھی۔ کہ کسی طرح مجتہد صاحب عام مجمع

میں مجھ سے گفتگو کرلیں مگر مجتہد صاحب حیلے کرکے ٹال دیتے تھے کبھی ملکی معاملات کی پیچیدگی بیان کرکے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ اور کبھی جگہ کے تقرر ہونے پر تامل تھا۔ اور کبھی اپنی بیماری اور سستی اوراز کا بہانہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ مناظرہ کرنے سے بھی انکار نہ تھا۔ اور جب شیعہ عمایدکی طرف سے مجبور کیے گئے تو وعدہ کرلیا ہاں امروز فردا میں ٹالتے رہے مجتہد ہی کے سبب سے سید احمد صاحب کو مہینہ سوا مہینہ لکھنؤ میں قیام کرنا پڑا اور نہ لکھنؤ میں آنے کا جو منشا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ نصیر الدین حیدر خود دو بار ڈیرہ ہی میں شاہ دہنا کی درگاہ پر قدمبوس ہو چکے تھے۔ اور ایک سچی روایت کے بموجب شاہ اودھ نے یہ فرمایا تھا۔ اگر مولوی اسمٰعیل صاحب برس دن میں یہاں رہ کر وعظ فرمائیں تو مجھ سمیت یہاں کا بچہ بچہ سنی ہو جائے گا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اسمٰعیل جیسا نفس سید صاحب علیحدہ کر دیتے۔ اور اس موہوم کامیابی پر اپنے آیندۂ عظیم شان عزم کو خام چھوڑ دیتے سید صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ مجھے بہت سے فرائض اسمٰعیل کی معیت میں انجام دینے ہیں۔ اس لیے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ الحمد للہ کہ آپ کی طبیعت میں سنی مذہب کی صداقت تو جچی امید ہے کہ آیندہ خیالات کی کامل اصلاح ہو جائے گی جتنے وعظ اب تک اسمٰعیل یہاں دے چکا ہے اور آیندہ دیگا ہدایت حاصل کرنے والے کے لیے کافی ہیں:۔

مولوی اسمٰعیل صاحب رفتہ رفتہ دیکھتے دیکھتے بیقرار ہو گئے اور مجتہد کے وعدے وعید سنتے سنتے تنگ آ گئے آخر ایک دن آپ نے تنہا ہی جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ سپاہیانہ لباس زیب تن کیا تپنچہ کمر میں، شمشیر آبدار پہلو میں غرض اس

سج دھج سے مولوی دلدار علی صاحب کے مکان پر آئے یہاں اکثر مجتہد صاحب کے معتقدین دست بستہ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے کلب کلینی وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے مولوی دلدار علی مجتہد کا مکان امیرانہ سامانوں سے آراستہ تھا اور شاہی شوکت پرستی تھی نقیب چوبدار کوتوں میں کھڑے تھے یاں ہمہ ہر شخص اندر آنے اور مجتہد صاحب تک پہنچنے کے لیے آزاد تھا ہاں خلاف ادب کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکتا تھا :۔

مولانا شہید نے جوں ہی کھٹ میں قدم رکھتے ہی عجیب پرشوکت دربار دیکھا اور سامنے مجتہد صاحب کو طلبہ کے ساتھ مشغول پایا آپ دلیرانہ جاکر علیحدہ ہو بیٹھے اور السلام علیکم کے سوا کورنش وغیرہ نہیں کی جیسی وہاں کی اخلاقی اور مذہبی مجالس کا قاعدہ تھا تی سپاہیانہ صورت اور اس بے باکی سب نے حقارت کی نظر سے دیکھا مجتہد صاحب نے بھی اپنے ناخواستہ مہمان کو کن انکھیوں سے دیکھ لیا اور خاموش طلبا کو سبق پڑھاتے رہے مولانا شہید چپکے بیٹھے رہے اور کسی سے بات نہ کی جب مولوی دلدار علی مجتہد فارغ ہوگئے تو انہوں نے اپنے اجنبی مہمان سپاہی سے باخلاق دریافت کیا۔ بھائی تم کون ہو کہاں سے آئے ہو مولانا شہید نے جواب دیا میں ایک مسافر سپاہی ہوں ایک مسلہ کی تحقیق کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے عموماً ایسے مسئلے مسائل سے کام رہتا ہے میں نے خیال کیا ہے آپ ہی لکھنو میں بہت بڑے فاضل ہیں مجھے اچھی طرح سمجھا کر میرا اطمینان کردیں گے مجتہد صاحب نے تم بخوشی دریافت کرو جو کچھ مجھے معلوم ہوگا میں تمہیں بتادوں گا اجازت پاکر مولینا شہید نے دریافت کیا تقیہ اور نفاق میں کیا

فرق ہے۔ اگرچہ سوال مشکل تھا۔ مگر مجتہد صاحب نے دونوں کا اختلاف بیان کیا اور بہت سی دلیلیں بھی پیش کیں مولانا شہید نے دلیلوں کو توڑ دیا اور دونوں کو یکساں کر کے دکھا دیا پھر مجتہد نے اپنے مطلب کے اظہار میں گوہر افشانی کی مگر دوبارہ بھی بیکار گئی غرض تین بار دونوں کو علیحدہ علیحدہ ثابت کرنے میں کوشش کی اور بیان تینوں ہی بار اس کی تردید ہو گئی اور دکھا دیا گیا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

جب یہ رد وبدل ہوئی تو اب مجتہد صاحب کے کان کھڑے ہوئے وہ سمجھ گئے کہ ضرور یہ کوئی فاضل اجل ہے نرا سپاہی نہیں ہے میری ایک بات بھی چلنے نہیں دیتا اب کتنی خفت کی بات تھی طلبہ الگ سنائے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور یار آشناؤں کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے سب متعجب تھے کہ یہ کس غضب کا سپاہی ہے کہ مجتہد صاحب کو کسی پہلو پر جمنے نہیں دیتا جب مولوی دلدار علی مجبور ہوئے تو زیادہ زبانی گفتگو کی مصلحت نہ دیکھی تو آپ نے اپنا پیچھا چھڑاتے اور اپنی خفت مٹانے کے لیے یہ ارشاد کیا ایسے مسائل زبانی طے نہیں ہوتے آپ ناحق اس مشکل مسئلہ کے سمجھنے اور اس پر رد وقدح کرنے کی تکلیف برداشت کرتے ہیں جب مولانا شہید نے مجتہد کو لاجواب پایا تو آپ السلام علیک کہہ کر اٹھ کر چلے آئے پیچھے مجتہد صاحب نے آدمیوں کو دوڑایا کہ اس سپاہی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور یہ دیکھتے رہو وہ کہاں جاتا ہے اور کون ہے۔

ابھی وہ جانے بھی نہ پائے تھے کہ ایک شخص دریافت کرتا ہوا آیا مولوی اسمٰعیل صاحب یہاں آئے تھے مجتہد صاحب نے اپنے خاص مصاحبین کو دوڑادیا کہ جس طرح ہو منت سماجت کر کے مولوی اسمٰعیل کو لے آدیں غرض مولوی اسمٰعیل

واپس آئے مجتہد نے اٹھ کر تعظیم دی اور معانقہ کیا۔ اور معذرت کی کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ سپاہیانہ لباس میں جلوہ افروز ہیں اس لیے اس وقت آپ کو تعظیم نہیں دی گئی اب دوبارہ آنے پر اس مسئلہ کی نسبت گفتگو نہیں ہوئی تھوڑی دیر کے بعد مولانا شہید اٹھ کر چلے آئے مجتہد صاحب کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ اپنے تمام شیعی علماء کو جمع کیا۔ اور ان کے آگے یہ جھگڑا پیش کر کے استفتا لینا چاہا سب نے مل کر اس کی بابت بڑی طویل بحث لکھی۔ صدہا کتابوں کا حوالہ اور عبارت بھی نقل کی اور یہ ثابت کیا کہ نفاق اور چیز ہے تقیہ اور بات ہے جب یہ استفتاء تیار ہو گیا مولانا شہید کی خدمت میں بھیج دیا گیا جو شخص کاغذ لے کر گیا تھا اس کی ملاقات پہلے مولوی عبدالحی صاحب سے ہوئی وہ سمجھا مولوی اسمٰعیل یہی ہیں اس نے بڑے تپاک سے استفتا پیش کیا۔ اور یہ عرض کیا مجتہد صاحب نے آپ کی خدمت میں ارسال کیا ہے:۔

جونہی مولوی عبدالحی صاحب نے اس فتویٰ کو ملاحظہ کیا تو آنکھیں کھل گئیں عبارت کا ادق اور پیچیدہ ہونا تو ایک معمولی امر تھا مگر سب سے زیادہ مشکل یہ تھا کہ اگر جواب الجواب لکھا جائے گا تو اس کے لیے صدہا کتب کی ضرورت ہو گی۔ اور حالت سفر میں ان میں سے ایک کتاب بھی پاس نہیں ہے سوا اس کے کوئی چارہ ہی نہیں دیکھا کہ خاموشی اختیار کی جائے آپ نے کئی کئی بار پڑھا مگر کوئی پہلو جواب نہ دیکھا۔ لیاقت تو تھی پہ درکار تھی مگر پہلے کئی اونٹ کتابوں کے چاہئیں تھے۔ جن کا بہم پہنچنا محال تھا جب جواب دینے کا کوئی رستہ نہ دیکھا آپ نے وہ کاغذ مولوی اسمٰعیل کے پاس بھجوا دیا اس وقت مولینا شہید چہل قدمی

کرنے گئے تھے۔ آدمی دریافت کر کے آپ کے پیچھے دوڑا اور وہ کاغذ رستہ
میں مولوی اسمٰعیل کو دیا۔ آپ سمجھ گئے کہ مجتہد صاحب نے یہ کارستانی کی ہے
کتابوں کے حوالے دیکھ کر پہلے آپ بھی چونکے مگر جب قوت حافظہ نے اس سے
زیادہ کتابوں کا خزانہ اپنے میں دکھایا یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب
مولانا شہید نے کتابیں نہ ہونے پر اپنے کو خزانہ کتب پایا تو اس کے جواب دینے میں
اتنا پس وپیش نہ کیا فوراً اپنے ڈیرے میں واپس آئے۔ بغیر دوبارہ پڑھے لکھنے بیٹھ
گئے اور دو گھنٹہ کے عرصہ میں جواب الجواب مجتہد صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا
جواب الجواب میں بھی بہت سی کتابوں کا حوالہ معہ ان کی عبارت کے درج تھا
ہم اس بحث کو یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھتے وہ طول طویل بہت ہے اور ناظرین
کی دلچسپی کا باعث اس قدر نہ ہوگی کیونکہ اس سے دلچسپی وہی شخص لے سکتا ہے
کہ جسے صدہا کتب تواریخ وغیرہ پر عبور ہو ورنہ عالمانہ بحث اس کے سامنے
معمولی تحریر سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی جوں ہی مجتہد صاحب نے جواب
الجواب دیکھا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اب انہوں نے کوئی چارا نہ
دیکھا۔ علماء کے آگے جواب الجواب پیش کیا۔ انہوں نے کہا یہ بحث تمہارے
لئے مفید نہیں ہے۔ ہم نے کئی دن میں مل کر جواب لکھا اسمٰعیل نے بغیر مدد
کتب دو تین گھنٹے میں جواب لکھ دیا۔ ضرور اسے موکلوں کا علم آتا ہے۔ وہ ان سے
کام لیتا ہے۔ ورنہ آدمی کا حافظہ ایسا زبردست نہیں ہو سکتا کہ صدہا کتابوں
کی عبارت اسے ازبر ہوں اور بغیر دیکھے جس کتاب کی عبارت نقل کرے اصل
میں اور اس کی نقل میں ایک حرف کا بھی فرق نہ ہو۔ مجتہد سوائے خاموشی کے اور

کیا کر سکتا تھا۔ ہاں مختلف علماء کو مولوی صاحب موصوف کے خلاف بھڑکاتے رہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہ تھا۔ اور بہت سے حاسدوں نے مخالفت کی مگر ایک بھی پیش نہ چلی آخرکامیابی کے ساتھ سید احمد صاحب معہ اپنے دوستوں کے بنارس چلے آئے کل ممالک مغربی کا تقریباً چکر لگایا اور ہر طرح سے جہاد کی تدبیریں کر لیں۔ کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سید احمد صاحب کے واعظ وعظ دیتے اور چند آدمی جمع کرنے نہ بھیجتے ہوں۔ اسی اثناء میں آپ نے حج بیت اللہ بھی کر لیا اور وہاں سے واپس ہو کر پھر اپنے عظیم الشان فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوئے۔ جو ہجرت اور جہاد کے مدنظر تھے ہجرت اگرچہ انگریزوں کی آمد کی وجہ سے تھی۔ لیکن سیاسی[1] مصلحت کی بنا پر سید صاحب نے یہ اعلان کیا۔ کہ سرکار انگریزی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل باخبر نہ ہوئے اور نہ ان کی تیاری میں مانع آئے۔ سکھوں کی قومی سلطنت کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانا بہت سخت اور دشوار کام تھا۔ مگر مولوی اسمٰعیل کی جرأت اور بے دھڑک دلیری نے ایسی خوفناک سلطنت سے مقابلہ کرنا کچھ مشکل نہ سمجھا۔ اصل میں اپنے مسلمان بھائیوں کے انتقام لینے کا جوش اٹھ رہا تھا۔ ایسی بے خودی میں یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جس پر میں حملہ کر رہا ہوں وہ مجھ سے زیادہ قوی ہے یا کمزور ہے قصہ مختصر یہ کہ سکھوں کی سرحدوں پر حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

---

(۱) انگریزوں کی بعض سیاسی جماعتیں جو مذہبی تنگ نظری میں ابھی تک ان کی ہم خیال ہیں اپنے اس عیب کو چھپانے کی غلط سعی کی اس سیاسی مصلحت کو اوہام کے رنگ میں پیش کرتی ہیں حالانکہ سید صاحب و ان کی جماعت کی ہجرت اور سکھوں سے جنگ انگریزوں کے جہاد سے بات کا بین ثبوت ہے کہ سید صاحب کا یہ اعلان مصلحت آمیز سیاست کی بنا پر تھا (مع)

نواں باب

مذہبی لڑائیاں جنکی ابتدا ۱۲۴۱ھ سے ہوتی ہے

جتنی مذہبی لڑائیاں مجاہدین نے سکھوں کے مقابلہ میں لڑیں ان میں سے زیادہ پارٹ (حصہ) مولانا شہید نے لیا تھا۔ پولیٹیکل خطوط جتنے حکمرانوں کے نام روانہ ہوئے وہ سب مولانا شہید ہی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں جن میں سے بعض ہم آئندہ درج کریں گے۔

جب ہر طرح مجاہدین کی جمعیت ہو گئی اور روپیہ بھی حسب ضرورت اکٹھا ہو گیا۔ تو مولانا شہید کے مشورہ سے سید صاحب نے خاموشی سے پہلے تھانیسر کا سفر کیا۔ یہاں کے لوگوں کو گنج کے طور پر اپنے ارادہ سے آگاہ کیا پھر آپ نے مالیر کوٹلہ۔ مروت۔ بہاولپور۔ حیدرآباد سندھ۔ شکارپور۔ جاگن خان گڑھ۔ درہ ڈہادر درہ بولن۔ پشین۔ قندھار۔ کابل کا سفر کیا۔ یہ عظیم الشان سفر بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا۔ اور جو جو نتائج سید صاحب مولانا شہید کے ذریعہ سے حاصل کئے وہ وہ خوش آئندہ ہی نہ تھے۔ بلکہ سکھ سلطنت کے لئے زوال کی ایک فال سمجھنی چاہیئے عموماً جس شہر میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ پہلے وہاں کے علماء پر سکہ بٹھاتے تھے جب وہ معتقد بن جاتے تھے تو امراء اور عوام الناس کا قبضہ میں آنا کچھ بات ہی نہ تھا۔

بڑی بات یہ تھی کہ سکھوں کے ناقابل رحم مظالم سے سب تنگ آئے تھے

اور خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی منتظم پیدا ہو تو اس کی مدد کریں۔ امید سے زیادہ مسلمانوں نے سید صاحب سے ہمدردی کی اور جب آپ کابل پہنچے ہیں تو بیاں اول مشکل جو آپ کو پیش آئی وہ ملا محمد کو رام بنانا تھا۔

ملا محمد ایک فاضل اجل اور عالم متبحر تھا اور عموماً کابل کا کابل اس کا مرید تھا۔ اس کے اشارہ پر ہزاروں افغان گردن کٹانے کو موجود تھے۔ جب قابل میں آپ نے قیام فرمایا تو پہلے ملا محمد کے شاگرد مولنا شہید کا امتحان لینے کے لئے آئے۔ معمولی درسی صرفی نحوی کتابوں کے مشکل مقامات خوب دیکھ دیکھ کر بحث کرنے کے لئے موجود ہوئے مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کی بچپن ہی سے مذاق بھرا ہوا تھا۔ اور ایسے مواقع پر آپ ضرور مذاق کیا کرتے تھے۔ آتے ہی ایک شخص نے شرح ملا میں سے ایک مقام دریافت کیا آپنے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر ایک طالب علم نے صدرا میں سے استفسار کیا پھر بھی آپ نہ بولے تیسرے نے شمس بازغہ میں سے کچھ سوال کیا۔ اس کا بھی جواب نہ دیا گیا۔ اب تو طلبہ نے بغلیں بجائیں اور وہ سمجھ گئے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ مولوی اسمٰعیل کی اتنی شہرت تھی مگر یہ ایک حرف بھی نہیں جانتے۔ آخر انہوں نے کہا ہم نے تو آپ کے علم و فضل کا چرچا سنا تھا۔ اور یہی ہمارے گوش گزار ہوا تھا کہ آج آپ ہند میں فرد واحد ہیں۔ مگر ہم نے مل کر آپ کو کچھ نہیں پایا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ۔۔۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

یہ تقریر سن کر آپ مسکرائے اور یہ گویا ہوئے۔ طالب علمو! یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے تم نے تو ان مقامات کا جو مجھ سے استفسار کرنے آئے شب بھر خوب مطالعہ

کیا ہے۔ میں نے ان پر غور ہی نہیں کیا۔ پھر بھی کیوں کر تمہیں برجستہ جواب دے سکتا ہوں۔ آج تم کوئی خاص مقام مجھے بتا دو میں بھی اسے دیکھ لوں اور تم بھی دیکھ کر آؤ کل ہماری جوڑ اڑے گی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ سمجھ لینا کہ ایک شخص سے بحث کرو دن گا تینے آدمیوں کا مقابلہ تنہا شخص کیونکر کر سکتا ہے۔ یہ سن کر سادہ لوح طلبہ بہت خوش ہوئے اور ایک مقام شرح ملا کا بتا گئے اور یہ کہہ گئے آپ اسے سوچ رکھیے گا۔ کل آپ سے بحث کریں گے۔ انہوں نے اپنا استاد اخوند ملا محمد سے ساری کیفیت بتائی وہ ایک معمر فاضل شخص سن کر سر ہلانے لگا۔ اور سمجھ گیا اسمٰعیل نے انہیں قابل خطاب نہ پایا اسی لئے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ دوسرے دن وہ خود معہ شاگردوں کے آیا اور معمولی مزاج پرسی کے بعد تقلید پر مباحثہ شروع ہوا۔ کامل تین گھنٹے تقریر ہوتی رہی آخر مولانا شہید نے اسے قائل کر دیا اور یہاں تک اسے سید صاحب کا معتقد بنایا کہ اس نے بطیب خاطر بیعت کی اس کا مرید ہونا تھا کہ ہزاروں پٹھان آنے اور بیعت کرنے لگے۔ پٹھانوں پر یوں فتحمندی حاصل کرنا سکھوں پر فتح پانے کا ایک دیباچہ تھا۔ اس کامیابی پر سید احمد صاحب نے پیتا یا نہ پیارے شہید کو گلے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر دعا دی کہ خدا کا ہاتھ ہمیشہ تیرے سر پر رہے اور پے درپے کامیابیوں اور علمی فتوحات نے عملی فتوحات میں جان ڈال دی اکثر لوگ سکھوں سے انتقام لینے کے لئے تیار ہو گئے اور اب جنگ کی زور شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ مولانا شہید سید احمد صاحب کی سررشتہ داری کا کام بھی انجام دیتے تھے اور لشکر مجاہدین کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ ان دو گراں تر فرائض کی انجام دہی بحسن وخوبی کرنی ایک سخت کام تھا۔ مگر اسمٰعیل جیسے

قوی بازو کے آگے وہ اس آسانی سے حل ہو جاتا تھا گویا کچھ بھی نہیں ہے آپ کے قلم میں جیسی غیر معمولی قوت نمو اور زبان میں جیسی ممتاز گویائی تھی ایسی ہی میدان جنگ میں شمشیر آبدار کو گردش دینے اور ناواقف مجاہدین کو تو ائد دان سکھوں سے لڑ دانے میں ید طولے رکھتے تھے۔ جنگ کی جتنی تدابیر پوشیدہ اور ظاہر کرنی تھیں۔ سب کی گئیں۔ اور جب ہر طرح سے آراستہ ہو گئے۔ تو درہ خیبر سے ہوتے ہوئے حدود پشاور میں آئے۔ یہاں سے ہشت نگر ملک یوسف زئی میں ہوتے ہوئے۔ موضع خویشگی میں قیام پذیر ہوئے۔ اس موضع سے سکھوں کی پولیٹکل منظر کا جوش نما سین بخوبی معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے ادھر ادھر آدمی بھیج کر تمام موجودہ حالت گورنروں اور سکھوں کی سرحدی فوجوں کی دریافت کرلی۔ زیادہ مدد آپ کو اپنے ان نقشوں سے ملی۔ جو آپ نے اپنے پرائیویٹ سفر پنجاب میں حاصل کئے تھے۔ کامل طور پہ دریافت ہو گیا فلاں قلعہ کا افسر فلاں سکھ ہے۔ اور فلاں گڑھی کا قلعہ دار فلاں سنگھ جی ہے۔ ہر امر میں کامیابی جب ہوتی ہے۔ کہ اعیان شہر معاونت کریں خواہ ان کی معاونت کتنی ہی قیمت قیمت کیوں نہ رکھتی ہو۔ بڑی بات مولانا شہید کے دعظ میں یہ تھی۔ قومی اصلاحوں کا بوجھ علماء سے گذار کر امراء کی گردن پر رکھتے تھے۔ عموماً تو یہ ہوتا تھا کہ وعظ سننے کے بعد لوگ خادم بن جایا کرتے تھے۔ مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف زبانی سننے کا ان پر وہ اثر ہوتا تھا کہ نادیدہ مولانا شہید یا ان کے مرشد سید صاحب کے مرید اور عاشق شیدا ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی فدایت اور فریفتگی زبان حال سے یہ گویا ہوتی تھی۔

نادیدہ جمال او در مہرش بدلم ہرند ناکاشتہ مہر و بد دانا نہ چنیں باید

مثلاً سردار محمد خان جو امیر دوست محمد خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ خود بخود مولینا شہید کی متناطیسی کشش رکھنے والی محبت میں محو ہو کر مع اپنے باڈی گارڈ کے طلوع آفتاب سے پہلے موضع خویشگی میں آکر قدموں پر گر پڑا۔ پیارے شہید نے اپنی شیریں زبانی سے اسے خوش کر لیا۔ اور پھر سید صاحب کی خدمت میں حاضر کیا۔ سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ کے سچے مددگاروں میں بنا۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ مولانا شہید کا تقریر تو پر اثر مشہور رتھی مگر رفتہ رفتہ آپ کی شرح انجذاب قلبی میں بھی بڑھتی گئی ایک ضعیف بوڑھا شخص (مرحوم) جو بارہا مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ اور جس نے مولانا شہید کی ہمرکابی کا شرف مدتوں حاصل کیا تھا۔ ایک دن یہ کہنے لگا۔ کہ مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے خیمہ میں، بیٹھے ہوئے جنگ کے آثار چڑھاؤ کو تک رہے تھے۔ کہ یک بیک آپ کے دل میں خیال آیا کہ سکھوں کی طرف سے ہمارے مقابلہ کے لئے مسلمان بھیجا گیا ہے یہ ملکی لڑائی تو ہے نہیں کہ وہ گنہگار نہ ٹھہرے۔ بلکہ یہ مذہبی جنگ ہے اگر وہ ہمارے مقابلہ میں مارا گیا تو قطعی جہنمی ہو گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اس تشنیع ترکام سے باز رکھیں۔ یہ فرما کر مولانا شہید خاموش ہو گئے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ بہ غیر معمولی تمتماہٹ جس میں نکھار اور افسردگی کی گہری گہری تہ تھی جلوہ دے رہی تھی۔ اور آپ کا ہر سر مو بہ گویا تھا۔

جوش دکھلائے ذرا آج تو اے حضرت دل اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

نہیں گھنٹے بھی مشکل سے گذرے ہونگے۔ کہ وہ تنہا آپ کے خیمہ میں چلا آیا اور

مایوس ہو کر کہا میری طبیعت بے چین ہے خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔ آپ نے ٹھنڈا پانی اس کے سر پر ڈالا اور اپنی گفتگو کے آب شیریں سے اس کی روحانی پیاس بجھائی۔ خدا معلوم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے۔ مگر ہاں یہ امتحان تو ہم نے مسمریزم کے ماہر کا بھی کیا ہے۔ کہ اسے اپنے نادان کا بے ہوش کر کے باتیں کرنا کوئی بڑی بات کوئی مشکل امر نہیں معلوم ہوتا یا کسی جانتے ہوئے شخص کو بلا لینا کوئی بڑی بات نہیں خیال کی جاتی۔ ممکن ہے اسی کی کوئی قوت پیارے شہید میں بھی ہو گی اور کبھی کبھی اتفاقیہ اس کا ظہور بھی ہو جاتا ہو گا۔

پہلی جنگ

موضع خویشگی سے سکھوں کے قوانین جنگ سامان آلات حرب اور بعض پوشیدہ معاملات سے جو جنگ کی جان ہوتے ہیں اطلاع ہو گئی۔ تو سید صاحب مولانا شہید اور اپنے خاص خاص دوستوں کے مشورہ سے نوشہرہ آ گئے۔ یہاں جنگ شروع ہو جانے کا پورا خیال تھا اس مقام پر آپ نے کسی قدر سپاہ مجاہدین کو بھی درست کیا۔ دس دس مجاہدین کی ایک ایک کمپنی مقرر کی اور ان پر ایک ایک افسر نامزد کیا۔ اور موقع موقع پر دور دور تک انہیں پھیلا دیا پانسو آدمیوں کی کمان آپ ہی اور تین سو جانباز مجاہدین سید صاحب اور بعض مستورات کی حفاظت کے لئے چھوڑے یہ پہلا ہی موقعہ پیارے شہید کو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں شمشیر بازی کرنے کا تھا۔

دربار لاہور کو بھی پے در پے مجاہدین کے ارادے اور آگے بڑھنے کی خبریں

جا رہی تھیں رنجیت سنگھ ولایتوں پر فتح حاصل کر کے خواب خرگوش میں پڑا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔ اور اسے ذرا بھی خیال نہ تھا۔ کہ میری حدود کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے گا۔ جب عین وقت میں مجاہدین کے لشکر کے گھوڑوں کی ہنہنانے کی آوازیں دربار لاہور کے کانوں میں پہنچیں تو وہ اپنے خواب نوشین سے چونکا ہوا اور نہایت افروختہ ہو کر سردار بدھ سنگھ کی ماتحتی میں دس ہزار فوج دے کر مجاہدین کی گوشمالی کے لئے روانہ کی وہ جانتا تھا۔ کہ دس ہزار سکھ فوج بیس ہزار مخالفین پر بھاری ہے۔ بدھ سنگھ نے موضع اکوڑہ میں اپنا لشکر گاہ بنایا نوشہرہ سے یہ مقام بارہ میل کے قریب واقع ہے۔ ادھر ہلالی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اور ادھر سکھوں کا پھریرا اڑ رہا تھا۔ دریائے لنڈہ دونوں لشکروں کی حد فاصل تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سید صاحب نے مولانا شہید سے وہی معمولی تحریری پیغام لکھوا کر بھیجا جو نبی اکرم یا خلفائے راشدین کے وقت میں جب وہ مخالفین اسلام سے بہت ستائے جاتے تھے اور ناچار اپنی حفاظت دینی مالی اور جانی کے لئے جنگ کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ تو جنگ سے پہلے یہ تحریری نامہ بھیجا کرتے تھے۔ کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ پھر ہم تمہارے بھائی ہیں۔ یا جزیہ دو پھر ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور اگر دونوں ہی باتیں منظور نہیں کرتے تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ

اس مضمون کا نامہ سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے سردار بدھ سنگھ کی معرفت دربار لاہور کو روانہ کیا۔ جونہی قاصد دربار رنجیت سنگھ

میں پہنچا اور ایلچی نے یہ نامہ دیا دربار میں اس پر حقارت انگیز آوازیں بلند ہوئیں، جیسے مدائن میں یزدجرد کے پاس سعد ابن ابی وقاص رض کا پیغام لے کر جب مغیرہ گئے تھے اور یہی باتیں سنائی تھیں ان پر بھی حقارت کے نعرے مارے گئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے نہایت بزدلانہ طور پر ایلچی کو ٹوکا اور دھکے دلوا کر دربار سے باہر نکلوا دیا اور اس نامہ کا کچھ جواب نہ دیا۔

جب قاصد لشکرگاہ مجاہدین میں پہنچا اور ساری کیفیت سنادی۔ سید صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا ہم اپنا فرض ادا کر چکے اب ہم سے خداوند تعالیٰ روز حشر باز پرس نہ کرے گا مولانا شہید متفکر تھے کہ ہم لنڈہ سے پار اتر کر جنگ کریں گے تو ہمیں فائدہ ہوگا۔ یا ہمیں جما رہنا ہمیں منفعت پہنچائیگا آپ اس کشش و پنج میں تھے کہ رئیس[1] اکوڑہ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوا اور اس نے تمام جنگ کے تار چڑھاؤ سید صاحب اور مولانا شہید کو سمجھائے اور کہا کہ بدھ سنگھ کا ارادہ ہے سمہ میں آ کر جنگ کرے میرے خیال میں اس کا لنڈہ سے پار ہونا ہمارے لئے بہتر نہ ہوگا مناسب یہ ہے کہ حضور پیش قدمی کر کے دریائے لنڈہ سے پار اتر کر اس کے بڑھنے کو روک لیں۔ مولانا شہید نے بھی اس کی تائید کی۔ آخر موضع خویشگی میں جو جنگ کے لئے مناسب تھا پھر قیام کیا۔ ادھر سردار بدھ سنگھ اکوڑہ میں داخل ہو گیا۔

مصلحت اس کی مقتضی ہوئی۔ کہ اس عظیم الشان فوج پر شبخوں مارا جائے

---

[1] ایخان سردار قوم خٹک

مولانا شہید کا ارادہ اس فوج کی کمان کرنے کا تھا۔ مگر سید صاحب نے اجازت نہ دی۔ آخر دو ہزار مرد میدان آدھی رات کو روانہ کئے گئے۔ انہوں نے خاموشی سے لنڈہ کو عبور کیا۔ شب کی تاریکی ایسی کبھی دیکھنے میں نہ آئے گی۔ دو بجے کے قریب لشکر مجاہدین سکھوں پر جا کر گرا۔ سکھ بے ہوش نہ تھے۔ پہرہ چوکی سے وہ بھی چوکس تھے ان کے کانوں میں جونہی اچانک اللہ اکبر کی صدائیں پہنچیں وہ گھبرا کر اٹھے بندوق سے گذر کر سینہ بسینہ جنگ ہونے لگی۔ صبح تک زبردست خونریزی ہوئی۔ طرفین کو مزا آگیا۔ اگر بدھ سنگھ آزمودہ کار نہ ہوتا تو ایک سکھ بھی جانبر ہو کر نہ جاتا۔ مسلمان نے قواعد دان سکھوں کو دکھا دیا کہ ہماری بے سروسامانی اور قوانین جنگ سے ناواقفیت تمہاری اس شان و شوکت اور بے سازوسامان پر چشمک مارتی ہے۔ بہت بڑی خون ریزی کے بعد سکھوں نے میدان جنگ مسلمانوں کو سونپ کر جان بچائی۔ اور پانچ میل اکوڑہ کے پرے بیدو بستی میں اپنی شکستہ فوج کی درستی میں مشغول ہوئے مسلمانوں نے علی الصبح نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اس جنگ میں کوئی قلیل تعداد مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی۔ مگر اس قلیل تعداد میں نامور بہت تھے۔ سکھوں کے کشتوں کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ اکثر مقتولین کو وہ اپنے ساتھ اٹھا کے لے گئے تھے۔ ہاں جو میدان جنگ میں بے گور و کفن پڑے ہوئے تھے ان کی تعداد ڈھائی ہزار تھی۔ یہ نمایاں فتح مسلمانوں کو ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء مطابق ۲ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔

گو مولانا شہید نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ پھر بھی آپ لنڈہ کی ایک طرف اس ترپ کو جس پر آپ کمان کر رہے تھے۔ صبح تک کھڑے رہے

اثنائے جنگ میں برابر خبریں آرہی تھیں۔ آپ ہدائتیں کر رہے تھے۔ کہ فلاں طرف سے حملہ کرو اور فلاں رخ دشمن کو روکو۔ گو جی تو بہت چاہتا تھا۔ کہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ شرکت کریں۔ مگر اپنے امیر کا حکم بار بار مانع آتا تھا کیونکہ آپ نے حکم دے دیا تھا۔ کہ اس سے آگے جب تک حکم ثانی نہ آ جائے ایک قدم بھی نہ بڑھانا۔

دوسری جنگ

اس نمایاں فتح نے دربار لاہور میں ایک زلزلہ ڈال دیا۔ اور تمام ملک ہند میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اب رنجیت سنگھ کی آنکھیں کھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ مجاہدین منہ کا نوالہ نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ہڑپ کر جاؤں گا۔ اور خبر نہ ہو گی۔ مولانا شہید نے پہلے دہلی اور بعد ازاں جہاں جہاں سید صاحب نے حکم دیا خطوط روانہ کئے اور اصلی اصلی کیفیت جنگ کی تحریر کی۔ ایک سردار نے اس خوش آئندہ فتح کے بعد سید صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا اگر آپ حضرو پر شب کو چھاپہ ماریں تو علاوہ بے تعداد سامان رسد آلات حرب اور مال و زر ہاتھ آنے کے سکھوں کی کمریں ٹوٹ جائیں گی۔ کیونکہ ایک یہی سر سبز زرخیز موضع ہے جس پر سکھوں کی بہت بڑی جماعت کی زندگی کا دارو مدار ہے اگر یہاں آپ کو کامیابی ہو گی اور فتح ہو گئی۔ تو پھر اور بھی مجاہدین کی قوت بڑھے گی اور سکھوں کو مات ملے گی۔ مولانا شہید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے سید صاحب کے حکم سے شبخون مارنے کے لئے تین دستے سو سو آدمیوں کے

منتخب کر کے تیار کئے انہیں تمام جنگی اتار چڑھاؤ بخوبی سمجھا دیا۔ اور چند خاص خاص ہدایتیں جو مولانا شہید کیا کرتے تھے۔ ان سے بھی کہہ دیں۔ ان کی مدد کے لئے سید صاحب کے حکم سے خود پیار اشہید دو سو سوار افغانی لے کر کھڑا ہوا جن میں بعض بعض آپ کے خاص خاص شاگرد بھی تھے یہ تین دستے جنہوں نے طمع غنیمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا تعادلیسی تھے ان میں ایک بھی ہندوستانی نہ تھا۔ دس بیس قندھاری ضرور تھے جو ان کے ساتھ سید صاحب سے اجازت لے کر روانہ ہوئے تھے یہ شبخون جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے۔ مولانا شہید کی خلاف مرضی وقوع میں آیا۔ سید صاحب نے اجازت دے دی تھی اور آپ نے بھی جنگ کے لئے مستعدی ظاہر کی تھی۔ مگر ایسی خفیف جنگوں کی بنیاد کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانوں نے حضرو کو لوٹا اور بکثرت مال غنیمت لے کر وہاں سے بھاگے پیچھے سے سکھوں نے تعاقب کیا۔ اور بعد ازاں جنگ چھڑ گئی اگر مولانا شہید خطرناک دلیری نہ کرتے تو ہندوستانیوں کو سخت چشم زخم اٹھانے پڑتے گو مال غنیمت امید سے زیادہ ہاتھ لگا۔ مگر پھر کیا سید صاحب کو ایک حصہ بھی افغانیوں اور قندھاریوں نے نہ دیا۔ اور خود ہڑپ کر گئے۔ اصل میں پولیٹیکل اور جنگی معاملات کی پیچیدگیوں کو سلجھانا اور اپنے موافق ان سے نتائج پیدا کرنا ایک دشوار کام ہے۔ مولانا شہید میں یہ روح تھی کہ وہ ان ہیبت ناک معاملات جنگی کا اتار چڑھاؤ سمجھ سکیں۔ مگر ان کاموں کا اس قدر بوجھ تھا کہ وہ کچھ کر ہی نہ سکتے تھے۔ جتنی تدبیریں کی جاتی تھیں۔ قدرتی یا اتفاقی طور پر تو حسب منشا پر جاتی تھیں۔ ورنہ بعض اوقات تو مجاہدین کی طرف سے ایسی بے

عنوانیاں ہوجاتی تھیں۔ کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا تھا۔ تمام مجاہدین پر کوئی حاکم نہ تھا یہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو وہ لوگ بزرگ جانتے تھے اور بیعت سے مشرف ہونے کے بعد اطاعت بھی کرتے تھے۔ مگر یہ اطاعت خوشی کی اطاعت تھی۔ کوئی تعزیری قوانین ان کے لئے مرتب نہ کئے گئے تھے جس کے وہ پابند ہوتے نہ ان کی بے اعتدالیوں پر جیسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سزا دیا کرتے تھے۔ کسی مجاہد کو تعزیر دی جاتی تھی۔

حضرو کا شب و خون گوٹیروں کے حق میں بہتر ہوا مگر سکھوں کو شب خون نے اور زیادہ دلیر اور حوصلہ مند بنا دیا وہ سمجھ گئے ان لوگوں میں میدان میں کھلم کھلا جنگ کرنے کی قدرت نہیں ہے یہ لٹیرا ہی جانتے ہیں حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ مجاہدین کا اکثر حصہ میدان میں بھی سکھوں کے مقابلہ میں شربت شہادت پینے کے لئے لب خشک دکھائی دیتا تھا۔ اور وہ گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ یا دیم یا ستانم کلاہ قصہ مختصر یہ کہ اس حضرو کے شب خون سے قندھاریوں اور افغانیوں نے تو فائدہ اٹھایا۔ مگر سید صاحب کے گروہ کا کچھ نفع سوائے صرف جان کے نہ ہوا

تیسری جنگ

مجاہدین میدان جنگ میں نہایت دلیری اور قابل توصیف بے جگری سے لڑتے تھے۔ مگر جب انہیں کو لڑانے والا یا دشمن کی زد سے بچانے والا نہ تھا ان کی بے محابا جرأتیں اور بے نظیر شجاعتیں جیسا کہ چاہیئے نتیجہ پیدا نہ

کرتی تھیں۔ مولانا شہید نے اس وقت مصلحت یہ سمجھی کہ اس ملک کے کل مولویوں سے یہ اقرار نامہ لکھوا لیا جائے کہ ہم نے سید صاحب کو امام تسلیم کیا۔ یہ تدبیر چل گئی اور نہ صرف پنجاب کے مولویوں نے بلکہ ہندوستان کے بھی اکثر علماء نے یہ اقرار نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ کہ ہم سید احمد کو امام المسلمین تسلیم کرتے ہیں۔

حضرو کے شب خون کے بعد جس سے شجاع مجاہدین سکھ کے دامن حمیت پر بزدلی کا دھبہ لگا دیا تھا۔ بدھ سنگھ جنرل افواج سکھ نے ایک خط سید صاحب کی خدمت بابرکت میں روانہ کیا اور لکھا کہ شب خون مارنا اور بے خبروں پر شمشیر چلانا شجاعان دہر کا شعار نہیں ہے کہ وجہ ہے کہ آپ میدان جنگ میں نہیں آتے اور دست بدست جنگ کر کے باہمی قسمتوں پر فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔

سید صاحب نے اس کا جواب ایسی مجملاً عبارت میں دیا جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا آیا آپ نے شب خون ناپسند فرمایا یا میدان جنگ میں دست بدست جنگ کرنی اچھی جانی چونکہ یہ ایک پولیٹیکل راز ہے اور ایسی عبارت ضرور ایسے نازک معاملات میں تحریر ہونی چاہیے اس لئے ہم مولانا شہید کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ آپکا صحیح دماغ ان اہم اور بعض اوقات لاینحل معاملات میں بھی ایسا لڑ جاتا تھا۔ کہ آب تک آپ کی تدابیر ملکی کو سمجھنے والے عش عش کرتے ہیں خط جسے ہم بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں مولانا شہید کی پولیٹیکل قابلیت کا اعلے درجہ کا نمونہ بتاتا ہے وھو ہذا۔

صاحب
انا امیر المومنین سید احمد بجواب نامہ سردار بدھ سنگھ جنرل افواج مہاراجہ رنجیت سنگھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از امیر المومنین سید احمد بجانب بدھ سنگھ صاحب تحمیر سپہ ساالار

جنود و عساکر مالک خزائن و دفاتر جامع ریاست و سیاست حاوی امارت و ایالت
صاحب شمشیر و جنگ عظمت نشان سردار بدھ سنگھ ہدی اللہ تعالی اسوا الطریق
وامطر علیہ السحاب التوفیق۔ پوشیدہ نماند کہ نامہ فصاحت شمامہ مشتمل بر اظہار مراتب
دعاوی شجاعت و شہامت رشید مضامین مندرجہ واضح گردید۔ ظاہرا آنچہ
ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی و معرکہ پیرائی مقصود است اں را خوب نہ فہمیدہ
اند کہ نامہ مذکور نگارش نمودہ اند الحال بگوش ہوش باید شنید و خلاصہ آں
بغور تمام باید فہمید کہ منازعت با اہل حکومت و ریاست بنا بر اغراض متعددہ
مے باشد بعضے را از منازعت مذکورہ حصول مال و ریاست مقصود مے باشد
بعضے را اظہار شجاعت و شہامت و بعضے را فقط تحصیل مرتبہ شہادت و ایں جانب
را امرے دیگر متصور است و آں فقط بجا آوردن حکم مولائے خود کہ مالک علی الاطلاق
و ملک بالاستحقاق است کہ در مقدمہ نصرت دین محمدی وارد شدہ است خدا عزوجل
گواہ است بریں معنی ایں جانب را از ہنگامہ آرائی غیر از امر مذکور غرضے دیگر از اغراض
نفسانیہ در میان نیست بلکہ آرزوئے آں ہم نگاہے بر زبان مے گردد ورنہ
گاہے در دل میگذرد پس در نصرت دین محمدی ہر سعی بہر درجہ کہ ممکن مے باشد بجا مے
آرم و ہر تدبیرے کہ در آں مفیدے نماید بروے کار مے آرم و انشاء اللہ تعالی
تا دم مرگ در ہمیں سعی مشغول خواہم ماند و تمام عمر در ہمیں تدبیرات مبذول خواہم
کرد تا زندہ ام ہمیں راہے پویم و تا موجودم ہمیں مقصدے جویم تا سر دارم پا استادہ
ہمیں راہ است و ہمیں سودا خواہ مفلس شوم خواہ غنی خواہ منصب سلطنت یابم
خواہ رعیت گری خواہ متہم بجبن خواہ متسم بشجاعت خواہ بمرتبہ غزا فائز شوم خواہ

بمنزلہ شہادت آرے اگر بلنیم کہ رضائے مولائے من درہمیں منحصر ست کہ درمعرکہ جنگ
تنہا بجانِ خود بیائیم پس بسم اللہ و باللہ کہ بصد جان سینہ سپر نمائیم و در مجامع عساکر
بید غدغہ و سواس درآئیم بالجملہ مرا با ظہار دعاوی شجاعت و تحصیل ریاست غرض
نیست علامتش ہمیں است کہ اگر کسے از امرا رکبار و رؤسا عالی مقدار دین محمدی
قبول نماید فی الحال مردانگی اور بصد زبان اظہار نمائم و از دیا سلطنت او بہزار
جان می خواہم بلکہ درباب ترقی ریاست او در مساعی بے شمار مے آرم ایں امر
فی الحال امتحان کنند اگر خلاف برآید دراں الزام دہند اگر بنظر انصاف غور نمائند
ایں جانب بدیں مقدمہ اصلا مطعون و ملام نیست زیراکہ وقتیکہ آں عظمت نشان
در مقدمہ بجا آوردن احکام حاکم خود ہیچ عذرے و حیلہ نمی توانند آورد حالاں کہ آں
حکومت نشان از افراد ایشاں بلکہ از جملہ برادراں ایشاں است پس ایں جانب در
مقدمہ بجا آوردن حکم احکم الحاکمین چگونہ عذر تواند آورد حالاں کہ آں جلیل الشان
خالق جمیع افراد انسان بلکہ مکون سائر اکوان است والسلام علی من اتبع الہدے
تحریر بتاریخ پانزدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۲ھ فقط۔

بدھ سنگھ جنرل افواج سکھاں کے پاس جب یہ نامہ پہنچا تو سوائے تیاری
جنگ کے وہ اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس نے دریائے اباسین پر تین ہزار
شائستہ فوج سکھوں کی روانہ کی اور حکمت یہ کی کہ آٹھ دس توپوں کو اپنے عقب
میں رکھ لیا تاکہ مجاہدین بے خبر ہو کر حملہ کریں تو ہم ان کی خبر لیں۔ اس وقت بہت
بڑے انتظام کی ضرورت تھی۔ افغانوں کا بزدلاپن اور دھوکے بازی کھل چکی تھی
ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا شہید نے ایک بار سید صاحب کی خدمت

ہیں یہ عرض کر دیا تھا۔ ہمیں افغانوں کی جمعیت بڑھنے میں زیادہ خوش نہ ہونا چاہیئے یہ لوگ بزدل اور دغاباز ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمیں سخت زخم اٹھانے پڑیں گے مگر سید صاحب نے اس بات کو نہ مانا تھا۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ جب کوئی شخص خود جہاد کے لئے بغیر کہے جانا چاہتا ہے ہیں اسے کیوں روکوں ایک دیسی سردار نے درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو اباسین سے پار اتر کر دشمن کی فوج پر افغانوں کے ساتھ حملہ کروں آپ نے اجازت دے دی مگر مصلحتاً سید صاحب نے مولانا شہید کو بھی ہمراہ کر دیا کل پانسو ہندوستانی آپ کے ساتھ تھے۔ مولانا شہید نے سردار مذکور سے کہہ دیا کہ جب تک ہم کشتیوں پر قبضہ نہ کر لیں گے۔ فتح نہیں پا سکتے۔ بڑی کشمکش سے کشتیوں پر بھی قبضہ ہو گیا۔ مولانا شہید نے افغانوں کے ساتھ گھل مل کر دشمنوں پر حملہ نہ کیا بلکہ سکھوں کے مقابلہ میں ایک طرف سے تو افغانی سردار مذکور کی زیر کمان بڑھے اور دوسری طرف سے مولانا شہید نے اپنے گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ جب نصف دریا افغانوں نے طے کر لیا اور سکھوں نے اپنے حملہ آوروں کو اپنی زد پر بالکل ٹھیک سمجھ لیا تو انہوں نے اپنی عقب والی توپوں سے فائر کرنے شروع کئے جونہی دس بیس دیسی اڑے کل فوج کی فوج الٹی پھری بہت سے اباسین کے نذر ہوئے۔ اور باقی جان بچا کر بھاگے۔ محض بے سراپن تھا نہ کوئی قاعدہ جاری تھا۔ نہ کسی کی باقاعدہ کمان تھی لوٹ کا لالچ افغانوں کو لئے پھرتا تھا اور ایسے حملوں میں اگر مولانا شہید کا دم نہ ہوتا تو سخت ذلت ہوتی۔

جس وقت افغانوں کی بے تعداد بے سری فوج بھاگی ہے مولانا شہید کے بھی پاؤں اکھڑ گئے تھے آپ نے اس نظارہ کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور چاہتے

تھے کہ باگیں پھیر لیں۔ اور مٹھی بھر آدمیوں کو دشمنوں کے پنجہ سے نکال لیں مگر اپنی نڈر طبیعت اور غیرت اسلام نے تقاضا نہ کیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو للکارا اور کہا یہی وقت ہے اسلام پر جان قربان کر دینے کا۔ بڑھو اے بھائیو بڑھو یہ کہہ کر سب سے پہلے گھوڑے کو بڑھایا۔ جتنے ہندوستانی ساتھی تھے آپ کے پیچھے سکھوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ قدرتی طور پر سکھوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ اپنی توپیں اور بہت سا سامان حرب چھوڑ کر بھاگے۔

اسے ہم تائید غیبی کہتے ہیں۔ ورنہ مٹھی بھر آدمی کبھی ان سے مقابلہ کر کے جانبر نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا شہید نے کل سامان پر قبضہ کر لیا۔ اور بلفتح وظفر اپنے کیمپ میں واپس آئے۔

چوتھی جنگ

اس اتفاقیہ فتح کے بعد سید صاحب مع اپنے کل جانثاروں کے نوشہرہ میں آ گئے۔ یہاں سرداران پشاور بیس ہزار فوج لئے ہوئے سید صاحب کی مدد کے لئے تیار کھڑے تھے۔ دربار لاہور کو وقتاً فوقتاً پے در پے شکستوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اور وہاں سے برابر لشکر روانہ ہو رہا تھا۔ میدان سید و جنگ کے لئے موزوں قرار دیا گیا۔ طرفین کی آنکھیں اس انقطاعی جنگ پر لگ رہی تھیں سکھوں کی بھی پندرہ ہزار فوج جمع ہو گئی تھی۔ اور دونوں لشکر آمادہ پیکار تھے۔ بارود تیار تھی۔ صرف بتی دینے کی کسر تھی ایک نئی آفت سید صاحب اور آپ کے صادق مریدوں پر آتے آتے رہ گئی سوائے تائید غیبی کے اور کیا خیال ہو سکتا ہے

پشاور کے سردار جن میں بعض شیعہ مذہب بھی تھے۔ گو لظاہر انہوں نے سید صاحب
سے بیعت کرلی تھی مگر جانی دشمن تھے رسد پہنچانے کا انتظام انہوں نے اپنے
ذمہ لیا تھا۔ دو شخص[1] آپ کے لئے کھانا لایا کرتے تھے یعنی کھانے کا انتظام ان
کے سپرد تھا۔ سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو ان پر کامل بھروسہ تھا۔ انہوں
نے ایک دن موقع پر زہر ہلاہل سید صاحب کے کھانے میں ملا دیا۔ اتفاق سے
وہ کھانا شب کو صرف سید صاحب نے کھایا۔ کھانا کھاتے ہی آپ کے تیور بدل
گئے اور زبان کا اینٹھنا۔ سنسنیوں کا ہونا شروع ہوا۔ خیر یہ ہوئی کہ آپ خود بخود بیہوشی
کے عالم میں قے پر قے کرنے لگے مولانا شہید مغموم پاس بیٹھے تھے صبح کو جنگ
ہونے والی تھی۔ اور سردار[2] فوج کی یہ کیفیت ہوگئی۔ گھڑی بھگھڑی آپ کی حالت
ابتر ہوتی گئی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ دونوں فوجیں جنگ کے لئے آراستہ ہوئیں۔
مجاہدین سید صاحب اور مولانا شہید کی غیر موجودگی سے ہول میں آئے جاتے
تھے۔ شیعوں کے سردار نے چالاکی سے ایک لنگڑا ہاتھی سید صاحب کی سواری
کے لئے بھیج دیا اور مہاوت کو خوب سکھا پڑھا دیا۔ جس طرح ہو سید احمد کو شہید
کرا دو بجو خیمہ کے دروازہ پر آ کر لوگ غل مچانے لگے۔ سید صاحب بہت جلد سوار ہو جائیں
ورنہ جنگ مومنین کیلئے خطرناک بن جائے گی۔ اس وقت سید صاحب کو کچھ کچھ ہوش
آگیا تھا۔ مولانا شہید سے کہا جس طرح ہو ہاتھی پر مجھے بٹھا دو آخر پانچ چھ آدمیوں
نے سید صاحب کو پکڑ کر ہاتھی پر سوار کرا دیا شیعوں کا سردار بیس ہزار فوج سے
دامن کوہ میں کھڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کو اس سے بہت سہارا تھا۔ جب آپ میدان

---

[1] نذر محمد۔ ولی محمد [2] سردار یار محمد

جنگ میں پہنچے ہیں تو لڑائی شروع ہو گئی تھی شیعوں کا سردار برابر سکھوں کو توپیں مار رہا تھا۔ مگر سوائے آواز کے گولا گولی نہ چھوڑا جاتا تھا۔ جب سخت معرکہ آرائی ہوئی اور سکھوں نے شیعہ سردار سے دو آدمیوں کی معرفت ساز باز کرلی۔ تو وہ آندھی مینہ کی طرح حملہ آور ہوئے۔ شیعہ سردار اپنی کل فوج کے ساتھ غل مچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ انہیں دیکھ کر مجاہدین کے بھی پیر اکھڑ گئے مولانا شہید نے پہلے سکھوں کے خونخوار حملہ کو روکا۔ مگر جب دیکھا کہ سید صاحب تو بے ہوش پڑے ہوئے ہیں اور ان کا ہاتھی جنبش نہیں کھاتا اور وہ عنقریب سکھوں کے قبضہ میں آنے کو ہیں۔ آپ نے میدان سکھوں کے ہاتھ سونپ کر سیّد صاحب کو سنبھالا اور بمشکل کئی آدمیوں کی مدد سے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر صاف میدان جنگ سے نکل آئے۔ جب مجاہدین نے سید صاحب اور مولانا شہید کو اپنے میں نہ پایا ان کے پیر بھی اکھڑ گئے نہ کوئی کمانڈر تھا نہ ان میں کوئی خالد جیسا لڑانے والا اور نہ مثنی جیسا حملہ آوروں کے پنجہ سے نکالنے والا تھا۔ جدھر ان کا سینگ سمایا سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ سکھوں نے تعاقب کیا۔ اور مظلوم مسلمانوں کو نہایت بے بسی کی حالت میں قتل کیا۔ ان کا سامان لٹ رہا تھا اور ان کی جانیں ضائع ہو رہی تھیں۔ ادھر سید صاحب کے لینے کے دینے پڑ رہے تھے۔ اور ادھر مجاہدین کی جانوں پر بن رہی تھی۔ بہت سے مسلمان سکھوں نے قید کر کے لاہور روانہ کئے جہاں وہ نہایت بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ یہ فاش شکست اپنے سوتیلے بھائی شیعوں کے ہاتھوں ناواقف مجاہدین کو اٹھانی پڑی اس طرح ایک شیعہ وزیر نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور جب بُت

پرست سلطان نے بغداد فتح کر لیا تو بے گناہ سنی لاکھوں قتل کئے گئے تھے شیعوں نے جو جو مظالم توڑے ہیں وہ قابل بیان نہیں سید صاحب کو اگر ذرا بھی اس کا علم ہوتا کہ شیعہ سنی کا کبھی دوست نہیں بن سکتا۔ تو وہ کبھی ان کے دھوکے میں نہ آتے۔ وہ سچے مسلمان تھے انہوں نے شیعہ سنی کی تفریق ہی بالکل اڑا دی تھی۔ مگر اس صاف باطنی کے مقابل میں بھلا حضرات شیعہ کب چوکنے والے تھے۔ جس کروٹ ان سے بن پڑا انہوں نے کبھی کوئی دقیقہ سنیوں کے ستانے اور ہلاک کرنے کا اٹھا نہیں رکھا۔ یہ قہرناک شکست بھی بے چارے سنیوں کو ان ہی کی مہربانی سے نصیب ہوئی۔

پانچویں جنگ

آخر بمشکل مسلمان سکھوں کے تعاقب سے بچ کر اپنے مرشد سید کے گرد جمع ہوئے سید صاحب بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور انہیں دنیا و مافیہا کی کچھ بھی خبر نہ تھی برابر علاج ہو رہا تھا۔ اور کوشش کی جا رہی تھی کہ زہر کسی طرح جسم سے نکل جائے۔ ایک وفادار سنی سردار نے مولانا شہید کو مشورہ دیا کہ آپ سید صاحب کو چندلئی اگر لے چلیں تو بہتر ہے وہاں آپ کی آب و ہوا اچھی ہے اور مخالفوں کا بھی اتنا خوف نہیں ہے جاڑا کڑاکے کا پڑنے لگا تھا۔ اور پہاڑوں پر برف باری شروع ہو گئی تھی۔ مولانا شہید نے سردار مذکور کی صلاح بموجب معہ کل مجاہدین کے سید صاحب کو لے کر موضع چندلئی میں آ کر قیام کیا سامان سارا لٹ چکا تھا۔ مجاہدین کی حالت افسوس ناک تھی۔ سرمائی سامان کچھ نہ رہا تھا۔ اور رسد کا

سامان تو تین دن پہلے سے ختم ہو چکا تھا۔ مجروحین تڑپ رہے تھے۔ اور تندرست فاقہ کشی سے نالاں تھے۔ سید صاحب ابھی تک بے ہوش ہی تھے۔ اب یہ حالت مولانا شہید کی سخت امتحان کی تھی۔ کوئی مددگار چاروں طرف نظر نہ آتا تھا۔ ہر چند آپ کا شیریں مؤثر وعظ مجاہدین کو بہت کچھ تھپک رہا تھا۔ مگر فاقہ کی زبردست بے قراری کے آگے اس کا اثر بھی زیادہ دیر تک نہ رہتا تھا۔ ادھر اپنی بے سروسامانی کا غم . . . دوسرے سید صاحب کی نازک حالت کا جانکاہ صدمہ تیسرے بے عزتی کے ساتھ شکست کھانے کا تبدل الم جان کو آدھا کئے دیتا تھا۔ گو پیارا شہید اس پر بھی شاکر تھا۔ مگر اس کے صابر دل کو بے چین کرنے والا نظارہ مومنین کی زار حالت کا تھا۔ جو انتہا درجہ سخت اور نازک تھی۔ خدا خدا کر کے آٹھ دن میں سید صاحب کو ہوش آیا۔ اب مومنین کی کسی قدر ڈھارس بندھی اور انہیں بزرگ سید کے بچنے کی امید ہو گئی۔ موضع والے بیچارے روزمرہ کہاں سے دیتے آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ درختوں کی چھالیں اور جنگل کی بوٹیاں اُبال اُبال کر کھانے لگے۔ دن بھر دھوپ میں گزر کرتے تھے۔ اور شب کو سردی سے محفوظ رہنے کے لئے الاؤ کے گرد بیٹھ جاتے تھے۔ سب کی یکساں ہی کیفیت تھی۔ نہ سید صاحب بچتے تھے نہ مولانا شہید کی کوئی صورت بہتری کی معلوم ہوتی تھی۔ تیسرے دن کبھی کبھی ایک ایک مٹھی جوار کی بمشکل میسر آجاتی تھی۔ ورنہ درخت کے پتوں اور گھاس پات پر زندگی بسر ہوتی تھی۔ اس اثنا میں سید صاحب بھی اچھے ہو کر چلنے پھرنے لگے تھے۔ اور مجاہدین کے ساتھ کبھی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے تھے۔ اور کبھی اگر کہیں سے غلہ ہاتھ لگ گیا تو

مولانا شہید کے ساتھ چکی پیسنے بیٹھ جاتے تھے۔ بایں ہمہ کوئی مجاہد بد دل نہ تھا اور نہ کسی نے یہ درخواست کی کہ میں وطن جاتا ہوں نہ کوئی فاقہ کشی کی مصیبت سے چھپ کے بھاگا بلکہ اس غضب ناک مصیبت پر بھی وہ سید صاحب اور مولانا شہید کی معیت دولت مندانہ زندگی بسر کرنے سے بہتر جانتے تھے۔

یہ سخت تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ جتنی ان کی شکستہ حالی حد سے زیادہ گزر گئی تھی۔ اس سے زیادہ ان کی ہیبت ایسی بھاری شکست کھانے پر بھی قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی متنفس مومنین کی خستہ حالی سے واقف نہ تھا۔ جس کی عرضی آئی دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ جواب دینے کی بات ہی کون سی تھی جس سے جواب باصواب دیا جاتا۔ ایک دن اسی خستہ حالی میں رئیس[1] پکھلی کا ایک وکیل معہ عرضی کے پہنچا۔ اس عرضی میں لکھا ہوا تھا۔ ایک گڑھی پر سکھوں نے حملہ کر کے میرے بیٹے کو محصور کر دیا ہے۔ برائے خدا آپ جلدی ایک دستہ مجاہدین کی فوج کا روانہ کیجئے۔ جو میرے بیٹے کو ان کے پنجہ سے خلاصی دلوائے۔

جب مولانا شہید نے عرضی پڑھ کر وکیل کے سامنے سنائی تو سید صاحب نے وکیل سے کہا۔ کہ کل اس کا جواب دلویں گے۔ شب کو مولانا شہید سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا مرضی ہے۔ فاقہ کشی اور بے سر و سامانی کی بلا ہم پر چھا رہی ہے۔ اس مصیبت زدہ حالت میں مجاہدین میں یہ دم کہاں ہے کہ خونخوار قوی سکھوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اب جو کچھ تمہاری صلاح ہو کیا جائے مولانا شہید نے عرض کیا کہ ایک ہی جگہ پڑے رہنے سے ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے بے بسی کی حالت میں فاقہ کشی کرتے کرتے مر جانے سے دشمن کے مقابلہ میں

---

[1] سردار حبیب اللہ خان۔

گردن کٹانا زیادہ انسب ہے بہتر ہوگا۔ کہ آپ اس وکیل کو پابوس نہ جانے دیں۔ سید صاحب کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے فرمایا میرے خیال میں اسمٰعیل تمہارا افسر ہو کر جانا انسب ہوگا۔ مولانا شہید سوائے بسر و چشم کے اور کیا جواب دیتے فوراً سو آدمی ذرا مضبوط سے جن میں رامپوری نوادر بہت تھے چنے گئے اور تیسرے دن مولانا شہید انہیں اپنے ہمراہ لے کر وکیل کے ساتھ جانب پکھلی روانہ ہوئے اور بخیر و عافیت موضع پکھلی میں پہنچ گئے۔ مولانا شہید کی بے سر و سامانی اور مجاہدین کی قلت گو بعض وقت ناظر سوانح کو غلجان میں ڈالے گی اور وہ یہ دیکھ کر حیرت کرے گا۔ کہ ایسا شخص جو بہت عرصہ سے خود طرح طرح کی مصیبت میں پھنسا ہوا اور اس وقت بھی اس ناگفتہ بہ حالت ہو۔ پھر بھی وہ کس شوق اور اولالعزم ارادہ سے اپنے بھائی مسلمانوں کے بچانے کیلئے آمادۂ پیکار ہوا اور خونخوار دشمن کی کثیر التعداد فوج اور سامان حرب کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے۔ حقیقت میں یہ بات غور و تامل کی ہے۔ مگر جب مولینا کی حمیت اسلام سے بھری ہوئی فطرت پر نظر کرے گا۔ تو اُسے چنداں استعجاب نہ رہے گا۔

مولانا شہید کا اصلی منشا یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی حمایت میں میری جان نکلے اس سے بحث نہ تھی کہ ان مسلمانوں کے عقائد درست ہوں یا نہ ہوں۔ کئی بار یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ دیسی لوگ مولانا شہید اور ان کے پیر سید احمد صاحب سے فدائیانہ عشق نہیں رکھتے بلکہ اپنے ذاتی اغراض میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ یہ تمام غیر خوش آئند خیالات نہایت کمزور اور بادرِ ہوا معلوم ہوئے اور وہ اپنے امیر کے حکم سے ان ہی مسلمانوں کو سکھوں کے ظالم پنجہ سے بچانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے زیادہ

اسلام سے فدائیاں عشق رکھنے کی مثال بہت کم ملے گی۔

پکھلی میں مولانا شہید کا پہنچنا سکھوں کی اشتعالک طبع کا باعث ہوا ناظم موضع نے ایک سکھ افسر کی سرکردگی میں ڈیڑھ ہزار فوج روانہ کی۔ اور اسے ہدایت کردی کہ موضع ڈمگلہ پہنچ کر اپنی مورچہ بندی کرلے۔

سردار افواج سکھ نے ڈمگلہ میں خوب مضبوطی سے مورچہ بندی کی اور بکثرت دیسی بھی اپنی فوج کی تعداد بڑھانے کیلئے اپنے ساتھ کرلئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سکھوں کی جمعیت چار ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ مولٰینا شہید نے بھی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ خوانین پکھلی مولٰنا شہید کی خدمت معہ اپنے ہمراہیوں کے آموجود ہوئے اور باہم یہ مشورہ طے پایا کہ شب خون مارنا چاہیئے۔ مولانا شہید نے دو ہزار دیسی لوگ خوانین کے ذریعہ سے اپنی کمک پر دیکھے مگر اس منظر سے آپ کا دل خوش نہیں ہوا۔ آپ دیسیوں کی بزدلی اور دغا بازی کا تجربہ کرچکے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ یہ منہ بمنہ یا سینہ بسینہ سکھوں سے میدان جنگ میں شمشیر بازی نہیں کرسکتے مگر اب دقت بہت آپڑی تھی۔ اگر انہیں ساتھ نہ لیتے تو خوانین سے بگڑتی ہے۔ اور جو ہمراہ لیتے ہیں تو میدان جنگ سے ان کے فرار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آخر فکر کرتے کرتے آپ نے ایسا بندوبست فرمایا کہ اگر دیسی لوگ بھاگ بھی جائیں تو ہندوستانی لڑاکو مجاہدین پر ان کا کچھ اثر نہ پڑے۔ اور دوسرے دن شب کو تیاری کرکے حملہ کا حکم دیا۔

لہ سردار ہری سنگھ ناظم پکھلی۔ سہ سردار پھول سنگھ۔

دیسی ابھی سکھوں کے مورچوں کے قریب بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ فرار کا صیغہ گردانئے لگے۔ اور ایسے دم دبا کر بھاگے کہ شاید کوسوں پر جاکر دم لیا ہوگا۔ کل تین سو آدمیوں کے قریب دیسیوں کے رہ گئے۔ شب کے دو بج چکے تھے۔ رات اندھیری اور تیرہ و تار تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ سکھوں نے اپنے لشکر کے چراغ کبھی کے گل کر دیئے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کے جھونکے آبادی کی خبر دیتے تھے ورنہ اندھیری کی تاریک چادر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوسوں تک سنسانی حکومت کر رہی ہے۔ آدمیوں کے چلنے کی آہٹ ان ہی ہوا کے جھونکوں سے معلوم ہوتی تھی۔ مجاہدین زمین سے لگواں جا رہے تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ ہمارے قدموں کی آہٹ نہ معلوم ہو مورچوں پر جتنے سکھ جوان تھے وہ سب ہوشیار تھے قلب لشکر کے سپاہی ضرور آرام میں تھے۔ ادھر ادھر فوج کی بیداری سکھوں کی دور اندیشانہ روح کا نقشہ کھینچ رہی تھی۔ مولانا شہید نے پچاس آدمی تو مورچہ پر چھوڑے اور نوے ہندوستانیوں کے ساتھ جن میں رامپوریوں کی بڑی تعداد تھی، عقب کی طرف اپنے کو پہنچا دیا اور سامنے سے تین سو دیسی جو ابھی فرار نہ ہوئے تھے ایک دل ہو کر چلے مسلمان کی زیر کمان بڑھے چلے آتے تھے جب مولانا شہید بندوقیں تانے ہوئے بہت ہی قریب پہنچ گئے تو چند سنتری مورچوں پر پہرہ دیتے دکھائی دیئے گو انکی صورت و شکل قد و ڈیل ڈول مطلق نہ دکھائی دیتا تھا۔ پھر بھی اس قدر معلوم ہو رہا تھا کہ سیاہ پرچھائیاں گردش لگا رہی ہیں۔ چند منٹ تک آپ نے سوچا اور فکر کیا کہ مجھے اس پہلو پر حملہ کرنے سے کامیابی ہوگی یا دوسرے رخ پر حملہ آور ہونا فائدہ دے گا فوراً آپکی سمجھ میں یہ بات آگئی اور آپ نے شتابانہ مگر غیر ممکن السمع قدموں میں

دوسری طرف سے سکھوں کو آدبایا اور خوفناک تکبیروں کی آواز سے سکھوں پر حملہ کیا۔ سکھوں نے گولیوں کا مینہ برسانا شروع کیا مگر تاریک شب میں ان کی فی ہزار ایک گولی بھی نشانہ پر بمشکل لگ سکتی تھی۔ مولانا شہید نے بندوقوں سے گزر کر تلواروں کے قبضے پکڑ لئے اور اب سینہ بسینہ جنگ شروع ہو گئی۔ سکھ تو کچھ شراب اور نیند کے نشہ میں تھے اور کچھ انہیں اپنے مخالفین کا بے تعداد لشکر معلوم ہوا اس کا ہراس اور بھی انہیں بزدل بنا رہا تھا۔ پہلے تو بیس منٹ کے قریب انہوں نے اندھا دھند مقابلہ کیا اور جب ان پر حد سے زیادہ خوف طاری ہوا تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے اور اپنا کل سامان فاتحان اسلام کے لئے چھوڑ گئے۔ سکھوں کا سردار بڑا آزمودہ کار مرد میدان تھا۔ ان کے ایک ہزار قدم پر جا کر اپنے سپاہیوں کو پھر جمع کیا۔ اور گاؤں کے پانچ چار جھونپڑوں میں آگ لگا دی تاکہ مخالفین کی تعداد معلوم ہو جائے جوں ہی خشک پھوس کی تیز تیز بلند بلند لپٹیں اٹھیں مجاہدین کا بھرم کھل گیا۔ اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں جنہیں ہم نے ہزاروں سمجھ لیا تھا اپنی لاعلمی اور ساتھ ہی اپنے بزدلانہ پن پر ملامت کی اور دوبارہ غیظ و غضب میں مسلمانوں کی جمعیت پر حملہ کیا۔

یہاں ایک نیا گل اور کھل گیا تھا کہ جب سکھ اپنا سامان چھوڑ کر سراسیمہ بھاگے ہیں تو دیسیوں نے موقع غنیمت جان کر اسے لوٹنا اور اپنے گھر لے جانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ لوگ تو بھاگ گئے تھے اور جو کچھ دیسی رہ گئے تھے وہ اسباب پر گرے ہوئے تھے۔ جونہی سکھوں نے حملہ کیا دیسیوں کی شامت آ گئی اگر مولانا شہید غیر معمولی اور بے دھڑک شجاعت نہ کرتے تو ایک دیسی کی بھی جان نہ بچتی۔

مولانا شہید نے اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو پراگندہ نہ ہونے دیا اور اس طرح سمیٹے رکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو پروں پر دبا کر بیٹھتی ہے شب ہنوز تیرہ و تار تھی آسمان کی مصفا نیلی چادر پر غلیظ ابر محیط ہو رہا تھا آپ نے یہ حکمت کی کہ ایک جگہ جم کر نہ لڑے تین منٹ اس پہرے سے جنگ کی تو چار منٹ دوسرے دستے سے تمام لشکر میں نئے سرے سے تہلکہ مچ گیا سکھوں کا سردار سمجھ گیا کہ مسلمانوں نے مجھے دھوکا دیا یہ ضرور ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں گے جو اس وقت بے شمار نکل آئے یہ خیال سکھوں کی فوج اور ان کے سردار کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ یا اس سے کچھ کم انہوں نے خونخواری سے جنگ کی مگر بعد ازاں کسی سکھ نے اتفاق سے یہ کہہ دیا کہ سردار جی مارے گئے جونہی یہ آواز ان کے کان میں پہنچی پھر وہ ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرے اور ایسے بے تحاشا بھاگے کہ پیچھے کی کچھ خبر نہ لی۔ دیسیوں نے سکھوں سے سخت چشم زخم اٹھایا۔ پھر بھی مولانا شہید کی نڈر دلیری نے انہیں بال بال بچا دیا۔

یہ فتح مولانا شہید کا حوصلہ سکھوں کے مقابلہ میں بڑھانے والی تھی آپ اور آپ کے ساتھی دو دن سے فاقہ سے تھے۔ ایک کھیل کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہ گیا تھا۔ ہاں اس فتح سے بہت سا غلہ اور مویشی کسی قدر سامان حرب غازیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا یہ سامان کچھ ایسا بہت نہ تھا کہ آئندہ جنگ کے لئے مولنا شہید کو سہارا دے سکتا تھا۔ تاہم اس وقت غازیوں کے آنسو پچھ گئے تھے اور انہوں نے خدائے واحد کا شکر کر کے اسے خوشی خوشی اپنے کام میں لانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے سات شہید اور گیارہ مجروح۔ سکھوں کے تین سو قتل اور

پانچ سو مجروح ہوئے۔

چھٹی جنگ

ابھی وہ گڑھی جس کی مدد کے لئے مولانا شہید تشریف لائے تھے۔ ذرا فاصلہ پر تھی اور آپ نے دوسرے دن اس پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مولینا شہید کو غیر معمولی فنون جنگ اور بے نظیر بہادری میں لاثانی قابلیت رکھتے تھے مگر سکھوں کے مقابلہ میں اپنا ضعف بخوبی سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ دن کو کثیر التعداد سکھوں سے میدان لینا سخت مشکل اور دشوار ہے۔ آدمیوں کی کمی دیسیوں کی بے اعتباری اور سب سے زیادہ سامان رسد اور سامان حرب کا غیر موجود ہونا بڑی بھاری دقتیں تھیں۔ جو مولانا شہید کو منوحش خاطر بنا رہی تھیں۔ خوانین وغیرہ زبانی جمع خرچ تو بہت کرنا جانتے تھے مگر عملی ہمدردی ان سے ایسی ظہور پذیر نہ ہوتی تھی۔ جس سے مسلمانوں کا اطمینان ہوتا بہر حال مولانا شہید اکیلے خدا کے بھروسے پر قانع تھے۔ اور شہادت کا سر خوشانہ خیال بار بار ایک وجد انگیز خوشی میں آپ کے قلب کو شاداں و فرحاں بنا رہا تھا۔

گڑھی شنگاری جس میں ایک مسلمان گھرا ہوا تھا اور جس کے بچانے کیلئے مولانا شہید تشریف لائے تھے نصف میل کے فاصلہ پر تھی بہت دنوں سے سکھوں کی فوج اس گڑھی کا محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھی نہ گڑھی والے باہر نکل کے جنگ کر سکتے تھے نہ سکھ اس گڑھی کو مسلمانوں سے خالی کرا سکتے تھے جب ان سکھوں نے مولانا شہید کا حال سنا تو دریافت کیفیت کے لئے ایک بینڈ سکھوں کا شب کو

گشت لگاتا ہوا مولانا شہید کے مورچہ کے قریب آیا نہ تو مولانا کو خبر تھی کہ ابھی جنگ ہو جائے گی۔ اور نہ بظاہر وہ دستہ اس غرض سے ادھر آیا تھا۔

مسلمان بے چارے تین وقت کے کڑاکا گزرنے کے بعد بیٹھے ہوئے کھانا پکا رہے تھے بعض نے کھانا تیار کر لیا تھا اور بعض کی ہانڈیاں اور توے ابھی چولہے پر ہی چڑھے ہوئے تھے کہ مولانا شہید نے فوراً مسلمین کو کمر بندی کا حکم دیا وہ جان نثار اسی بھوک میں کھانے کو چھوڑ کر کمر بستہ ہوئے اور سکھوں کے مقابلہ کے لئے رنج کی طرح اپنی جگہ جم گئے۔ مولانا شہید سب سے آگے تھے جب وہ گولی کی زد پر آ گئے تو پہلے آپ نے گولی چلائی پھر مسلمانوں نے باڑھ مارنی شروع کی یکایک جب ان پر گولیوں کا مینہ برسا تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگے مگر ان ہی میں سے ایک شخص نے غل مچا کر کہا۔ نادانو! جن سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے تعداد میں جو تھے حصے سے بھی کم ہیں یہ سنتے ہی کل سکھ سوار جن میں پیدل بھی تھے دوبارہ جھپٹے یہاں سے برابر ان پر گولیوں کی بھرمار ہو رہی تھی۔ گولیوں کا جواب گولیوں سے دیتے ہوئے وہ آگے بڑھے چلے آئے اور آخر یہاں تک قریب آ گئے کہ دست بدست جنگ شروع ہوئی پہلے بندوق کے کندوں سے خوب خونریزی ہوئی۔ اور بعد ازاں تلواریں کھچ گئیں۔ یہ وقت حد سے زیادہ ان مٹھی بھر آدمیوں کے لئے خوفناک تھا۔ مولانا شہید نے دس دس آدمیوں کی ٹکڑیاں کر کے کئی طرف سے سکھوں کے ہیبت ناک حملہ کا جواب دیا ابھی تک پیارے شہید کی تلوار گلے ہی میں پڑی تھی اور آپ اپنی توڑے دار بندوق سے اس قدر جلدی فیر کر رہے تھے کہ دیکھنے والے کو تعجب آتا تھا۔ ایک دلیر سکھ نے پینترا کاٹ کر آپ پر تلوار کا

وار کرنا چاہا۔ آپ نے ایسی ایک ٹیپ کی گولی ماری کہ وہ پانچ قدم پر چت جا پڑا۔ پھر دوسرے نے حملہ کیا دوسری گولی بھی اس پھرتی سے لگی اور اس سکھ کا کام بھی تمام ہوا۔ تیسری بار آپ بندوق بھر کر بارود پیالہ پر ڈال ہی رہے تھے کہ ایک سکھ کی گولی نے آپ کی ایک انگلی اڑا دی گو بے باک شہید نے اس فیر کو بھی خالی نہ جانے دیا مگر چوتھی بار جب آپ بندوق بھرنے لگے تو انگلی کے خون سے بندوق کا پیالہ بھر گیا اب کیا تھا در وسہار نے کی ہر چند کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے اسی وقت پھر ایک خونخوار سکھ نے لپک کے تلوار کا وار کرنا چاہا آپ نے ذرا دو قدم سرک کر ایسے زور سے بندوق ماری کہ وہ چکرا کے گرا۔ اور آپ نے فوراً اس کا سر اتار لیا۔ انگلی سے خون برابر بہہ رہا تھا درد کی ایسی شدت تھی کہ الاماں تکلیف سے آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا تھا اور آپ یہ چاہتے تھے کہ جنگ موقوف ہو تو میں اس انگلی پر کپڑا گیلا کر کے لپیٹ لوں۔ ناچار اسی حالت میں آپ نے تلوار ہاتھ میں لی۔ انگلی نے تمام ہاتھ کو ایسا ناکارہ بنا دیا تھا کہ تلوار پکڑی نہ جاتی تھی۔ پھر بھی اس شیر نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال ہی دیا اور اللہ اکبر کہہ کر سکھوں پر جھپٹ پڑا اور مٹھی بھر مسلمانوں کو آواز دی کہ مار لیا ہے گھبرانا نہیں ابھی میدان ہمارے ہاتھ آنے کو ہے وہ فنون جنگ جو دہلی میں آپ نے سیکھے تھے اس وقت خوب کام آرہے تھے۔ مولانا کو اس قدر کمال تھا کہ اگر دس آدمی مل کر تلواروں کا حملہ کریں اور آپ کے پاس سوائے معمولی لکڑی کے دوسری چیز نہ ہو تو آپ ان دس آدمیوں سے کبھی ضرب نہیں کھاتے تھے۔ اور ایک ایک ہاتھ میں بہت پھرتی سے سب کی تلواریں چھین لیتے تھے۔ ایک غیر معمولی جوشش

اور دوسرے نبوٹ وغیرہ کے فن سے کامل مہارت بہت کچھ فتح یابی کی پیشین گوئی کر رہی تھی۔ خدا خدا کر کے سکھوں کے پیر اکھڑے اور وہ بے تحاشا بھاگے ایک تو میدان مولانا شہید کے ہاتھ رہا اور دوسرے ایک بڑی زبردست کامیابی یہ ہوئی کہ جب یہ دستہ سکھوں کا شکست کھا کر بھاگا اور اپنی فوج کو جو محاصرہ کئے پڑی ہوئی تھی۔ اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا کہ مسلمان حملہ کرنے کو ہیں اور وہاں پریشان ہو گئے سردار کا بیٹا جس کی نجات دینے کے لئے مولانا شہید گئے تھے سکھوں کو سراسیمہ پاکر گڑھی سے نکل کھڑا ہوا معمولی طور پر سکھ اس سے مزاحم ہوتے مگر اپنی پریشانی کے آگے انہیں اس کے بھی ہوش نہ رہے کہ اپنے دشمن کو تو روکتے اور اس کو نہ جانے دیتے۔

مولانا شہید اپنی انگلی کے زخم سے نہایت خوش معلوم ہوتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالےٰ قبول کرے تو یہ انگشت شہادت میرے لئے کافی ہے۔

ناظر کو کبھی ان فتوحات پر شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے ایماندار معائنہ کرنے والوں کی زبانی سنا ہوا ہے جو خود ان معرکوں میں شریک تھے اور ان سب کی صداقت ان فارن آفس کے کاغذوں سے ہوتی ہے جن کی نقل ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب "مسلمانانِ ہند" میں کی ہے۔

جب مولانا شہید کے یہاں آنے کا مقصد نکل آیا یعنے سردار کا بیٹا سکھوں کی قید سے چھوٹ گیا تو آپ نے سید صاحب کی طرف مراجعت کی اور بخیر وعافیت پنجتار میں پہنچ گئے۔

بعض بے عنوانیاں

ابھی مولانا شہید سید صاحب کے کیمپ میں نہ پہنچے تھے کہ آپ کو یہ خبر لگی کہ چند علماء کے قافلے آ رہے ہیں جن میں چھ سات سو آدمیوں سے زیادہ ہیں یہ سن کر پیارا شہید بہت خوش ہوا۔ اور اپنی جمعیت کی بڑھوتی دیکھ کر اور بھی زیادہ ہمت بندھی۔ یہ صحیح ہے کہ ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ ملائی دماغ کبھی اس قابل نہیں ہوتا کہ اتحاد سے کام کرے قدرتی طور پر اس میں خود پسندی اور بیجا تجتر۔ غیر نتیجہ مند اس بلا کی ہوتی ہے کہ نہ وہ خود چین سے رہتا ہے نہ اپنے متعلقین کو آرام سے رہنے دیتا ہے ان لوگوں کو جنگ سے اور تدابیر ملکی یا قومی اتحاد سے کیا کام یہ دوسری بات ہے کہ مولوی اسمٰعیل جیسا ایک جوہر نکل آئے جیسے فطرت کے جوہروں کا پورا نمونہ کہنا چاہئیے جس میں فطرت نے ہر علم اور فن کا مذاق مضمر رکھا تھا۔ ہمارے ایک مرحوم بوڑھے دور اندیش دوست کا خیال صحیح ہے کہ اگر مولانا شہید کے ساتھ ملانے نہ ہوتے تو آج سارا ہندوستان مسلمانوں کا ہوتا پیارا شہید اپنی جانبازیوں کا بہت کچھ فائدہ اٹھاتا۔ مگر ان ملاؤں نے جو اس کے ساتھ تھے اسے ہمیشہ اپنی نامعقول تدابیر کے صدقہ میں ناکام رہنے دیا اور آخر نوبت یہ ہوئی کہ مولانا شہید اور سید صاحب کی شہادت ہی پر کل کوششوں اور خونریز جانبازیوں کا اختتام تھا۔

غرض جب یہ قافلے ہندوستان کے مختلف شہروں سے آئے تھے تو ان میں مولوی محبوب علی صاحب دہلوی عجب دماغ کے شخص تھے ان

سے نسبت زیادہ لکھنا فضول ہے صرف یہی دو لفظ کفایت کرتے ہیں کہ وہ ملانے تھے کچھ ضرورت نہیں کہ تمام جہاں کا رونا رو بیٹھیں کہ وہ خود پسند تھا خرد ماغ تھا متعصب اور کوتاہ اندیش تھا۔ حاسد اور مسلمانوں کو برباد کرنے والا تھا بس ان الفاظ کے بجائے یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ملانا یا ملا تھا۔ مولوی محبوب عالم صاحب ان کا سفر مولانا شہید یا سید صاحب اور آپ کی پارٹی (گروہ) کے لئے منحوس تھا وارد پنجاب ہوئے اور ابھی پانچ چار منزل سید صاحب سے دور ہوں گے کہ آپ نے تند اور نامہذب الفاظ میں جیسا کہ عموماً ملانوں کی تحریر ہوا کرتی ہے ایک خط سید صاحب کو روانہ کیا اور اس میں یہ ناقابل باتیں تحریر کیں پہلے تمہیں لازم تھا کہ کلمہ گو کافروں سے بھگتتے اور ان پر جہاد کرتے۔ پھر سکھوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ کلمہ گو کافر وراقی تھے جنہوں نے محبوب علی صاحب کے مذہبی احکام میں انگشت اعتراض دراز کی تھی یا دوسرے راوی کی روایت کے بموجب انہوں نے سمجھایا تھا کہ ابھی آپ آگے نہ بڑھیں رستہ میں سکھوں کی فوج جو ابھی دربار لاہور نے بھیجی ہے پڑی ہوئی ہے مبادا آپ سے مقابلہ ہو اور آپ چشم زخم اٹھائیں بس اس سننے کی کہاں تک تاب تھی فوراً ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور یہ بھی فتویٰ دے دیا کہ سکھوں سے زیادہ ان کلمہ گو کافروں پر (معاذ اللہ) جہاد فرض ہے۔

مولانا شہید نے نہایت صبر سے اس خط کو پڑھ کر سنایا مولوی صاحب کی تیز مزاجی اور بے جا ظلم پر افسوس کیا اور بعد مشورہ یہ طے ہوا کہ جواب لکھ کر بھیجا آپ اتنی جلدی نہ فرمائیں انشاء اللہ جو کچھ یہاں آکر مشورہ ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ غرض خدا خدا کرکے کل مولوی صاحبان پنجتار پہنچے۔

واقعات مولوی محبوب علی صاحب	مولانا اسمٰعیل شہید ابھی تک پنجتار تک نہ پہنچے

تھے کہ راہ میں خبر آمد قافلہ سید احمد علی صاحب ہمشیر زادہ سید صاحب اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی اور قافلہ مولوی خرم علی صاحب بلہوری اور مولوی محمد علی صاحب رامپوری اور مولوی محبوب علی صاحب دہلوی وغیرہ کی سنی۔ ان قافلوں میں تقریباً چھ سوئے آدمی ہوں گے اور مولٰنا اسمٰعیل شہید نے یہ بھی سنا۔ کہ مولوی محبوب علی ایک فساد عظیم برپا کر کے بہت سے آدمیوں سمیت ہندوستان واپس چلے گئے پنجتار میں پہنچ کر یہ واقعہ اس طرح سنا گیا۔

جب مولوی محبوب علی مع دیگر قافلوں کے بسبب حائل ہونے درانیوں کے مقام کندو میں رکے رہے تو سید صاحب خط پر خط بھیج کر ان کی تسلی کرتے رہے کہ میں جلد راہ امن تجویز کر کے تمہیں بلا لیتا ہوں لیکن مولوی محبوب علی جو تیز مزاج اور خود رد آدمی تھے مقام کندو میں رکے رہے اور سید صاحب کو لکھا کہ سکھوں کا پیچھا چھوڑ کر پہلے ان کلمہ گو کافروں یعنی درانیوں سے جنگ کرو۔ خیر مولوی صاحب بخیر و عافیت تمام مع دیگر قافلوں کے پنجتار پہنچ گئے اور جو راہ کی سختیوں اور درانیوں کی روک تھام سے بر آفروختہ تھے پنجتار پہنچ کر بھی وہ حالت رفع نہ ہوئی بلکہ روز بروز اس کا شعلہ بڑھتا گیا اور مجاہدین کی جماعت میں شریک نہ ہوئے بلکہ اپنا خیمہ لشکر سے الگ کھڑا کر کے رہنے لگے اور سید صاحب پر طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے۔ ایک اعتراض ان کا سید صاحب کی امامت پر تھا اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک میں لائق اس کام کے نہیں ہوں تو خود آپ جو سید عالم اور مہاجر جامع جمیع صفات ہیں اس بار کو اٹھائیں آپ امام اور میں آپ کا تابعدار ہوں مجھ کو سرداری اور ریاست منظور نہیں ہے بلکہ اس کام کا انصرام منظور ہے بہتر ہے کہ اب آپ

ہی اس کام کو انصرام کریں جب مولوی صاحب موصوف اس کا کوئی جواب نہ دے سکے تو درپردہ اور علانیہ غازیوں کو بہکانا شروع کیا کہ تم پہ بال بچوں اور والدین کا حق ہے تم ان کے حق کو تلف کرکے یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ لوگوں نے کہا جہاد کے لئے بیٹھے ہیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ جہاد کہاں ہے اور کس دن تم نے کسی کافر کو قتل کیا اور کون سے ملک میں تمہارا عمل دخل ہے صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو جہاد کا نام لینا ایک دیوانہ پن ہے بعض لوگ اس بہانے سے یہاں عیش کر رہے ہیں۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں خراب ہیں۔

بہت سے کچے لوگ ان کے بہکانے میں آگئے اور ہر جماعت میں اس کا چرچا شروع ہو گیا جو لوگ صاحب استقامت تھے ان کو یہ لغو بیانی سراسر ناگوار گذری انہوں نے اس کی فریاد مولوی محمد حسن صاحب رامپوری سے کی۔ مولوی صاحب نے سید سے اجازت لے کر ایک روز جب سارا قافلہ حاضر تھا مولوی محبوب سے پوچھا کہ تم یہاں کے لوگوں کو کس دلیل سے خارج از جہاد سمجھتے ہو؟ اور یہاں کے رہنے کو کس بنا پر لغو اور بے فائدہ سمجھتے ہو۔

مولوی محبوب علی کہا کہ تم کو کس کافر سے جنگ درپیش ہے مولوی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ جنگ کا نام جہاد نہیں ہے جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ گاہے گاہے پیش آتی ہے اور جہاد اعلائے کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہمیشہ باقی رہتا ہے یہ صرف آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد

رکھا ہے اور ان کوششوں کو جو اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے کی جارہی ہیں آپ بے فائدہ اور عبث قرار دیتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس وقت جہاد سے انکار کرکے دہلی اپنے وطن تشریف لے جاتے ہیں اگر خدا کو منظور ہو کہ کسی وقت ہمارا کفار سے مقابلہ اور قتال (جس کو آپ جہاد کہتے ہیں) شروع ہو جائے تو اس وقت کونسی کرامت سے اڑکر آپ آجائیں گے اور اس دور دراز راستہ کو طے کرکے جہاد میں شامل ہونگے مولوی محبوب علی اس تقریر کو سن کر لاجواب ہو گئے مگر نفس امارہ اور شیطان نے ان کو ایسا دل برداشتہ کر رکھا تھا کہ ان پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بہت سے آدمیوں کو بہکا کر دہلی کے پلاؤ قورمہ پر ہاتھ مارنے کو ہندوستان واپس چلے گئے۔ افسوس کہ اس وقت مولنا اسمٰعیل شہیدؒ جنگ پکھلی سے واپس نہ آئے تھے ورنہ مولوی محبوب علی کو دوبارہ دہلی کے کھانوں کے لائق نہ رہنے دیتے مولوی محبوب علی کی اس کاروائی سے جو صدمہ کاروبار جہاد کو پہنچا وہ ایسا صدمہ اس لشکر اسلام کو آج تک کسی سکھ یا درانی کے ہاتھ سے نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ مدت تک ہندوستان سے قافلوں کا آنا بند ہو گیا اکثر معاونین جہاد سست ہو گئے اس فتنہ محبوبی کی تکذیب میں جب بہت سے خطوط لشکر مجاہدین کی طرف سے ہندوستان میں آئے تب مولنا محمد اسحٰق محدث دہلوی اور مولنا محمد یعقوب معاونین جہاد کی سعی سے یہ فتنہ رفع ہوا اور قافلوں کی روانگی دوبارہ شروع ہوئی۔

دوسرا غضب ناک واقعہ مسلمانوں کے کیمپ میں یہ ہوا کہ مولانا عبدالحی صاحب نے جنہیں علم وفضل میں مولانا شہید سے دوسرے نمبر پر سمجھنا چاہیے۔

اس دار فانی سے کوچ کیا آپ کی وفات بتاریخ ۸ رشعبان ۱۲۴۳ھ میں وقوع میں آئی یہ قبل از وقت موت مومنین کے دلوں کو ہلا دینے والی تھی جس طرح مولانا شہید نے اپنے زبردست مشیر اور فاضل دوست کو کھو دیا۔ اسی طرح سید صاحب نے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہوا سمجھا یہ بے نظیر فاضل جس پر ہمیشہ تاریخ کی روشنی چمکے گی۔ عجیب وغریب قابلیت کا تھا اس کی زبان میں قوت گویائی اور قلم میں غیر معمولی نمو کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ دور دور آپ کا شہرہ تھا۔ شیریں کلامی اور برجستہ تقریر کرنے میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے سید صاحب نے آپ کا ماتم کیا مولانا شہید آپ پر خون کے آنسو روئے مسلمانوں کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل رہا تھا۔

نوجوان تجھ سے ہی آباد تھا یہ سب خطہ ۔ تیرے منہ موڑتے ہی جل گیا سارا گلشن

ہچکی بندھ جاتی ہے اے مخزن لطف وخوبی ۔ یاد کر کر کے تجھے کرتا ہے عالم شیون

یہاں تو غریب الوطن پردیسی مسلمانوں پر یہ بپتا پڑے اور ہندوستان میں مولوی محبوب علی صاحب نے ان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں گھڑ گھڑ کر ان کے سر چپکیں کہ عموماً مسلمان ان پر آزردہ خاطر ہوئے اور جو کچھ ہمدردی مولانا شہید سے وہ کرتے تھے۔ انہوں نے کرنی چھوڑ دی ناچار سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے چند فاضل اس غلط فہمی کے مٹانے کے لئے روانہ ہندوستان کئے جنہوں نے واقعات کا پر اثر الفاظ میں بیان کر کے بہت کچھ لوگوں کا اطمینان کیا اور انہیں پھر سید صاحب اور مولانا شہید کا ہمدرد بنا دیا۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے ہندوستانی سکھوں سے اپنے بھائی مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے مولانا شہید سے شامل نہ ہوئے تھے انہیں صرف لوٹ کا لالچ کشاں کشاں لایا تھا مگر ان کی اس بدکرداری سے بے چارے شہید پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔ جیسے بعض کفارِ عرب بظاہر مسلمان ہو جاتے تھے مگر باطناً کافر رہ کر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کارروائی کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو زک دینے کی نئی نئی تدبیریں کرتے تھے اسی لئے ان کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی تھی، وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ۔ ایمان والوں سے مل کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیاطین میں جاتے ہیں تو کہا کرتے ہیں ہم مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔

یہی کیفیت مولانا شہید کے کیمپ کی تھی اس میں دونوں طرح کے آدمی تھے دین کی حمایت کرنے والے بھی تھے اور لوٹ کا مال اینٹھنے کے لئے بھی آ گئے تھے دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے ان کی شناخت قوت بشری سے جب تک تجربہ نہ ہو بہت بعید ہے۔

ساتویں جنگ

یہاں غریب الوطنی پر پے در پے یہ بپتا پڑ رہی تھی اور دربار لاہور وہاں مسلمانوں کے پسپا کرنے کے لئے نئی نئی فوجیں برابر روانہ کر رہا تھا ابھی مولانا شہید اتفاقی حوادث سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ چار ہزار فوج دریائے لنڈہ سے

عبور کر کے اتمان زئی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیئے آ پہنچی اب کے نئی بات یہ ہوئی تھی کمان چار ہزار آدمیوں میں خال خال سکھ نظر آتے تھے ورنہ سب کے سب درانی مسلمان تھے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک دو جھینڈوں سے اپنے بھائی مسلمان پر چڑھ آئے تھے ان کے ساتھ دو توپیں بھی تھیں مولانا شہید نے اطلاع پاتے ہی اپنی شکستہ فوج کو آراستہ کیا اور تھوڑی سی جمعیت کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنی زیر کمان کیا اور دوسرا حصہ سید صاحب کی ماتحتی میں مقرر ہوا کل حملہ آور مسلمان جو محمدی جھنڈے کے نیچے کام کر رہے تھے مشکل سے بارہ تیرہ سو ہوں گے باہم مولانا شہید اور سید صاحب میں یہ مشورہ طے پایا کہ میں دشمن کے میمنہ کی طرف سے شب خون ماروں اور آپ میسرہ کی جانب سے ان پر گر پڑیں۔

درانی اپنی کثیر التعدادی پر اکڑے ہوئے تھے اور یہاں خدا کے بھروسہ پر پھولے نہ سماتے تھے سید صاحب جس نصف حصہ کی کمان کر رہے تھے وہ ابھی بہت دور تھا مگر مولانا شہید درانیوں کی فوج کے بہت ہی قریب پہنچ گئے تھے۔ پہرہ دار نے آواز دی کون آتا ہے مولانا شہید خاموشانہ آگے بڑھے چلے آئے اس نے پھر وہی آواز دی آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا پھر اس نے تیسری آواز دی جواب نہ ملنے پر اس نے گولی ماری اور خوفزدہ غل مچاتا ہوا لشکر آ گیا۔ مولانا شہید گھوڑے پر سوار تھے اور دو سو آدمی اور بھی آپ کے ساتھ قدم بقدم علاوہ چار سو پیدل چلے آ رہے تھے مولانا کی پہلی نظریں توپوں پر لگ رہی تھی آپ سب سے پہلے ان ہی پر جا پڑے گولہ انداز

نے مہتابی کو روشن کر کے چاہا کہ پہلے مولانا شہید کو اڑا دوں کہ مولانا نے تلوار کا پھرتی سے وار کر کے اس کی گردن اڑا دی دوسرا توپچی بھی یوں ہی مارا گیا مولانا شہید نے فوراً وہ دونوں توپیں درانیوں کی طرف پھیر کر فیر کرنے شروع کئے ایک وفادار ہندو[1] جو مولانا شہید پہ فریفتہ تھا گولہ اندازی پر مقرر ہوا اس نے اس پھرتی سے گولہ اندازی کی کہ درانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ادھر مولانا شہید ان پر ٹوٹ پڑے تکبیروں کی آوازیں خوب زور شور سے بلند ہو رہی تھیں بھلا اب درانی کیوں کر میدان جنگ میں ٹھہر سکتے تھے اپنا کل سامان چھوڑ کر بھاگے جب وہ فرار ہو رہے تھے سید صاحب بھی ان پر آ پڑے تھے جتنے درانی مارے گئے تھے ان کی تعداد ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہاں جن مردوں کو وہ میدان میں چھوڑ گئے تھے وہ چار سو سے زیادہ تعداد میں تھے مولانا شہید کی فوج کا ایک آدمی بھی زخمی نہ ہوا تھا یہاں سے فرار ہو کر درانیوں نے تھوڑی دور کے فاصلہ پہ ایک بلند ٹیلہ پر مورچہ بندی کی اور اب ان کا ارادہ انتقام لینے کا پورا ہو گیا اس عرصہ میں صبح ہو گئی تھی ان کے مقابل میں مولانا شہید بھی مورچہ بندی کر چکے تھے۔

مورچہ بندی سے فارغ ہو کر آپ نے اذان کہی اور سب مسلمانوں نے جماعت سے نماز پڑھی جب یہ ہو چکی تو مورچہ والی جماعت نے اسی طرح نماز فجر پڑھی اور اب تازہ دم ہو کر گولہ باری شروع کر دی درانی گولیاں مار رہے تھے اور یہاں سے گولوں کو ان کے جواب کے لئے چھوڑا جاتا تھا تین چار گھنٹے تک تو وہ بہت جم کر لڑے مگر جب ان کے آدمی آموں کی طرح

---

[1] رامجی رام قوم راجپوت باشندہ بھیوواڑہ

گولوں سے ٹپ ٹپ ٹپکنے لگے تو مورچہ غریب الوطنوں کے حوالے کر کے بھاگ گئے اور میل بھر کے فاصلہ پر جاکر قیام کیا مولانا شہید نے صرف اس خیال سے کہ درانی مسلمان ہیں اپنے آدمیوں کو یہ حکم کر دیا تھا جب تک سینہ بسینہ جنگ میں کوئی مقابلے کے لئے تلوار نہ اٹھائے اسے قتل نہ کرنا نہ بھاگتے کا تعاقب کرنا اور جسے گرفتار کرو اسے وہی کھانا دینا جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑا دینا جو تم پہنتے ہو کیوں کہ وہ بھی تمہارے بھائی مسلمان ہیں۔

درانی جہاں سے آئے تھے وہیں بھاگ کر چلے جاتے اگر رئیس خیبر وغیرہ کی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچتی۔ خیبر والا سید صاحب سے بیعت کر چکا تھا مگر سکھوں کی رشوت نے اسے باغی بنا دیا اور اب وہ کھلم کھلا مولانا شہید سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا قدرتی طور پر درانیوں پر مولانا شہید کا ایسا خوف بیٹھا ہوا تھا کہ خفیف سی جنگ میں وہاں سے بھی فرار ہو گیا اور اپنے ساتھ خیبریوں کو بھی بھگا لے گیا۔

اس عظیم الشان فتح سے مسلمان مالا مال ہو گئے اور اس کا اثر ملک پنجاب پر بہت بڑا یہ ہوا کہ دو ہزار سرداروں کے فدویت نامے ایک دن میں آ گئے جس میں انہوں نے اپنی گزشتہ گور پرستی وغیرہ سے توبہ کی تھی اور سچی راہ اختیار کی تھی۔ انہوں نے عہد کیا کہ قرآنی احکام پر عمل درآمد کریں گے جو بدعتیں دین میں خلل ڈالتی ہیں بالکل ترک کر دیں گے ان کی یہ بھی درخواست تھی کہ ہمارے ہاں عمال اور قاضی مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے جائیں ہم ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے فیصلوں کو اپنے حق میں ناطق

خیال کریں گے پیارے شہید کا پہلا مدعا یہ تھا کہ دین خدا کی اشاعت ہو مسلمان اس بدعت و شرک کی گھنگھور گھٹا سے نکلیں وہ مدعا جیسا دہلی میں حاصل ہوا تھا ایسا ہی پنجاب میں بھی ہوا الحمد للہ کہ ایسے تاریک ترخطہ میں خدا کا جمال چمکا اور لوگ سچے محمدی بننے لگے۔ گور پرستی اور پیر پرستی تعزیہ پرستی لات کی پرستش کو لات ماری اور اس اکیلے خدا کی پرستش کا ڈنکا بج گیا۔ جس کا ناطق قرآن مجید ہے۔

یہ لوگ جو سچے دیندار بنے تھے مولانا شہید اور آپ کے غریب الوطن ساتھیوں کے سب سے زیادہ ہمدرد تھے انہوں نے یہ التزام کر لیا تھا کہ اپنی کمائی کا آٹھواں حصہ مولانا شہید کے لشکر کی نذر کر دیں اور جو کچھ وقتاً فوقتاً ان سے بن آئے وہ لشکر اسلام کی خدمت کرتے رہیں۔

آٹھویں جنگ

یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے کیوں کہ اب کے ایک فرانسیسی جنرل سے مقابلہ تھا جو سکھوں پر کمان کر رہا تھا اور جسے دربار لاہور نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا اب صاحب بہادر کا نام اسوانٹورا تھا۔ یہ دربار لاہور میں اپنی جانبازی اور دلیری کو دشمن سے لڑوانے میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے غرض تین ہزار سکھی فوج لے کر بڑھے اور چلتے وقت یہ وعدہ کر آئے کہ میں سید احمد اور اسمٰعیل کو حضور کے دربار میں زندہ لا کھڑا کر دوں گا فوراً دریائے اباسین کو معہ چند مسلمان سرداروں کی راہ

نمائی کے عبور کیا اور اب سید احمد صاحب کے کیمپ کی طرف بڑھے لیکن بڑھنے سے پہلے وہ ہنڈ ریاست میں ٹھہر گیا یہاں ایک باغی امیر مسلمان کا عمل دخل تھا وہ سید صاحب سے بیعت کر کے باغی ہو گیا تھا اس نے فرانسیسی جنرل کو غریب الوطن مسلمانوں کے رازدارانہ حالات کی بہت کچھ اطلاع دی اور بیان کیا کہ مسلمان مٹھی بھر آدمی ہیں صرف اسمٰعیل کی تدبیروں سے چار چار پانچ پانچ ہزار فوج سے میدان لیا ہے۔ فرانسیسی نے نہایت غور سے رئیس کی تقریر سنی اور حکم دیا کہ تم بھی ہمارے لئے کچھ فوج جمع کر دو کئی دن تک یہاں مقیم رہا اور بہت سا سامان رسد اور کئی توپیں ڈھائی ہزار[له] فوج نئی بھرتی کر کے مولنا شہید کے کیمپ کی طرف بڑھا یہاں دم دم کی خبریں آرہی تھیں آپ بھی اپنی تیاری سے غافل نہ تھے آپ نے چاروں طرف خوب دیکھ بھال کر کے مورچہ بندی کے لئے ایک مقام دو پہاڑوں کے بیچ میں پسند کیا یہی راستہ تھا جسے طے کر کے آدمی پنجتار میں آسکتا تھا آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں پھرتی سے ایک دیوار ساڑھے پانچ فٹ بلند بنوائی اس کی تعمیر میں مولانا شہید اور سید احمد صاحب بھی شریک تھے بارہ تیرہ سو مسلمانوں نے دو تین دن کے عرصہ میں اس پھرتی سے ایک مضبوط دیوار بنالی کہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا دیوار پر چار برجیاں بنائیں اور ہر برجی میں ایک توپ لگائی گئی کئی گولہ انداز مقرر کئے گئے یہ دیوار گویا مسلمانوں کا زبردست مورچہ بنی سکھ تو سکھ اگر فرانسیسیوں کا زبردست لشکر بھی حملہ کرتا تو مسلمانوں کا خیال تھا کہ ایک دفعہ تو ہم اسے بھی پسپا کر دیں گے یہ مانا کہ آدمی

[له] سردار خادی خاں باغی

بہت کم تھے مگر ان میں ابتدائی مسلمان عربوں کا سا جوش تھا اور ہر شیر شمشیر بکف جنگ کرنے کے لیے موجود تھا آخر کئی دن کے بعد فرانسیسی جنرل وہاں پہنچا اور اپنے خیمے وہیں نصب کئے۔

مولانا شہید اور سید صاحب نے اب کے اور ایک نیا انتظام کیا تھا یعنی فوج کے تین حصے کر کے ہر حصہ کو ذرا فاصلہ پر روانہ کر دیا تھا۔ پہلے نشان کا نام صبغۃ اللہ تھا اور اس پر سفید اور زرد ریشم ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم آیت آخر تک نفیس حرفوں میں کاڑھی گئی تھی یہ نشان ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا جو چار سو جانباز مسلمانوں کے آگے ایک خوبصورت گھوڑے پر سینہ تانے ہوئے کھڑا تھا دوسرا نشان مطیع اللہ تھا اور جس پر سورہ بقر کا آخری رکوع سبز ریشم سے موٹے موٹے لفظوں میں نہایت ہی خوش خط کاڑھا گیا تھا۔ ابراہیم کے پاس تھا جو خود فولادی اور زرہ بکتر پہنے ہوئے اپنے حصہ کو لئے ادھر ادھر گردش لگا رہا تھا تیسرا نشان فتح اللہ نامی تھا اس پر اخیر رکوع سورہ صف کا لکھا ہوا تھا اور اس کو عرب محمد نام لئے ہوئے تھے یہ نشان نہایت ہی زرق البھڑک تھا اس کا حاشیہ ایک خوبصورت ہلال کا تھا اور جو آیت اس کے نیچے کاڑھی گئی تھی وہ بالکل سرخ ریشم کی تھی یہ ساری ترکیبیں مولانا شہید کی تھیں آپ گویا کمانڈر انچیف اور ان جان بازوں کے لڑانے والے تھے۔ جب تمام مسلمان اس طرح میدان میں آکر جمے تو مولانا شہید نے نہایت پرشوق اور فرحت افزا نگاہوں سے اس طرف دیکھا مسلمانوں کی آن بان اور ان کے بہادرانہ تیور دیکھ کر پیارا شہید بہت خوش ہوا اور سب

کے بیچ میں کھڑے ہو کر آیہ بیعت رضوان پڑھ کر سنائی اور نہایت خوبی سے اس آیہ کی تفسیر بیان کی عام مسلمانوں میں جن میں قندھاری بھی دو ڈھائی سو شامل تھے ایک مہیب تحریک پھیل گئی ایک ایک نے وجد انگیز حالت میں نہایت صدق دلی سے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی یہ بیعت گویا ایک قسم کا بچن تھا کہ جنگ میں ہم منہ نہیں موڑنے کے اور جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑنے کے بس اسی قسم کی بیعت شریعت اسلام کے بانی نے جائز قرار دی ہے اور یہ موجودہ پیری مریدی کی کردہ بیعت ایک محض لغو اور ناکارہ خلاف اسلام فعل ہے۔

وہ وقت آ گیا کہ مولانا شہید کے وعظ کے اثر کا نتیجہ جو مسلمانوں کے دلوں پر ہوا تھا کچھ رنگ لائے یہاں فرانسیسی جنرل آندھی اور مینہ کی طرح یلغار کرتا ہوا زیر دیوار پہنچا ابھی دو گولی کے ٹپے سے بھی زیادہ تھا کیمپ بہت پیچھے رہ گیا تھا اس نے ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر دوربین سے مسلمانوں کی فوج کو ملاحظہ کیا جو کہ مولانا شہید نے تیرہ سو آدمیوں کو ٹکڑیاں ٹکڑیاں کر کے ذرا دور دور کے فاصلہ پر اس ترکیب سے کھڑا کیا تھا کہ دیکھنے والے کو ہرگز نہ تمیز ہو سکتی تھی کہ یہ صرف تیرہ سو ہی ہیں جوں ہی اس کی نظر لہراتی ہوئی سرخ زرد جھنڈیوں پر پڑی اور زرہ بکتر والے سواروں کو ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھا ہوش باختہ ہو گئے متعجب اور خوف زدہ ہو کر کہنے لگا او خاد بخاں (ریئس ہنڈ باغی) تم نے ہمیں دھوکہ دیا تو کہتا تھا کہ اسمٰعیل کے ساتھ غازی تھوڑے ہیں یہ اتنے کہاں سے آ گئے اور ہم اتنے غازیوں سے کیوں کر میدان جنگ

لے گا۔ جب تک مہاراجہ رنجیت سنگھ خود ہی نہ آئے گا اسے فتح نہیں ہو سکتی پھر بھی رئیس ہنڈ نے اطمینان دلایا اور کہا آپ جنگ کریں میں اور فوج جمع کر دوں گا غرض بہزار دقّت قدم بقدم اپنی فوج کو لے کر بڑھایا تو بہت تیز رفتار ہیں آ رہا تھا اس نے اب دھیمی چال کر دی اور ایک طرف پیارے شہید کو دھوکہ دے کر دوسرے رخ سے دیوار پر جا پہنچا اور دیوار کو ڈھانا شروع کیا اس وقت مولانا شہید نے بھی عجیب کام کیا آپ نے پہلے صبغۃ اللہ نشان والی فوج کو بڑھنے کا حکم دیا اور جو پھر تاک تاک کر گولہ اندازی کی تھی انہیں سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی اب سکھ پسپا ہوئے اور جیسے بے دھڑک وہ دیوار پر چلے آئے تھے کئی سو قدم پیچھے ہٹ گئے بہادر ابوالحسن صبغۃ اللہ لئے ہوئے برابر وجد انگیز حالت میں بڑھا چلا جاتا تھا ۔ بندوق دونوں ہاتھوں میں تھی توڑا اسلگ رہا تھا۔ مگر ابھی اس نے نہ اس کی فوج نے فیر کرنے شروع کئے تھے مولانا شہید ان تمام ٹکڑیوں کو لڑا رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی تھی اور آپ نے یہ حکم دے دیا تھا جب تک میں جھنڈی نہ ہلاؤں فیر نہ کئے جائیں۔

ہر جانباز بہادر بے چین تھا کہ اسمٰعیل جھنڈی کیوں نہیں ہلاتا آخر جب وہ موقع آگیا کہ مسلمانوں کے فیر کچھ کام کرتے آپ نے جھنڈی ہلائی اور ایک کڑاکے کی آواز میں اللہ اکبر کہا بس یہ کہنا تھا کہ فیر شروع ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے اس قدر قریب آگیا کہ سینہ بسینہ جنگ ٹھہر گئی اتفاق سے نشان بردار کے بازو میں ایک گولی لگی اور مولانا شہید نے دیکھا کہ نشان جھکنا چاہتا ہے

کہ آپ تلب فوج میں لپکے اور فوراً اس کے ہاتھ سے نشان لے کر اس پڑے کی کمان کرنے لگے۔ قدرتی طور پر پیارے شہید کا رعب سکھوں کے دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ جہاں انہوں نے صورت دیکھی وہ کانپ گئے اب کیا تھا خوب گھمسان کا میدان ہوا، تلوار، بندوق، چھری، کٹاری ہر ایک چیز چل رہی تھی جس کے پاس جو کچھ ہوا اس نے مقابل کی اسی سے خبر لے لی۔ جدھر یہ شیر گرتا تھا صفوں کی صفوں کو کائی کی طرح سے چیر ڈالتا تھا۔ مولانا شہید جب کئی سکھوں کی کمپنیوں کو صاف کر چکے تو آپ کی طبیعت میں خطرناک دلیری کا ایک دھوندار جوش اٹھا اور وہ جوش یہ تھا کہ انٹورا صاحب جنرل افواج سکھ کا سر کاٹ لاؤں۔ یہ جوش گو آپ کی نڈر طبیعت بے دھڑک دلیری سچی شجاعت اور سخت بے جگری کا شاہد تھا مگر ساتھ ہی اس کے خوش آئند نہ تھا۔ فرانسیسی دو ہزار سکھوں کے بیچ میں محفوظ تھا وہاں تک دو تین سو آدمیوں کا اول تو پہنچنا ہی محال تھا اور اگر پہنچ بھی جائیں تو کامیابی عنقا صفت سمجھنی چاہئے۔

بایں ہمہ پیارا شہید پسپا کرتا ہوا سکھوں کے قلب تک جا پہنچا اور ذرا دم لے کر اپنے پراگندہ آدمیوں کو سمیٹا اور ارادہ کیا کہ بجلی کی طرح انٹورا پر جا پڑوں وہ مولانا شہید کی غیر معمولی شجاعت کی بانگی دیکھ رہا تھا اور یہ بھی اس کی نظر میں تھا کہ اور جتنے اسلامی پڑے لڑ رہے ہیں کوئی پیش قدمی کر کے اس قدر آگے نہ بڑھ سکا جتنا اسمٰعیل اپنی کمپنی کو لے کر آگے بڑھ آیا یہ خیال انٹورا کو پسپا کرنے کے لئے کافی تھا۔ ایسا ہیبت ناک اثر اس کی طبیعت پر ہوا کہ اس نے باگیں

اٹھادیں اور بمشکل مسلمانوں سے پیچھا چھڑا کے اپنے کیمپ میں آرام کیا۔ بھلا بپھرا ہوا اخیر (اسمٰعیل) کب گوارا کر سکتا تھا کہ اسکے آگے کے گورخر اس طرح سے بھاگ جائیں اس نے تعاقب کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل کیمپ اور اس کا سامان مسلمانوں کے لئے چھوڑ کر آپ سیدھا لاہور کی طرف بھاگا یہ فتح بہت شان و شوکت سے پیارے شہید کو حاصل ہوئی۔

نویں جنگ

ناہنجار خادیخاں نے اس شکست سے بڑی منہ کی کھائی رستہ میں جتنے گھر اور گاؤں محمدیوں کے آئے ایک ایک کو بنا بنا کے انوڑا صاحب سے آگ لگوادی اور معصوم بچوں کو سکھوں کی خون آلود تلوار سے قتل کرایا جہاں تک اس سے ہو سکتا تھا مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوتاہی نہ کرتا تھا اپنے اضلاع میں نئی نئی گھڑنتیں گھڑ کر پیارے شہید اور سید احمد کو بدنام کرتا اور ہمیشہ ان کے خلاف مسلمانوں کو آمادہ پیکار کرتا رہتا تھا لطف یہ تھا کہ صدق دل سے بیعت بھی کر چکا تھا۔ مولانا شہید نے کہا سکھوں سے تو ہم لڑتے ہی رہیں گے مگر سب سے پہلے اس کانٹے کو راہ سے ہٹا دینا چاہیے مبادا کسی وقت اس سے سخت چشم زخم پہنچے اب اس یورش کے قابل سوائے پیارے شہید کے اور کون تھا سات سو آدمیوں کو ساتھ لے کر آپ ہنڈ کی طرف بڑھے۔ خادیخاں کو بھی مولانا اسمٰعیل کے آنے کی خبر ہوئی وہ اپنے قلعہ کی مضبوطی اور فوج ہونے پر اس قدر غراں تھا کہ اسے کچھ پرواہ نہ ہوئی اور

اس نے کہہ دیا کہ اسمٰعیل کی قضا لا رہی ہے کسی کے گھر پر چڑھ کر آنا پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ شب کو سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں مگر شب کو رستہ بھولنے کی وجہ سے یہ ارادہ تو پورا نہ ہو سکا۔ ابھی صبح کو پو پھٹی تھی کہ آپ قلعہ ہنڈ کی دیواروں کے نیچے جا پہنچے کل ڈیڑھ سو آدمی ساتھ تھے اور باقی ماندہ پیچھے رہ گئے تھے آپ نے خاموشی سے بارہ بندوقچیوں کو بھیج دیا کہ تم دروازہ کے پاس اس ٹیلہ کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو جاؤ جوں ہی دروازہ کھول کر قلعہ میں سے لوگ نکلیں اور شہر کی طرف جانے لگیں۔ تم فوراً قلعہ میں گھس جانا اور انہیں گولیاں مار دینا بھاگتے ہوؤں کو روکنا نہیں مقابلہ کرنے والوں کو تہ تیغ کرنا ابھی بہت روشنی نہ ہوئی تھی نسیم سحری طفلانہ اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی اور خادی خاں کو خبر دے رہی تھی کہ تیرا یہ خواب نوشیں زہر آلود ہے مگر وہ کچھ اپنے قلعہ کی مضبوطی میں ایسا مخمور تھا کہ اسے نسیم سحری کے جھونکوں کی اطلاع کی بھی ذرا خبر نہ تھی جونہی مولانا شہید نے بندوقوں کی آواز سنی آپ بھی فوراً بندوق چھتیائے ہوئے معہ ہمراہیوں کے داخل قلعہ ہوئے۔ ہتھیار اٹھانے کی بھی فرصت نہ دی اور سب کو خوف دے کر باہر نکال دیا قلعہ کے دوسرے حصہ میں خادیخان سوتا تھا۔ ٹھائیں ٹھائیں بندوقوں کی آواز آئی اور لوگوں کا غل سنائی دیا تو بے خبر رئیس ہڑبڑا کر اٹھا اور پریشان باہر نکل آیا دیکھا تو بیاں گل رہی اور کھلا ہوا ہے فوج کے سرداروں کو ڈراونی صدائیں پکارا وہاں کسی کا بھی پتہ نہ چلا پھر وہ اپنے کمرہ کے زینہ سے قلعہ کی چھت پر چڑھ گیا اور وہاں سے شور و غل مچانا شروع کیا

سراسیمہ ادھر ادھر بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ آخر ایک مسلمان کی گولی نے اسے لٹا دیا۔

یہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ سوائے سامان حرب کے مولانا شہید نے قلعہ میں کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اس کی مستورات کو حکم دے دیا کہ تم جہاں چاہو چلی جاؤ اور اپنا کل مال و متاع لے جاؤ چنانچہ وہ اپنا تمام سامان لے کر چلتی بنیں اب مولانا شہید کا قبضہ بالکلیہ قلعہ پر تھا مگر مخالفت کی آگ دن بدن بھڑکتی جاتی تھی اور افسوس یہ ہے کہ غریب الوطن مسلمانوں میں کوئی بھی مولانا اسمٰعیل جیسا تدبیر جنگی میں ماہر و کامل نہ تھا پھر کون امید کر سکتا ہے کہ زمانہ کے وہ وعدے جو اس نے مولانا شہید سے بچپن میں کئے تھے پورے ہوتے اور تمام وہ آرزوئیں جو اول دن سے آپ کی طبیعت میں اٹھ رہی تھیں بر آئیں اکیلا چنا بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ یہاں مولانا شہید کا قبضہ ہنڈ کے قلعہ پر ہوا اور وہاں پنجتار اور ہنڈ کی راہ مخالفوں نے بند کر دی سید صاحب سخت پریشان ہوئے اور متذبذب تھے کہ کیا کرنا چاہئے کاش وہ اپنے کل آدمیوں کو لے کر ہنڈ میں چلے آتے تو یہ چشم زخم جو بہادر شہید نے اٹھائی کبھی اس شجاع نفس کو نہ اٹھانی پڑتی خبر نہیں سید صاحب کیا سوچتے رہ گئے اور انہوں نے اسمٰعیل کی ذرا بھی خبر نہ لی قلعہ میں صرف سوا سو کے قریب آدمی تھے جن میں سے کم ہوتے ہوتے ساٹھ رہ گئے تھے کیوں کہ ایک ایک دو دو شخص روز سید صاحب کی خدمت میں روانہ کئے جاتے تھے کہ آپ فوراً قلعہ ہنڈ پر آجائیں خبر نہیں رستہ ہی میں بے چارے مخالفین کی تیغ

براں کے شکار ہو جاتے تھے یا سید صاحب کے کیمپ میں جا کر غائب ہو جاتے تھے۔

حاکم قلعہ کے بھائی امیر خاں نے تنگ ہو کر اور قلعہ کی فتح سے مایوس ہو کر سید صاحب کو جا گانٹھا کہ آپ مجھے قلعہ واپس دلوادیں میں آئندہ سے شریعت محمدی کے موافق عمل درآمد کرنے کو موجود ہوں وہ بے چارے ایک فقیر طبیعت آدمی تھے انہیں ملکی اور جنگی معاملات سے اتنی دل چسپی نہ تھی گو آپ کی دلیری اور بے جگری میں کلام نہ تھا۔ مگر اکیلی شجاعت جب تک کہ اس کے ساتھ پولٹیکل دماغ نہ ہو۔ محض بے کار ہوتی ہے امیر خاں کے بہکانے میں آ کر آپ نے مولانا اسمٰعیل کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ قلعہ فوراً حامل رقعہ ہذا کے حوالہ کر دو یہ آئندہ شریعت محمدی کی اشاعت دینے کی قسم کھاتا ہے۔

شاہ صاحب نے زیادہ وقعت کی نظر سے اس رقعہ کو نہ دیکھا اور اس کا جواب لکھ بھیجا یہ قلعہ اس آسانی سے نہیں دیا جا سکتا قصہ مختصر کہ آخر حاکم پشاور نے پانچ ہزار فوج سے قلعہ ہنڈ پر حملہ کیا تاکہ اپنے سپاہی کا انتقام لے۔ یہاں پچاس ساٹھ آدمی جن کے پاس سامان رسد بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ کیونکر ایسی عظیم الشان فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ سید صاحب کا راستہ دیکھتے دیکھتے شاہ صاحب کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں۔ مگر وہاں صدائے برنخاست کا مضمون تھا آخر غازی اسمٰعیل محصور ہو گیا حاکم پشاور کے لشکر کی کمان ایک انگریز کیول نامی کے ہاتھ میں تھی۔ آٹھ

دن تک غازی نے ان مٹھی بھر آدمیوں سے پانچ ہزار فوج کو قلعہ پر قبضہ نہ پانے دیا مگر تا بہ کے رسد بند کر دی گئی تھی پانی سوائے چشمان پر بم کے کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتا تھا کیوں کر کام چل سکتا تھا حاکم پشاور کو یہ خبر نہ تھی کہ اسمٰعیل ایسا خستہ حال ہے وہ آٹھ دن کے محاصرہ سے خود تنگ آگیا اس نے کیول کی معرفت صلح کا پیغام دیا چونکہ ایک انگریز کا قدم بیچ میں تھا اس لئے شاہ صاحب کو بھروسہ تھا کہ مجھ سے دغا نہ ہوگا معاہدہ میں یہ امر طے پایا کہ اسمٰعیل اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے نکل جائیں کوئی مزاحم نہ ہوگا مگر ہتھیار ایک بھی ساتھ نہ ہو جب عہد نامہ پر کیول کے دستخط ہو گئے تو شاہ اسمٰعیل معہ اپنے جانثار ہمراہیوں کے نہتے قلعہ میں سے نکل آئے حاکم پشاور سلطان محمد خاں نے سخت بزدلی اور بے ایمانی کو کام فرما کر مولوی اسمٰعیل کو ان کے کل ساتھیوں کے ساتھ قید کر لیا کیول چونکہ ایک ایماندار مسیحی تھا اپنے آقا کے اس بزدلانہ پن سے سخت ناراض ہوا اور نہایت سخت وسست کہا نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا کیول نے نوکری چھوڑ دی۔ اور شاہ صاحب بے کسی کی حالت میں قید ہو گئے سلطان محمد نے مولوی اسمٰعیل کو سامنے بلا کر کہا تم جانتے ہو تمہارے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے گا مولانا شہید نے بے باکانہ جواب دیا تیری شقاوت قلبی اور بے ایمانی سے یہ امید ہے کہ تو ہمیں شربت شہادت پلائے بسم اللہ ہم اس کے لئے تیار ہیں اور بہت خوشی سے خدا کی راہ میں گردن کٹانے کو موجود ہیں۔

یہ خبر خوفناک آگ کی طرح پنجتار میں پہنچی سید صاحب اور غازیوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ہر مسلمان غریب الوطن کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا ساتھ ہی اسکے اس سخت جانگداز غم نے بزدل نہ بنا دیا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ طیش میں بھر گئے اور انہوں نے عہد کر لیا کہ جب تک

اسمٰعیل کا انتقام سلطان محمد سے نہ لے لیں گے ہمیں کھانا پینا حرام ہے سید صاحب نے بصلاح چند مسلمین پشاور کی طرف باگیں اٹھا دیں سلطان محمد نے جب یہ سنا کہ سید صاحب پشاور کی طرف بڑھے ہیں وہ قلعہ ہنڈ کو چھوڑ کر پشاور میں ہل ہانکتا پھانکتا پہنچا۔ قیدی اس کے ساتھ تھے یہاں پہنچ کر قیدیوں کو اس نے ایک سخت گڑھی میں قید کیا جو جو تکلیفیں بے چارے غازیوں کو دی جاتی تھیں وہ قابل بیان نہیں گڑھی کے اردگرد دو سو سواروں کا پہرہ ہر وقت رہتا تھا مگر مولانا اسمٰعیل اپنی رہائی کی تدبیر میں لگے ہوئے تھے اور اس تکلیف اور سخت قید میں بھی مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہے تھے ایک دن آپ موقع پا کر آپ فصیل پر معہ اپنے کل ہمراہیوں کے چڑھ آئے وہاں سے دھڑام دھڑام کود کر سواروں پر گرے، سوائے بودی سی لکڑیوں یا پتھروں کے آپ کے پاس کچھ نہ تھا شب کی تاریکی نے سواروں کو سراسیمہ کر دیا کئی سوار گر پڑے اور کتنے سوار ادھر ادھر جان کے خوف کے مارے چھپ گئے شاہ صاحب کے ہاتھ میں گھوڑے اور سامان حرب بندوق تلوار وغیرہ لگ گیا آپ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ غل مچاتے ہوئے بھاگے سلطان محمد خاں سے کہہ دینا اسمٰعیل جاتا ہے اگر روکا جائے تو روک لے۔

آپ دھڑاکے سے نکلے چلے آئے کسی کو یہ یارا نہ ہوا کہ آپ کا تعاقب کرتا۔ یہاں سے رہائی پا کر آپ پنجتار پہنچے اور سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی سید صاحب اور کل غازیوں کی جان میں

جان آگئی اور سب نے شکر خدا کیا کہ ظالم عہد شکن کے پنجہ سے کس آسانی سے جان بچائی۔

سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اپنا ہیڈ کوارٹر کشمیر کو بنائیں مگر راستہ کے امیروں کی مخالفت سے کوئی امید نہ ہوسکتی تھی کہ غریب الوطن صحیح وسالم کشمیر پہنچ سکیں گے ایک بار اسمٰعیل صاحب نے کوشش بھی کی مگر انب اور عشرہ کا حاکم آپ کا سد راہ ہوا اس لئے آپ کو مجبور اً آنا پڑا اور اب آئندہ حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دسویں جنگ

مولانا شہید کو کشمیر کے راستہ میں جس ریاست نے روکا تھا وہ انب کی دولت مند ریاست تھی اس کی سرسبزی اور خودسری کی دھاک تمام پنجاب پر بیٹھی ہوئی تھی صلاح یہ ٹھہری کہ کشمیر کی جگہ غازیوں کا ہیڈ کوارٹر انب ہی کو کرنا چاہئے مگر ریاست انب پر قبضہ کرنا کچھ منہ کا نوالہ نہ تھا بلکہ اس مشکل کشائی کے لئے اسمٰعیل جیسا نڈر بہادر اور فنون جنگ کی ضرورت تھی کئی دن کے مشورہ ہونے کے بعد مولانا شہید نے انب کی طرف باگ پھیری پایندہ خاں حاکم انب کو جب معلوم ہوا کہ اسمٰعیل یلغار کرتے ہوئے آ رہے ہیں تو اس نے ایک چال چلی یعنی ایک فدویت نامہ لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور صاف طور پر تحریر کر دیا کہ میں نے اطاعت قبول کی۔ احکام اسلام کی پابندی اپنے اوپر فرض جانی اور اپنی

کل ریاست میں احکام جاری کردوں گا کہ ہر شخص قرآن وحدیث کے مطابق آئندہ سے عمل کرے اس سے بہتر شاہ صاحب کی نظر میں اور کون سی بات آسکتی تھی آپ یہ فدویت نامہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور باری تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا کہ تیری ہی برکت سے تیرا جلال پنجاب کے تاریک تر خطہ میں پھیلتا جاتا ہے۔

پائندیخاں اپنے خیال میں جب مسلمانوں کو چکمہ دے چکا تو اب اس نے دو ہزار مرد میدان منتخب کر کے حملہ کی تیاری کی اور چاہا کہ غفلت میں سب کو تہ تیغ کر ڈالوں۔ مگر اس کا یہ بزدلانہ خیال خبط تھا شاہ اسمٰعیل بڑا تجربہ کار اور ہوشیار جنگی شخص تھا وہ اپنی خواب گاہ میں بھی ہتھیار باندھ کر سوتا تھا وہ بالکل امن کی جگہ بھی چوکنا رہتا تھا اسے قطعاً ہتھیار کھولنے کی ممانعت تھی اور حکم تھا فتح کے بعد بھی ایسے چوکنے اور ہوشیار رہو گویا تم مغلوب ہو چکے ہو اور تمہیں اپنے مہیب دشمن کا خوف ہے۔

شب کے تین بجے پائندیخاں نے اپنے خیال میں غافل پا کر اسمٰعیل پر حملہ کر دیا یہاں سارا معاملہ لیس تھا ایسی خونریزی سے جنگ ہوئی اور بہادر ایسی جان توڑ کر لڑے کہ بڑے نقصان کے ساتھ پائندیخاں کو بھاگنا پڑا اور پھر اس پیمان شکن کا اب کے کسی ضلع میں بھی ٹکنا دشوار ہو گیا۔ معمولی طور پر اس کا چند آدمیوں نے تعاقب کیا مگر اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ دریائے اباسین کو عبور کر کے خبر نہیں کہاں کا مارا کہاں جا نکلا

اب چوں کہ سر سبز دولت ہند اور وسیع ریاست تھی اس لئے فی الحال مولانا شہید نے یہی بہتر سمجھا کہ اب ہی کو ہیڈ کوارٹر بنایا جائے چنانچہ نہایت اطمینان سے کل دفاتر قاضیوں اور مفتیوں کے کھولے گئے اور بالکل ہر بات شرع محمدی کے موافق انجام پانے لگی۔ سید صاحب نے نئے طور سے اپنی مہر کندہ کرائی جس پر اسمہ احمد کھدا ہوا تھا مولانا شہید نے بھی ایک مہر کندہ کرائی اس پر واذکر فی الکتاب اسمٰعیل لکھا ہوا تھا یہ دونوں مہریں کبھی تو مولانا شہید کی امانت میں رہتی تھیں اور کبھی منشی فضل الرحمٰن صاحب کے پاس رہتی تھیں ہر شے کا حساب کتاب ہر منشی کے پاس تھا اور علیحدہ علیحدہ ہر ہر محکمہ کے افسر مقرر ہو گئے تھے تحصیل مال گزاری کا بندوبست بھی بطرز احسن ہو گیا اور جتنی باتیں کہ تدابیر ملکی کے لئے ضروری ہیں وہ سب مولانا شہید جیسے صاحب رائے کی بدولت انجام پذیر ہو گئی تھیں اور اب کسی قدر شان دین احمدی معلوم ہوتی تھی۔ غریب الوطن مسلمانوں کو بھی چنداں آرام ملا تھا اور ہر شخص خوش و خرم نظر آتا تھا۔

گیارھویں جنگ

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ مسلمانوں لڑاکوں کی دھاک ملک پنجاب پر ایسی زبردست بیٹھی ہوئی تھی کہ ہر لشکری کا دل کانپتا تھا اور بڑے بڑے افسر مانے بیٹھے تھے کہ ہم نے اسمٰعیل جیسا جنرل اور فوج لڑانے والا

نہیں دیکھا۔ لفظ اسمٰعیل پنجاب میں بچہ بچہ کو معلوم تھا اور اس کا ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ درانیوں اور سکھوں کی عورتیں اپنے بچوں کو اسمٰعیل کے نام سے ڈراتی تھیں صرف اس بے نظیر قوی جری اور شجاع نفس کی بدولت پنجاب کا بہت سا حصہ سید صاحب کے زیر حکومت ہو گیا تھا۔ پنجتار قلعہ لنڈہ اور اس کے تمام اضلاع نوبت بنوبت فتح ہوتے گئے تھے دریائے اباسین کا سارا ملک مسلمانوں کے ہی زیر حکومت تھا۔ زیدہ۔ تربیلا۔ پھولڑہ وغیرہ وسیع اور سرسبز صوبے سب فتح ہو چکے اور فی الحال محمدیت نے سب کو اپنا محاط بنا لیا تھا۔ مولانا شہید ارمان بھری خوش خوش نظروں میں دین خدا کی سچی نورانی ہدایت کی اشاعت دیکھتے تھے اور دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے تھے آپ کا اصلی مدعا یہ تھا کہ شرک اور بدعت کی خراب اور غلیظ رسم مٹ کر وحدت پرستی کا نور چمکے اس سے زیادہ ایک مصلح اپنی مرادمیں اور کیا کامیاب ہو سکتا ہے خود خدائے تعالٰے اس جانکاہی اور بے مثال کوشش کی داد دیتا تھا اور تمام مخلوق غرض ذرہ ذرہ مرحبا وصد مرحبا کی صدائیں بلند کرتا تھا یہ ایک شاعرانہ استعارہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی بات ہے جب تک مقدس نفس ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کر چکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ بھی نکل آتا ہے اس وقت خود اس کا دل بولتا ہے اور اسے مبارک باد دیتا ہے اور وہ اس آواز کو اپنے کانوں سے سنتا ہے یہ وہ آواز ہے جو حضرت موسٰے کو طور پر آئی تھی اور جس آواز میں خدا بولتا ہے یہ آواز ہی ان

مقدس اور برگزیدہ انفاس کو آتی ہے جن کا دل دنیاوی کدورتوں سے پاک ہوتا ہے اور جن کے نورانی قلب پر ہردم ربانی جلوے پرتوفگن ہوتے ہیں ان کا یقین معمولی یقین رکھنے والوں سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے ان کا اعتقاد اپنے ہمعصروں سے درجہ ممتازیت رکھتا ہے اپنے دل کی مستقیمی حالت سے جانتے ہیں جو کچھ ہم کرتے ہیں خداوند تعالےٰ اس میں ہمارا رہبر ہے وہ خدا کا جلال باطنی آنکھوں سے بھی دیکھنے لگتے ہیں اور انہیں کچھ تعجب نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اپنی تمام آئندہ اور گزشتہ آرزوں کو پہلو بہ پہلو اپنے دل میں آتا ہوا اور موجود دیکھتے ہیں اور باہم مقابلہ کرنے کی قوت ان میں پوری ہو جاتی ہے آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنی ناکامی کو بھی کامیابی تصور کر کے اس سے خوش دل رہتے ہیں غرض ایسے مصلح جن کے دل کے آثار چڑھاؤ کی یہ کیفیت ہوتی ہے انہیں یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ہم دنیا میں محض اصلاح قومی اور خدا کی مخلوق کے لئے بہبودی کے سامان مہیا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی پاک اور برتر خیال میں ہوش سنبھالتے ہیں اسی میں جوان ہوتے ہیں اسی میں پوری عمر میں پہنچ کر جان بحق تسلیم ہو جاتے ہیں

اسی طرح مولانا شہید کا حال تھا جو آرزو آپ نے ہوش آتے ہی کی تھی کہ جس طرح ہو قرآن وحدیث کے احکام کی پابندی مومنین پھر سرگرمی سے کریں اور اپنے کو کسی کے ساتھ بجز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نسبت دینی سخت بے ادبی اور خیرہ چشمی خیال کریں کتنے غضب کا مقام ہے کہ جس مسلمان سے دریافت کرو کہ تمہارا مذہب کیا ہے یا تم کس گروہ میں ہو

تو وہ اس کا جواب یہ دے گا کہ میں حنفی ہوں یا شافعی ہوں یا حنبلی ہوں یا مالکی ہوں یا کیا جانے کہ کیا کیا ہوں مگر کسی خدا کے بندہ کی زبان سے یہ نہ نکلے گا کہ میں الحمد اللہ محمدی ہوں۔ اس سے زیادہ بے ادبی مسلمان ہو کر اور کیا ہو سکتی ہے کفران نعمت اور محسن کشی اسی کو کہتے ہیں اگر نسبت کا بھی کچھ شرف ملنا تھا تو چار صحابہ کو مگر یہ بات نہ ہوئی نہ کوئی ابوبکری ہوا نہ عمری ہوا نہ عثمانی ہوا ہاں حضرات شیعہ خواہ مخواہ اپنے کو شیعان علی کہتے ہیں۔ مگر جب ان سے دریافت کیا جائے گا تو جواب یہی دیں گے کہ ہم شیعہ ہیں۔

پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اس ضلع میں اتنے محمدی آباد ہیں اور اس ضلع میں اتنی تعداد محمدیوں کی ہے۔

یہ مولانا شہید کی تائید غیبی سمجھنی چاہئے کہ دن بدن ان کی سلطنت خود بخود بڑھتی جاتی تھی اور تمام سرداروں کے فدویت نامے برابر چلے آرہے تھے مسلمانوں کے پاس سامان حرب مکمل ہو گیا تھا اور چند روز کے آرام نے انہیں پھر سے ایسا تازہ دم بنا دیا تھا کہ اب ان کی تلواریں میانوں میں تڑپنے لگی تھیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ جو کئی شکستوں کے بعد بھی اب تک خواب خرگوش میں پڑا سوتا تھا آخر بیدار ہوا اور متوحش نظروں نے اسمٰعیل کی فتوحات کی لین ڈوری آگے بڑھتی ہوئی دیکھی اس کے ہوش و حواس پراگندہ ہو گئے اور اب اسے یقین ہو گیا کہ جب تک میں بذات خود اس کا انتقام نہ کروں گا

ملک بچنا مشکل ہے۔

سکھ اب تک بالکل بچے ہوئے ایک آدھ شکست کھا کر سیر دیکھ رہے تھے انہوں نے رشوتیں دے دے کر مسلمان رئیسوں کو سید صاحب کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی اور کوئی مسلمان سید صاحب سے مخالفت نہ کرتا بلکہ ساتھ دیتا تو پھر ناممکن تھا کہ پنجاب بھر میں سکھوں کی سلطنت کا نام و نشان بھی رہتا مگر یہ بات ہی اول دن سے ہونی نہ لکھی تھی۔ بھلا کیوں کر ہو کر رہتی۔

وہ خیال سکھوں کا مسلمان رئیس ہی اسمٰعیل کو ہی نیچا دکھا دیں گے بالکل خام ثابت ہوا اور اب انہوں نے وحشت ناکی سے دارالخلافہ کے مطلع پر غبار جنگ نمودار دیکھا رنجیت سنگھ نے مشورہ کے بعد چار ہزار فوج پیدل اور ایک ہزار سوار چار توپ خانے اور بہت سامان حرب دے کر چتر بائی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کئے اور افسر فوج خالصہ کو آپ ہدایتیں کر دیں کہ یوں جنگ کرنا اور یہ کرنا غرض جتنی باتیں اسے سمجھانی تھیں سب بیان کر دی گئیں وہ جنرل شراب کے نشہ میں سرمست چتر بائی پر حملہ آور ہوا۔

شاہ صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ بہت سے پرچہ نویس ادھر ادھر مقرر کر دیئے تھے جو بھیس بدلے ہوئے پھرتے تھے اور ایک ایک ادنیٰ ادنیٰ خبر لا لا کر دیتے تھے پرچہ نویسوں نے سکھوں کے لشکر کی پوری پوری خبر دے دی یہ سب سے زیادہ النسب معلوم ہوا کہ مولانا

شہید ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ سکھوں کی فوج کا استقبال کریں دو توپیں اور ایک ہزار آدمی لے کر آپ سکھوں کے استقبال کے لئے بڑھے ہزار میں آٹھ سو پیدل اور دو سو سوار تھے چترباٹی سے جانب شرق ایک وسیع میدان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا پہلے دونوں طرف سے توپوں کے فیر ہوتے رہے بعد ازاں شاہ صاحب نے حملہ کا حکم دیا۔ پانسو آدمی تو مورچوں پر قابض رہے اور پانسو نے حملہ کر کے دو مورچے اپنے قبضہ میں کر لئے اور پھر آگے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا ابھی دست بدست بھی جنگ نہ ہوئی تھی کہ سکھوں کی خالصہ خونخوار مہیب فوج ایسی دم دبا کر بھاگی جس کی نظیر کہیں بھی نہیں معلوم ہوتی خبر نہیں ایک ایک مسلمان انہیں سو سو کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ یا خبر نہیں ان کی صورتیں ایسی وحشت ناک دکھائی دیتی تھیں کہ جہاں انہوں نے حملہ کیا اور مخالفین کے پاؤں اکھڑے۔

ان متواتر فتوحات سے اندازہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اگر ذرا بھی مسلمانوں میں قوت انتظامیہ ہوتی تو ان کی حکومت قطعی دوبارہ پنجاب پر قائم ہو چکی تھی رنجیت سنگھ جیسے دس اور ہو جاتے تو کچھ بھی نہ کر سکتے تھے ایک صرف اسمٰعیل کا دم تھا۔ بھلا وہ کیا کر سکتا تھا اور اکیلا تمام جہاں کے فرائض کی انجام دہی اس سے کیوں کر ہو سکتی تھی آخر کو انسان تھا خطا و صواب دونوں کا احتمال بلکہ یقین اس کی رائے پر ہو سکتا تھا۔ ہاں واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا بہت کم اتفاق پڑا ہے جہاں اس کی رائے نے خطا کھائی ہو ورنہ ایسی

صحیح بیٹھتی تھی کہ گویا کسی نے اسے القا کر دی ہے اور بے شک خدا اسے القا کرتا تھا اور اس کا دل خصوصیت سے گزرگاہ جلیل اکبر تھا یہ تعجب سے دیکھا جائے گا۔ کہ اب سید صاحب اور مولانا شہید کی وہ دھاک بندھی ہوئی تھی کہ ایک صوبہ یا ایک قلعہ فتح کیا اور آس پاس کے کئی قلعے اور بھی فتح ہوتے چلے گئے چتر بائی کی فتح کیا پائی بیسیوں فدویت نامے امیران وہ کے آنے شروع ہوئے اور سب نے شریعت محمدی کے روشن رستہ پر چلنے کا عہد واثق کیا۔

مسلمانوں پر کبھی مولانا صاحب نے خود حملہ نہیں کیا نہ آپ کو ان سے پرخاش تھی بلکہ اسکے مقابلہ میں وہ اپنی شقاوت قلبی سے دنیا کے خالی اور معمولی سے لالچ میں آکر مسلمانوں کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہوتے تھے اور انہیں ذرا بھی شرم نہ آتی تھی آپ نے کبھی کسی ضلع یا ریاست کو اپنے قبضہ میں کر کے کچھ جزیہ نہ چاہا نہ ملک کا کوئی حصہ مانگا بلکہ اس کے مقابلہ میں یہ التجا کی جاتی تھی کہ بدعت و شرک سے تائب ہو جاؤ اور دین محمدی کی سوسائٹی کے سچے ممبر بن جاؤ۔ جو راستہ قرآن و حدیث بتاتا ہے اس پر چلو اور اس کے خلاف کو گمراہی تصور کرو۔ بس یہ ہدایت ہوتی تھی اور یہ جزیہ لیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی معاہدہ کر لیا جاتا تھا۔ چوں کہ تم بھائی مسلمان ہو اگر ہمارا سکھوں سے مقابلہ ہوا تو تم ہماری جان و مال سے مدد کرنا۔

دسواں باب

فتح پشاور میں بعض بے اعتدالیاں

پے درپے کی کامیابیوں نے ایک زبردست اثر اضلاع سمہ اور پشاور کے سرداروں پر ڈالا اور دن بدن اکثر ریاستیں خود بخود مطیع ہوتی گئیں جب یہ قوت مسلمانوں کو حاصل ہوئی تو مولانا شہید کے مشورہ سے پشاور کی طرف باگیں پھیریں اور ارادہ کیا کہ پشاور کو زیر فرمان شریعت کر کے لاہور پر ایک زبردست حملہ کی تیاری کر دی جائے مولانا شہید کے رعب کی قوت نے کسی کو یارا نہ دیا کہ وہ پشاور کے راستہ میں مزاحم ہوتا آخر آپ بے روک ٹوک حدود پشاور سے گزر کر اس کی چار دیواری کے نیچے پہنچ گئے اس وقت حاکم پشاور دست بستہ حاضر ہوا اور سید صاحب کے ہاتھ پر بڑے جھگڑے اور قیل وقال کے بعد بیعت کی اور ٹھنڈے پیٹوں ملک پشاور سید صاحب کے سپرد کر دیا اور عرض کیا حضور کو اختیار ہے خواہ مجھے اپنی جگہ پر بحال کریں یا اپنا دوسرا خلیفہ مقرر کر دیں اب یہاں اور مملکت کے ایک بہت بڑے ماہر کی ضرورت تھی جب خدا نے اس آسانی سے ملک دے دیا تھا۔ اس کو اسی آسانی سے کھو دینا ایک پولیٹیشن کی نگاہ میں وقعت پیدا نہیں کرتا۔

جب لشکر اسلام پشاور میں داخل ہوا ہے تو چاروں طرف سے

مبارک باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور بظاہر ہر شخص خوش و خرم معلوم ہوتا تھا۔ سلطان محمد خاں نے چند ہی روز میں سید صاحب کو کچھ ایسا شیشہ میں اتار لیا کہ انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ملک پشاور پھر اسی کو تفویض کیا جائے مولانا شہید نے جب سید صاحب کو ایسا آمادہ پایا تو آپ خاموش ہو رہے اور کچھ زبان پر نہ لائے۔ حالانکہ آپ کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ ایسا کیا جائے۔ مگر اپنے امیر کا ادب مانع تھا کہ ان کی آمادگی کے خلاف رائے زنی کی جائے۔ اور جو تصور بندھ گیا اس کی ضد میں سمجھا جائے جاہل سے لے کر عالم تک حتےٰ کہ اسی ملک کے اکثر سردار جو سید صاحب کے دل سے معتقد تھے برابر اپنی ناراضگی ظاہر کر رہے تھے بلکہ دو چار نے تو جرأت کر کے سید صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا کہ سلطان محمد خاں حاکم پشاور اور اس کے بھائیوں نے بارہا عہد شکنی کی ہے اور ہمیشہ بیعت کر کے پھر گئے ہیں اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے آپ کبھی اس پر بھروسہ نہ کریں اور اس ملک کو اس کے سپرد نہ کریں مگر سید صاحب نے اپنی نیک نیتی سے کسی کے مشورہ کو نہ مانا اور آخر اسی کو امیر پشاور کر کے آپ پنجتار میں چلے آئے۔

ہاں انتظام میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا قاضی اور تحصیل کرنے والے مقرر کئے گئے اور عام حکم دے دیا گیا کہ شراب افیون بھانڈ و مدک کوئی نہ پینے پائے شراب کی بھٹیاں توڑ دی گئی تھیں۔ کسبیاں اور خانگیاں ناپید کر دی گئی تھیں۔ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھتا تھا اس کو تعزیر دی جاتی تھی۔ عموماً پنجاب کے باشندے منشی چیزوں کے استعمال کرنے کے

عادی تھے انہیں یہ قیود سخت قہرناک معلوم ہوئیں مگر ابھی غازیوں کا
سکہ جما ہوا تھا کوئی چوں تک نہ کر سکتا تھا چہ جائے کہ علانیہ مخالفت کرنا
پس در حقیقت مولانا شہید اور سید صاحب کا رام ہو چکا تھا اور ہر
شخص یہی جانتا تھا کہ سلطان محمد ان ہی کی طرف سے حکمرانی کرتا ہے
احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کئے جاتے تھے
سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ
وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں مگر ان کی سختیاں حد سے زیادہ
بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے
نکاح کر لیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں
زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا جاتا ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجاہدین
میں سب طرح کے آدمی تھے برے بھی اور بھلے بھی اور مثل مشہور ہے کہ
ایک ہی مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی
ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا تو ان کا یہ کام کہ رانڈ بیوہ کی عدت گزر جانے
پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو ان کو بدنام کرنے کے لئے
کافی تھا۔ کیوں کہ یہاں بڑے بڑے سرداروں میں نکاح ثانی کی رسم نہ تھی
اور وہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے یہ مانا کہ نکاح ثانی قرآنی
حکم ہے مگر جس ناگوار طریقہ سے وہ پبلک کے آگے پیش کیا گیا تھا۔ وہ
ناقابل برداشت تھا۔

ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب

نور دے رہے ہیں نہیں ہونا چاہیئے آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوا
مجاہد کرتے تھے اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا

ایک ایک چھوٹے ضلع قصبہ گاؤں میں ایک ایک عامل سید صاح
کی طرف سے مقرر ہوا تھا وہ بیچے چارا جہانداری کیا خاک کر سکتا ا
سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بے چارے کسانوں پر
جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کر سکتے تھے کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا شادی کر
سب ان پر حرام ہو گیا تھا نہ کوئی منتظم نہ کوئی دادرس تھا معمولی باتو
پر کفر کا فتوے ہو جاتا کچھ بات ہی نہ تھا کاش مولنا شہید پشاور کے عامل
ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں اس
سب بال کترا دیئے ٹخنوں سے نیچے تہ بند دیکھی ٹخنہ اڑا دیا تمام ملک
پشاور پر آفت چھا رہی تھی انتظام سلطنت ان مسجد کے ملانوں کے
ہاتھ میں تھا جن کا جلیس سوائے مسجد کے دلو ورسن کے کبھی کچھ نہ رہا تھا
اور اب ان کو منتظم امور سلطنت بنا دیا گیا تھا اور پھر غضب یہ تھا ک
ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلے حکام کے آگے پیش
کرے ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا
جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ اور
ترمیم نہیں ہے کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا اس کی گھڑی بھر بھی تحقیق
نہ کی جاتی تھی نہ اس پر غور کیا جاتا تھا بس ملاں جی کے سامنے گیا اور انہوں
نے جھٹ سے فیصلہ دے دیا کون جھک جھک کرے اور کون تحقیق کی

یف برداشت کرے سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں
ر رہی تھیں مگر وہاں اس لئے پرسش نہ ہوتی تھی آپ کو یقین تھا کہ
ریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور
ب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض
وتے ہیں مولانا شہید غور سے اس بے انتظامی کو دیکھ رہے تھے اور
کتہ میں تھے ۔کہ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہے۔

غرض ایک عام ناراضگی ان نئے منتظموں کی طرف سے تمام ملک پشاور
ں پھیل گئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں
ہم ابھی بہت کچھ رعب کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور رئیسوں پر سکہ جما
وا تھا۔ ابھی وہ ان خونخوار سازشوں میں جو منتظموں کے خلاف کی جاتی تھیں
شریک نہ تھے گو ان کے تیور بھی بدلنے لگے تھے پھر بھی ان میں سنجیدہ
سکوت حکمرانی کر رہا تھا۔

بدقسمتی سے ایک نیا گل کھلا گل کیا کھلا گویا نمازیوں یا مجاہدوں کی
زندگی کے شیرازہ کو اس نے پراگندہ کر دیا یہاں کے کل عمال نے جن کی
تعداد ہزار سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی ایک فتویٰ مرتب کیا تھا اور اسے
پوشیدہ مولوی اسمٰعیل کی خدمت میں بھیج دیا فتوے کا مضمون یہ تھا
کہ بیوہ کا نکاح ثانی ضروری ہے یا نہیں مولانا شہید واقف نہ تھے کہ ملک
میں یہ آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت اس فتوے کی اشاعت سخت
غضب ناک ہوگی آپ نے سادگی سے اس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب

کی بھی اس پر مہر ہو گی اور پھر وہ فتوائے قاضی شہر پشاور مظہر علی صاحب کو بھیج دیا گیا۔ انھوں نے اس فتوائے کی اشاعت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضرور ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں رانڈ رہ گئی تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی

اس اعلان کا شائع ہونا تھا تمام ملک پشاور مجاہدین کے خلاف شمشیر بدست ہو گیا بہت دھوم دھام سے سازشیں ہونے لگیں اور ایک عام کہرام تمام ملک پشاور میں مچ گیا۔ بڑے بڑے خوانین جو اپنی رانڈ لڑکیوں کا نکاح ثانی کرنا سخت عیب خیال کرتے تھے بڑے برافروختہ ہوئے اور انھوں نے باہم یہ مشورہ کیا کہ تین دن کی مدت میں ان کو یہیں نہ تیغ کر ڈالو۔ مجاہدین نے بھی آخر وقت میں جا کر جب سب سامان ہو چکا تھا ان کے تیور پہچانے اور اب وہ خائفانہ سید صاحب کو لکھنے لگے کہ یہاں یہ کیفیت نظر آتی ہے سید صاحب کچھ ایسے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے کچھ بھی خیال نہ کیا نہ مخبروں کی خبر پر کچھ توجہ کی جو دمبدم یہ پرچہ گزار رہے تھے کہ آپ جلد فوج لے کر اس طرف روانہ ہوں ورنہ خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔

سید صاحب ان کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی شہر مولوی سید مظہر علی صاحب جو اس آتش فشاں فتوے کے بانی مبانی اور اشاعت دہندہ تھے اور جنہیں سید صاحب نے بڑے اعتبار اور

بھروسہ سے مقرر کیا تھا سلطان محمد گورنر پشاور کے دربار میں معہ ساتھیوں کے بلائے گئے اور فوراً ان کا سر قلم کیا گیا اور عام حکم دے دیا کہ ایک ایک مجاہد قتل کیا جائے۔ ساری رات میں کل مجاہدوں کی جو بطور منتظم مختلف حصص میں متعین تھے گردنیں اڑا دی گئیں اور نہایت بے کسی کی حالت میں ان میں سے اکثر سڑکوں پر بکروں کی طرح لٹا کر ذبح کئے گئے یہ خونی خبر وحشت ناک آگ کی طرح پنجتار میں سید صاحب کے گوش حقیقت نیوش میں بھی پہنچی آپ نے یہ خبر گوش گزار فرما کر خون کے آنسو رو ئے اور ایسا صدمہ ہوا کہ کل ارادے پست ہو گئے اور ایسی مایوسی ہوئی کہ انتقام کی بھی ہمت نہ رہی پیارے شہید کا دل سب سے زیادہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ سخت حیرانی کی بھری ہوئی نظروں سے چاروں طرف تکنے لگے اب کیا تھا کمر ٹوٹ چکی تھی اور پاؤں کے نیچے سے زمین نکل چکی تھی ظاہر تھا کہ کئی برس خون پسینہ ایک کر کے ملک پنجاب کے بڑے حصہ پر سکہ بٹھایا تھا اور وہ آناً فاناً میں یوں خیر باد ہو گیا کہ کثیر تعداد اور مجاہدین کا مارا جانا بھی قہر ناک تھا۔ اور پشاور کا ملک چھن جانا تو سب سے ہی زیادہ خونی اثر پیدا کرنے والا تھا۔ ان تمام ناگفتہ بہ غضب ناک صورتوں نے مولانا شہید کو بٹھا دیا اور اس شیر کو بھی یہ اولوالعزمی نہ رہی کہ وہ اپنے دوستوں کا عوض لیتا۔ اب اس نے اپنی شکستہ دلی اور سخت مایوسی کی حالت میں اپنے کو بالکلیہ اپنے محترم امیر کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ یہ چاہیں کریں ان کے سامنے کوئی بات سوچنا اور مشورہ دینے کا کام نہیں ہے سید صاحب مولانا شہید سے بھی زیادہ

شکستہ خاطر تھے آپ نے یہی بہتر جانا کہ اس ملک پنجاب کو چھوڑ دینا چاہیئے ہر چند لوگوں نے سمجھایا مگر آپ نے نہ مانا اور کہا جہاں میرا خدا لے جائیگا چلا جاؤنگا ۔

جب آپ پنجاب سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کی تیاری کر رہے تھے تو روانہ ہونے سے دو دن پہلے جمعہ کے دن اپنے کل ساتھیوں کو بآواز بلند اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا اور یہ بھی اذن دے دیا جو شخص اپنے وطن جانا چاہتا ہے بخوشی جا سکتا ہے میں ناراض نہیں ہوں میرے ساتھ وہی رہ سکتا ہے جسے تین تین وقت کے فاقے برداشت کرنا اور برہنہ پا جنگلوں میں پھرنا گوارا ہو بعض یہ سن کر تو رخصت لے کر چلے آئے اور اکثروں نے یک زبان ہو کر کہا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ﷺ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ملک سمہ والوں نے ناقابل بیان مظالم مجاہدین پر توڑے تھے ۔ اور سخت کمینہ پن سے انہیں فریب دے دے کر ضائع کیا تھا ایک شخص نے جب قافلہ مجاہدین ہجرت کر رہا تھا مولانا شہید سے کہا کہ سمہ والوں سے تو اپنے ساتھیوں کا انتقام لو انہوں نے سب سے زیادہ عہد شکنی کی اور ظلم توڑے ہیں ۔ آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا خدا منتقم حقیقی کافی ہے یہ دعائیہ جملہ بارگاہ ایزدی میں قبول ہو گیا آپ کو ملک سمہ چھوڑے ہوئے دو تین دن ہی گزرے ہوں گے کہ خالصہ فوج ساکنان سمہ پر آپڑی اور دیسیوں کی ایسی خونریزی کی جس کی نظیر اس ملک کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی ۔ اہل سمہ کے گھر جلا دیئے اور سکھوں کی جس تلوار نے ماؤں کو قتل کیا ان ہی تلواروں نے بچے بھی قتل کیئے ۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اچھال اچھال کر تلواروں

سے چور نگ اڑا دیئے گئے گھر کھیت سب جلا کر سب خاکستر کر دیئے گئے جب اس قدر خونریزی ہوئی تو سمہ کے باشندے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا کے لئے چلیئے اور ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیئے اب ہم آپ سے بغاوت اور عہد شکنی نہ کریں گے مولانا شہید بھی اس وقت موجود تھے آپ نے سید صاحب کی اجازت سے جواب دیا" خدا ہی اپنی حکمت خوب جانتا ہے۔ تمہاری یہی سزا ہے تم نے ہم سے دغا کیا اور بے گناہ مسلمانوں کا خون کیا سکھوں نے اس کی تادیب تمہیں پوری دی اور اسی کے تم لائق تھے۔ اب تم جاؤ۔ اور اپنے کام میں لگو" یہ سن کر وہ چلے گئے اور سید صاحب راج دواری (ملک کاغان) میں جا کر مقیم ہوئے آگے جانے کے راستے برف باری سے بند ہو گئے تھے مجبوراً سید صاحب کو وہیں قیام کرنا پڑا کچھ کچے پکے مکانات بھی تیار ہو گئے اور مہاجر بآرام اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

ناظر جب مولانا شہید کی بے مثال امنگ اور اولو العزمی کو دیکھے گا اور بعد ازاں اس کا نتیجہ ملاحظہ کرے گا تو اسے پیارے شہید کی زبردست طبیعت کا نقشہ بخوبی معلوم ہو جائے گا اور وہ یہ سمجھ لے گا کہ دنیا میں جتنے حکمران شمشیر زن یا مصلح ہوتے ہیں وہ سب ایسی طبیعت اور بے نظیر لیاقت کے ہوتے ہیں۔ جس کی مایوسی اور ناکامی کامیابی کے مساوی تھی اور جس نے کسی کام میں فیل ہونے پر افسوس نہیں کیا اور ہمیشہ اپنا کامل بھروسہ خداوند حقیقی پر رکھا وہ پیارا شہید تھا جس نے ہندوستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب

نجدی کی طرح شریعت محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا اور ان کی قابل تنفر عادتوں اور رسوم کو ایسا مٹا دیا کہ آئندہ پھر کبھی ان کی اولاد اس طرف متوجہ نہ ہوگی ایسا شیر ایسا دلیر ایسا مصلح ایسا اپنی کوششوں میں کامیاب اب اس خطہ سے ہجرت کر رہا ہے جس میں اس نے توحید کا بیج بو دیا ہے اور جس نے سکھوں کے قابل انتقام مظالم سے نجات دلوانے کا بیڑہ اٹھایا تھا اور جس کا بہت سا حصہ سخت خونریزی کے بعد صاف کر دیا تھا اور اب اپنے بوڑھے پیر کی ماتحتی اور اطاعت میں سرنگوں آنکھیں نیچے کئے ہوئے خاموشانہ حالت میں چلا آتا ہے اور کچھ نہیں کہتا مگر اس کی باطنی نظریں پنجاب کے نامکمل خطہ کی طرف پڑ رہی ہیں جسے وہ ادھورا چھوڑ کر جاتا ہے اور جتنی کوشش کی تھی اس کا پھل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے گا۔

ابھی چند روز کا عرصہ ہوا تھا کہ تمام پشاور میں بجز چند حصوں کے دین محمدی کی اشاعت ہوگئی تھی اور سب نے باتفاق عہد کر لیا تھا کہ آئندہ سے قرآن و حدیث پر عمل کیا جائے گا اور ہونے بھی لگا تھا مگر ان بے اعتدالیوں کی کسے خبر تھی۔ جو بعض حکام سے ملکیوں پر ہوئیں حالاں کہ وہ شہری انتظام کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور مولانا شہید کی ساری کوشش یوں بے کار جائے گی گو اس کوشش کا روحانی اثر ملکیوں پر تو بہت کچھ رہا اور آئندہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا ہوتا رہے گا۔ مگر ملکی اثر کچھ نہ رہا سوا اس کے کہ ایک ویران ملک میں ان کا کچھ بقیہ نظر آتا ہے۔

روحانی اثر جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ابھی تک پشاور کے کسی

نہ کسی ضلع میں دکھائی دیتا ہے جتنے پکے مسلمان ہیں بدعت و شرک گور پرستی تعزیہ پرستی نہیں کرتے اور اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کا شاہد قرآن ہے ورنہ پشاور میں تو کوسوں بھی نظر نہ آتا تھا کہ ایک شخص اللہ کا نام لیتا ہوا سنائی دیتا ہو سوائے غوث اور قطب کے ان کا کوئی خدا ہی نہ تھا

حقیقت میں یہ صحیح ہے کہ ناتجربہ کاروں کی ہمراہی ایک مدبر اعلےٰ کی لائق تدابیر کو بدنما لباس پہنا دیتی ہے جو کچھ پیارے شہید نے کیا اس کے کاموں کا بہت سا حصہ ہر عیب و خطا سے پاک ہے۔

ایک یورپین[1] مورخ اس افسوس ناک واقعہ کی نسبت یہ تحریر کرتا ہے کہ سید احمد صاحب نے یہ ضرورت سمجھی کہ وہ اپنے ہندوستانی پیروان کو اپنے فضل و کرم سے نہال کر دیں جن پر ان کا کامل بھروسہ تھا پہلے آپ نے اپنے کو سرحدی لوگوں سے دہ یکی (عشر) لینے میں محدود کیا اس امر کو انہوں نے خفیف اشکراہ سے برداشت کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے دہ یکی (عشر) نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے لی جاتی ہے مگر جب سید صاحب کے پیروان دہ یکی سے گزر کر زیادہ لینے لگے تو سرحدی لوگ سخت برہم ہوئے اور جس کا نتیجہ سید صاحب کے لئے بہتر نہیں ہوا سید صاحب کا مزاج صلح کل حاکمانہ امتزاجی عنصر اپنے میں بہت کم رکھتا تھا۔ بلکہ اس میں سخت تعصب اور فتنہ انگیزی (استغفر اللہ) آمیز ہو رہی تھی جس نے اس حیرت انگیز اثر کو جو سرحدی لوگوں پر ہوا تھا آناً فاناً میں ملیامیٹ کر دیا جب آپ کو معلوم ہوا کہ میری قوت زوال پذیر ہو رہی ہے۔ آپ

---

[1] دی انڈین مسلمان مصنفہ ہنٹر صفحہ ۱۷، ۱۸۔ یہ انگریز اعلیٰ درجہ کا متعصب ہے۔

نے اور بھی زیادہ سرحدی لوگوں پر سختی کی اور ان کے ساتھ سخت ناانسانیت کا برتاؤ کیا جس نے سرحدیوں کی اس بے نظیر محبت کی دوشیزہ نازک لڑکی کو مجروح کیا۔ جس نے ان پر غضب کا عجیب افسوں پھونکا تھا۔ آپ نے پہاڑی آدمیوں کی شادی بیاہ کی رسوم میں دست اندازی کی جو اپنی لڑکیاں بڑے بڑے امیروں کو پیسے کے لالچ میں بیاہ دیتے تھے یا یہ کہو کہ ان کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تھے اور چوں کہ آپ کے ساتھی غریب الوطن تھے اور اب انہیں جوروؤں کی بھی خواہش تھی تو آپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹیننٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لئے حاضر کی جائیں گی اگر ان کی شادی ۱۲ دن میں نہ کر دی گئی۔ قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی اور اس نے ہندوستانی آدمیوں کو قتل کر ڈالا سید صاحب بڑی دقت سے اپنی جان بچا کر بھاگے

یہ بیان ایک یورپین مورخ کا ہے میں ان الفاظ کی تائید نہیں کرتا جو اس کے سید صاحب کی نسبت لکھے ہیں نہ مجھے اس کا پتہ لگا ہے آیا یہ اعلان سید صاحب نے جاری کیا تھا اس کی بابت جو کچھ میں اپنے گزشتہ صفحوں میں لکھ آیا ہوں درحقیقت وہی بات ٹھیک ہے اور اس میں ذرا بھی تفاوت نہیں ہے گو بعض ہمارے ہمعصر سوانح نویسوں نے اس کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا ہے اور سوئے ادبی کے خیال نے انہیں دیانت داری سے باز رکھا مگر ہم نے اپنی ایمانداری سے جو واقعات ہمیں پہنچے انہیں بے کم و کاست یہاں درج کر دیا۔

بار بار زیادہ افسوس اس بات کا آتا ہے کہ وہی مثل یہاں صادق آتی ہے
کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا مولانا شہید نے تو اس محنت
اور جانکاہی سے ملک پنجاب کے اتنے بڑے حصہ کو مسلمانوں کے لئے
صاف کر دیا تھا اور ناتجربہ کاروں کی چند بے اعتدالیوں سے اپنی جانیں
بھی کھوئیں اور مفتوحہ ملک بھی چھنوا دیا ایسا کہ تسمہ تک لگا ہوا نہ چھوڑا وہ
عظیم الشان بہادر جس نے رنجیت سنگھ جیسے شیر پنجاب کے خونخوار پنجوں سے
اتنا بڑا ملک آزاد کرا لیا تھا بے سمجھ ملانوں نے اس آسانی سے اپنی جانوں
کے ساتھ اسے بھی کھو دیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم بہار آخر شد

گیارھواں باب

شہادت

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

دنیا کی ناپائیداری کا الم ناک اور دل بجھا دینے والا خیال عجیب و غریب قوت سے تمام جہان میں پھیل رہا ہے اور ہر شخص خواہ فاضل ہو یا جاہل خود بخود اس عظیم الشان تغیر و تبدل سے جو روزمرہ اس کی آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے دنیا کی بے ثباتی کا استنباط کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں نے کیا یا آئندہ جو کچھ کرونگا چند روز میں اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اور پھر صفحہ ہستی پر شمہ برابر بھی نہیں رہنے کا وہ خیال کرتا ہے۔ ہزاروں شہنشاہ ہو گئے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کہاں تھے اور کہاں چلے گئے " دبے ہیں زیر زمیں ہوں ہاں کچھ بھی نہیں " یہ فانی خیالات اس کے دل کو بجھا دیتے ہیں اور پھر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کسی گوشہ میں عزلت گزینی اختیار کرتا ہے اور اس متبذل حالت میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ اس کی بڑی بھاری غلطی ہے دنیا ناپائیدار ہے مگر انسان ایک دائمی چیز کا نام ہے یہ مانا کہ ذات باری کے آگے اس کو مداومت کا درجہ حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ اس تمام کائنات سے زیادہ دیر قائم رہنے والا ہے مگر یہ ان پاک برتر نفوس کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی لعل سی جانیں اصلاح بنی نوع اور بہبودی خلائق کے لئے قربان کردیں

اور اپنا تن من دھن قوم پر قربان کر دیا گو وہ ایک مقرر مدت کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ مگر در حقیقت وہ مٹتے نہیں ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے ان کی سچی زندگی میں جان پڑتی جاتی ہے یہ کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ آفتاب اور سیارے تو لاکھوں برس سے قائم ہیں اور ابھی ان کی زندگی کی کوئی حد نہیں مگر انسان جو ان سے اشرف اور اعلے ہے چند روز میں فنا ہو جائے اور پھر اس کا نام و نشان تک مٹ جائے یہ خیال یا عقیدہ جس قدر رکیک اور خام ہے اسی قدر انسان کے لئے ایسا خیال کرنا خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے۔

مولنا شاہ اسمٰعیل صاحب گو ہماری ظاہری آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے مگر وہ اب بھی ہم ہی میں موجود ہیں ہم بعض وقت اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں مگر ان کا تصور نہیں جاتا اور ہر دم اپنے سچے محسن کی یادگار رہتی ہے جو نمایاں کام مولنا شہید نے کئے وہ معمولی نظروں سے دیکھنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ گہری اور عمیق تر نگاہیں جب تک ان معاملات میں نہ بیٹھ جائیں گی کبھی ان کا اصلی رتبہ اور سچا ارتفاع نہیں کھلے گا۔

جب پشاور میں ملاؤں کی بعض بے اعتدالیوں نے غضب ڈھایا ہے اور سید صاحب کو ان لوگوں سے نفرت ہو گئی اس وقت پیارے شہید کے دل کی جو کیفیت تھی وہ وہی شخص سمجھ سکتا ہے، کہ جس پر ایک ہزارواں حصہ بھی ایسی مایوسانہ حالت کا گزر چکا ہے کس شوکت سے جس حصہ پنجاب کو سکھوں کے ہاتھ سے لیا تھا وہ چند نا اہلوں کی وجہ سے آنا

آناً فاناً میں ہاتھ سے نکل گیا وہ امیدیں جو پشاور فتح ہونے کے بعد طبیعت میں قدرت مآب دلوں کا جامہ پہن کر اٹھ رہی تھیں ایک خونریز دور سے سب کا خاتمہ ہو گیا ایسی قاتل اور فنا کر دینے والی حالت میں کسی معمولی انسان کا زہرہ ہے کہ وہ ایک سیکنڈ بھی زندہ رہ سکے اور اس کا پتہ پانی ہو کر نہ بہ جائے۔

مگر یہ اسمٰعیل ہی کا دم تھا کہ اس نے بمقتضائے فطرت بشری حسرت بھری نگاہوں سے تو اس واقعہ جانکاہ کو دیکھا اور ایک سرد آہ کھینچی مگر وہ صبر سے خاموش ہو رہا اور اپنے امیر کی متابعت میں اسی طرح سرگرم پرجوش بن گیا گو فطرت کے ہنروں کا کامل نمونہ تھا مگر زمانہ نے اسے لمحہ کی لمحہ اپنی آنکھوں پر بٹھانے سے انکار کیا اور آخر اب وہ زمانہ آیا کہ وہی زمانہ جس نے انکار کیا تھا۔ اب آنکھوں پر بٹھاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کے نام سے میں ہمیشہ کے لئے مستفیض کیا جاؤں۔

پشاور کا ہاتھ سے نکلنا تھا اور سید صاحب کے گروہ کا خاتمہ ہو جانا تھا جب آپ بالاکوٹ تشریف لے جا رہے تھے رنجیت سنگھ والئی لاہور نے یہ موقع غنیمت جان کر شیر سنگھ کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج سکھوں کی روانہ کی کہ پہاڑوں ہی میں ان کا فیصلہ کر دے اور ایک خونریز میدان کے بعد مجاہدین کی قسمتوں اور کوششوں کو انجام پر پہنچا دے۔

آپ بالاکوٹ پہنچے تھے کہ پیچھے سے سکھوں کا لشکر بھی آ دھمکا جو راستہ کہ سید صاحب نے اختیار کیا تھا وہ حد سے زیادہ تنگ تھا ایک

توپ بھی نہیں جا سکتی تھی دو آدمی برابر نہیں نکل سکتے تھے جب سکھوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو مولانا شہید نے پہاڑوں پر چڑھ کر دو تین مورچے بنائے اور ہر مورچہ پر قلیل تعداد آدمیوں کی مقرر کر دی آپ نے ایک مسجد کے غرب رویہ مکان میں اپنا مورچہ بنا لیا تھا کل تعداد مسلمانوں کی نو سو سے زیادہ نہ تھی اور پھر لطف یہ کہ سوائے توڑے دار بندوقوں کے توپ ایک بھی نہ تھی جو توپیں کہ آپ پنجتار سے لائے تھے وہ راستہ کی تنگی کی وجہ سے امرائے دہ کو دیتے آئے تھے یا ان کے پاس امانتاً رکھ دی تھیں اب صرف تلواریں اور بندوقیں رہ گئی تھیں پھر یہ ممکن کیوں کر ہو سکتا ہے کہ بیس ہزار فوج سے یہ آٹھ نو سو آدمی مقابلہ کر سکتے اور مخالفین کی آتش فشاں توپوں کا جواب دیتے۔

مولانا شہید سمجھ گئے تھے کہ بس یہ آخری میدان ہے جہاں تک ہو سکے جان توڑ کر لڑیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیں پہاڑی غدار قومیں روپیہ کے لالچ سے مسلمانوں ہو کر سکھوں سے گٹھ گئیں اور انہوں نے رستہ ہی دینے پر قناعت نہ کی بلکہ سید صاحب کے ضعف کی کیفیت بھی ساری بیان کر دی اب وہ وقت آ لگا کہ جانباز بہادر اپنی اصلی شجاعت کا جوہر دکھا کر سکھوں کے مقابلہ میں جوانمردی سے شہید ہوئے تھوڑی دور کے فاصلہ پر سکھوں نے اپنی مورچہ بندی کی اور اب گولہ اندازی شروع ہوئی گولوں کا جواب گولیاں رکسی حالت میں ممکن نہیں ہو سکتا کئی گھنٹے تک مولانا شہید نے یہ غیر نتیجہ کوشش کی مگر جب آپ

نے بندوقوں کے فیر کرنے فضول دیکھے تو مورچہ پر دو تین آدمی چھوڑ نشیب میں ہو کر سکھوں کے مورچہ کی پشت پر جا پہنچے اور جوں ہی للکار کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا سکھ پریشان ہو کر اور مورچہ چھوڑ کر بھاگے چار توپیں مولنا شہید کے ہاتھ میں آئیں آدمی سو سے زیادہ نہ تھے پھر بھی توپوں نے ہمت بندھوا دی اور اب آپ شیر ببر کی طرح سکھوں کے لشکر کی طرف جھپٹے بدقسمتی سے جب آپ حملہ کر رہے تھے ایک مسلمان نے پکار کر کہا اسمٰعیل دوڑو سید صاحب کی نازک حالت ہے سکھوں نے گھیر لیا ہے یہ سننا تھا کہ آپ بے تاب ہو گئے اور سید صاحب کا رخ کیا یہاں حقیقت میں اگر مولانا شہید بہت جلد اپنے کو نہ پہنچا دیتے تو سید صاحب کی جان خطرہ میں پڑ چکی تھی۔

خدا خدا کر کے سید صاحب کی جان بچی ہاں وہ مورچے جو مولانا شہید نے قائم کئے تھے ان پر سکھوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ بپھرا ہوا شیر کبھی ادھر جاتا تھا اور کبھی ادھر جاتا تھا جس طرف رخ کیا غل مچ جاتا تھا بھاگو اسمٰعیل آیا ہے رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے اسمٰعیل کو زندہ پکڑ کر لانا شیر سنگھ نے ہر چند کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ شیر ببر اور وہ بھی بپھرا ہوا شیر زندہ گرفتار ہو سکتا۔ استغفر اللہ اس کے نام میں وہ اثر تھا کہ سپاہیوں کے ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑتے تھے پھر اس کو زندہ کیوں کر پکڑ سکتے قصہ مختصر یہ کہ سخت خونریزی ہوئی اور بہادر اسمٰعیل جس طرح جان توڑ توڑ کر لڑا ہے وہ حد سے

زیادہ داد دینے کے قابل ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس خونریز معرکہ کا بیان نظم میں بہت مختصر طور پر کیا جائے جس سے ناظر سوانح کو کافی طور پہ دلچسپی ہو۔

دم صبح چو بانگ بزد خروس — بنالید شہناو غزید کوس
دو لشکر رواں گشت زانسو چو میغ — بسر خود آہن بکف تیز تیغ
شہید جوانمرد روز نبرد — مگر بست آہنگ پیکار کرد
چو بیزر با نجم گشد تیغ روز — در آمد جواں بارخ دل فروز
در آمد بمیدان جواناں دلیر — بہ نخچیر صد گور خر رفت شیر
خرامید مورے پے جنگ فیل — رواں گشت موجے بدریائے نیل
بجنگ آندر آمد اسد سر فروش — بہ کتفش سپر تیغ ہندی بدوش
بہ بہر خود در برزہ ، بر زہ — بدستش کمندے گرہ بر گرہ
سمندش چو طاؤس باغ ارم — کمندش چو زلف پری خم بخم
ز سر تا بپا بود پولاد پوش — زرہ در بر و تیغ ہندی بدوش
بجنگاہ آمد چو فیل دماں — بچالش در آمد چو شیر ژیاں
بمیداں صف آراستہ شیر منگ — بہ پشت ہیونے دخونخوار جنگ
سواراں سکھاں جواناں فوج — در آمد بسوئے جواں موج موج
دو لشکر دو سو صف بر آراستند — پے عزم کین ہر دو برخاستند
سواراں جنگی تہمتن تواں — بہ پشت سمنداں چابک عناں
بیک حملہ مرد نبرد آزما — دو صف صاف کردہ زتیغ قضا

تلاطم در آمد بفوج سکھاں ! | کہ چوں دید آں تیغ شیر ژیاں
چناں راند شمشیر خارا شگاف | کہ لعلے بر آوردہ از کوہ قاف
رمیدہ ز باراں توپ و تفنگ | ز صحرا پلنگ و ز دریا نہنگ
شہید جواں مرد با صد سوار | ہمیں بود در سایہ کردگار
ہمہ کارواں دین پمبیر شناس | چو ایمان خود جملہ محکم اساس
ہمہ نوجواناں باہوت پوش | بخاکسترے جامہ آتش فروش
بدشمن کشی جملہ صاحب شکوہ | پر از کژدم و مار مانند کوہ
براہ شکاراں ہمہ ورع پوش | چو صیاد پیوستہ دائے بدوش
بطرز فسوں پیشگاں وقت کار | بیکدست مہرہ بیکدست مار
گہے مہرہ از کید بیرون نہند | گہے مار را بر ہوا سر دہند
شہید دلاوراں رستخیز | دماغ از شہادت دل از پرستیز
بہر پایہ مومناں راگذاشت | بہر مورچہ افسرے را گذاشت
بہر افسرے اژدہا پیکرے | بہر اژدہا پیکرے لشکرے
بہر سوئے آں کندہ توپے بزرگ | چو بالائے چاہ اژدہا سترگ
چناں توپ ہا چنیں تاب و تپ | بگردیں گردندہ راس و ذنب
ارابہ چو پیلے دراں پائے پیل | کہ خرطوم پیلے بیالائے بپیل
تو گوئی کہ دریلئے دوزخ تمام | شدہ باز بر عاصیاں صبح و شام
سکھاں ہم از آں سوئے با افسراں | برآراستہ لشکرے از یلاں
بے افسران دیگر بے شمار | نہ صدنے دو صد بل ہزاراں ہزار

جہان بان و لشکر جہاں در جہاں   عناں در عناں و سناں در سناں
ہمہ نیزہ بازاں گردن فراز   بہ بہرام خونخوار سرگرم راز
بنوک سناں در فلک رخنہ گر   بہ تیرہ کماں بر ہوا جاں شکر
بہ تیر و سناں جملہ شیر اوژناں   چو شیراں پر حملہ در نیستاں
برآوردہ از توپہا پیش روئے   یکے آہنیں بازہ از چار سوئے
دہن کردہ وا توپ ہا ہمچو غاز   کہ اژدئے برآیند افعی و مار
تو گوئی نہنگاں دریائے شور   گرفتند بردند آتش بزور
کہ گوید کہ توپ افعی خفتہ لست   کہ ایں فتنہ را اژدہا گفتہ ست
زنند آتش ایں اژدہا پیکراں   بسوزند چوں کاہ کوہ گراں
دفلہا چو مار و چو سوراخ مار   درو مہرہ چوں کژدم نیش دار
اشارت چنیں شد بہ سکھی سپاہ   کہ حملہ کنند بر اسمٰعیل شاہ
قدم بر قدم بر بہر کف بکف   کمر در کمر کش بکش صف بصف
بہر ترکتازے شلنگے زوند   بہر جست و خیزے تفنگے زوند
نماندہ کسے یک قدم پیش و پس   ہمہ ہمرہ و ہمتنگ و ہم نفس
چناں گشتہ از ہر طرف گرم نیر   کہ دست از عناں رفتہ یا زنیر
نکردند در حملہ یک دم درنگ   اسمٰعیل زد بانگ وا سپہ تفنگ
گہے خفتہ بر خاک مانند مار   گہے رہ گہرانند چوں سو شمار
گہے راست گہ خم چہ برنا چہ پیر   گہے چوں کماں گاہ مانند تیر
گہے حلقہ مانند مارے شدہ   گہے گرد ہمچو حصارے شدہ

کفل بر کفل گاه باہم چو گور — پے ہمرداں گاه مانند مور

دو صد فیر کردند بر یک نفیر — بر آورده بم را باہنگ زیر

ازیں سوئے مسلمان طاعت گزار — بکار خداوند سر گرم کار

وضو کرده ہر یک بخوناب خویش — بشوق سجودے سر انگنده پیش

نمازے بخون جابجا ساختہ — دل از مہر و آزرم پرداختہ

گہے در رکوع و گہے در سجود — گہے در قیام گہے در قعود

یکے گرم سعی و یکے در طواف — یکے فدیہ گردیده خود در مصاف

شمردند محراب شمشیر را — رسانند بر عرش تکبیر را

بہ پیکار کارے کہ تکبیر کرد — نہ شمشیر مے کرد و نے فیر کرد

روا رو در افتاد در ایں و آں — یکے در سفر شد یکے در جناں

پس توپ مے رفت ہر یک دلیر — کہ روبہ چو باشد بدنبال شیر

عناں بر عناں و کفل بر کفل — سناں بر سناں و رفل بر رفل

رفل کرده خالے دپے دمبدم — چو اہل کرم کیسہ پر درم

بدیں رسم در راه پیش مے تاختند — بہر داد صد مہره مے باختند

قضا اگر کسے را زپا مے نشاند — قدر دیگرے را بجالش رساند

فلک بانگ بر زد کہ ہاں پیشتر — سپہ بیشتر مے شد و بیشتر

قضا شد کماں و قدر گشت تیر — زمیں گفت بالا فلک گفت زیر

گہے بر صف راست دیدی کہ فیر — گہے جانب چپ دیدے کہ سیر

گہے بر سیاں بانگ بر زد کہ بس — گہے بر صف پیش راندے کہ پس

گر آمد بہ سید دلاسا نمود عیار ہنر آشکارا نمود
گہے بر صف ثرندہ پیلاں دلیر شدے حملہ آور چو بر گلہ شیر
چناں بد سمٰعیل با تیغ و ترگ بد اندیش را کردہ دعوت بمرگ
سوارے ز سکھے سپہ شد پدید چو مغلوب نزدیک غالب رسید
یکے نیزہ مے داشت غالب بمشت نباقش سپر دو بر آمد ز پشت
چناں بر ہوا لیش ربود از سمند کہ فغاں ز سکھی سپاہ شد بلند
دو لشکر در آمیخت چوں نار ولوز دو دریا یکے شد چہ شیریں چہ شور
بہر لطمہ طوفانے انگیختند ہر لمحہ بر فنے ہمیں ریختند
شدہ برہم از بسکہ میداں کیں ہمیں گشت الیسر شد الیسر ہمیں
ز بس تیر و ناچخ و مادم زدند چو مژگاں چہ صفحا کہ برہم زدند
نہ از توپ بیمے و نے از تفنگ نہ از اژدہا ترس و نے از پلنگ
نہ ہر مور چالے گزشتہ چناں کہ از ہفت خواں رستم داستاں
چو بر قلب سکھاں در آمد شکست بہ بیکار ساقہ کشادند دست
یکے ساعقہ سر ز ساقہ کشید بساق سماعیل شاہ در رسید
در آمد سپہید ز بالائے زیں تو گوئی فتاد آسماں بر زمیں
دریغ آں نکو روئے تاباں چو ماہ کہ بازش ندیداں خردمند شاہ
دریغ آں لبر دہ گراں مایہ گرد کہ نادیدہ بازاں پدر را ببرد
دریغ آں شہ[1] پر در یدہ نیاز شدہ روی ادباب نادیدہ باز
سر انجام کارش بکشتند زار بداں گرم خاکش فگندند[2] خوار

---

[1] مراد شاہ عبد العزیز صاحب [2] مراد مولوی ہندی جو پشاور میں قاضی اور عمال مقرر کیے۔

دریغ آں نبردہ سوار دلیر | کہ ثانیش ندید آں خردمند پیر
دریغ آں سوار گراں مایہ شیر | کہ افگندہ شد رائگاں خیر خیر
کہ ہمچو پدر بود ہمت ہائے او | دریغ آں نکوروی بالائے او
چو کشتہ شد آں خوب چہرہ سوار | زگردان بگردش ہزاراں ہزار
بہر گوشہ بر ہم آویختند | ز روی زمین گرد انگیختند
زمینہا پر از خستہ و کشتہ شد | سراپردہ ہا نیز برلبستہ شد
در و دشت، ہاشد ہمہ لالہ گوں | بدشت و بیاباں ہمی رفت خوں

افسوس ہے ایسا دلیر اور بہادر ایسا لاثانی شجاع ایسا عظیم الشان مصلح ایسی مایوسی اور بے بسی کی حالت میں شہید ہوا مگر یہ وہ شہادت تھی جس کے خونی نقوش زمانہ کی پیشانی پر اب تک چمک دے رہے ہیں اور جب تک زمانہ قائم ہے یہ سرخ رنگ نقوش کبھی مٹ نہیں سکتے بے اختیار زبان سے یہ ماتمی اشعار نکلتے ہیں۔

اے دل بچشم زہم حوادث فگار شو | اے از ترادش دل اشکبار شو
اے خون بدیدہ درد گزار جگر زست | اے دم بسینہ دود چراغ مزار شو
اے لب بنوحہ نالہ جانکاہ سازدہ | اے سر بنفعہ خاک سر رہگذار شو
اے خاک چرخ گرنہ تواں زد زجا روگے | اے چرخ خاک گرنہ تواں شد غبار شو
اے نوبہار چوں تن بسمل بخوں بغلط | اے روزگار چوں شب بے ماہ تار شو
اے ماہتاب روی لیلی کبود کن | اے آفتاب داغ دل روزگار شو
اے فتنہ باد صبح وزید ایں قدر مخسپ | اے رستخیز وقت رسید آشکار شو

آہ ایں چہ سیل بود کہ بار از سر گزشت تنہا نہ سر گو کہ ز دیوار و در گزشت

سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ سید صاحب بھی اسی میدان کارزار میں شہید ہوئے گو آپ کے بعض متعلقین پر خدا کی شان سے آنچ تک نہیں آئی پھر بھی وہ فضلا اس میدان میں کام آئے کہ ہندوستان کی اپنے علم وفضل کے لحاظ سے جان تھے ہرچند مولانا شہید نے چاہا کہ سید صاحب کو بچالوں اور اپنی جان ان پر قربان کردوں مگر ممکن نہ ہوا باہمی جدائی کی گھڑی آن لگی تھی اور اسے کوئی ٹالنے والا نہ تھا۔ یہ جانکاہ واقعہ بماہ مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا (خاص بالا کوٹ میں)

جو لوگ بچے تھے دریائے انڈس سے عبور کر کے ستھانہ میں جا گزیں ہوئے رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں اپنی ایک بستی بسائی اور پہاڑوں کو بھی اپنا مرید بنا لیا جو اب تک سوات بیز میں دیکھے جاتے ہیں۔

بارھواں باب

محمد بن عبد الوہاب عینی (نجد میں) اور مولانا شہید دہلوی کے متعلق بعض یورپین کی رائے

محمد بن عبد الوہاب جس نے دوبارہ مکہ اور مدینہ کو اسلامی شریعت کی پابندی کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا سا بنانا چاہا اور آخر میں اپنی خونریز کوششوں میں کامیاب ہو کر اسلامی احکام کا پابند ہونے کے لیئے ہر شخص کو اور بدنی مجبور کیا گیا تھا ملکی معاملات میں خواہ وہ کیسا ہی ضعیف العقل ہو اور اس نے کیسی ہی خطائیں کی ہوں مگر دین کے معاملے میں اس کی زندگی سچے مسلمان کی سی زندگی کے ہم پلہ تھی خلاف شریعت امور سے اسے سخت چڑ تھی اور وہ چاہتا تھا کہ نبی اکرم نے جن شرعی امور کی پابندی کی مسلمانوں کو ہدایت کی تھی ان کا پابند مسلمانوں کو بنا دوں اب یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنے زمانہ کی ملکی آب و ہوا اور طبائع کے میلان کو نہیں دیکھا اور یکایک ان سے چاہا کہ ناگوار طریقہ میں شریعت کے احکام کی پابندی کریں اگر وہ نبی اکرم کی مصلحت یا ربانی حکمت کو غور کرتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ قرآن کا پارہ پارہ ہو کر ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ رفتہ رفتہ انہیں احکام ربانی اقبول کرنے اور ان سے دلچسپی لینے کا عادی بنا دیا گیا اور جوں جوں طبیعت میں شوق پیدا ہوتا گیا اسی کے مطابق آیتیں بھی نازل ہوتی گئیں۔

جو کچھ محمد بن عبد الوہاب نے مذہب اسلام کو چمکانا چاہا اور لوگوں کو موحد بنانا چاہا اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوا وہ بجد املکہ تمام عرب کی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ ہے۔

اکثر نافہم مسلمان ہو کر ان پاک نفوس کو جنہوں نے قرآن وحدیث کو لقب الحین ٹھہرایا ہے اور ان ہی دو مقدس چیزوں پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی اپنے بھائیوں کو بھی دعوت کرتے ہیں وہابی کہتے ہیں اس کہنے سے وہ وہابی نہیں بن سکتے مگر اس کہنے سے اس تلخ تر دشمنی اور حسد کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اکثر نافہم پاک مسلمانوں سے رکھتے ہیں وہ اپنی نسبت اپنے پاک نبی سے کرتے ہیں اور اسی میں انہیں فخر ہے اور یہی ان کا مایہ بساط ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ اسمٰعیل صاحب اور ابن الوہاب کے مرتبہ اور اصلاح مومنین کی بے نظیر کوششوں میں کیا امتیاز قائم ہو سکتا ہے اور باہم دونوں میں کیا مناسبت ہے چوں کہ یہ ایک دلچسپ اور نہایت لطیف مضمون ہے اس لئے میں ابن عبدالوہاب اور اس کے جانشینوں کی مختصر تاریخ بیان کرتا ہوں جن کی مناسبت مولانا شہید کے حالات زندگی سے بہت کچھ ہے

ابن عبد الوہاب ۱۶۹۱ء سنہ میں بمقام عئین (نجد میں) پیدا ہوئے امام احمد بن حنبل کے مذہبی طریقہ پر نہایت عمدگی سے اس کے باپ نے اسے تعلیم دلوائی جب نجد میں فارغ التحصیل ہو گیا تو مکہ مدینہ اور بصرہ میں جا کر اپنے علوم دینی کی تکمیل کرنی چاہی جب اس نے اپنی آرزو کے موافق ان شہروں میں بھی تحصیل علوم کر لی تو بغداد کے عظیم الشان کتب خانہ کی مقناطیسی

کشش نے ابن عبدالوہاب کو اپنی طرف کھینچا جب ابن عبدالوہاب نے
بغداد میں کل حدیثوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسلام کی بابت بہت سی
قلمی کتابیں ملاحظہ کیں تو اور بھی اس کی سرگرم روح میں ایک تازہ جوش
کی روح پھونکی۔

اس کے بعد اس فاضل نے اپنے باپ کے ساتھ حج بیت اللہ اور
مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر شیخ عبداللہ بن ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی یہ
ایک متبحر عالم تھا اس نے شریعت اسلامی کی اور بھی ابن عبدالوہاب
کو تعلیم دی کچھ دنوں تک اپنے باپ کے ساتھ حریملہ میں رہا جب اس کے
باپ کی وفات ہو گئی وہ اپنے وطن عیینہ میں چلا آیا جہاں مذہبی پیشوا بنایا گیا
اپنے مختلف سفروں میں ابن عبدالوہاب نے گو بڑے بڑے فضلا دیکھے
اور اسلامی سوسائیٹوں اور درس گاہوں کی بھی خوب دھوم دھام دیکھی مگر
شریعت محمدی کا پابند یا عامل بالحدیث بہت ہی کم نظر پڑا اس نے مقبروں
کو مزین دیکھا اس نے ریشم اور چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال عام دیکھا
نشی چیزوں کا رواج بھی ہر مسلمانی حکومت میں ملاحظہ کیا فضول شگونوں
اور وہموں کا معتقد اور تابع لوگوں کو پایا۔ گور پرستی کی لے بڑھتی ہوئی دیکھی
اور عیاشی کو نئی صورتوں میں جلوہ افزا دیکھا اس نے قرآن شریف اور
احادیث نبویہ کو نہایت توجہ سے سمجھ سمجھ کر پڑھا تھا ربانی مقاصد اس کے
بخوبی دل نشیں ہو گئے تھے اور وہ اسلام اور اس کے واجب الاعتصام
ہادی کا مفہوم سمجھ گیا تھا قرآنی مقصد اعلےٰ پر عبور اور پھر اسلامی دنیا میں

یہ خلاف شریعت باتیں دیکھنے سے ایک نیا رنگ اصلاح کا اس کی طبعیت میں پیدا ہوا اس کی عین خواہش تھی کہ ان مکروہ اور ناپاک باتوں کو اور اس ناقابل بیان رسوم کو جو عجمیوں سے پیوند ہونے کے بعد مسلمانوں میں پڑہ گئیں تھیں سب کو علیحدہ کردوں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا کر کے انہیں پاک صاف اور ستھرا ہوا مسلمان بنا دوں یہ خیال غیر معمولی جوش کی صورت میں ابن عبدالوہاب کے دل میں پیدا ہوا اور نیز اس کی تکمیل کی امنگ اٹھی

ابن عبدالوہاب نے سوائے قرآن و حدیث یا صحابہ کے قیمتی اقوال کے دوسرے آئمہ کی باتوں پر کبھی عمل کیا نہ اپنے معتقدوں کو عمل کرنے کی ہدایت کی وہ کہا کرتا تھا جن پاک اور مبارک انفاس نے اپنی آنکھوں سے جمال احمدی دیکھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے مشرف ہو چکے ہیں ان کی باتوں کو قبول کرنا اور ماننا چاہیے نہ کہ ان لوگوں کی باتوں اور استنباطی مسائل کو تسلیم کریں جو عقل کے تنگے لڑا گئے اور جنہیں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی نہ حضور مبارک کی زبان مبارک سے انہوں نے کچھ سنا اسلام کی بنا صرف قرآن و حدیث پر ہے اور یہی کافی ہے جب قرآن میں موجود ہے کہ تمہارا دین کامل ہو چکا ہے پھر دوسرے کسی نفس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دین اسلام میں کوئی مین میخ پیدا کرے اور پھر لوگ اس کے استنباطی مسائل ہیں اس کے گرد دھکے کھائیں

ابن عبدالوہاب کی اس بے نظیر سچی اور سیدھی تعلیم نے عظیم الشان اثر مسلمانوں پر کیا اور وہ غول کے غول اس کے آس پاس آنے لگے مگر اس

کی یہ کامیابی نامساعد ثابت ہوئی رئیس شہر سخت برہم ہوا اور آخر ابن عبدالوہاب کو شہر چھوڑنا ہی پڑا وہاں سے بھاگ کر اس نے درعیہ میں ایک رئیس اعظم محمد بن سعد کے پاس پناہ لی اس سردار نے جس کا قومی تر اثر ہزاروں آدمیوں پر پھیلا ہوا تھا۔ ابن عبدالوہاب کے اسلامی اور نکھرے ہوئے خیالات کو چمکایا اور اپنی تلوار سے بھی مدد کرنے کو مستعد ہوا۔ اس نے محمد بن عبدالوہاب کی لڑکی سے شادی کر لی۔ خدا کی شان سے اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا یہ لڑکا فطرت عجیب دل و دماغ کا پیدا کیا تھا وہ اپنے باپ دادا اور نانا سے بھی خالص محمدی دین پھیلانے میں پرجوش نکلا اپنے باپ کے گزر جانے کے بعد ۱۷۶۵ء میں اس نے اپنی فتوحات کی لین ڈوری جزیرہ نمائے عرب کے بہت دور کے حصہ تک بڑھا دی۔

عبدالعزیز صرف ایک لڑاکا اور جانباز بہادر مرد میدان جری ہی نہ تھا بلکہ ایک سچا مسلمان تھا اور اس کو حقیقی عامل بالحدیث کہہ سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے احکام ہیں سب پر استواری اور زندہ دلی سے اس کا اور اس کے دوستوں کا عمل تھا اور وہ خوش تھا کہ میری وجہ سے پھر کئی صدیوں کے بعد دوبارہ سچا اسلام عرب میں پھیلتا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ ایک خراسانی کی چھری نے عین سجدہ کی حالت میں قبل از وقت اس کا فیصلہ کر دیا یہ جانکاہ اور الم ناک واقعہ ۱۸۰۳ء میں وقوع پذیر ہوا۔ عبدالعزیز کے بعد اس کا بیٹا سعد اپنے باپ سے

بھی زیادہ پرجوش اور مرد میدان نکلا اس نے اور بھی اپنی فتوحات ملکی اور مذہبی کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا یہ ایک نہایت ہی پاکیزہ صورت اور جمیل شکل کا نوجوان تھا جیسا حسن ظاہری سے آراستہ تھا حسن باطنی سے قدرت نے اسے ویسا ہی مزین کیا تھا۔ علم و فضل میں جیسا اپنے وقت کا شیخ الکل تھا اسی طرح فنون جنگ میں بھی بے مثال دہارت رکھتا تھا۔ بارہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے مذہبی جھنڈے کے نیچے خونخوار عربوں سے ایک بڑا میدان لے چکا تھا اور اب تو اس کی عنفوان جوانی کا زمانہ تھا اس حالت میں اس نے وہ کارنمایاں کیئے جو اب تک نجد کی تاریخ میں تعجب سے سنے جاتے ہیں۔

قرآن کا قرأت کیساتھ خوش لحن پڑھنا بھی اسی پر ختم تھا۔ حدیث کی چھ کتابیں تقریباً اسے حفظ تھیں ادھر اس کی جنگی شوکت بڑھی اور ادھر اس کے علم و فضل کی دھاک نے ہزاروں عربوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا دہ غول کے غول آنے لگے اور اسکے اسلامی مذہبی جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے لگے۔ سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اس کے مذہبی پیروان یا فوج کے آگے ترکوں کی ملکی سپرٹ کی دال نہ گلی آخر ان فتوحات کے بعد اس نے سیدھا کربلائے اقدس کا رخ کیا اور خفیف سے مقابلہ کے بعد شہر کربلا پر سعد کا قبضہ ہو گیا مندہا بلند بلند مقبرے جن پر سنہری کام ہو رہا تھا شریعت محمدی کے مطابق ڈھا دیئے گئے اور شہدائے کربلا کے مزاروں کے آرائشی سامان فوراً آگ میں جلا دیئے گئے سعد کی طرف سے ڈھنڈورا پٹ گیا کہ آئندہ سے اگر کسی نے خلاف شریعت کوئی بات کی اس کی سزا قرآن حدیث کے موافق دی جائیگی اسی سال

کیبعد اسکے پرجوش مذہبی لشکر نے مکہ پر بھی قبضہ کرلیا اور ۲۷ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعد اپنے ہمراہیوں کیساتھ طواف کیلئے کعبہ میں داخل ہوا اہتمام کی بزرگی نے سعد کی کسی قدر وحشیانہ خونخوار روح کو ملائم کردیا اور اس نے صرف اس ادب سے کہ یہاں ہمارا آخرالزمان نبی پیدا ہوا تھا۔ مطلق یہاں کے لوگوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں دی ہاں خلاف شریعت امور کی اصلاح کیلئے سخت ہدایت ضرور کردیگئی مثلاً چاندی سونے کے حقے ایرانی شال۔ گنگاجمنی کے ظروف۔ ریشمی ایرانی پوشاکیں جنہیں شریعت اسلام نے کبھی جائز نہیں ٹھہرایا تھا۔ ایک جگہ جمع کیئے گئے اور ان سب میں آگ لگادی گئی ہر شخص مجبور کیا گیا تھا کہ احکام دین کی پابندی کرے اور تمام وہ باتیں جو نبی اکرم کے زمانہ مسعود میں رائج تھیں بہت دھوم دھام سے ان کی اشاعت دیگئی حقہ پینے کی ممانعت بہت سخت تھی ایک دن اتفاق سے محتسب نے ایک خاتون کو جو حقہ پینے کی حد سے عادی تھی حقہ پیتے دیکھ لیا اور ہرچند چاہتی تھی کہ بچکر نکل جائے پر ممکن نہ ہوا آخر وہ پکڑی گئی الٹے گدھے پر اسے سوار کیا گیا اور اس کی گردن پر اس کا حقہ رکھا گیا اور گلی در گلی اسے پھرا گیا تاکہ عورتوں کو سخت عبرت ہو اور پھر وہ شہر بدر کردی گئی ان لوگوں کو شریعت کے قوانین کے موافق سزا دی جاتی تھی جو احکام اسلام سے انحراف کرتے تھے خواہ مرد ہوں یا عورت۔ پنجوقتہ نماز میں ہر مسلمان مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ہر نماز میں شریک جماعت ہو۔ اگر کہنے پر بھی کوئی متوجہ ہوا نہ اٹھا تو اسے درہ ہوشیار کرتا تھا شہر کی مسجدیں اب پانچوں وقت لبالب بھری ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ خلفائے راشدین کے عہد مبارک کے بعد پھر یہ موقع تھا کہ معائنہ کرنے والے کی آنکھ شریعت کے احکام پر لوگوں کو خواہ دلچسپی سے خواہ طوعاً کرہاً مگر عمل ضرور ہی کرتا ملاحظہ کریگی بازار میں کسی دوکان پر ایک حقہ یا کوئی چلم نظر نہ آتی تھی اور ذرا بھی خلاف شریعت کوئی سامان کہیں دوائی کو بھی ڈھونڈے ملتا تھا کہ مقدور تھا کہ کوئی اپنے گھر میں پوشیدہ رکھ سکے بازار تو بازار رہا۔ جب سعد نے اپنا پورا پورا منشا فتح مکہ کا حاصل کرلیا تو اس نے سلطان ترکی کی خدمت میں مفصلہ ذیل الفاظ میں ایک خط لکھا جس میں اپنی کامیابی یا فتح یابی کی خبر

دی گئی ہے وہ خط یہ ہے۔

سعد کی طرف سے سلیم کو معلوم ہو میں مکہ معظمہ میں ۴ محرم ۱۲۱۸ھ کو داخل ہوا میں نے شہر میں بالکل امن رکھا اور کسی متنفس کو نہیں ستایا۔ ہاں ان چیزوں کو برباد کر دیا جن کی پرستش ہوتی تھی، میں نے ہر قسم کے خراج کو سوائے ٹیکسوں کے جن کی اجازت قرآن دیتا ہے موقوف کر دیا ہے میں نے قاضیوں کو مقرر کر دیا ہے جو بالکل شریعت محمدی کے موافق مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ بھی یہ سن کر خوش ہوں گے میں چاہتا ہوں آپ دمشق اور مصر القاہرہ کے حکمرانوں کے پاس حکم نامہ لکھ کر بھیجدیں کہ وہ اس پاک معبد میں خلاف شرع محمل کے لیے نہ آئیں۔ اور نہ قرنا بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوں، مذہب ایسی ویسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا میں دعا کرتا ہوں خدا کی برکتیں اور رحمتیں تم پر نازل ہوں۔

۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا مدینہ لے کر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک ابال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گذر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی

نو برس تک سعد نے بہت زور شور سے مذہبی حکومت کی دن بدن عربوں میں ان کا اثر بڑھتا گیا اور فوج سال بسال زیادہ ہوتی گئی۔ جب ان کی قوت بڑھنے لگی تو سلطان ترکی کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اور اب انہیں اپنی سلطنت کا اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں اس پر سعد حملہ نہ کرے۔

محمد علی پاشا ترکوں کی فوج لے کر سلطان کے حکم سے مکہ کی طرف بڑھا۔ دو تین خونریز میدانوں کے بعد مکہ اور مدینہ فتح کر لیا گیا۔ سعد کی وفات کے بعد (۱۸۱۴ء) اس کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اور اس نے پریشان فوج کو جمع کر کے ابراہیم پاشا افسر ترکی سے مقابلہ کیا۔ لڑتے لڑتے عین میدان جنگ میں گرفتار ہو گیا ابراہیم پاشا نے اسے قسطنطنیہ روانہ کر دیا۔ مسجد صوفیہ میں ۱۹ر دسمبر ۱۸۱۸ء کو اس کی گردن اڑا دی گئی

عبداللہ کے بعد اس کا بیٹا ادھر ادھر ترکوں کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرا آخر ریاض میں وہ بھی گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ کا پوتا فیصل اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر ۱۸۳۰ء میں جلوہ فراز ہوا۔ اس نے وسطی عرب میں اپنے مذہبی اثر کو بہت سرگرمی سے پھیلایا اور ریاض کو جہاں اس کا باپ قتل ہوا تھا اپنا دارالخلافہ بنایا۔ وہ پہلا خلیفہ تھا جس نے ۱۸۶۳ء میں یورپین مسافر پلگریو سے ملاقات کی۔ اور سر لوئیس پلی لیفٹننٹ کرنیل" کا بطور وکیل ملکہ معظمہ استقبال کیا۔ سر لوئیس کی ملاقات کے بعد ۱۸۸۶ء میں فیصل کا انتقال ہو گیا۔ اور اب اس کی جگہ اس کا بیٹا عبداللہ تخت نشین ہے ؛

یہ دیکھ کر ناظر اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر محمد بن عبدالوہاب کے بعد پے درپے اس کے بیٹے پوتے ایک سے ایک زیادہ نہ پیدا ہوتے رہتے تو کبھی کا ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا برخلاف مولانا شہید کے نہ ان کے ساتھیوں میں ان کی زندگی میں نہ بعد از ان کوئی ایسا سر دھرا تھا کہ سکھوں سے اپنے راہنما کا انتقام لیتا۔ یا ان کے اصول مذہبی کو خوب پھیلانے کی کوشش کرتا مگر الحمد للہ کہ جو بیج مذہبی

اصلاح کا مولٰنا اسمٰعیل صاحب ہو گئے تھے۔ وہ پھلا پھولا بڑا ہوا اور اس نے اپنی جڑایں لوگوں کے دلوں میں مضبوط پکڑ لی ہیں۔ جو کبھی نہیں جا سکتیں اور جن کی نسبت ہمارا بزرگ قوم اپنی بیش بہا کتاب[1] میں یہ لکھتا ہے۔

"سنی چرچ کے جگر میں سو برس گذشتہ سے ایمان اور عمل کی مطابقت نے بہت بڑا اثر کرنا شروع کیا۔ مذہب وہابیہ جس نے اپنی صورت صدی کے آغاز میں ظاہر کی اپنی روح رواں صحرا سے استنباط کرتا ہے غیر مقلدی مذاہب کا چشمہ انسانی قلوب کے باطنی گوشوں سے ابلتا ہے اور مستحکم چرچ کی سخت اور درشت مخالفت سے اپنی حفاظت کی جگہ تلاش کرتا ہے یہ سخت ناانصافی اور جہالت ہے کہ ہم ایک غیر مقلد کو وہابیوں کے حدود میں محدود کر دیں وہ اس وہابیہ دائرہ میں آنے سے آزاد ہے وہ بہ نسبت اپنے مخالفین کے آپ بہت بڑے فلسفیانہ اور عقلی اصول رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سنی چرچ کے جگر میں غیر مقلدی کی جو یہ تحریک ہوئی ہے۔ اپنے ساتھ آئندہ خوش کن نتائج اور نیز عمارے وعید کا مادہ مضمر رکھتی ہے"۔

مسٹر امیر علی جج کی آزادانہ رائے کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جسے آزادی اور انصاف سے کچھ حصہ ملا ہے اگر ہم ذرا بھی توجہ کریں گے تو ہمیں کھل جائے گا جس شخص نے کئی کروڑ مسلمانوں کے جگر میں نئی تحریک پیدا کر دی اور اس کی وفات کے بعد کوئی اس کے مذہبی خیالات کی تائید کرنے والا نہ ہو۔ اس کے عالی رتبہ اور عالی شان درجہ کا اندازہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کی نسبت ہمارا یہ کہنا بالکل

---

[1] اسپرٹ آف اسلام مصنفہ سید امیر علی جج ہائی کورٹ کلکتہ صفحہ ۵۵۱ - ۵۵۲

درست ہے کہ سات آٹھ سو برس کی ہندوستانی اسلامی سلطنت کا اگر ہمیں یا خود اسلام کو کوئی نتیجہ حاصل ہوا تو صرف دہلی میں ابتدائی صدی میں شاہ اسمٰعیل کے پیدا ہونے سے اور سنی چرچ ہی نہیں بلکہ شیعہ چرچ کے جگر میں اصلاح کی غیر معمولی تحریک قائم کرنے سے ہی بہرہ پایا۔

اب میں مفصلہ ذیل یورپینس کی کتابوں سے مولانا شہید اور سید صاحب اور محمدی مذہب جسے غلطی سے وہابیہ مذہب سے پکارا گیا ہے۔ اس کی نسبت کچھ طول طویل آرائے کا خلاصہ کرتا ہوں۔ جو یقیناً بہت ہی دلچسپ ہوگا:

(۱) برک ہرڈس بدوئنس اینڈ وہابیز (برک ہرڈس صاحب کا بیان بابت بدو اور وہابیوں کے)

(۲) براجبیز بریف ہسٹری آف وہابیز (وہابیوں کی مختصر تاریخ مصنفہ براجگ)

(۳) سرلیوس پلیس پولیٹیکل مشن ٹو نجد (سرلیوس پلیس کی پولیٹیکل سفارت نجد میں)

(۴) ہنٹرس مسلمان آف انڈیا (مسلمانان ہند مصنفہ ہنٹر صاحب)

(۵) پیلگریوس سنٹرل اینڈ ایسٹرن عربیا (پیلگریو کی کتاب وسطی اور مشرقی عرب کے بیان میں)

(۶) لیڈی امنس بلنٹس پلگریمیج ٹو نجد (بیگم امنس بلنٹس کا سفر نجد)

(۷) ڈی آر بیڈجرس امام اینڈ سید آف ادمان (ڈی آر بیڈجرس کی کتاب ادمان کے سیدوں اور اماموں کے بیان میں)

(۸) بلنٹس فیوچر آف اسلام (بلنٹس صاحب کی کتاب اسلام کی آیندہ

...حالت میں)

مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو بہت جوش و خروش سے انگریزی میں ناپ تناپ تصنیف کی گئی ہیں۔ اور جن میں زیادہ تر مصنفوں نے اپنے خیالات کو روک دیا ہے اور خواہ مخواہ بے چارے محمدیوں کو خوف ناک صورت میں دکھایا ہے یہاں کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان واقف ہوں کہ ان کے دوست مسیحوں کا خیال اُن کی نسبت کیا ہے (دیو بندا)

"اگرچہ وہابیوں کی جنگی اور ملکی قوت چکنا چور ہو گئی اور سعد کے خاندان کی حکمرانی کی حدود نجد میں محدود ہو کر رہ گئیں مگر پھر بھی جو اصول مذہبی محمد بن عبدالوہاب نے بنائے تھے اب تک مساجد میں نہایت مذہبی جوش میں بیان کئے جاتے ہیں اور ان پر خوب دھوم دھام سے وعظ ہوتے ہیں۔ ان جوشیلے وعظوں کی گونجیں حدود نجد ہی میں مقید نہ رہیں۔ بلکہ انہوں نے ہندوستان کے ایک بزرگ کی بے آرام روح میں مذہبی ولولے کی نئی روح پھونک دی۔ جب یہ بزرگ مکہ شریف کے حج کو آیا تو اس نے وہابیوں کے بڑے فاضل سے وہابی مذہب کی تعلیم حاصل کی اور محمد بن عبدالوہاب کے اسلامی اصول کو خوب مانجھا سید احمد رائے بریلی کے قزاق اور رہزن نے ۱۸۲۲ء میں حج بیت اللہ کر کے چاہا کہ شمالی ہند کو یکلخت اپنے اسلامی اصول منوا دوں پیغمبر اسلام کے براہ راست سلسلہ اولاد میں ہونے سے برخلاف وہابیانِ نجد کے اس نے اپنے میں امیر المومنین بننے کی ضروری صفات ملاحظہ کیں۔ مسلمانانِ ہند نے اسے سچا خلیفہ یا مہدی تسلیم کر لیا۔ انگریزی حکام کی لاعلمی میں وہ ہمارے صوبوں میں گشت لگاتا پھرا۔ اور بے شمار لوگوں کو اپنا معتقد

بنایا اس نے اپنے کارندے پٹنہ میں مقرر کیے۔ اور پھر دہلی کی طرف رخ کیا۔ یہاں خوش قسمتی سے ایک فاضل اجل محمد اسمٰعیل نامی اس کا مرید ہوگیا۔ اور آخر میں اپنے پیر کا ایسا دالہ و شیدا ہوا کہ اس نے نئے خلیفہ کے اصول مذہبی کی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "صراط المستقیم" ہے"۔

"۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو اس نے سکھوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا بلند کیا اور وسط ایشیا کو اپنے ساتھ ہم زبان کرنے کی کوشش کی حدود پشاور اور پشاور میں اس نے قیامت برپا کردی اور رنجیت سنگھ پر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر دیا۔ جہادی جنگیں چار برس تک ہوتی رہیں جن میں سید احمد ہی کو متواتر کامیابی ہوتی رہی اب وہابیہ لشکر کی قوت اور بھی خوفناک ہوگئی تھی اور وہ ابھی اور بھی بڑھتی مگر اپنے سردار کے ایک عظیم الشان جنگ میں جو شیر سنگھ سے بالاکوٹ ہزارہ میں ہوئی تھی، ماہ مئی ۱۸۳۱ء میں قتل ہونے سے رک گئی۔ ہزیمت یافتہ لشکر کا بقیہ حصہ حدود سے عبور کر کے ستیانا میں جاکر آباد ہوگیا ۱۸۶۳ء کی جنگ میں برٹش گورنمنٹ نے ان کا بالکل فیصلہ کر دیا۔ پھر بھی کوئی تین سو کے قریب انڈس کے کناروں پر پلوسی میں آباد ہیں جن کا سردار مشہور ۱۸۵۷ء کا باغی شیخ عبد اللہ ہے جو ایک بہت ضعیف شخص ہے جس نے حال میں اپنی لڑکی کی شادی سابق امام پشاوری سے کردی ہے اس شادی کی وجہ یہ ہے کہ پلوسی کی وہابیہ اثر حدود پشاور پر بھی محیط ہوجائے۔ ہنوز دیکھنے میں آتا ہے کہ وہابی مذہب کے لیڈروں کی غیر موجودگی سے گو جنگی قوت کا ڈھانچہ بالکل توڑ مروڑ ڈالا گیا ہے۔ تاہم اس مذہب کا اثر ہندوستان اور نجد میں باقی ہے جو دن بدن بڑھتا جاتا ہے بہت دھوم

دھام سے ہندوستان میں وہابی مذہب کی کتابیں طبع ہوتی ہیں اور انہیں اشاعت کیا جاتا ہے مثلاً تقویۃ الایمان اور صراط المستقیم کتابیں جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں پر اپنا زبردست اثر ڈال رکھا ہے"۔

"وہابی مذہب بالکل ہمارے مذہب پروٹسٹنٹ سے مشابہت رکھتا ہے اس کے عقلی اور قابل تسلیم اصول پروٹسٹنٹ کے ہم پایہ ہیں۔ یہ لوگ اپنا ایمان قرآن و حدیث پر رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں احادیث نبویہ کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اپنے کو اہل حدیث کے لقب سے ملقب کرتے اور جہاں تک ان سے ہوتا ہے۔ حدیث کی درس و تدریس میں اپنے ذہن اور قوت سے مدد کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی سرگرمی رکھتے ہیں۔ وہابی اپنے کو موحد اور دوسرے مسلمانوں کو مشرک بتاتے ہیں اور ان کے اصول مفصلہ ذیل ہیں

(۱) وہ چار مذہبوں کے اماموں کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے ان کا قول ہے کہ کوئی شخص جو قرآن و حدیث کو پڑھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے۔ اصول مذہب کے معاملات میں اپنا فیصلہ آپ کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) سوائے خدا کے آدمی کے دل کا بھید کوئی بھی نہیں جانتا نماز سوائے خدا کے نہ کسی پیغمبر نہ ولی نہ پیر شہید کی جائز ہے اور نہ کسی پیر شہید کے ذریعہ سے خدا کی جناب میں کسی ضرورت کو پیش کرنا روا ہے۔

(۳) قیامت کے دن محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) خداوند تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کرنے کی اجازت یا اذن چاہیں گے مقلدوں کا مذہب ہے کہ اذن

رسول خدا کو دیا جا چکا ہے۔

(۴) وہابی خلافِ شریعت سمجھتے ہیں کہ کسی پیر شہید کے مزار پر روشنی کی جائے اس کے آگے جھکا جائے یا اس کا طواف کیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ یہ باتیں خود نبی عربی کے مزار کے لیے بھی جائز نہیں قرار دیتے۔

(۵) عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی کی قبر پہ جائیں اور وہاں روئیں پیٹیں اپنے بال نوچیں اور اپنے کو نیم بسمل کریں۔

(۶) صرف چار تہوار قابل تسلیم ہیں۔ عید الفطر۔ عید الضحیٰ۔ عاشورہ۔ لیلۃ المبارک۔

(۷) مولود شریف کی تقریب کو فعل عبث جانتے ہیں، جو اور مسلمانوں میں ہوا کرتا ہے۔

(۸) وہ کسی مزار پر کوئی نیاز نذر نہیں چڑھاتے۔ نہ مراد حاصل ہونے کے لیے کلاوا باندھتے ہیں۔

(۹) وہ خدا کے ننانوے نام اپنی انگلیوں پر پڑھتے ہیں۔ تسبیح کا استعمال نہیں کرتے۔

(۱۰) وہ خدا کا عرش پر قیام کرنا اور خدا کا ہاتھ ہونا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے مجازی نہیں سمجھتے بلکہ حقیقی جانتے ہیں مگر ساتھ ہی اس کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں حکم لگا سکتے کہ اس کا بیٹھنا ہمارے بیٹھنے کے مساوی ہے یا اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے یہ بھید اپنے وہ خود ہی خوب جانتا ہے۔ فقط"

یورونیس کی اس تحریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ کس قدر اپنے خیال میں دوسرے

مذہب کی چھان بین کرتے ہیں مگر پھر بھی بہت سی باتیں بالکل غلط بے تحقیق ہوتی ہیں مولوی اسمٰعیل جو ہندوستان میں فرقہ موحد کا مبلغ ہے۔ کبھی کسی نجدی یا شیخ سے نہیں ملے نہ انہوں نے ان کی کوئی کتاب دیکھی، انہوں نے وہی تعلیم دی جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش سے پہلے محمدیت کی بنا ان کے خاندان میں پڑ چکی تھی۔ اور جو کچھ اس نے اور اس کے خاندان نے حاصل کیا وہ اپنے ہی باپ دادوں سے اسلامی دنیا میں ایک ہی خاندان ہے۔ جسے غیر کے شاگرد بننے کا افتخار حاصل نہیں ہوا۔ یہ رنٹس کا یہ لکھنا کہ محمد بن عبدالوہاب نے ہندوستان تک اپنے مذہبی اصول کے خیالات پھیلائے۔ محض لغو اور بے سروپا بات ہے۔

جس برے پیرایہ میں محمدیوں کو جنہیں سخت غلطی سے وہابی کہا ہے انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے۔ سخت حقارت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کے قانون کو فرقہ اہل حدیث نے کس قدر تسلیم کیا ہے اور اس کے کیسے فرماں بردار مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں لہ ان پر کیا ہندوستان کے کل مسلمان اپنی گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور کبھی ان کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے جو گورنمنٹ کے خلاف سمجھی جاتی ہیں ہنٹر صاحب نے خصوصاً جو کچھ لکھا ہے اس کا بہت سا حصہ غلط اور خیالی ہے۔

لہ مصنف کا یہ خیال اس زمانے کا ہے۔ جب ہندوستان پر انگریزوں کا پورا تسلط تھا اور جب ہر شخص ان کے ظلم سے بچنے کے لیے ان کا ثناخوان تھا۔ (مصحح)

تیرھواں باب

شریعت

لفظ شریعت جس کے سیدھے معنے راستہ کے ہیں ان ہی معنوں میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسلامی علم الٰہی کی کتابوں کو بھی شریعت کہتے ہیں اور کتاب کے معنوں میں لفظ شریعت کا استعمال کلام اللہ میں بھی ہوا ہے جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "ہر ایک کو ہم نے شریعت دی ہے"۔

احادیث اور علم الٰہی کی کتابوں میں لفظ الشرع عام طور پر قانون محمدی کے اظہار کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ہم معنی تورات کا عبرانی لفظ آیا ہے جس کے معنی قانون موسوی کے ہیں۔ یا جو قانون حضرت موسیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علمائے اسلام کے نزدیک الشرع یا قانون کے پانچ حصے ہیں (۱) اعتقاد (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔

(۱) اعتقادات میں وہ چھ باتیں شامل ہیں جن پر دین اسلام قائم ہے یعنی (ا) خدا پر یقین (ب) اس کے فرشتوں پر یقین (ت) اس کی کتابوں پر (ث) اس کے انبیا علیہم السلام پر (ج) قیامت کے دن پر (ح) تقدیر خدا پر۔ اسلامی قانون میں اسے علم العقائد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں تمام تفسیری علم الٰہی کی شاخیں شامل ہیں۔ خاص اس مضمون پر موجودہ زمانہ میں جو کتابیں زیادہ مشہور اور مروج ہیں یہ ہیں شرح المواقف مصنفہ سید شریف الدین جرجانی۔ شرح العقائد۔ مصنفہ مسعود سعد الدین

تفتازانی۔ وغیرہ۔

(۲) آداب میں تمام وہ تمدنی اور اخلاقی عمدگیاں شامل ہیں جن کا شاہد خود قرآن مجید اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ اخلاص۔ توکل تواضع۔ تفویض۔ قصر الاعمال۔ زہد فی الدنیا۔ نصیحۃ قناعۃ۔ حب۔ صبر۔ دیکھو مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۴۔

(۳) عبادات۔ اس میں تمام وہ عبادتیں اور دعائیں شامل ہیں جو باری تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور جس کے پانچ ارکان ہیں (ا) تلقین مذہب (ب) نماز (ت) زکوٰۃ (ث) صوم (ج) حج۔

(۴) معاملات میں وہ فرائض شامل ہیں جو باہمی ایک آدمی پر دوسرے آدمی کے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ مخاصمات۔ امانات ان ہی حصوں میں کل معاملات دنیوی بھگتائے جاتے ہیں۔ مثلاً تبادلہ۔ خرید و فروخت الجنسی اشتراک سرقہ۔ شادی۔ طلاق۔ مہر۔ دعوے وغیرہ۔

(۵) عقوبات میں وہ سزائیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث کے موافق مجرموں کو دی جاتی ہیں۔ مثلاً قصاص۔ حد السرقہ۔ حد الزنا۔ حد القذف۔ حد الشرب۔ ان دو موخر الذکر حدوں میں اسی دروں کی سزا دی جاتی ہے۔ اسلامی شریعت کے دو عام حصے یہ ہیں۔ علم الکلام اور علم الفقہ۔

اسلامی شریعت اور بھی دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر المشروع جسے فارسی میں روا اور ناروا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مشروع کی بھی پھر پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض جو احکام قرآن و حدیث میں

ہیں انہیں بلا استکراہ اور بلا اشتباہ قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کا نام فرض ہے اگر ان میں خفیف سا شبہ بھی ہو تو انسان دائرہ کفر میں آجاتا ہے (۲) واجب جو ضروری باتیں ہیں مگر یہ مشتبہ امر ہے آیا قرآن و حدیث میں ان کی تاکید کی گئی ہے یا نہیں (۳) سنت وہ اعمال ہیں جن کی مزاولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی (۴) مستحب وہ اعمال ہیں جو نبی ہاشمی اور آپ کے صحابہ نے کبھی کیے اور کبھی نہیں کیے (۵) مباح جن پر عمل کرنا سزاوار ہے اگر عمل نہ کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے وہ باتیں جو غیر المشروع ہیں ان کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) مفسد جو اعمال نہایت زبون زہریلے اور رتائل ہیں (۲) حرام وہ اعمال جنہیں شدومد سے روکا گیا ہے (۳) مکروہ وہ اعمال ہیں جو عام طور پر ناپاک سمجھے گئے ہیں۔

مشروع اور غیر المشروع کے فرق مع ان کے تمام حصوں کے اسلامی شریعت کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں چاہے ان میں انسانی معمولی زندگی کے فرائض کا ذکر ہو۔ چاہے خدا کی عبادت کا بیان ہو۔

اخلاقی اور تمدنی قوانین میں یہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نقولوں اور اعمال کی تین قسمیں ہیں جو زیادہ توجہ مبذول کرنے کے قابل ہیں۔

(۱) سنت الفعلی وہ کام جو نبی اکرمؐ نے خود کیے۔

(۲) سنت القولی۔ وہ باتیں جن کی تاکید نبی اکرمؐ نے اپنی امت سے کی۔ کہ ان پر عمل کرنا۔

(۳) سنت التقریری۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کیا گیا۔ اور

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان کی پروانگی آپ نے دے دی میرے خیال میں ان تمام باتوں اور ہدایتوں کا تعلق ترقی وتمدن اور اخلاق کے لیے ہے۔ کیوں کہ قرآن میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ ہم نے آج تیرے (محمد کے) دین کی تکمیل کر دی اور تجھ پر اپنی نعمتوں کو تمام کر چکے اصل دین جس سے غرض ہے وہ صرف قرآن حدیث سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں سب عام فہم اور ہر متنفس کے سمجھنے کے لائق ہیں۔ ہاں صرف یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ کیسا ہی فاضل اجل قرآن پڑھے گا۔ اس سے نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی جائیں گی اور وہ وہ ربانی نکات حل کرے گا کہ جو دوسرے کے کبھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ غرض قرآن مجید پڑھ کر جو لذت ایک جاہل کو ہو سکتی ہے وہی ایک بہت بڑے فاضل کو مل سکتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے۔ جس نے احادیث نبویہ کو زیادہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھا۔ اس نے گویا نبی اکرم کی جناب میں بے ادبی کی۔ خدا اور نبی کے اقوال کے آگے تمام جہان کے فضلا کے اقوال اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے۔ جتنی کوہ ہمالیہ کے آگے اپنی جسامت کے لحاظ سے ایک چیونٹی رکھتی ہے۔ اس لیے فرض اور سنت کا ترک کرنے والا گنہگاری سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن وحدیث کے ساتھ اجماع بھی شریک کیا جاتا ہے۔ اس میں مسلمان باہم مختلف ہیں۔ مقلدین کا تو یہ مذہب ہے کہ چار مجتہدوں (مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک۔ شافعی۔ حنبل) سے اجماع شروع ہوا اور انہیں پر ختم ہوچکا۔ اس کے مقابل میں اہل حدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کبھی نہیں ہوسکتا۔

میرا یہ خیال ہے کہ باہمی غلط فہمی صرف تاریخ سے لاعلمی کی وجہ ہے۔ یہ سخت خیرہ چشمی اور اسلام کے ساتھ ناروا سوء ادبی ہے کہ ہم اس کالاعلمی جلال جس نے یورپ کی سترہ صدی تک آنکھیں منور کیں صرف چار نفوس میں محدود کریں۔

ایں خیال ست و محال ست و جنون

اگر ہم اسلامی دنیا کی تاریخ علماء دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آئمہ موصوفین سے کہیں زیادہ فاضل اور عالم ہر صدی میں ہوئے اور کسی نہ کسی اسلامی دارالعلوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ان کی کیفیت ہماری کتاب المحمد کی دوسری جلد میں مل سکتی ہے۔ اہل حدیث کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر تنویر سے اپنی آنکھیں منور نہیں کیں وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ اجماع کی مسند پر جلوہ افزا ہو۔

اجماع کی تین بنیادیں ہیں (۱) اتفاق قولی (۲) اتفاق فعلی (۳) اتفاق سکوتی میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جن کا تعلق کچھ بھی مذہب سے ہے صحابہ راشدین ہی کا اجماع قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ اور تمام استنباطی دینی یا تمدنی مسائل میں ہر پڑھا لکھا شخص مجتہد وقت ہے۔ چنانچہ میں مولوی اسمٰعیل کو مجتہد وقت لکھتا ہوں جس کا ثبوت کسی آئندہ باب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

یہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے کہ مجتہدوں میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور وہ اختلافات کچھ تو قیاسات کی وجہ سے ہے اور کچھ حدیثوں کا اختلاف سے پہنچنا اس کا سبب ہوا ہے۔ دو چار دس پانچ میں نہیں بلکہ صدہا مجتہدوں میں باہم

اختلاف ہے۔ ایسی حالت میں ہر شخص یہ حکم لگا سکتا ہے۔ ایک صحیح اور دوسرا خطا پر ہوگا۔ پھر میں حیران ہوں کہ ان بدیہی اور روشن باتوں اور شہادتوں پر بھی ایک ہی مجتہد پر قناعت کرنی یا چار مجتہدوں کے علاوہ اور مجتہدوں کا قول قابل تسلیم نہ سمجھنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔

وہ خاص خاص قیمتی کتابیں جن پر مقلدین کا دارومدار ہے مفصلہ ذیل ہیں۔ "جامع المذاہب"، "مجمع الخلافیات"، "نیابۃ الاحکام" عیون۔ زبدۃ الاحکام کنز الدقائق جو ایک بڑی مشہور و معروف کتاب ہے۔ خصوصیت سے اس کے بہت سے مسائل واقعات سے استنباط کئے ہیں۔ اس میں امام اعظم ابو حنیفہ ابو یوسف امام محمد۔ شافعی۔ مالک وغیرہ کے اصول مذہب کے مطابق سوالات اور فیصلے کیے گئے ہیں۔ بہت سی شرحیں مؤخر الذکر کتاب پر لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں بحر الرائق مصنفہ زین العابدین المصری (المتوفی ۹۷۰ھ) دوسری ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد جس کی وفات ۹۵۶ھ میں ہوئی یہ اسلامی قانون کا عالمگیر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر چاروں بڑے مجتہدوں کے اختلافی مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جھگڑے ان تمدنی معاملات میں ہیں جن پر پڑھا لکھا آدمی بحث کر سکتا ہے اور ردوقدح کرنے کا مجاز ہے بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے سلطنت ترکی میں یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے احکام زیادہ تر وہاں کی آب و ہوا کے موافق ہوں گے فقہ کی بے شمار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کا نام ہندوستان کے علماء کے کانوں تک نہ پہنچا ہوگا۔ وہ کتابیں جو چار مجتہدوں کے مذہبی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

بے شمار ہیں۔ اگرچہ ان میں سے چند کتابیں جن میں مالکی، شافعی، حنبلی اصول کی توضیح اور بیان ہے۔ ہندوستان میں رائج ہیں۔ وہ کتابیں جو امام مالک نے لکھی ہیں ہندوستان میں ڈھونڈے سے بھی ان کا پتہ نہیں لگتا۔

امام مالک کی فقہ کی دو کتابیں بہت دن ہوئے فرانس میں مل گئیں۔ ایک کتاب بڑی گمی عرق ریزی سے ایم ونسنٹ نے ۱۸۴۲ء میں حاصل کی تھی۔ اور دوسری کتاب ایم پیرن کے ۱۸۴۳ء میں ہاتھ لگی تھی۔

مذہب شافعی کی پہلی کتاب اصول نامی جس میں اسلامی عقائد اور ملکی آئین کے متعلقہ قوانین ہیں ایک مستند کتاب سمجھی جا سکتی ہے اور "منصور مختصر رسائل المعتبرہ کتاب الوثائق" یہ کل کتابیں شافعی فقہ میں ہیں ان کا فاضل مصنف ابوابراہیم بن یحییٰ باشندہ مصر تھا متوفی ۲۶۴ھ اور ابن حنبل اور آپ کے مقلدوں کی مصنفہ کتابیں بہت کم تعداد کی ہیں اور نادر الوجود ہیں۔

امام ابو حنیفہ صاحب کے مقلد جن کی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منضبط قوانین کو دو حصوں یا دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی فقہ اور فرائض میں۔

وہ کتابیں جو فقہ حنفی پر تحریر ہوئی ہیں۔ اور حنفی مذہب میں زیادہ مستند مانی جاتی ہیں۔ مفصلہ ذیل ہیں۔

پہلی کتاب امام ابو حنیفہ کی خود تصنیف سے بیان کی جاتی ہے جس کا نام "فقہ اکبر"[1] ہے اس کتاب پر متعدد شرحیں لکھی گئیں اور مختلف مصنفوں نے اس پر اپنا

---

[1] محقق یہ ہے کہ امام ممدوح کی نہیں (سیرۃ النعمان)

نہ ور قلم دکھایا ہے۔ جن میں سے اکثر مصنفوں کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے اس عظیم الشان متقن قوانین کے اصول اس کے مشہور و معروف شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے ذریعہ سے بہت کچھ معلوم ہوئے ہیں۔ "آداب القاضی" نامی کتاب جس میں مجسٹریٹ کے فرائض سے بحث کی گئی ہے۔ مشہور ہے کہ ابو یوسف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ سوائے اس کتاب کے ابو یوسف کی اور کسی کتاب کا پتہ نہیں لگتا غالباً انہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ ہاں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ امام محمد نے چھ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں پانچ عام طور پر اشاعت پذیر ہیں اور جنہیں "ظاہر الروایات" کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جامع الکبیر (۲) جامع الصغیر (۳) مبسوط (۴) زیادات فی فروض الحنفیہ (۵) سیر الکبیر والصغیر (۶) نوادر۔ امام محمد کی چھٹی کتاب اگرچہ اس وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی جیسے اور پانچ مذکور الصدر کتابیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اسے بڑے بڑے علماء نے مستند تسلیم کیا ہے اور نفس کتاب کی عمدگی میں بھی کوئی شک نہیں۔

جب مذہب حنفی کی بنیاد پڑ چکی تو حضرت امام اعظمؒ کے دو واجب الاحترام شاگردوں کے بعد اور بھی دو فضلا کا ظہور ہوا جنہیں اپنے وقت کا مجتہد کہنا چاہیئے اول امام زفر جو بصرہ کے قاضی القضاۃ تھے اور جن کی وفات ۱۵۸ھ میں اسی شہر میں ہو گئی اور دوم حسن بن زیاد تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونو فضلا امام اعظم صاحب کے ہم عصر تھے ان کی قیمتی تصانیف کی ان مسائل میں جن میں صاحبین بھی خاموش ہیں سند دی جاتی ہے اور ان کے مضامین بطور اعتبار کے کوٹ کئے

جانتے ہیں۔

ان مشہور کتابوں میں سے جو "آداب القاضی" کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ اور سب سے معتبر اور مشہور ابو بکر احمد بن عمر متوفی ۲۶۱ھ کی کتاب "آداب القاضی" ہے۔ حنیفہ اصول کا اختصار جس کتاب میں نہایت عمدہ طور سے ہوا ہے اس کا نام "مختصر الطحاوی" ہے ۳۳۱ھ میں اس کتاب کو ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے لکھا تھا اور اسی فاضل امام نے امام محمد کی کتاب "جامع الصغیر" پر بھی ایک نفیس شرح لکھی ہے۔

جس نے ان تصانیف کو دیکھا ہے وہ بیان کر سکتا ہے کہ گو ان مذکور الصدر مصنفوں نے امام اعظم صاحب کے اصول کو نباہا ہے اور شد و مد سے ان کی تائید کی مگر جہاں اجتہاد میں خطا دیکھی ہے کھلم کھلا اپنی رائے دینے میں دلیری کی ہے اور کہیں یہ نقشہ نہیں دیکھا کہ تقلید کی ہیبت ناک رسی اپنے گلے میں ڈالکر خاموش ہو رہے ہوں اور ایسے مسائل پر جن میں صریح طور پر خطا کا احتمال ہو سکتا ہے یا غلطی پائی جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ وہاں سکوت اختیار کر کے حق سے چشم پوشی کی ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہمارے معزز احناف کا قاعدہ ہے کہ وہ ضرور ہی حق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہی پالیسی ان کی مایۂ افتخار ہے "مختصر القدوری" مصنفہ ابو الحسن احمد بن القدوری متوفی ۴۲۸ھ ایک اور بھی حنفیہ فقہ کی لاجواب اور قیمتی کتاب ہے جس کی اب اعلیٰ درجہ کی عزت کی جاتی ہے۔ اس کتاب پر ایک بہت قیمتی شرح بھی لکھی ہے جسے الجواہر المنیرہ کہتے ہیں ایک اور مشہور کتاب "مبسوط" ہے جسے شمس الائمہ ابو بکر محمد نے قید خانہ میں تالیف کی ہے حنفیہ مذہب میں یہ کتاب

بھی مستند مانی جاتی ہے۔ مصنف موصوف اور بھی ایک مشہور کتاب کا مصنف تھا جو "المحیط" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قیمتی کتاب میں بہت سے مضامین "المبسوط" "زیادات" اور امام محمد کی "نوادر" سے لئے گئے ہیں۔ اسی نام کی ایک کتاب برہان الدین بن احمد نے لکھی ہے مگر وہ مقدم الذکر "محیط" سے زیادہ وقعت اور تعظیم کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی۔ القدوری مختصر کا خلاصہ جس کا نام "تحفۃ الفقہیہ" ہے ایک عجیب کتاب ہے جس کا مصنف شیخ علاؤ الدین محمد سمرقندی ہے اور پھر بعد ازاں اسی کتاب کی علاؤ الدین کے شاگرد ابوبکر بن مسعود نے شرح لکھی۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو حکیمانہ اور علم الٰہی کے مضامین پر تحریر ہوئی ہے جن کا نام "ہدایہ فی الفروع" یا امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد ابویوسف اور امام محمد کے اصول فقہی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس کتاب کا مصنف شیخ برہان الدین علی ہے متوفی ۵۹۳ھ، جس کی شہرت اور علمی ناموری نے اس کے ہمعصروں سے اسے ممتاز بنا دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہ مشہور تھا "ہدایہ"، دراصل ہدایۃ المبتدی کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی جان ہے ہدایہ کی نسبت حاجی خلیفہ یہ لکھتا ہے۔

"ہدایہ نے اپنی سابق کی فقہی کتابوں کو اس طرح منسوخ کر دیا جس طرح قرآن نے نازل ہو کر گذشتہ انبیاء کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کے فقہی قواعد کو یاد کرے کیونکہ زندگی میں یہی قواعد اسکی راہنمائی کرینگے۔"

ہدایہ کی کفایہ کے علاوہ اور بہت سی شرحیں ہیں۔ جو ایسی نامور کتاب کے شایاں تھیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ عنایہ۔ نہایہ۔ فتح الکبیر۔

عنایہ بنایہ ۔ ہدایہ کی دو شرحوں کا نام رکھا گیا ہے ایک پہلی شرح کا مصنف شیخ کمال الدین محمد بن محمود ہوا ہے جس کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی یہ شرح نہایت فائدہ مند اور قابل مدح ہے اس شرح میں ان کتابوں اور ان اشاروں کی تشریح کی ہے جو ہدایہ میں آئے ہیں اور ان اسرار کو کھولا ہے جنہیں ہدایہ والا مضمر رکھ گیا ہے ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی سے توضیح ہے کہ شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ اصل میں عنایہ بجائے خود ایک کتاب ہے جس میں اکثر ہدایہ کے مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔

شرح نہایہ حسام الدین حسین بن علی کی تصنیف ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ برہان الدین کا شاگرد تھا ۔ یہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی گئی ہے اس میں قانون وراثت بھی شامل ہے ۔ جو صرف فقہ سکھاتی ہے ۔ شرح کفایہ امام الدین امیر کاتب بن امیر عمر کی تصنیف سے ہے جو اس شرح سے پہلے ایک اور کتاب "غایۃ البیان" لکھ چکا تھا ان دو کتابوں سے مصنف کی شان معلوم ہوتی ہے ۷۴۷ھ میں کفایہ کی تکمیل ہوئی ۔ "فتح الکبیر للعاجز الفقیر" مصنفہ کمال الدین محمد جسے عام طور پر ابن ہمام کہتے ہیں ۔ اور جس کی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ایک بے نظیر شرح ہدایہ کی ہے اور جسے کل شرحوں میں دولہن کہنا زیبا ہے اس میں ایک مجموعہ فیصلجات کا بھی شامل ہے جس نے اور بھی اسے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت کیا ہے ۔

ہدایہ کی بہت چھوٹی شرح فوائد نامی حمید الدین علی بخاری کی تصنیف سے ہے جس کی وفات ۶۶۷ھ میں ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ

پر لکھی گئی ہے

شرح داخی مصنفہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد جسے عام طور پر حافظ الدین نسفی کہتے ہیں ایک مستند کتاب ہے اور کافی جو داخی کی شرح ہے وہ بھی ایک قابل دید کتاب ہے نسفی کا سنہ ۷۱۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔

الوقایہ جو ساتویں صدی کی تصنیف ہے ایک اصولی کتاب ہے جو طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ ہدایہ کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرے اس کا فاضل مصنف برہان الشریعت محمود ہے جس کی لاثانی قابلیت اور خود ناظر کی نگاہ میں اس کی اعلیٰ درجہ کی وقعت قائم کرتی ہے۔ وقایہ کی بہت کثرت سے اسکی شرح شرح الوقایہ کے ساتھ تعلیم ہوتی ہے اور عام طور پر پڑھا جاتا ہے شرح الوقایہ کا مصنف عبیداللہ بن مسعود تھا۔ جس کا سنہ ۷۴۵ھ میں انتقال ہوا شرح وقایہ میں وقایہ کا متن ایک پھڑکیلی توضیح اور تفصیلی بیان کے ساتھ شامل ہے اس درجہ پر اس کی عمدگی مانی گئی ہے کہ فقہی مدارس میں شرح وقایہ کے وہ باب جن میں نکاح مہر طلاق کا بیان ہے خود ہدایہ سے بھی افضل شمار کر کے پڑھائے جاتے ہیں وقایہ کی اور بھی بہت سی شرحیں ہیں مگر وہ ایسی مفید نہیں ہیں جیسے مذکور الصدر شرح۔ "شرح الوقایہ" پر بھی ایک شرح لکھی ہوئی ہے جسے چلپی کے نام سے پکارتے ہیں یہ ایک عمدہ اور فائدہ مند شرح ہے اس کا مصنف اپی یوسف بن جنید ہوا ہے۔ جو قسطنطنیہ کے آٹھ پروفیسروں میں سے تھا یہ کتاب سنہ ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوئی تھی اسکے بعد پھر اسکے خلاصے مختلف مطابع میں شائع ہو گئے۔

شرح الوقایہ کے مصنف کی دوسری کتاب نقایہ ہے یہ بھی ایک اصولی

کتاب ہے بعض وقت اسے مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ نام اس کتاب کیلئے موزوں بھی ہے کیونکہ اس میں شرح وقایہ کا خلاصہ درج کیا ہے۔

نقایہ پر تین شرحیں بہت نایاب اور اعلیٰ درجہ کی لکھی گئی ہیں گو اور بہت سی ہیں مگر یہی تین زیادہ مشہور ہیں جن کے فاضل مصنف مفصلہ ذیل ہیں:۔ ابوالمکارم بن عبداللہ متوفی سنہ ۹۰۷ھ دوسرے ابو علی بن محمد البرجندی سنہ ۹۳۵ھ تیسرے شمس الدین محمد الخراسانی الکوہستانی سنہ ۹۴۱ھ۔

آخری شرح کا نام "جامع الرموز" ہے جو بالکل کامل اور صاف ہے اور جسے ہم فقہ کی فائدہ مند کتاب کہہ سکتے ہیں۔ الاشباہ والنظائر ایک مشہور و معروف اصولی کتاب ہے اس کی تدوین زین الدین مصنف بحر الرائق نے جس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کی تھی۔ حاجی خلیفہ اس کتاب کی بہت تعریف کرتا ہے اور کتنے ہی ضمیموں کو گنتا ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اس میں شامل ہوتے گئے۔ وہ شرحیں جو اس کتاب پر لکھی گئی ہیں ذیل میں درج ہیں۔ "نورالانوار فی الشرح المنار" مصنفہ شیخ جیون ابن ابو سعید بکی سنہ ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی اور عام طور پر مستند مانی جاتی ہے دوسری شرح اصول الشاشی ہے جسے ایک تفصیلی یا توضیحی شرح کہنا چاہیے سنہ [illegible]ء دہلی میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی "تنویر الابصار" مصنفہ شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ الغازی ۹۹۶ھ ایک مشہور اور مفید کتاب فقہ حنفی کی ہے اس نایاب کتاب کی بھی بیشمار شرحیں ہیں۔ جن میں سے ایک شرح کا نام منہل الغفار ہے جو خود مصنف کتاب کی لکھی ہوئی ہے یہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کتاب ہے۔

درالمختار جو دوسری شرح تنویر الابصار کی ہے نہایت ہی مشہور کتاب ہے۔

محمد علاؤ الدین بن شیخ علی نے ۱۰۷۱ھ میں اس کتاب کو لکھا تھا۔ گو یوں یہ ایک شرح ہے لیکن بجائے خود یہ ایک مستقل کتاب ہے۔ اور جس پر خود کئی شرحیں تحریر ہو چکی ہیں در المختار میں نہ صرف فقہ ہی کا بیان ہے بلکہ اس میں فرائض سے بھی بحث کی ہے۔ جہاں ابوحنیفہ صاحب کے مقلدین آباد ہیں اس کتاب کی اشاعت ہو رہی ہے اور عرب میں تو کچھ کہنا ہی نہیں جہاں اس کی حد سے زیادہ عزت کی جاتی ہے اور بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے اکثر مواقع پر اسی کے حوالے دیئے جاتے ہیں جتنی کتابیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان کا رواج زیادہ تر ہندوستان میں ہے گو اور ممالک مثل عراق عرب اور عراق عجم میں بھی درس تدریس میں پائی جاتی ہے سلطنت ترکی میں ان کے علاوہ فقہ حنفی کی جو کتابیں رائج ہیں اور جن سے کم بیش ہمارے ہندوستانی علماء اور ہمارے واجب الاحترام احناف خصوصاً ناواقف ہوں گے۔ ان کو میں مفصل بیان کرتا ہوں تاکہ فقہ حنفی پر آزادانہ اور منصفانہ ریمارک کرنے کا مجھے موقع ملے۔ اور ہمارے بھائی مسلمان بھی (صرف ان سے مطلب ہے جو نہیں جانتے) ان سے پوری واقفیت حاصل کر لیں سب سے زیادہ مشہور کتابیں فقہ حنفی کی جو سلطنت ترکی میں بطور ایک سند کے مانی جاتی ہیں یہ ہیں:-

ملتقی الابحار (مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی دوم درالحکام مصنفہ ملا خسرو سوم قانون نامہ جزائیہ تین کتابیں جن کا عملدرآمد ترکی سلطنت میں ہوتا ہے ناظر کو تعجب ہوگا کہ امام اعظم کا ایک ہی مذہب ہے قریب قریب اصول فقہی بھی ایک پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اور کتاب رائج ہو اور ترکی ایشیائی میں دوسری کتاب اور ترکی یورپ میں تیسری نوعیت کی کتاب مگر جب وہ بغور دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ فقہ

دراصل دیوانی فوجداری اور زیادہ تر تمدنی اصول کے قواعد منضبطہ کو کہتے ہیں جو بمقتضائے آب وہوا اور طبائع کے تدوین کئے جاتے ہیں۔ اور جب انکا زمانہ ختم ہو جاتا ہے پھر ان کی جگہ دوسرے قواعد منضبط کرنے یا نئے فقہ کے تدوین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں فقہ حنفی کی مختلف کتابیں رائج ہیں اور ان میں اور کتابوں سے جو ہندوستان میں پڑھی جاتی ہیں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔

وہ کتابیں جو وراثت کے معاملہ میں اصول حنفی کے موافق لکھی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ہندوستان سب سے زیادہ رائج سراجیہ ہے جسے "فرائض سجاوندی" بھی کہتے ہیں اس کا خاص مصنف سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی ہوا ہے۔ مختلف مصنفوں نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے چالیس نام تو کشف الظنون والے نے بھی گنوائے ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ کارآمد شرحوں میں شرح شریف ہے جسے سید شریف علی بن محمد جرجانی نے تصنیف کیا تھا جس کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔

دوسری نوعیت کی بھی کتابیں ہیں جن میں علم الفتاویٰ سے بحث کی گئی ہے۔ اس علم کی کتابیں بھی بے شمار ہیں اور ان کا بہت سا حصہ فتاویٰ ہی کے نام سے مشہور ہے گو فتاویٰ کے نام کے ساتھ انہیں خصوصیت ہے پھر بھی فقہی قواعد فیصلجات کے ساتھ انہیں خوب شرح و بسط سے منضبط کیے گئے ہیں ان میں سے بعض صرف فقہ ہی کی تعلیم کرتے ہیں اور بعض فرائض وراثت کے قواعد سکھاتے ہیں۔ بعض میں خاص خاص فقیہوں کے خاص خاص فتوے مندرج پائے جاتے ہیں بعض میں

مختلف مذہب کے اصول پر خوب شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے اور بعض میں خاص خاص فقیہوں کی رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حنفی فتاوی جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

"خلاصۃ الفتاوی" مصنفہ امام افتخار الدین طاہر بن احمد البخاری جس کی وفات سنہ ۵۴۲ھ میں ہوئی یہ مستند فتاووں کا خلاصہ ہے۔

"ذخیرۃ الفتاوی" اسی کو بعض اوقات ذخیرۃ البرہانیہ کہتے ہیں مصنفہ برہان الدین بخاری مصنف "محیط البرہانی" یہ بھی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اگرچہ اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر بھی اس میں اعلیٰ درجہ کے فتووں کا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور اس کا بہت سا حصہ محیط سے لیا گیا ہے۔

فتاوی قاضی خان مصنفہ امام فخر الدین حسن بن منصور فرغانی جسے عام طور پر قاضی خاں کہتے ہیں جس کی وفات سنہ ۵۹۲ھ میں ہوئی یہ کتاب نہایت مستند اور بڑے پایہ کی گنی جاتی ہے۔ یہ عام واقعات کے مقدمات سے بھرپور ہے اور اس لئے یہ بڑی عملی سودمندی کی صفت رکھتی ہے۔ جو بات اس میں خاص ہے وہ یہ ہے کہ جس بنا پر فتوے دئے گئے ہیں انہیں بدلائل ثابت کیا ہے اور خوب زور شور سے ان پر بحث کی ہے۔

"جامع الفصولین" اس میں دو کتابیں شامل ہیں اس کا مصنف بدر الدین محمد ہے جس کی شہرت ابن القاضی کے نام سے ہے (سنہ ۸۲۳ھ) یہ کتاب کچھ بہت شہرت کی نہیں ہے گو عام طور پر لوگ دیکھتے ہوں۔

"فتاوی الظاہریہ" جس کا بہت سا حصہ خزانۃ الواقعیہ سے اخذ کیا گیا

ہے ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد بخاری کی تصنیف سے ہے (سنہ ۶۱۹ھ)

"کنیۃ المنیۃ" مصنفہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الملقب بہ نجم الدین جس کی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی یہ کتاب جس قدر مشہور ہے اسی قدر زیادہ مسلم ہے

نوروی مصنف بیاگرافیکل ڈکشنری (لغات سوانح عمری) یا تہذیب الاسماء نے جس کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب اسی مضمون فتاویٰ میں تصنیف کی ہے جس کا نام "عیون المسائل المہمہ" ہے سوال جواب کے طور پر اس کی ترتیب دی ہے۔

"خزانۃ المفتیان" مصنفہ امام حسین بن محمد جس نے ۷۴۰ھ میں اپنی اس بیش بہا کتاب کی تکمیل کی اس میں فتاووں کا بڑا مجموعہ شامل ہے ہندوستان میں یہ کتاب بہت مستند نہیں تسلیم کی جاتی۔

"خزانۃ الفتاویٰ" مصنفہ احمد بن محمد ابو بکر حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر تیار ہوئی۔ اس میں نادر الوجود فتاویٰ ہیں "تاتارخانیہ" مصنفہ امام عالم یہ کتاب کئی جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔ اور اس میں فتووں کا ایک عظیم الشان مجموعہ پایا جاتا ہے۔ اس نایاب کتاب کا بہت سا حصہ محیط البرہانی اور ذخیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

فتاویٰ اہل سمرقندی اس کتاب میں علمائے سمرقند کے فتاوے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ وہ عالم ہیں جن کا ذکر فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع الفصولین میں ہر جگہ مع ان کے فتووں کے آیا ہے۔

"فتاویٰ زینیہ" مصنفہ زین الدین ابراہیم بن نجیم المصری مصنف بحر الرائق و اشباہ

النظائر" ۱۰۷۰ھ میں اس کے بیٹے احمد نے ان کتابوں کی ترتیب دی۔

"فتاوی النکوری" مصنفہ شیخ الاسلام محمد بن حسین جس کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی یہ کتاب مشہور اور مستند ہے۔ "فتاوی حمیدیہ" گو یہ کتاب موجودہ زمانہ کی تصنیف ہے پھر بھی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔

"فتاوی المحمدیہ" یہ ان فتووں کا مجموعہ ہے جو سلطان ٹیپو کے حکم سے میسور کے علماء نے فارسی میں جمع کئے تھے۔ اس کتاب میں تین سو تیرہ باب ہیں۔

مسٹر ہرگٹن اپنے تجزیہ جلد ا میں اور بھی چند فتاوے کا ذکر کرتے ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) فتاوی البزازیہ (۲) فتاوی نقشبندیہ (۳) مختار الفتاوی (۴) فتاوی کرخانی آخر الذکر کی فارسی زبان میں تدوین ہوئی۔ جس کا مصنف صدر الدین بن یعقوب ہے اس کی وفات کے چند سال کے بعد کراخاں نے اس کی ترتیب سلطان علاؤ الدین کی سلطنت میں دی تھی۔

اب ان فتاوے کا ذکر کیا جاتا ہے جو حنفی اصول زمانہ حال کے مطابق قسطنطنیہ میں رائج ہیں اور خصوصیت سے ان ہی پر عمل درآمد ہوتا ہے وھُوَ ہذا۔

"کتاب فی الفقہ القدوسی" مصنفہ حافظ محمد احمد قدوسی ۱۲۲۶ھ میں طبع ہوئی۔

"فتاوی عبد الرحیم افندی" یہ ایک نایاب مجموعہ ججمینٹ کا جو مختلف اوقات میں سلطنت ٹرکی میں اشاعت ہو چکا ہے اس کی ترتیب مفتی عبد الرحیم نے

دی تھی ۱۸۲۳ء میں طبع ہوا تھا۔

"جامع الاجارات" ایک مجموعہ فتاوی کا ہے جس میں صرف زراعت کے قواعد سے بحث ہوئی ہے اور اس میں معاوضہ وغیرہ کا بیان ہے جو اسامی زمیندار کو دیتا ہے محمد عارف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور ۱۸۳۶ء میں یہ طبع ہوئی۔

ایک مجموعہ فتاوی کا پٹہ داری کے متعلق ۱۸۳۸ء میں قسطنطنیہ میں ایم ڈی ایڈلبرگ نے شائع کیا تھا اس میں کتاب "ملتقی" کے مطابق فقہ کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔

وہ فتاوے جن میں فقہ اور فرائض دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں صرف دو ہی زیادہ ہندوستان میں مشہور ہیں۔ یہ فتاوی سراجیہ اور فتاوی عالم گیری ہیں۔

فتاوی سراجیہ میں صرف ایک بات ہی ہے کہ اس میں جو خاص فتووں کا مجموعہ ہے وہ اور دوسری کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔ فتاوی عالم گیری میں بیشمار قانونی مقدمات کا بیان ہے یہ کتاب اپنی کثیر المعنی اور قلیل اللفظ فطرۃ میں قریب قریب ہر مقدمہ کے ساتھ جس کی بنا حنفی اصول پر رکھی گئی ہے چسپاں ہوتی ہے اگرچہ مورخین فقہ کی آرار کی قیمت متقدمین فقیہوں سے زیادہ نہیں ہوسکتی پھر بھی اپنی لاثانی نوعیت سے اس نے ہندوستان میں اپنے کو محترم بنادیا ہے۔ جس کے نام سے یہ پکاری جاتی ہے وہ بادشاہ اورنگ زیب ہے جس کا علم و فضل میں ثانی مغلیہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔

اس نوعیت کی جتنی کتابیں ہندوستان میں رائج ہیں سب میں یہی کتاب عام طور پر زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہندوستان کے طولانی سلطنت اسلامیہ میں صرف زیب النساء نے فتاوےٰ عالمگیری کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا یہ وہ زیب النساء ہے جو اپنے باپ اورنگ زیب کی بہت پیاری تھی اور علم ادب میں جو اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ جب حکومت مغلیہ کا دور ختم ہوا اور انگریزوں کا تسلط ہندوستان پر جم گیا۔ تو کلکتہ میں فورٹ ولیم کی کونسل کے حکم سے فتاوےٰ عالمگیری سے دو کتابوں جنایہ اور حدود کا ترجمہ فارسی میں قاضی القضاۃ محمد نجم الدین خان نے کیا اور ۱۸۱۳ء میں شائع ہوا۔

اسی سال مسٹر ہرنگٹن چیف جج صدر دیوانی عدالت کے حکم سے مولوی محمد خلیل الدین نے "در المختار" میں سے تعزیرات کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے چھپوا کر شائع کیا پھر ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں چار بڑے بڑے علماء نے کیا مگر بدقسمتی سے اس ترجمہ سے ہدایہ کی اصلی قیمت میں فرق آگیا بجائے اس کے کہ وہ اکثر مسائل کی توضیح جو ترجمہ کی حالت میں کی تھی بطور حاشیہ تحت میں جدا قائم کرتے۔ فاضل مترجموں نے یہ غضب ڈھایا ہے۔ کہ متن ہدایہ میں اپنی ارار کو بھی خلط ملط کر دیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ کہ ہدایہ والا کیا کہتا ہے اور مترجموں نے اس کے قول کی کیا توضیح کی ہے کئی مقامات سے ترجمہ اصلی عبارت سے بھی نہیں ملتا یہ ہم کہ سکتے ہیں اور اس میں اصلاً شک نہیں کہ فارسی کا ہدایہ اصلی ہدایہ کے بالکل ہم صورت نہیں ہو سکتا۔ میکناٹن محمڈن لاء کے پروفیسر نے دہلی میں ہدایہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا

اور بہت سال گذرے کہ دہلی میں طبع ہوا تھا۔ دوسرا ترجمہ ہدایہ کا کلکتہ میں اردو زبان میں کیا گیا۔ اور چند سال ہوئے وہ طبع بھی کر دیا گیا۔

پھر سر ولیم جانس نے سراجیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور جب اسے ختم کر چکے تو اسی کی شرح شریفیہ کا ترجمہ بھی اختصار کے طور پر پورا کیا۔ اور ساتھ ہی اکثر مسائل پر اپنی طرف سے کچھ حواشی بھی دیئے ہیں جس سے فاضل مترجم کی لیاقت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد فتاویٰ عالمگیری کے انتخابی حصہ کا ترجمہ انگریزی میں مسٹر نیل بیلی نے کیا یہ حصہ بیع کے معاملہ میں تھا۔

ہدایہ فارسی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے وارن ہیسٹنگ کے حکم سے مسٹر جیمس ایڈرسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ابھی ترجمہ پورا نہ ہوا تھا کہ آپ دول خارجہ میں کسی ملکی کام پر بھیج دئے گئے اور اس کی جگہ چارلس ہمیلٹن نے باقی ماندہ ترجمہ کر کے نظر ثانی کی یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اصلی ہدایہ عربی کو ترجمہ کرتے وقت کھول کے بھی نہ دیکھا گیا۔ بلکہ اس فارسی کے ہدایہ سے ترجمہ کر لیا گیا۔ جس کی بابت ہم ابھی لکھ آئے ہیں ہمارے خیال میں یہ کتابیں جو فقہ حنفی کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔ ایک بے نظیر مجموعہ ان قوانین کا ہے جو ملکی اور کسی قدر جنگی اور زیادہ تر حسن معاشرت یا پولیٹکل ایکانمی سے تعلق رکھتے ہیں گو انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے مگر بعض حالتوں میں وہ جامہ ناموزون ثابت ہوا ہے۔

اس وقت ہمارے آگے مذکورہ بالا کتابیں رکھی ہوئی ہیں جنہیں ہم بار بار دیکھ چکے ہیں اور ان کے اختلافات پر بارہا غور کیا ہے۔ ایک عمیق نظر جب ان اختلافی تمدنی معاملات پر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلاف ایک لازمی امر تھا۔ جو بمقتضائے

آب و ہوا مسائل میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ کی
آب و ہوا اور طبائع خلائق جن فقہی قوانین کی متحمل ہو سکتی تھیں ان ہی قوانین کی
سمرقند کے آدمی اور وہاں کا موسم برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ علم تو سیاست مدن کے
بارے میں ہوا۔ میں کہتا ہوں مذہبی حصہ فقہ میں بھی یہی بات ہے۔ مثلاً ہندوستان میں
ہندوستانی آفتاب کی رفتار کے بموجب نمازوں کے اوقات متعین کئے گئے ہیں
اور تمام مجتہدوں کی فقہ میں ہندی آفتاب کی تقلید کی گئی ہے۔ اب ہندوستان
سے ہمیں واشنگٹن کے اس حصہ میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں تین گھنٹے
سے زیادہ آفتاب غروب نہیں ہوتا اس ملک میں ناچار مذہبی حصہ فقہ میں ترمیم
کرنی پڑے گی نہ صرف نماز میں بلکہ وضو وغیرہ کے قواعد میں بھی تو پھر یہ بات بدرجہ اولےٰ
ثابت ہو گئی کہ فقہی مسائل جیسی ملکی آب و ہوا کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسی
طرح ہر زمانہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ایسے شخص کیلئے جو کچھ بھی سمجھ سکتا ہے یہ
افسوس کی بات ہے کہ وہ کسی امام کے اقوال کو ہمیشہ کے لئے صدیوں تک ناطق ہی
خیال کئے جائیں اور کبھی ان میں ترمیم و تنسیخ کرنے کا خیال بھی نہ لائے۔ امام اعظم صاحب
کی تصنیف سے جو کتابیں بیان کی جاتی ہیں۔ وہ ایسی مختصر ہیں کہ انکے مسائل جب تک
انہیں وسعت نہ دی جائے کبھی سودمند نہیں ہو سکتیں۔ جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں
ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام اعظم کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ
ایک ایسے مجتہد کی کتاب ہے جسکا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے
کہ آج تک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر
مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے

کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا - اس سے ثابت ہوگیا کہ ہر شخص آزاد ہے چاہے وہ کسی امام کی ان مسائل میں جو ملک کی آب و ہوا اور طبائع کیلئے موزون ہیں پیروی کرے مگر اس کی پیروی اس حالت میں سود مند ہوسکتی ہے جب حکومت کی طرف سے بھی ان ہی قوانین کا عمل درآمد ہو - نہیں تو محض فضول ہے -

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں امام اعظم اور ائمہ کا اختلاف رائے دکھایا ہے - اور پھر ثابت کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب کی رائے کتنی ٹھیک بیٹھی ہے ہم ذیل میں ان مسائل کو بلفظہ نقل کر دیتے ہیں اور پھر ایک سرسری نظر ان پر ڈالیں گے - (از سیرۃ النعمان صفحہ ۱۷۰-۱۷۲)

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
(۱) نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے	(۱) ایک اشرفی کا ربع
(۲) اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا	(۲) امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا -
(۳) نادان بچہ پر قطع ید نہیں -	(۳) امام مالک کے نزدیک ہے -
(۴) کفن چور پر قطع ید نہیں -	(۴) امام مالک کے نزدیک ہے -
(۵) زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں -	(۵) امام مالک کے نزدیک ہے -
(۶) بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں -	(۶) امام مالک کے نزدیک ہے -
(۷) قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ	(۷) اور ائمہ کے نزدیک ہے

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
پر قطع ید نہیں	
۸۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے ۸
۹۔ ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور آئمہ کے نزدیک ہے۔ ۹
۱۰۔ غیر مذاہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۰
۱۱۔ قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۱
۱۲۔ لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ ان کے سرقہ سے قطع ید لاحق نہیں آتا۔	اور آئمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔ ۱۲
۱۳۔ پھر صفحہ ۲۰۵ میں شبلی صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔	
۱۴۔ جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔ ۱۴
۱۵۔ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے	امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ ۱۵

امام ابو حنیفہ کے مسائل	اور آئمہ کے مسائل
اور اس کا مرتکب عاصی ہے	کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔
۱۶۔ مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی	۱۶۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے۔
۱۷۔ خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	۱۷۔ امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔
۱۸۔ جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	۱۸۔ امام شافعی اور مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔
۱۹۔ اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی۔	۱۹۔ امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
۲۰۔ رجعت کے لیے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لیے کافی ہے۔	۲۰۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
۲۱۔ رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔	۲۱۔ امام مالک کے نزدیک بغیر اشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔ فقط

مجھے سخت افسوس آتا ہے کہ مولانا شبلی صاحب نے بدیہی مسائل کو خواہ مخواہ الجھانے میں اپنی عقل آرائی کی ہے۔ اور سچی باتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے یہ فہرست مسائل جو آپ نے بڑی دلیری سے پیش کی ہے۔ ایک پیمانہ ہے

ہبوں کے اختلاف آرائے کا جس سے ایک سمجھ دار آدمی وزن کر کے دیکھ سکتا ہے
س کی رائے ٹھیک ہے اور کس کی رائے نادرست ہے۔ جب وہ اس پر دل سے
ہ کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ بعض مسائل امام ابو حنیفہ کے درست ہیں تو بعض
سائل ہیں اور آئمہ کی رائے صائب ہے۔ مجھے تعجب یہ ہے کہ شبلی صاحب صرف
ی دو چار دس بیس مسائل سے امام ابو حنیفہ کی فضیلت کیوں کر اور آئمہ پر ثابت
سکتے ہیں۔ اجی حضرت آپ کس خیال میں گئے ہزاروں کتابیں لاکھوں مسائل کے
تلاف سے بھری پڑی ہیں جب تک ان مسائل کی فہرست نہ بنے اور کوئی جج فیصلہ کرنیوالا
ہو نا ممکن ہے کہ ایک امام کی رائے کو دوسرے امام پر ترجیح دینے کی سمجھ پیدا ہو یہ اور
ت ہے کہ اپنے مطلب کی دو تین اٹکل پچو مسائل لے کر امام اعظم کی فضیلت کا راگ
نے لگے۔ ایسی باتیں کچھ زیادہ وزن کی نہیں ہوتیں۔ اور ان میں سرتا پا جھول پن
یا جاتا ہے۔ بایں ہمہ ان ہی چند مسائل پر بحث کرتے ہیں۔ اور مولانا شبلی صاحب کو دکھانا
بتے ہیں۔ کہ جو کچھ آپنے ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس میں کس قدر فیل ہوئے۔

پہلا دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے
تو امام حنیفہ کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ یہ ایک زبردست اجتہادی خطا
ہے شریعت اسلام نے مطلق چور کی سزا قطع ید رکھی ہے پھر وجہ کیا ہے کہ ہر شخص کا جس
پر چور کا اطلاق ہو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اگر امام اعظم کا خیال
صحیح ہو تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ میں کہتا ہوں بڑی قباحت لازم آئے گی۔ کبھی کوئی
تنہا چوری کرنے کا نہیں جب ان کے دل سے قطع ید کا خوف جاتا رہا پھر وہ مل کے
دھڑا کے سے دن دہاڑے چوری کریں گے۔ اور امام ابو حنیفہ کی بدولت صحیح

سالم رہیں تمام دنیا کے فوجداری قوانین میں یہ بات ہرگز نہ ہوگی ایک فعل برا ہے اگر ایک گروہ اس کو کریگا تو اس پر بھی وہی جرم عائد کیا جائیگا۔ جو ایک تنہا فاعل پر کیا جاتا پہلے قوانین انگریزی میں بھی یہ بات تھی کہ اگر کئی شخص ایک آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ تو انہیں پھانسی کی سزا نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ وہ کالے پانی روانہ کیے جاتے تھے۔ حقیقت میں یہ بڑا ظلم تھا۔ مقتول کے ساتھ ہرگز عدل نہیں ہے کہ اس کے قاتلوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی شخص ایک شخص کو مارے گا۔ تو اس خیال سے کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ ہو جائے یا اپنی کم طاقتی کے خیال سے یا کسی اور وجہ سے قتل کرنے میں مقتول کو تکلیف بہت کم دیگا۔ کیوں کہ وہ یہ چاہے گا جس طرح ہو بہت جلد اس کا کام تمام کردوں مگر جب کئی مارنے والے ہوں گے تو ان کی مجموعی قوت مقتول کی طرف سے بے پروا بنادیگی۔ اور پھر جس طرح ان کا جی چاہے گا۔ باطمینان اسے قتل کریں گے۔ اکثر خون کے مقدموں میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں کئی قاتل گرفتار ہوئے ہیں مقتول کی نعش سے ملاحظہ کے وقت یہ معلوم ہوا ہے کہ قتل کرتے وقت قاتلوں نے اس پر بہت ظلم کیا ان حالتوں میں بھی قاتل سزائے موت سے بری کئے جاتے ہیں مگر جوں جوں عدل اور عقل کو ترقی ہوئی وہ تاریک تر رائے ہمارے حکام کی جاتی رہی اور اب تو یہاں تک ہو گیا ہے کہ اگر ایک شخص کو سو آدمی قتل کرتے پکڑے جائیں گے تو سو کو پھانسی ملیگی پھر ایسی حالت میں ہم ابوحنیفہ کی رائے کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں جو نہ صرف عقل و نقل کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسے قوانین سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔

دوسرا ایک اور بھی مذاق کا مسئلہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفن چور کا کفن کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنا چاہیئے۔ مگر اور آئمہ کہتے ہیں کہ کاٹنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ

نا چاہیئے۔ کیونکہ یہ شرعی چوری ہے اور مال وغیرہ کی چوری دنیاوی چوری ہوتی ہے
قطع ید سے بھی زیادہ سزا ائمہ اس کی تجویز کرتے تو شایاں تھا وہ باتیں جو مخرب اخلاق
ر ظالمانہ ہیں اسلام نے انہیں بہت روکا ہے۔ یہ مانا کہ مردہ کا کفن اتارنا کسی شخص کے
قصان کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مگر جس کی یہ فطرت ہو کہ انسان کی ایسی حالت پر جب
وہ نہ بول سکتا ہے نہ چل سکتا ہے۔ نہ حملہ کی مدافعت کر سکتا ہے رحم نہ کرے اور اس
نتہا درجہ کی مظلومیت پر بھی اسے ترس نہ آوے تو ایسا سنگدل اگر زندہ انسان کی
سی موقع پر کھال اتار لے تو کچھ بعید نہیں۔ ان مذہبی روایات کو جن میں موت کے
بعد انسان سے پیش آنے اور کسی طرح اس کی پردہ دری نہ کرنے کا حکم ہے اگر ہم اخلاق
ور تہذیب کے معاملہ میں نظر کریں گے۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ سنگدلی کا
پیشہ دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ بنی ہوئی قبر کو اندھیری رات میں کھودنا اور ایک عصمت
پناہ خاتون یا ایک پاکباز مرد کے جسم کو کفن اتارتے وقت بڑی تذلیل کے ساتھ قبر میں پلٹیاں
دینا کیسا سخت اور غیر قابل معافی جرم ہے۔ اکثر عصمت پناہ خواتین جان کندنی میں یہ
وصیت کر جاتی ہیں کہ ہمارا جنازہ غروب آفتاب پر اُٹھے اور اس وصیت سے یہ غرض
ہوتی ہے۔ مبادا کسی نامحرم کی آنکھ پڑ جائے۔ جن کی حالت زندگی میں یہ فطرت ہو پھر
کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان ہی کے بے جان جسم کو جس میں نہ قوت نمو رہی نہ اپنی حالت
پر برقرار رہنے کی طاقت برقرار رہی اور جن کی عصمت پناہی سے خود عصمت کو بھی فخر
تھا اس طرح برہنہ کیا جائے اور ذرا بھی رحم نہ آوے میرے خیال میں کفن چوری کا
جرم قتل سے دوم نمبر کا خیال کرنا چاہیئے۔ جتنا اس جرم کی گہری فطرت پہ خیال
کرتے جاؤ گے۔ اس کی مہیب صورتیں نکلتی آئیں گی اور بعد ازاں از خود یہ یقین ہو جائیگا

کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔ اور اسے اس کے سنگین جرم کے مقابلہ میں بہت کم سزا دی گئی ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ ہر استنباطی مسئلہ پر بحث کرتا۔ چوں کہ طول زیادہ ہو جائیگا اس لیے مشتے نمونہ از خروارے۔ اس بحث کو ختم کر کے صرف اس قدر اور بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ بہت سے مسائل میں امام اعظم صاحب کی رائے بہ نسبت اور آئمہ کے عین ثواب پر ہے۔ مثلاً ایک ناسمجھ بچہ کا چوری پر ہاتھ نہ کاٹنا یا خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جانا وغیرہ ان مسائل میں امام اعظم کی رائے زیادہ مسلم ہے اور حقیقت میں بالکل صحیح ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کون سا امام اور مجتہد ایسا ہے کہ جس کی رائے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال نہ ہو یہ خیال کرنا محض فضول اور تحکم ہے۔ کہ فلاں امام نے استنباطی مسائل میں کبھی خطا نہیں کی۔ یہ ایسا بدیہی جھوٹ ہے۔ کہ جس کی کوئی بھی انتہا نہیں۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں جب خطا اور صواب کا احتمال باقی تھا۔ اور دینی معاملات میں سوائے وحی کے کوئی ناطق حکم نہیں دے سکتے تھے دنیا کے معاملات میں فرمایا کرتے تھے۔ میری رائے پر نہ رہنا۔ تم خود بھی خوب سمجھ لینا مبادا میری رائے خطا پر ہو۔ اور پھر تمہیں نقصان ہو جب نبی کی یہ کیفیت تھی تو بے چارہ مجتہد۔ یا امام کس گنتی میں ہے۔ ان باتوں کے سمجھنے کے لیے عقل زیادہ اور علم کی کم ضرورت ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ کہ تمام جہان کا فاضل بھی اسے سمجھے۔ نہیں معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ سکتا ہے ؎

شرطِ انصاف ہے صبر بات میں اے بندہ نواز

مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید جن پر محض تعصب سے الزامات قائم ہوئے ہیں یہی فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کا اصلی مذہب یہی تھا۔ ان پر نہ مقلد کا لفظ عاید ہو سکتا ہے نہ غیر مقلد کا وہ بجائے خود ایک مجتہد تھے۔ پھر انہیں ان استنباطی مسائل کی تقلید اور غیر تقلید کرنے سے غرض کیا تھی۔ صحاح ستہ جو ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں مدون ہوئی تھیں۔ ہمارے مجتہد وقت کے سامنے کھلی رکھی تھیں جو کتابیں فقہ کی ہم نے اوپر بیان کیں ان میں مجتہدین کے اختلافی مسائل اور مختلف آرائے کا ایک پیچیدہ جھنول پایا جائے گا۔ اور صحاح ستہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارک ملیں گے گو اختلاف کے ساتھ ہی سہی۔ پھر بھی ہر قوم پر قول نبی کا خیال ہوگا۔ اور اس کے بعد درجہ تحقیق پر ناظر پہنچ جائے گا۔ صدہا مسائل جو فقہ کی کتابوں میں لکھے گئے ہیں۔ صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ صحاح ستہ پر جن میں آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع ہوں مجتہدوں کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو فضیلت دیں یہ سخت ناانصافی اور سوء ادبی ہو گی۔ یہ خیال حد سے زیادہ رقیق ہے کہ امام اعظم کو ہم تمام احادیث کا حافظ بتا دیں۔ یہ محض ناممکنات سے ہے۔ وہ تو پہلی صدی کے اختتام پر پیدا ہوئے تھے۔ جنہوں نے مشکل سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے شاید کسی کو دیکھا ہوگا۔ مگر وہ صحابہ جو مدتوں تک اپنے مفخر موجودات و رحمت عالم کے ہمرکاب رہ چکے تھے۔ انہیں خود صدہا حدیثیں یاد نہ تھیں۔ چنانچہ جب حضرت صدیق اکبر سے دادی کے حصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو

کون سا حصہ دلوایا ہے۔ میں نے کبھی اس کی بابت نبی اکرم کی زبان مبارک سے کچھ نہیں سنا۔ پھر آپ نے ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو دادی کے حصہ کی بابت معلوم ہو تو بیان کرے یہ سن کر مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تیرے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے۔ محمد بن سلمہ نے اس کی صداقت پر شہادت دی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اطمینان ہوا۔ تو آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ جب یار غار کا یہ حال ہو کہ اسے بہت سی حدیثیں یاد نہ ہوں۔ تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ چار مجتہدوں میں سے فلاں مجتہد کو تمام حدیثیں یاد تھیں ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

مولانا شہید جنہیں خود مجتہد ہونے کا فخر حاصل تھا۔ کبھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑے نہ انہیں تقلید و غیر تقلید سے غرض تھی اور نہ وہ قوم میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا منشا صرف یہ تھا۔ کہ ہر مسلمان موحد بن جائے اور شرک و بدعت مسلمانوں میں سے نکل جائے۔ اس عجیب جوش اور نکھرے ہوئے اصلاح کے خیال نے اپنا اثر کیا۔ اور جس قدر تھوڑی مدت میں اصلاح ہوئی۔ وہ اپنا نظیر دہلی کی تاریخ میں نہیں رکھتی۔

ناحق آپ کی ذات والا پر الزام قائم ہوتے ہیں۔ کہ انہوں نے یہ کہا اور انہوں نے وہ کہا وہ مقلد تھے یا غیر مقلد تھے یا وہ وہابی تھے نافہم الزام دینے والے اگر ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ تینوں الفاظ اس

والاذات پر عاید نہیں ہو سکتے۔ جس نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ دین کی مدد کی اور جو تنخواہ دار سکھوں سے اپنے بھائیوں کے خون کا عوض لیا یہ باتیں کوئی معمولی اور سرسری نظر سے دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ ان پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ کی والاشان ذات ان بیہودہ الزامات سے بہت دور ہے۔ جو شخص آپ کی سوانح عمری بغور پڑھے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس پایہ کا شخص تھا۔ اگر کسی سلطان کے ہاں پیدا ہوتا تو دنیا میں اشاعت اسلام کہاں تک کرتا۔ اور اب بھی ہم تو یہی کہتے ہیں کہ توحید پرستی کی زبردست بنیاد وہ ہندوستان میں جما گیا۔ اگر خدانخواستہ وہ پیدا نہ ہوتا تو خبر نہیں مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی اور وہ دین خدا میں کہاں تک رخنہ ڈالتے۔

مولٰنا شہید کی تصنیفات میں شاید ایسی ایک آدھ کتاب کوئی ہوگی۔ جس میں تقلید غیر تقلید کا اشارتاً بھی کہیں ذکر ہو۔ ورنہ کل کتابیں اصلاح مسلمین میں لکھی گئی ہیں۔ اور بت پرستی سے مسلمانوں کو بچایا گیا ہے۔

تقلید و غیر تقلید کا ایک ایسا کھنگم مسئلہ ہے کہ اس پر کوئی سمجھ دار آدمی تو گفتگو نہیں کرنے کا سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ نتیجہ ہی نہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اجتہاد امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل پر تمام ہو گیا۔ اور ان میں ہر مجتہد بجائے خود وہی کی بازگشت بنا ہوا ہے۔ یعنی ہر امام کا گروہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے امام صاحب خطا سے بالکل پاک ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور خدا سے دعا مانگنی چاہیئے کہ ان پر رحمت نازل ہو۔ اور اس جنون سے ان کی خلاصی ہو ایسی عقل کے لوگ بحث

کرنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مولانا شہید نے سبقاً سبقاً حدیث وفقہ کی کتابوں کو پڑھا تھا۔ ان پر غور کیا تھا اور اس کی مصلحت کو بخوبی جانتے تھے ایسے شخص کی نسبت مقلد یا غیر مقلد یا وہابی کا لفظ استعمال کرنا کتنے غضب کی بات ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہے۔ کہ آپ اپنے وقت کے ایسے ہی مجتہد تھے کہ جیسے اور گذر گئے۔ دوسری حیثیت آپ میں مصلح ہونے کی تھی۔ ان لحاظ سے وہ جہاں کے مصلحوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ اور مؤرخوں نے آخر ان کا شمار مجبوراً کیا ہے۔

جب تک ہمارے علماء میں سے یہ اندھی تقلید وغیر تقلید کے جھگڑے نہ اٹھ جائیں گے۔ اور سب ذاتی اغراض کو برطرف کر کے قومی منفعت کا خیال نہ کریں گے کبھی اصلاح قومی اور ترقی نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی جن کتابوں کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے انہیں بغور پڑھنا چاہیئے معتقدین کو نہیں بلکہ اس طرح پڑھو جس طرح اور کتابوں کو پڑھتے ہو تو اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ان عظیم الشان بے شمار کتابوں میں کیسا مہیب اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کا ہونا لازمی تھا۔ مختلف طبائع اور خیالات جب قرآن یا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی مسئلہ استنباط کریں گے تو ان میں اختلاف ضرور ہوگا۔ اور یہ اختلاف سبب رحمت ہے۔ خیالات کو وسعت ہوتی ہے۔ طبائع بڑھتی ہیں اور دماغ میں نئی نئی ایجاد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر ان کے خیالات پر افسوس ہے کہ جو کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کی زنجیر میں اپنا پیر پھنسا کر اپنے کو بالکل مقید کر لیتے ہیں۔ اور ایک جگہ اٹک کر رہ جاتے ہیں اور ان پر علم کی پرجلال شان

کچھ بھی نہیں کھلتی۔

زمانہ کی آب و ہوا ایسی درست پابندی کے موافق نہیں ہے۔ گو ابھی ہمیں اس کا مضر اثر تکلیف نہیں دیتا۔ مگر آئندہ موجودہ علمی حالت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور پھر ایسا پابند کاٹھ کا الو بن جائے گا۔ اس پابندی کے ہماری گذشتہ اور موجودہ نسلوں پر جو کچھ بدنما بلکہ زہریلا اثر کیا ہے وہ سخت ہیبت ناک ہے اور اس کا نتیجہ قوم کے غارت ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا ایسا روز بد نہ دکھائے ؛

چودھواں باب

دین اسلام میں سہولت

دنیا کی مذہبی تواریخ میں یہ نظارہ بھی عجیب و غریب فیکٹس[1] سے پُر ہے۔ کہ مذہب اسلام میں جس قدر سہولت ہے کسی مذہب میں بھی نہیں ہے جہاں صاف صاف یہ حکم ہے "اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہاں تک اس کی وسعت ہو" پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان پہ فرائض دینی ادا کرنے کا اسی قدر بوجھ نہیں رکھا گیا جتنی کہ اس کی طاقت ہے۔ اسلام کی پابندی عین آزادی ہے اور مذہبوں کی آزادی عین پابندی ہے نہ اسلام نے دولت مندوں کو جہنمی ٹھہرایا ہے نہ راہبانہ حیات کی تعریف کی ہے۔ نہ دنیا سے کنارہ کشی کرنا افضل بتایا ہے نہ اپنے کسی عضو کو خدا کی نذر کر دینا سکھایا ہے۔ نہ کسی کنوئیں میں الٹا لٹک کر عبادت کرنی سکھائی ہے۔ وہ ان تمام فضول باتوں سے انسان کو بچاتا ہے اور ہمیشہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہمارے علمائے دین اسلام کو ایسی مہیب صورت میں پیش کر رہے ہیں جسے دیکھ دیکھ کر خود مسلمانوں کے دل کانپے جاتے ہیں بھلا غیر مذہب والے تو کیوں خوف کے مارے قریب آنے لگے۔

وہ پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل مسائل جو بیچارے مسلمانوں کے آگے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ تم اس کے پابند ہو قرآن ہو

[1] FACTS.

اسلام کی نفس تعلیم سے انہیں کچھ علاقہ نہیں اسلام ان فضول باتوں سے بہت دور ہے اسلام کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ چڑے چڑیا کی کہانیوں میں پابند رہے اور معمولی طرز معاشرت میں زبردستی بیٹھا چلا جائے ایک شخص وضو کرنے بیٹھا اس نے کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے لیا اس پر فتویٰ دے دیا گیا کہ تیری نماز اگر اس وضو سے پڑھیگا تو ناکارہ جائیگی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے وہ خدا کی درگاہ میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے۔ یا جس نے تین دفعہ منہ پر چھینٹے مارنے کی بجائے چار دفعہ مار لیے وہ شخص بھی خدا کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے یا جب تک پائجامہ شرعی نہ ہو۔ نماز درست ہی نہیں ہو سکتی یا اگر لبیں نہ کتری ہوئی ہوں تو وہ شخص مسلمان نہیں یا اگر اس نے کسی مجتہد کے استنباطی مسئلہ پر نکتہ چینی کی یا اپنا شبہ ظاہر کیا وہ کافر بنا دیا گیا۔ پہلے زمانہ میں تو یہ کیفیت تھی کہ غیر مسلم کو مسلمان بنانے کے لیے لاکھوں روپیہ اور جانیں ضائع ہوتی تھیں۔ با اب وہ زمانہ ہے۔ کہ ہمارے علما پرانے مسلمانوں کو دھکے دے دے کر نکال رہے ہیں اور کافر بنائے جاتے ہیں غضب خدا کا مولانا شہید جیسا پاک نفس اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے صرف اتنی سی بات پر کہ اس نے یہ کہا تھا خدا کے جلال کے آگے کسی کی بھی کچھ اصل نہیں خواہ نبی ہو یا غیر نبی وہ آخر الزمان نبی جیسے ہزاروں نبی پیدا کر سکتا ہے۔ مگر یہ اس کی عادت نہیں جو وعدہ کر چکتا ہے پورا کرتا ہے۔ صرف اس قدر لکھنے پر ایک دند مچ گیا اور ہر طرف کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے۔ اگر یہی شعار ملت اسلامیان پر یہ شعر موزوں ہوتا ہے لہ

شعار ملت اسلامیاں بگذار اگر خواہی ؛ کہ در دیر مغاں آئی ؛ اسرار نہاں بینی

اس کے مقابل میں پیارے شہید کو دیکھا جائے کہ جب آپ عید گاہ جاتے لگے ہیں تو دوستوں نے منع کیا وہ شخص یعنی امام سخت بدعتی ہے۔ بت پرستی کرتا ہے۔ اور تمام افعال شنیعہ کو بہتر جان کر اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اس کے پیچھے نماز کیونکر درست ہوگی۔ آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جائے گی میں کبھی تفرقہ مسلمین کا باعث نہ ہوں گا۔ آپ نے کبھی کسی شخص کو بددین نہیں کہا۔ کافر اور فاسق بتانا تو کجا یہ طبیعت تھی۔ یہ انصاف پسندی تھی۔ اور اسلام پر سچی فدائیت تھی۔ ایسے بزرگ نفوس کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہندی مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے ان میں ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا جو اسلامی ہندی آٹھ صدی کی سلطنت کا خلاصہ یا خوش آئندہ نتیجہ تھا۔

آؤ ایک نظر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور صحابہ کے اعمال اور ہدایات پر ڈالیں اور دیکھیں آیا اسلام ایسا ہی سخت اور دشوار تھا جیسا علماء آج پیش کر رہے ہیں یا اس سے کہیں زیادہ سہل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بے جا فضول بحثوں اور غیر نتیجہ خیز جھگڑوں سے بالکل پاک تھا۔ آپ نے کبھی ایسی تعلیم نہ دی جو گراں گذرتی ہو آپ کے زمانہ مسعود میں فقہاء کی بحث کی طرح احکام میں بحث نہ ہوتی تھی۔ اور حقیقت میں اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ روحانی تعلیم جس نے عربوں کی تعلیم بدل دی اس کج بحثی سے بہت دور تھی۔ جو فقہاء کے زمانہ میں کی جاتی تھی کوئی شخص ارکان شروط۔ آداب کو دلیل کے ساتھ جدا جدا ثابت نہ کرتا تھا۔ نہ صورتیں فرض کرتا تھا نہ فرض کی ہوئی

صورتوں پہ کلام کرنا تھا نہ قابل تعریف کی تعریف بیان کرنے کی انہیں فرصت تھی نہ قابل حصر کا حصر کرنا جانتے تھے۔ یہ ساری باتیں ان کے منشاء عالی میں خلل انداز تھیں نبی اکرم وضو فرماتے تھے صحابہ دیکھتے تھے اور اس پہ عمل کرتے تھے۔ وہاں یہ بیان نہیں کیا جاتا تھا کہ وضو میں یہ فرض ہے یہ مستحب ہے یہ فرضی باتیں اسلام سے بہت دور ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں اور امام شافعی ان چار میں دو اور بھی اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب۔ امام مالک بجائے ان کے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے یہ کج بحثیاں نفس اسلام میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے اور خود بھی اسی طرح پڑھنے لگتے تھے۔ کیا مجال تھی ایسی کوئی بات دریافت کرتے جس سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا۔ اور وقت ضایع ہوتا نبی اکرم نے حج کیا صحابہ نے بھی اسی طرح ارکان حج ادا کئے نبی اکرم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وضو کے چھ فرض ہیں یا چار نہ آپ نے یہ فرمایا کہ انسان بلا موالات وضو کرے یہاں تک کہ اس پر فساد یا صحت کا حکم کیا جائے۔ صحابہ اس قسم کی غیر نتیجہ خیز بات دریافت ہی نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر ہو۔ انہوں نے تمام زمانہ نبوت میں رسول اللہ سے صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے۔ اور وہ سب مسئلے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ مسئلہ ہے تجھ سے شہر حرام میں قتال کرنے سے سوال کرتے ہیں

عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے۔ اصحاب کبھی نبی اکرم سے ایسا سوال نہ کرتے تھے۔ کہ جو انہیں منفعت نہ بخشے۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ ہم نے کبھی ایسا سوال نہیں کیا۔ جس کا نفع دائمی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص پر نفرین کی ہے۔ جو ایسی چیز کا سوال کرے جو ناپید ہو۔ قاسم نے کہا تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو کہ نہیں ہم دریافت کرتے تھے۔ اور تم ایسی چیزوں سے کاوش رکھتے ہو جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے تھے۔ اور اگر ہم انہیں جانتے تو ہم پر ان کا چھپانا جائز نہیں تھا۔

عمر بن اسحاق نے کہا۔ جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں ملا ہوں وہ ان اصحاب رسول اللہ سے اکثر ہیں جو پہلے گذر چکے تھے میں نے خوب خوب غور کے بعد بھی کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ ان سے سہولت میں زیادہ اور شدت میں کم ہو۔ عباس بن الکندی سے ایک مری ہوئی عورت کے باب میں سوال کیا گیا۔ کہ اس کا کوئی ولی نہ تھا۔ اس نے آزردہ ہو کر جواب دیا میں ایسی قوموں سے ملا ہوں کہ وہ تمہاری طرح شدت نہیں کرتے تھے۔ نہ ایسے مسائل دریافت کرتے جیسے تم دریافت کرتے ہو۔

نبی اکرم جب مسلمانوں کو نیکی کرتے دیکھتے تھے تو اس کی تعریف کرتے تھے اور اس خوش منظر سے پھولے نہ سماتے تھے اور جب آپ بدی کرتے دیکھتے تھے تو عام جلسہ میں عام طور پر سب کو مخاطب بنا کر بیان فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں یہ غضب ہے اگر کسی بھائی مسلمان سے کوئی خطا ہو گئی۔ اس پر فوراً کفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔ چاہے وہ بدبخت توبہ ہی کرے ایک دفعہ تو اسے کافر بنا دیا جائے گا

سرورِ بانیٔ اسلام نے اپنی پیاری بیٹی بی بی رقیہ کے قاتل کو جب وہ مکہ فتح ہونے کے بعد گرفتار ہو کر آیا۔ رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ اور ایک بھی حقارت انگیز کلمہ نہیں کہا۔

مسلمانوں کو ایسے جلیل القدر نبی کی تقلید کرنا چاہیے۔ یا موجودہ زمانہ کے غصیلے اور بات بات پر منہ میں کف بھر لانے والے مُلّاں کی۔

مولانا شہید نے ان مشکلات کو جو دین کے بارہ میں پڑ گئی تھیں دور کر دیا تھا اور مسلمانوں کو خدا کے احکام کا سچّا پابند بنا دیا تھا۔ گور پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ پیر پرستی کی شرمناک اور روحانی مضرت دہ تکلیفوں سے نکال کر اس ایک خدا کی پرستش سکھا دی تھی۔ جس کا مصدق قرآن مجید ہے۔ آپ نے اس بے ہودہ تعظیم و تکریم کو اڑا دیا تھا۔ جو ہندوستان خصوصاً دہلی میں زیادہ رائج تھی۔ اور سلام علیکم کہنے والوں کے منہ پر تھپڑ لگا کرتا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی آداب تسلیمات کورنش کے سوا کچھ اور کہتا۔ امیروں کے آگے دست بستہ کھڑے رہنا اور بات بات پر جھکنا ایک عبث اور ناجائز امر تھا۔ جسے شریعت غرّا نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مولانا شہید اس سے منع کرتے اور دن بدن بیہودہ تعظیم کی تقلید سے لوگوں کو آزاد کراتے جاتے تھے۔ کل مومن آپس میں بھائی ہیں۔ جہاں یہ حکم ہو۔ وہاں پھر کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص کے آگے دوسرا شخص دست بستہ اس طرح کھڑا ہو۔ جیسے وہ خدا کے آگے کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً

فلیتبوء مقعدہ من النار۔

یعنی رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کو یہ خوش آوے کہ لوگ اس کے آگے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں قرار دے"۔ یہ اسلامی ہدائتیں اور روشن باتیں ہیں جو مولانا شہید نے لوگوں کو تعلیم کی تھیں۔ وہ والا شان آخر الزمان نبی جس کی جلال ذات نے تمام جہان کو اِس کونہ سے اُس کونہ تک منور کر دیا جس کی عظمت کے آگے دنیوی شہنشاہ چماروں کے برابر ہیں۔ ایسے جلیل القدر نبی نے یہ حکم کر دیا تھا کہ جب میں آیا کروں کوئی کھڑا نہ ہوا کرے جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلعم وکانوا اذا راٰہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھتیہ لذالک "کہا اصحاب کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ پھر بھی جب حضرت کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس میں حضرت کی ناخوشی تھی۔ یہ صریح باتیں جب مولنا شہید بیان فرماتے تھے تو نافہم یہ الزام لگاتے تھے۔ کہ یہ رسول اللہ کا ذرا ادب نہیں کرتے۔ اس نافہمی اور کوڑ مغزی نے یہاں تک ترقی کی کہ مولنا شہید پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ اور بہت دھوم دھام سے اسے شایع کیا گیا۔ اور اب تک اسی دماغ کے لوگ ان پر بغلیں بجاتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں سے کچھ بھی تعجب نہ کرنا چاہیئے وہ اگر اس سے بھی زیادہ کفر بکیں تو تھوڑا ہے۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جیسی آفتاب کی روشن کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوتیں اسی طرح مولانا شہید کی ذات والا کی تابانی میں ایسے ایسے بے معنی الزامات سے کچھ دھندلا پن

نہیں آتا۔ ہاں الزام قائم کرنے والوں کی ناتراشیدہ طبیعت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اسلام کو اگر سب ادیان پر فخر ہے۔ تو اس بارہ میں کہ اس میں سہولت بہت ہے۔ اور جب تک صحابہ اور خلفا کی حکومت کا دور دورہ رہا سہولت جوں کی توں بنی رہی۔ اور جب سے کوڑمغز مولویوں کے ہاتھوں میں دین کی باگ آئی ہے۔ انہوں نے کوشش کر کر کے اور جان لڑا لڑا کر اس کو مشکل سے بھی زیادہ مشکل بنا دیا۔ بلکہ اس سے بھی کئی درجہ آگے بڑھا دیا۔ جس پر یہ شعر صادق آسکتا ہے۔

ملنا ترا نہیں اگر آسان تو سہل ہے ٭ دشوار تو یہ ہے کہ وہ دشوار بھی نہیں

یعنی ہر شخص آج اسلام کو مخاطب بنا کر یہ کہتا ہے۔ اے اسلام اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا تو یہ بات سہل تھی اور ہم اسے حاصل کر لیتے یعنے جب آسان نہ ہوگا تو مشکل ہوگا۔ اور مشکل بات، کوشش اور جانکاہی سے حاصل ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ آپڑی کہ وہ دشواری کے درجہ سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے پھر بھلا اس تک کون پہنچ سکتا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور پشتینی مسلمان ہیں۔ ملانوں کی نوک جھوک سے ان کا دم ناک میں آگیا ہے۔ صورت دیکھی اور کانپ گئے۔ انہوں نے اول دن سے یہ سبق پڑھایا ہے کہ اگر وضو میں چار فرض تسلیم نہ کروگے تو کافر ہو جاؤگے۔ اور اگر حیلہ شرعی نہ کروگے تو فاسق ہونے میں تو شک ہی نہیں ہے۔ یا اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی تو قطعی جہنمی ہو گئے یا پکار کر آمین کہی تو اشد کفر کے دائرہ میں آگئے۔ یا رفع یدین کر لیا تو جہنم کا ساتواں درجہ رہنے کے لیے ملے گا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قیود ہیں۔

جن کی پابندی انسانی فطرت سے تو بہت بعید ہے پھر کون خیال کر سکتا ہے۔ کہ اسلام ترقی کر سکتا ہے۔ اور پھر اسے ابتدائی صدیوں کا سا زمانہ حاصل ہو جائے گا۔ مولنا شہید نے اول ہی اول جب مسلمانوں کو ان بے ہودہ قیود سے آزاد کرانا چاہا تو پہلا غضب ناک اور کریہہ الزام جو ان پر لگایا گیا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ اس لیے یہ شخص کافر ہے کیا نبی اکرم کا یہی ادب ہے کہ نبوت اور بعثت کی اصلی حقیقت کو مٹا کر ہم کیا کیا ناپاک جملوں سے آپ کو یاد کریں۔ اور ایک وہمی دلبر کی طرح ناک بھوں زلف گردن رخساروں وغیرہ کی تعریف کریں۔ یا ایسے جملے استعمال کریں جو خدا ہی کی ذات کے لیے خصوصیت رکھتے ہیں۔ ایسی ایسی ناپاک اور دائرہ کفر میں لانے والی باتوں سے مولانا شہید نے روکا تھا۔ ہم کہتے ہیں اگر اسی کو کفر کہتے ہیں۔ تو ہمیں ایسے کفر پر ناز ہے۔ خدا کرے ہمارا دنیا سے اسی قسم کے کفر پر خاتمہ ہو وے (آمین)

جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدومد سے خود منع فرمایا ہے کہ مجھے دیکھ کر میری تعظیم کو نہ اٹھو۔ وہاں یہ غضب کیا جاتا ہے کہ مولودگی مجلسوں میں یہ خیال کر لیا جاتا ہے۔ نبی اکرم قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔ اور معًا لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں حقیقت میں اگر غور کیا جائے گا تو نبی عربی سے یہ زبردست ضد ہوگی کہ آپ تو سخت تاکید فرما رہے ہیں کہ میری تعظیم کو نہ اٹھو اور ہندوستان میں ہر جگہ زبردستی آپ کو ہر محلہ اور ہر ناپاک مکان میں ایک مولودی کے ذریعہ بلایا جائے۔ اور پھر سرتا پا کھڑا ہوا جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی کھڑا نہ ہو۔ اگر ایسا

کیا بس اسی وقت سے کافر مطلق ہو جاتا ہے۔ تمام ہندوستان میں ایک ہی آن میں بیسیوں جگہ مولود ہوتا ہوگا۔ یہ بڑے تماشا کی بات ہے کہ آن واحد میں رسول اللہ کو سب جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہ سخت گستاخی اور بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ہم ذرا بھی اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اپنی جانوں پہ کیا غضب ڈھا رہے ہیں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ہم ایک معمولی رئیس کو ہر بار بے تکلیف اپنے گھر پر نہیں بلا سکتے۔ کیونکہ ہمیں دو باتوں کا لحاظ ہے۔ اول تو ادب اور دوسرے اس کی ناراضگی جب ایک ادنی دنیا کے کتے کا ہم اتنا ادب کرتے ہیں سخت غضب اور ماتم کا مقام ہے کہ شہنشاہ دین و دنیا کا ذرا بھی ادب نہ کریں۔ ہماری عقلوں پہ افسوس! بھلا ان افعال شنیعہ پہ ہماری نجات کیوں کر ہو سکے گی۔ کیا اسی منہ سے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں حیف ہے کہ ہم مفخر موجودات رحمت عالم کا ذرا بھی ادب نہیں کرتے جب جی چاہا اپنے دو تین فاسق اور سخت ناپاک دوستوں دعوت کی جن دوستوں میں کسبیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور ایک کمبخت نابکار مولود کہنے والے کو ایک چونی اور کھانا کھلانے کی خوشخبری دے کر بلوا لیا اور پھر اس نے گدھے کی طرح ادھر ادھر منہ پھاڑ کر کریہہ آواز نکالنی شروع کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والاشان ذات میں ایسی ایسی باتوں کو آمیز کر کے دکھایا اور وہ وہ سخت تہمتیں اٹھائیں کہ سچے مومن کا زہرہ شق ہو جاتا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے نبی اکرم جب معراج میں تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے استقبال کے لیے خدا خود عرش سے اٹھ کر آ گیا۔ کبھی عرش کی دوری گزدن

اور پھر میلوں سے ناپی جاتی ہے۔ کبھی خدا کو معطل بنا کر تمام کاروبار کی کنجیاں رسول اللہ کے ہاتھوں میں دی جاتی ہیں۔ کبھی شاہ عبدالقادر جیلانی کو رسول اللہ کا رکن بنایا جاتا ہے۔ ہمارا زہرہ نہیں ہے کہ ہم ان الفاظ کو خود بھی رسول اللہ کی شان میں استعمال کریں جو مولود میں اکثر کیا کرتے ہیں۔ وہ کھانا جو مولود میں رسول اللہ کے نام پر پکایا جاتا ہے۔ خدا کے نام پر اس کھانے میں سے ایک دانہ بھی نہیں دیا جاتا۔ بلکہ جو شخص روپے خرچ کر کے مولود کرواتا ہے۔ وہ اپنے خاص دوستوں کو ہی شوق سے کھلاتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اتفاقیہ ایسی ایک مجلس میں میرا ایک دوست جا پھنسا تھا۔ اس نے خون آلود نظارہ کا جو مجھ سے بیان کیا روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی اور زہرہ شق ہونے لگا وہ بیان کرتے تھے کہ:-

"ایک شخص شریف صورت سفید لباس پہنے ہوئے دستر خوان پر آ بیٹھا کہیں صاحب خانہ نے اسے دیکھ لیا اپنے دو منتظموں سے کہا اسے اٹھا دو وہ سخت بو لگے پنے سے اسے اٹھانے لگے اس نے آبدیدہ ہو کر کہا میں سیّد ہوں آج مجھ پر تیسرا وقت گذر چکا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مرتے وقت سور کا گوشت بھی حلال ہو جاتا ہے۔ چلو اسی مجلس میں چل کر اپنا پیٹ بھر لو۔ گو اپنی تمام عمر میں میں ناخواندہ کسی کے ہاں نہیں گیا مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کی اس دردناک زاری پر بھی کسی نے توجہ نہ کی۔ اور اس بے چارے کو بری طرح دھکے دے کر نکال دیا۔ اور آخر میں یہ کہا گیا ایسے بے ادب بنتے ہو جہاں بی صاحبہ اور شہر کے رئیس وغیرہ بیٹھے ہیں وہاں دستر خوان پر آ بیٹھے ہو۔ خیر ٹھہر جا۔

ان کے آگے سے جو کچھ بچے گا نوکروں کے ساتھ تجھے دے دیا جائیگا یہ سن کر روتا ہوا وہ چلا گیا۔ میرا دوست بیتاب ہو کر اٹھا۔ صاحب خانہ جو کہ بڑے دوست تھے روکنے لگے کہ ہائیں حضرت آپ کہاں اور دسترخوان پر سے اٹھنا این چہ انہوں نے صاف کہہ دیا آج سے میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا تم مسلمان نہیں ہو دیکھئے تم پر خدا کا کیا غضب نازل ہوتا ہے۔ کہ تم نے ایک سید کو ذلیل کیا اپنے گھر سے بھوکا نکالا اور نبی اکرم کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔ یہ سن کر اور بھی دو تین آدمیوں نے ہمارے دوست کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اب اس سید کی تلاش ہونے لگی دور دور دیکھ آئے پتہ بھی نہ لگا۔ ہاں تیسرے دن سنا کہ ایک بے وارثی نعش جنگل میں پڑی ہوئی ملی پولیس نے تلاش کے بعد ایک چھٹی متوفی کی جیب سے نکالی اس میں یہ لکھا تھا جو پولیس کے افسر سے لے کر ہم بعینہ! درج ذیل کرتے ہیں۔

"خودکشی کہ نی اسلام میں حرام ہے۔ مگر میں خودکشی نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اپنے کو ایک سنگین جرم پر سزا دیتا ہوں اور سنگین جرم یہ ہے کہ میں ایک مولود کی مجلس میں چلا گیا تھا جب کہ بھوک کا غلبہ بہت تھا۔ اس لیے میں ناخواندہ دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ صاحب خانہ نے سختی کر کے درشتی اور ناز اشیار گی سے مجھے اٹھایا میرے منہ سے نکل گیا کہ میں سید ہوں پھر بھی اس ظالم نے نہ مانا اور میرا ہاتھ گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا مجھے تو اور کچھ رنج نہیں ہے صرف یہ ہے کہ مجھ سے ایک سنگین جرم سرزد ہوا کہ ایسی حالت میں اپنے کو سید کیوں کہا گویا خاندان سادات کو سخت ذلیل کر دیا۔ اس جرم کو میں ناقابل معافی جانتا ہوں اور

اس لیے اس کی سزا سزائے موت تجویز کی جاتی ہے۔ پولیس اس تفتیش میں تکلیف برداشت نہ کرے کہ اس کو کس نے مار ڈالا یا کس بیماری سے مر گیا۔ فقط"

یہ چیھٹی دیکھ کر خود افسر پولیس جو لندن نژاد تھا آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس پر جس نے ایسے باحمیت شخص کو دستر خوان پر سے اٹھایا تھا سخت نفرین کرتا رہا۔ اس حکایت سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی اکرم کی ان مسلمانوں کے دلوں میں جو اپنے آگے دوسرے مسلمان بھائیوں کو کافر مطلق خیال کرتے ہیں کتنی محبت ہے اور وہ کہاں تک اس میں خدا کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ یہی لوگ نبی عربی سے سچا فدایانہ عشق رکھتے ہیں۔ اور اسی منہ سے یہ رسول اللہ کے سچے عاشق بنتے ہیں۔ پہلے تو یہ فرض تھا کہ خدا کو واحد جاننا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ آخر الزمان نبی تسلیم کرنا۔ نبیوں اور ان کی کتابوں پر اعتقاد رکھنا۔ روز جزا کا یقین فرشتوں کو ماننا بس جہاں کسی نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا وہ مسلمان ہو گیا پھر چاہے وہ جو کچھ کرے گا اس کے ایمان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ گو وہ گنہ گار ضرور ٹھہرے گا۔ اور اس گناہ کی سزا اسے ضرور ملے گی۔ مگر اس زمانہ میں اور بھی بہت سی باتیں بڑھانی پڑیں گی تاکہ کامل مسلمان ہو سکے۔ کسی پیر کا مرید ہونا کسی قبر سے حسن اعتقاد رکھنا قبروں کا طواف کرنا برسویں دن کسی بڑے عرس میں شریک ہو کر پھولوں کی چادر یا دو ایک کھانے کی دیگیں چڑھانا۔ ایک نہ ایک قوالی کی مجلس کرنا۔ قوالوں کی۔ اے وائے اے وائے پر تھرکنا گرومے کپڑے پہننا۔ لمبی لمبی زلفیں بڑھانا۔ مولانا روم کی مثنوی کا قرآن کی طرح حفظ یاد ہونا۔ شہیدی کا سراپا رسول مقبول برزبان یاد ہونا۔ ہر قبر کو دیکھ کر اس کے آگے سجدہ کرنا۔

جمعرات کو مردوں کی فاتحہ دلوا کر کسی مُلّا نے کی نذر کرنا۔ بر سویں دن ضرور اپنے گھر میں مولود کہلوانا۔ اہل توحید پر ہر نماز کے بعد دو تین تبرے بھیج دینا رسول اللہؐ کی ذات اقدس پر نئے نئے بہتان قائم کر کے ان کا درجہ خدا تک پہنچا دینا۔ جھوٹی اور مردود حدیثوں کو جنہیں بالاتفاق سب مردود ٹھہرا چکے ہیں۔ رسول اللہ کی طرف عاید کرنا اور بار بار زور دے کر یہ بیان کرنا رسول اللہ یہ فرماتے ہیں ہر پیر شہید ولی کو حاضر ناظر اور عالم غیب سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آں حضرت کی طرح یہ بھی معجزہ دکھا سکتے ہیں۔ پیر کے ہاتھ پہ بیعت کر کے تمام مذہبی باتوں سے آزاد ہو جانا شاہ عبد القادر جیلانی کی نماز پڑھنا ہر پیر کو رسول اللہ سے زیادہ درجہ عطا کر دینا۔ جیسا نور الابصار والے نے اپنے پیر کی مدح میں اشعار لکھے ہیں اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ حقیقت میں یہی بات ہے۔ اسے شاعرانہ مبالغہ کبھی نہ سمجھا جائے ان میں سے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

فروغ مشرب و ملت تمہاری ذات عالی
بڑھا جلوہ تمہارے فیض سے شرح محمد کا

مسیح چرخ عرفاں ہے کلیم طور وحدت ہے
تعالی اللہ کیا رتبہ ہے اس ذات مفرد کا

بنائے دین و ایمان ہاتھ سے تیرے ہوئے محکم
کیا معمار حق نے تم کو ارکان مشید کا

ترے کوچہ کے پتھر سے کسے امکان دعوی ہو
لبوں تک نام دشواری سے آیا سنگ اسود کا

پڑا اگردش میں وہ جس سے نظر تیری پھری شاہا
ٹھکانا ہی نہیں لگتا ہے اس کے اختر بد کا

جو منکر ہے ولایت کا تری وہ منکر حق ہے
بعینہ ماجرا یہ ہے ابوجہل اور محمدؐ کا

لکھا ہے وصف میں نے جو مری نظروں سے گذرا ہے
نہ انداز خیالی ہے نہ ہے مضمون خوشامد کا

تلطف سے عنایت کی نظر مجھ پہ ہو اے شاہا
بھروسا ہے فقط مجھ کو ترے الطاف بیحد کا

غلام بارگاہ آسمان رفعت عمر عاجز || بحمد اللہ مجاور ہیں ہو اقصر زمرد کا[1]

(از نور الابصار مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ص۲۶۹)

اب میں عام مسلمانوں کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں کہ آیا ان مذکورہ بالا اشعار کے ہر ہر مصرع سے کفر پایا جاتا ہے یا نہیں اگر کچھ بھی حمیت اسلام باقی ہے اگر ذرا بھی اُمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم آنکھوں میں ہے اگر کچھ بھی اثر ہاشمی گرم گرم مصفا خون کا رگوں میں باقی ہے اگر قرآن مجید اور اس کے احکام کی کچھ بھی عزت کرتے ہو تو بول اٹھو! اے دکھن اور اتر کے رہنے والو بول اٹھو! اے پورب اور پچھم کے رہنے والو بول اٹھو! اے بوڑھو! جوانو! بچو بول اُٹھو! اے وہ لوگو جو دین اسلام کو حق سمجھ کر مسلمان ہوئے ہو۔ قسم ہے تمہیں اس خدائے بزرگ کی۔ جس نے تمہاری ہدایت کے لیے اپنا پیارا نبی مبعوث فرمایا کہ یہ مذکورہ بالا اشعار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی امتی کی تعریف میں موزوں ہو سکتے ہیں میں کہتا ہوں تمام جہان کا بھی فاضل اجل اور ولی کامل بھی ہو پھر بھی اس پر ان شعروں کے ایک مصرع کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً پہلے ہی شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ بڑھا جلوہ تمہارے فیض سے شرع محمد کا۔ شریعت محمدی کا جلوہ بڑھانے والا سوائے ذات خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ایک کامل نور روشنی کا جلوہ تو دوسری چمک

---

[1] ہمارے ملک پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں علی پور ایک مقام ہے۔ وہاں ایک پیر صاحب حافظ جماعت علی شاہ رہتے ہیں۔ ان کے مرید بھی ان کے حق میں ایسے ہی مبالغے کرتے ہیں۔ اور پیر جی سن کر خوش ہوتے ہیں۔ مثلاً ؎

نظر سے ہوئے جن کی لاکھوں ولی ہیں وہ قطب زماں جماعت علی ہیں (معیم)

سے کیا بڑھ سکے گا آفتاب کے آگے سب کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ یہ آج تک کسی کی زبانی نہیں سنا کہ آفتاب کی روشنی کی زیادتی و ترقی کا سبب ستارے یا سیارے وغیرہ بھی ہیں جو اپنی دھیمی دھیمی شعاؤں سے اسے کچھ نہ کچھ فیض پہنچاتے ہیں۔ استغفر اللہ توبہ توبہ شریعت محمدی کی کبھی کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس میں ہرگز کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس کی تابانی یا درخشانی کامل ہو چکی ہے۔ بھلا اسے کوئی کیا جلوہ دے گا قرآن میں تو یہ فرمایا گیا ہے ہم تیرے دین کی تکمیل کر چکے اور اپنی نعمت تجھے دے چکے وہاں تیرہ صدی تک شریعت محمدی تاریک گڑھے میں پھنسی رہی جب ایک صاحب مسجد میں پیدا ہوئے تو انہوں نے شریعت محمدی کا جلوہ اپنے فیض سے بڑھایا ہائے کتنی زبردست نبی عربی کی توہین ہوئی ہے۔ پھر اور لو "بنائے دین و ایمان ہاتھ سے تیرے ہوئی محکم"۔ اب میں کہاں تک اس سخت کفر پہ بمبارک کر کے اسے چمکاؤں صرف سمجھدار اور منصف مسلمانوں کے انصاف پہ چھوڑتا ہوں غرض جو جو قیود کہ آج کل مسلمان ہونے کی پیش کی جاتی ہیں وہ بے شمار ہیں مولنا شہید نے چاہا تھا کہ ان تمام قیود سے مسلمانوں کو آزاد کر دوں جن قیود میں کتنی بڑی سختی یہ ہے جو ہمارے پیر جی صاحب نے لگائی ہے۔ اور وہ مفصلہ ذیل ہے۔

بعینہ ماجرا یہ ہے ابو جہل اور محمدؐ کا ۔۔۔ جو منکر ہے ولایت کا نبی کی وہ منکر حق ہے

اب بڑی مشکل آ پڑی ہے کہ مسلمان ہونے میں ایک یہ بھی شرط ہے کہ اخوند زادہ صاحب کی ولایت کا قائل ہو ورنہ اس کی نسبت رسول اللہ سے ایسی ہو جائے گی جو ابو جہل سے نبیؐ کو تھی جو لوگ پہلے گذر گئے۔ دیکھئے ہمارے پیر جی انہیں بھی مسلمان کہتے ہیں یا نہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں اگر ان اشد کفریات کا رد مولانا شہید نے فرمایا۔ اور لوگوں کو اس تاریک زندگی سے نجات دی تو اس کا صلہ وہ کفر کا فتویٰ ہوگا جو مولانا شہید پہ لگایا گیا ہے اور مدت تک اس کی خوب اشاعت دی گئی گو اب مخالف بھی سر جھکاتے اور مانتے جاتے ہیں اور ان کے فاسد خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ پھر بھی اس قسم کے لوگ باقی ہیں جن کے اشعار اوپر نقل ہوئے اور یہ کوئی معمولی صاحب نہیں ہیں بلکہ ان کے مرید پانچ چار ہزار آدمی ہونگے جو ان کے ہر ہر قول پہ جان دیتے ہیں اور نور الابصار کا ہر ہر لفظ قرآنی الفاظ کے ہم پلہ سمجھتے ہیں۔

بھائیو اسلام ان تمام بیہودگیوں سے پاک ہے۔ توحید اسلام کا بہت بڑا رکن ہے۔ جو پابندیاں اور قیدیں کہ اور مذہبوں میں لازمی قرار دے دی گئی ہیں اور یقین کر لیا گیا ہے کہ بغیر ان کے نجات ہی ممکن نہیں۔ اسلام ان تمام باتوں کو ناکارہ بناتا ہے۔ وہ انسان کی فطرت کے موافق اسے ہدایت کرتا ہے اس کے قوانین قوانین قدرت کے بالکل مشابہ ہیں اور ذرا بھی فرق نہیں ہے نفس اسلام نہیں کہتا کہ اگر ابوحنیفہ کی تقلید نہ کی تو میں اپنے میں سے خارج کر دوں گا۔ یا شافعی، مالکی، حنبلی نہ بنے تو میرے فرزند نہیں ہو۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو واحد جان لو۔ اسی کو مشکل کشا سمجھ لو۔ محمد رسول اللہ کو آخر الزمان نبی مان لو بس بیڑا پار ہے جو احکام قرآن مجید میں آگئے ہیں اور جن کا بیان حدیث نبوی میں موجود ہے اس کی پابندی کرو کیونکہ یہ پابندی عین آزادی ہے۔ نجات کے لیے نہ کسی پیر سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی وظیفہ پڑھنے اور کسی قبر پہ جانے کی۔ کسی سے دعا کرانے کی ہر مسلمان بجائے خود ایک شیخ ہے کہ اسے مذہبی ارکان ادا کرنے میں کسی مولوی عالم پیر کی ضرورت

نہیں ہے وہ اور مذہب کے پنڈتوں اور پادریوں کی طرح مولویوں کا مقید نہیں ہے وہ خود قرآن کے موافق اپنا جج بن سکتا ہے اور خود ہی اپنے کو سزا دے سکتا ہے یہی مولانا شہید کی تلقین تھی جن لوگوں نے سمجھ لیا یا جو لوگ سمجھتے جانتے ہیں وہ تو آرام اور اطمینان میں ہو گئے۔ جنہوں نے نہیں سمجھا وہ گھبرائے ہوئے ادھر ادھر قبروں اور پیروں کے پاس پڑے پھرتے ہیں اور پھر ان کی تشنگی نہیں بجھتی۔ اسلام اور کفر کے دو راستے کھلے ہوئے ہیں جن کو جو بھلا معلوم ہو اس پر چلے کوئی منع کرنے والا نہیں ہے۔ مگر آئندہ زندگی میں جو کچھ سزا و جزا اس کو ملے گی وہ اپنی ہی ذات پر اٹھانی پڑے گی۔ اور وہی سخت عذاب درد دینے والا ہے۔ خدا ہر متنفس کو اس سے بچائے۔ بدگمانی کو دل سے نکال ڈالو اور اسلام کے سچے متبع بن جاؤ۔ اب میں یہاں سے پیارے شہید کی تصانیف کا ذکر نہایت اختصار کے طور پر کرتا ہوں

پندرھواں باب

مولانا شہید کی تصنیفات اور بعض خط

مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب کی تصنیفات جو خاص موقعوں پر نہایت ضرورت کے وقت لکھی گئی ہیں بے نظیر یادگار شہید کی ہیں آپ کی سوانحعمری کو دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی جو خیال آپ پر غالب آگیا اور جس کی دھن میں آپنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف کر دیا اور آخر اسی میں شہید ہو گئے ایسا نہ تھا کہ چوبیس گھنٹے روز و شب میں کوئی اطمینان کا وقت نکلتا۔ اور آپ کسی حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی کارروائی شروع کرتے فطرت نے پیارے شہید کو تصنیف و تالیف کرنے کے لیے پیدا نہ کیا تھا۔ ہاں کام ایک عظیم الشان لینا تھا۔ جو اور کسی سے نہ ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ تحصیل سے فارغ ہو کر مولانا شہید کا تفسیر قرآن لکھنے کو جی چاہا تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے چچا جان کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا کہ میں تفسیر لکھنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بیٹا تفسیریں تو بہت سی موجود ہیں اگر تفسیر لکھنے کا ارادہ ہو تو کوئی نئی بات پیدا کرو اور اگر نئی بات نہ ہو سکے تو بے فائدہ ہے مولانا شہید نے عرض کیا تھا کہ وہ کونسی بات قابل لحاظ ہو جس سے تفسیر میں نیا رنگ پیدا ہو جائے شاہ صاحب نے ارشاد کیا بیٹا کچھ پرانی ادب کی کتابیں شعرائے متقدمین کا کلام اور محاورۂ عرب دیکھو اور پھر قرآنی محاورہ اور ہم عصروں کی تحریروں سے اسے تطبیق دے کر دیکھو اسی طرح کی بہت سی نئی باتیں جب تفسیر لکھنے بیٹھو گے نکل آئیں گی

مولٰنا شہید نے اسی دن سے شاہی کتب خانہ سے جتنی کتابیں ادب وغیرہ کی مل سکیں انہیں بغور پڑھا اور ان کے مطالب اور محاورات کو دل میں جگہ دی یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آپ کو دو ہزار اشعار شعرائے عرب کے نوک زبان تھے۔

مگر یہ بہت درست ہے ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ فطرت نے پیارے شہید کو بنی نوع کی اصلاح اور ظالموں سے انتقام لینے کے لیے پیدا کیا تھا اسے منظور نہ تھا کہ ایسا جوہر فرد حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی دھن میں کبھی ڈاڑھی نوچنے لگے اور کبھی کسی مطلب کو چنے کے لیے منہ پیٹنے لگے کبھی زچ ہو کر دوات و قلم اٹھا کر پھینک دے حقیقت میں مصنفوں کی حالت جب وہ تصنیف کرنے بیٹھتے ہیں بالکل مجنوں کی سی ہوتی ہے۔ مولٰنا شہید نے پانچ چھ مہینے تو اس میں صرف کئے مگر آخر کار جس راستہ پر چلنے کے لیے فطرۃ نے بنایا تھا وہی راہ اختیار کی اور تصنیف و تالیف کا خیال تک بالکل چھوڑ دیا۔

پھر بھی جو کتابیں حسب ضرورت مولٰنا نے لکھی ہیں۔ یا یہ کہو کہ ان کے بعض بعض وعظوں کا خلاصہ ہے۔ وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

"**تقویۃ الایمان**"۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ عجیب دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے وہ باتیں جو اس وقت مسلمانوں میں رائج تھیں اور جس سے اسلام شرک میں گھی کھچڑی ہو رہا تھا۔ انہیں اس طرح علیحدہ کر کے دکھا دیا اور قرآن و حدیث سے ان کی ایسی تردید کی کہ ہوا کا رخ ادھر سے ادھر پھر گیا۔

یہ لاجواب رسالہ جس کی شہرت دریائے جمنا سے فرات تک بہت مقبولیت سے پھیلی ہے۔ ایک عجیب جوہر ہے۔ جس میں سچا اسلام اور ایمان اپنی تابانی دکھا

رہا ہے۔ سوائے قول خدا اور حدیث رسول اللہ کے نہ کسی امام کا قول نقل ہے اور نہ کسی مجتہد کا نہ اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لیے کچھ منطق و فلسفہ کا خرچ کیا گیا ہے نہ شاعرانہ جامہ عبارت کو پہنایا گیا ہے۔ سیدھی سادی عبارت اور چھوٹے چھوٹے جملے اور عام فہم الفاظ معمولی بول چال کے ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی بآسانی سمجھ لے اپنے دینی خیالات اس سے درست کر سکے۔ ملّائی پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل عبارت جس سے بالکل مطلب خبط ہو جاتا اس میں کہیں نام کو نہیں پائی جاتی ہے۔ بہت بڑا کمال جو اس کتاب میں رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹے رسالہ میں تمام وہ مطالب جن سے دین اسلام صاف ہو کر اور نتھر کر شرک و بدعت میں سے نکلتا ہے۔ بالتفصیل درج کر دیے گئے ہیں جن کا یہ مفہوم ہے کہ اگر ان پر عمل کر لیا تو دونوں جہان میں بیڑا پار ہے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی بات بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جو ہندی مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا نہ ہو اور اس سے اخلاق نہ بگڑتے ہوں اور دین میں رخنہ نہ پڑتا ہو تمام وہ مکروہ بدعتیں جنہوں نے مسلمانوں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ اور ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھیں اور تمام وہ شرک جنہوں نے قرآن و حدیث کے منشا کو بالکل پلٹ دیا تھا۔ اس خوبصورتی سے ان کی قرآن و حدیث سے تردید کی گئی جس کی مثال کوئی اور کتاب نہیں معلوم ہوتی۔ صدہا کتابیں ان مضامین کی دیکھنے میں آئیں وہ ایسی طول طویل اور ادق ہیں کہ اول تو ان کا مطلب مشکل سے کھلتا ہے اور دوسرے عام ہدایت ان سے نہیں ہو سکتی کیا ہوا اگر فی ہزار ایک شخص دشواری سے اس کی تہ تک پہنچا ایسی کتاب کا اسلامی

دنیا میں عدم وجود سب برابر ہے یہ بہت درست ہے کہ اگر "تقویۃ الایمان" نہ
ہوتی تو جو اصلاح مسلمانوں کی معاشرانہ زندگی میں ہوئی ہے۔ کبھی نہ ہوتی اور خبر نہیں
مسلمانوں پر کتنی آفتیں نازل ہوتیں اور کیا کیا غضب الٰہی ان پر اترتا۔ جو کچھ روشنی اس وقت
ہندوستان میں دکھائی دیتی ہے اور جس سے اسلام اسلام معلوم ہوتا ہے سب اس
کتاب کا صدقہ ہے۔ اب تک اس؎ کی اشاعت چالیس پچاس لاکھ کے قریب ہو چکی ہے اور
دن بدن ہوتی جائیگی یہاں سے اس کی مقبولیت کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بڑے بڑے معرکہ کے مضامین چند ہی الفاظ میں اس طرح ادا کر دیئے ہیں۔
اور انہیں صاف کر کے دکھایا ہے کہ سخت تعجب آتا ہے اور زیادہ حیرت یوں
ہوتی ہے کہ جب ملا نے ان مضامین پر کچھ لکھتے ہیں تو صدہا صفحے سیاہ کر جاتے ہیں مگر
مطلب نہیں کھلتا کہ لکھ کیا رہے ہیں اور آئندہ کیا لکھیں گے۔ بحث طلب کونسا امر ہے
مثلاً ایک مشہور و معروف مسئلہ کو پیارا شہید سادہ لفظوں میں اس آیت قرآنی کے
تحت میں اس طرح لکھتا ہے۔ قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون
مثقال ذرۃ فی السموٰت ولا فی الارض وما لہم فیہما من شرک وما لہ منہم من
ظہیر ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ حتی اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم
قالوا الحق وھو العلی الکبیر (سورۂ سبا) ترجمۃ کہہ بھلا پکار تو ان لوگوں
کو کہ خیال کرتے ہو سوائے اللہ کے سو وہ تو ایک ذرہ برابر بھی آسمانوں اور زمین میں اختیار
نہیں رکھتے اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے اللہ کا کوئی
بازو ہے کسی کی سفارش اس کے روبرو کام نہیں آتی مگر جسے وہ خود سفارش کرنے
کی پروانگی عطا فرماوے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے

؎ زمانہ تصنیف کتاب ہذا تک اس سے پیچھے مزید ہوتی گئی (مصحح)

تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا کہتے ہیں کہ حق اور وہی ہے بلند بڑا“۔

کئی قسم کی شفاعت پر بحث فرما کر آپ یہ تحریر کرتے ہیں (وہو ہذا)

جو کوئی کسی نبی یا ولی یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہ سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد صلعم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔ کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں“ (از تقویۃ الایمان)

اس لکھنے پر کہ خدا محمد صلعم جیسے اور بھی نبی پیدا کر سکتا ہے ملانوں میں طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا اور انہوں نے اپنی بھونڈی عقلوں کے صدقہ میں جو کچھ ان کی بونگی طبیعت نے گواہی دی الٹے سیدھے رسالے لکھ ڈالے اور خدا کی عظیم الشان قدرت کو توڑ مروڑ کے اپنے تنگ و تاریک مسجد کے حجرہ میں مقید کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے رب کو جس کا قرآن شاہد ہے اتنی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو آن کی آن میں موجودہ دنیا کے ہر متنفس کو محمد صلعم کے برابر رتبہ دے پھر بھی اس کی لاانتہا عظمت اور لازوال شوکت میں ذرا بھی تفاوت نہیں آسکتا اگر اسلام مٹ جائے اور ہر شخص ابوجہل بن جائے تاہم اس کی عالی شان عزت اور لامحدود رفعت میں ایک تل برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔

خداوند تعالیٰ نے جو قوانین قدرت منضبط کئے ہیں۔ ان کے خلاف کرنے کی

عادت نہیں ہے مثلاً اس میں قدرت ہے کہ وہ بغیر شوہر کے ہر کنواری کے پیٹ
بچہ پیدا کر سکتا ہے اور بغیر بادل کے بارش برسا سکتا ہے اور بغیر پانی کے ڈبو
تا ہے اور بغیر آگ کے جلا سکتا ہے اور بغیر زبان کے بلوا سکتا ہے اور بغیر پیروں
چلا سکتا ہے۔ اور بغیر تلوار کے کاٹ سکتا ہے مگر یہ ساری باتیں اس کی عادت
نہیں ہیں وہ اپنے قوانین قدرت کے خلاف جو اس نے اول دن سے مقرر
ہیں۔ بے ضرورت کبھی نہیں کرتا۔ کیا اس میں یہ قدرت نہیں ہے کہ بغیر انبیاء
ہم السلام کے مبعوث کیے دنیا کو ہدایت کا رستہ دکھا دیتا اور جہاں میں کسی
نفس پر شیطان کا غلبہ نہ ہوتا مگر اس کے قوانین قدرت کے خلاف یہ ساری
نیں پڑتی ہیں۔ اس لیے اس نے سب قسم کے اسباب جمع کر دیے اور ایک ایسا
غ لگا دیا جہاں گلاب اور موتیا کے تختے بھی ہیں تو ستیاناسی کے بھی درخت
ں جہاں بلبلیں چہچہا رہی ہیں بوم بھی نوبت زنی کرتا ہے اسی طرح پیغمبر آخرالزمان کی
ثل پیدا کرنے کی اس میں قدرت باقی ہے۔ مگر عادت نہیں ہے جب اس نے
بوت کا خاتمہ ایک مقدس معصوم نفس پر کر دیا اب اسے ضرورت نہ رہی کہ پھر ایک
ور نبی اپنے وعدہ کے خلاف ایسا پیدا کرے اس صورت میں یہ سمجھنا کہ اس میں
ثیل محمد پیدا کرنے کی قوت نہیں ہے صریح کفر میں پڑتا ہے۔ یہی مراد مولانا موصوف
کی ہے جس پر سخت رد و قدح کی گئی۔ یہاں تک کہ بعض کوتاہ اندیش دردانا اسلام
ملانوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اس پر بھی ہمیں کچھ افسوس اور استعجاب نہ کرنا
چاہیے۔ جہاں خدا کو نہ چھوڑا اور اس کی بیوی اور بیٹا ٹھہرا دیا جہاں نبی پر قریبی
اور جادو گر ہونے کا الزام قائم کیا گیا جہاں صحابہ کبار کو غاصب ٹھہرایا گیا جہاں علمائے اسلام

مثلاً امام غزالی اور دیگر علماء پر فتوے کفر لگایا گیا وہاں بے چارے شہید کی
حقیقت ہے :

اگر مسلمان اپنی اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اور انہیں مشرک اور بدعتی
نہیں چاہتے تو انہیں فرض ہے کہ قرآن کے بعد وہ معصوم بچوں کو "تقویۃ الایمان"
اگر اب انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا چند روز کے بعد زمانہ خود انہیں مجبور کرے
کہ وہ ایسا ہی کریں لاکھوں کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر عرب میں بھیج دی گئی ہیں جو
عربی سوسائٹی میں چاہت سے پڑھا جاتا ہے اور دلچسپی سے اس کے مطالب کو د
میں جگہ دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے۔ مگر قرانی تو
میں ملانوں نے شرک کی ایسی آمیزش کر دی تھی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پا
جدا یا علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا تھا مگر خدا مولانا موصوف کو جنت میں مدارج اعلیٰ
فرماوے کہ انہوں نے صاف صاف کھول دیا اور توحید و شرک کو بالکل علیحدہ او
جدا جدا کر کے دکھا دیا۔

"تقویۃ الایمان" کے دو حصے ہیں ایک مولانا شہید نے اپنے قلم سے لکھا ہے
اور دوسرا حصہ آپ کی وفات کے بعد محمد سلطان خاں صاحب نے ترتیب دیا ہے مگر
مطالب وہی درج ہیں جو پیارے شہید کے ہیں یہ سمجھنا چاہیئے گویا پیارا شہید لکھواتا
گیا اور محمد سلطان خاں لکھتے گئے۔ اس سے بہتر نبی، ولی، پیر، شہید کی حقیقت او
کسی کتاب میں کم ملیگی جیسی "تقویۃ الایمان" میں پائی جاتی ہے۔ ایک انمول گوہر ہے
جس کی تاباں شعاعیں جمنا سے فرات تک پڑ رہی ہیں اور امید ہے کہ آئندہ باسفورس
تک اسلامیوں کی فصیلوں کی سنہری قبوں اور شاخ زریں یا گولڈن ہارن کے طلائی

دوں پہ پڑیں گی۔

دوسری کتاب "تنویر العینین" ہے یہ کتاب دراصل اس بے ہودہ شور وشر
نے کے لیے لکھی گئی ہے۔ جو علماء میں رفع یدین کی بابت پڑا ہوا تھا۔ ایک گروہ صرف
فروعی اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا۔ جو شخص رفع یدین کرتا
وہ اپنے اس بھائی مسلمان کو جو رفع یدین نہ کرتا ہو مسلمانی سے خارج جانتا تھا۔
طرح نہ کرنے والا شخص کرنے والے کو کافر سمجھتا تھا۔ مولانا شہید نے اس
بے ہودہ شورشیں اور ہولناک غلط فہمی کو اڑا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ کوئی شخص
عیدین نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور اگر کرے تو ثواب ہے کیوں کہ
رفین کے دلائل اس مسئلہ میں قوی ہیں۔ اس سے زیادہ فیصلہ کرنے والا اور کون منصف
ج ہو سکتا ہے۔ بھلا صریح حدیثوں کی جو مولانا نے لکھی ہیں تردید کیا ہو سکتی ہے مولانا
شہید نے حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ افضل رفع یدین کا کرنا ہے اور نہ کرنے
والا گنہ گار نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اتنا لکھنا کیا غضب ہو گیا کہ اس کی تردید میں ہونے
لگیں اور ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ اب ہم رفع یدین کے بارے میں تنویر العینین سے
کچھ عبارت نقل کر کے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ مولانا کی دین کے معاملہ میں کیسی بے
طبیعت ہے اور وہ رفع یدین کے بارے میں کن انصاف پسند الفاظ میں فیصلہ کرتے
ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

الحق ان رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والقیام منہ والقیام
الی الثالثۃ سنۃ غیر موکدۃ من سنن الھدی فیثاب فاعلہ بقدر ما فعل
ان دائما فبحسبہ وان مرۃ فبمثلہ ولا یلام تارکہ۔ (ترجمہ) "حق یوں ہے

کہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر تحریمہ رکوع سے کھڑے ہونے دو رکعتوں سے تیـ
طرف کھڑے ہونے کے وقت سنت غیر مؤکدہ ہے (یعنی ایسی سنت ہے جس کی تاکیـ
نبی عربی نے نہیں فرمائی۔ سنن ہدی سے پھر بقدر کرنے کے اس کا ذکر کرنے والا
ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ کرتا ہے گا تو اسے ہمیشہ کا ثواب ملیگا اور اگر ایک مرتبہ کرے
ایک مرتبہ کا ثواب پاوے گا۔ اور اس کے تارک پر ملامت نہ ہوگی۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مولنا شہید نے صاف طور پر انصاف
لکھ دیا اس میں جھگڑا ہی نہیں رہا نہ کرنے کو جی چاہے رفعیدین نہ کرے عذاب نہ
ہاں اگر مولنا شہید یہ لکھتے کہ نہ کرنے والے کی نماز نہ ہوگی یا جہنم واصل ہوگا۔ تو
اعتراض کرنے کی بھی جگہ ہوتی اور جب مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا پھر کیوں اتنا
شور و غل مچاتے ہیں اور ناحق دریدہ دہنی کرکے اپنی شرافت کے تیرے کھولتے ہیں۔

خدا نے ہمیں اس لیے علم نہیں دیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی تکفیر کے فتوے
خواہ مخواہ مرتب کریں اور اپنی علمی تلوار سے ان کے گلے کاٹیں۔ بلکہ ہمارے یہ علمی
ہتھیار خیر اسلام کے لیے ہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ آج تک کسی ملا نے عیسائیوں کے مقابلہ میں بھی کتاب
تصنیف کی اور ان کی زہریلی تصانیف کا بھی رد لکھا یا سوائے مسلمانوں کی تردید
کرنے کے انہیں کچھ آتا ہی نہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پادریوں نے بہت سی
کتابیں مسلمانوں کے خلاف تصنیف کی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری
ایسے برے پیرایہ میں جھوٹی جھوٹی باتوں کے ساتھ طبع کی ہے جن کے دیکھنے سے
رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور جاہل مسلمان اپنے دین میں مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

ان کی تردید بھی آپ نے لکھی تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں قابل خطاب نہیں سمجھتے
وہ اجہل من الناس ہیں ملانوں سے ایسی امید ہی رکھنا فضول ہے وہ آمادہ ہیں اور
بہت مستعدی سے آمادہ ہیں صرف قرآن وحدیث کی تائید کرنے میں کوئی مسلمان کتاب
لکھے ضرور اس کی تردید کریں گے اور اگر جمیت نے زیادہ زور مارا تو کفر کا فتویٰ
ان پر دے دیں گے۔ یہ مسلمانی رہ گئی ہے اور یہ ایمان ہے۔ ادھر تقویۃ الایمان
کے رد چھپ رہے ہیں۔ اور ادھر تنویر العینین کے۔ مگر یہ توفیق نہ ہوگی لاؤ ان
الزاموں کو بھی اٹھادیں۔ جو عیسائی لاعلمی یا ہٹ دھرمی یا تعصب سے رسول
عربی کی معصوم ذات پر قائم کرتے ہیں۔ ایسی تردید کو جہالت سمجھ رکھا ہے۔ قرآنی
تردید کو علم خیال کر رکھا ہے ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد وائے گر از پئے امروز بود فردائے

مجھ سے ایک بوڑھے شخص نے خدا اس پر رحمت کرے یہ روایت بیان کی
تھی کہ جب محمد اسمٰعیل نے "تنویر العینین" لکھی ہے تو آپ پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب
کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا چچا جان آپ اسے ملاحظہ فرمالیں تو پھر
میں اس کی اشاعت کروں شاہ صاحب نے بغور اس چھوٹے سے رسالہ کو ملاحظہ
فرمایا آپ فرط انبساط سے بے خود ہو گئے۔ اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے
اسی سرخوشانہ حالت میں اپنے نوجوان پیارے بھتیجے کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا
تو نے جو کچھ لکھا وہ بالکل درست اور صحیح ہے کوئی شخص اس کی تردید نہیں کر سکتا
حقیقت میں اس چھوٹے سے رسالہ کی عمدگی میں شک نہیں جو شخص مسلمان بن کر
اس رسالہ کو دیکھے گا اسے طرفین کے قوی دلائل کو وزن کرنے اور ان سے ایک

نتیجہ اپنے لیے پیدا کرنے کا اچھا موقع مل جائے گا۔

تیسری کتاب آپ کی "صراط المستقیم" ہے گو وہ سید احمد صاحب کے نام سے منسوب ہے۔ مگر دراصل پیارے شہید ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہنٹر اپنی کتاب "دی انڈین مسلمان" صفحہ ۶۷ میں لکھتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل نے اس کتاب کو فارسی میں تالیف کیا اور مولوی محمد عبدالجبار کانپوری نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا۔ یہ کتاب یا رسالہ جس میں سید احمد صاحب کے مقولے ہیں تصوف اور نصائح سے بھرا ہوا ہے عبارت کی عمدگی پر مؤلف کو جس قدر ناز ہو وہ کم ہے جس مقام سے کتاب کو اٹھا کر دیکھو۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کا ایک دریا بھرا ہے۔ الفاظ کی بندش اور عبارت کی چستی سے جس قدر عالمانہ پن برستا ہے۔ اسی قدر مطالب کی عمدگی سے مؤلف کی شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ اس رسالہ کے ہر مضمون سے میں متفق ہوں تاہم اس کا بہت سا حصہ قابل مدح اور عمل ہے جس کا اختصار ہم درج ذیل کرتے ہیں وہو ہذا:۔

دعائے محبت والفت با خدائے عزوجل ہر کس مے کند لیکن حقیقت آن کمیاب است بلکہ نایاب حقیقت محبت والفت آں ست کہ باوجود کمال ایمان واعمال وعلم وعقاید او در ہر باب و اجتناب از معاصی وسئیات بمرتبہ علیا اگر او را مصائب وبلیات آں چناں رسد کہ جان ومال و اولاد وزوجہ وقوم وآبروئے او را فرا گیرد وبہ بدترین امراض مبتلا گردد ودریں بلیات جان دادہ بعذاب شدید آں عالم گرفتار شود ہرگز پارہ از حرف شکایت در خاطر حضور نکند آرے التجا وزاری دنیا لش وبے قراری از عدم تحمل آن مصائب بحضور خداوندی بسبب فرط اعتقاد وعموم رحمت ومغفرت

ہر قدر کہ کند بہتر و بجا بلکہ مقتضائے کمال ایمان آنست فاما مفہوم شکایت را نسبت
بآں ذات پاک در وہم و خیال جان دہد بلکہ آں را بالکل بقصور حال مآل و نقصانیکہ
در استعداد اُوست نسبت کند وَمَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ
مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا
عَنْ کَثِیْرٍ۔ را مبین حال خود شمارد ہمیں امر باعث حضور مقام صبر و منصب رضا
بانقضاے باشد و یقین کند کہ وی مستحق سخت تر عذابے بود۔ از آنچہ بوے رسیدہ
موافق استحقاق وی نیست و عفو آں عفو غفور است کہ بآں درجہ عذاب کہ مکافی
قصور رش باشد ابتلا نفرمودہ وہمیں امر باعث صدر اعلائے انواع شکر کہ در عین
مبتلا ربلا باد ہجوم مصائب است مے گردد و بالجملہ انسان را ہیچ حقیقت قابل
آں نیست کہ در صورت توجہ کرم الٰہی تصور معنی قدر دانی اللہ تعالیٰ کند و در صورت
توجہ سخطش او تعالیٰ را ناقدر دان پندارد چہ او را ہیچ قدرے نیست کہ بسبب آں
اللہ تعالیٰ را بقدر دانی و ناقدر دانی خود خیال کند۔ فقط"۔

اس عبارت سے اندازہ ہوگا کہ صبر و شکر و رضائے الٰہی میں پیارے شہید
کی کیا رائے تھی اور اس نے اپنے بلند مبارک خیال کو کس پر اثر عبارت میں ظاہر کیا
ہے۔ عبارت کے پڑھنے اور ہر ہر جملہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا
راقم وہی شخص ہے جو صبر و شکر اور رضائے الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے اور بے خودانہ
سرخوش حالت اور عالم وجد میں اس کی زبان سے یہ دلوں میں گھر کرنے والے
الفاظ یا جملے سرزد ہو رہے ہیں۔ انسان کی طبیعت کا آئینہ اس کی تقریر اور تحریر
ہوتی ہے بالغ نظر ہر تحریر اور تقریر سے پہچان سکتی ہے کہ جو کچھ مصنف لکھتا ہے

آیا اس کی طبیعت کی بھی یہی کیفیت ہے یا اس میں محض تصنع ہے بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے صاف طور پر یہ ہویدا ہوتا ہے کہ مصنف کا دل قلم کے ساتھ مؤید نہیں ہے دل کچھ اور کہتا ہے طبیعت کچھ اور گواہی دیتی ہے۔ قلم کچھ اور کہہ رہا ہے مگر پیارے شہید کے وہی زبان پر تھا جو اس کے دل میں تھا۔ اسی لیے جیسا اس کی زبان میں اثر تھا اسی قدر اس کی تحریر میں اثر تھا۔ اس کی آنکھوں کی زبردست اور قوی تر مقناطیسی کشش غضب کی پرزور تھی جس سے نگاہیں ملائیں بس اسے اپنا گرویدہ بنالیا بالجملہ یہ کتاب سید احمد صاحب کی بڑی یادگار ہے جو ان ہی کے نام سے مشہور ہے اور ہر شخص انہی کی مصنفہ سمجھ کر اسے پڑھتا ہے اور اپنی اپنی فہم کے مطابق اس سے دلچسپی لیتا ہے۔

چوتھی کتاب "منصب امامت" ہے۔ یہ ۱۴۴ صفحہ کا رسالہ نہایت لاجواب اور اعلیٰ درجہ کا لکھا گیا ہے یہ ایسی ضروری کتاب ہے جس سے حقیقت نبوت حقیقت امامت اور ولایت کی اصلی حالت معلوم ہو جاتی ہے وہ لوگ جو نبوت و امامت و ولایت وغیرہ کو گڈمڈ کرنے کے عادی ہیں اس رسالہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے کیا کیا مدارج ہیں اور کن کن اعلیٰ صفات میں خداوند تعالیٰ نے انہیں افضل اور ممتاز اپنی جمیع مخلوق سے بنایا ہے وہ غیر خوش آئندہ اور نادر الزام جو پیارے شہید کی بابرکت ذات پر مفسدین دین اسلام نے قائم کیے ہیں کہ یہ انبیاء کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور انہیں اپنی طرح ایک آدمی کہتا ہے۔ اس رسالہ سے سب کے دندان شکن جواب مل سکتے ہیں بشرطیکہ معترض ہاتھ میں لے کر اس بیش بہا رسالہ کو دیکھیں اور سمجھیں کہ جس جلیل القدر شخص کی نسبت ہم بے بنیاد بہتان جوڑتے ہیں اس کی

مرتفع ذات اس سے بہت دور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نبوت وخلافت و امامت وغیرہ کی حقیقت جہلا کبھی نہیں جان سکتے وہی نفوس جانتے ہیں جنہیں خدا تعالے اپنی ودیعت سونپتا ہے۔ جاہل کٹ ملا کیا جانیں کہ حقیقت نبوت کیا ہے ان کا اعتراض کرنا سراسر نادانی اور کج فہمی ہے۔

ہم رسالہ منصب امامت پہ خود کوئی رائے قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جب کتاب ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے پھر ضرورت کیا ہے کہ ہم اٹکل پچو رائے زنی کریں جس سے خصم کی ہرگز تشفی نہ ہو مناسب ہے کہ بعض مقام ہم منصب امامت کے نقل کر کے اس بات کا انصاف کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت مولانا شہید کا کیا خیال تھا۔ ناظرین پہ چھوڑتے ہیں اور انہیں بے جا اور نامعقول اعتراضوں اور پیارے شہید کے روشن عقاید میں جو وہ معصومین کی نسبت رکھتا تھا حکم بناتے ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ سے پھر کوئی ایسی نابکار اور دور از عقل نکتہ چینیاں کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔

ماخوذ از رسالہ "منصب امامت"

دربیان حقیقت ولایت

"باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام را در معاملات روحانی و کمالات انسانی بہ نسبت عموم ناس اعتباری باشد کہ حضرت رب الارباب قابل خطاب اند و حامل کتاب باشارات غیبی مامور اند و بشارات لاریبی مسرور پرورش یافتہ بستان تکریم اند و تربیت یافتہ و بستان تعلیم سربلندان مجالس تعظیم اند و دانشمندان مجالس تفہیم مخزن

اسرار احکام اند و مورد انوار الہام منور بنور بوراق ملکوت اند و موید بظہور خوارق ناسوت بنور ایقان و حکمت معمور اند و در بحر اجتناب و خشیت غریق بکمال محبت و موالات موصوف اند و بادراک لذت مناجات مشغوف در مقام حب فی اللہ راسخ القدم و در معرکہ بغض فی اللہ صاحب علم در ابواب خضوع بغایت ہوشیار اند و در آداب خشوع نہایت تجربہ کار در شدت خوف در جالسان بسیماب در اضطراب اند و بقوت و محو و فنا مثل شبنم در آفتاب در تعظیم رب کریم بغایت مؤدب اند در معاملہ رضا و تسلیم نہایت مہذب و در تبتل و تجرید بحیثیت و چالاک اند و در توکل و تفرید بطرو پاک در قطع علائق نفسانی بے باک اند و در تلعہ وساوس شیطانی سفاک بطہارت فطرت مجبول اند و در عبادت رب العزت مشغول آتش محبت حق در دل افروختہ اند و غیر حق را سراسر سوختہ در زہد و قناعت بے بدل اند و در صبر و استقامت ضرب مثل ۔ در کل مشکلات مہم ممتاز اند و در سرانجام محبت ہمت بلند پردار مخزن عقل و علم اند ۔ و معدن عفو و علم ۔ مجمع خلت و وفا اند و منبع عفت و حیا ۔ بر کافہ خلائق رحیم اند ۔ و در مراعات علائق کریم یگانہ ہر بیگانہ اند و ہمای ہر خانہ در پے ہر گزیدہ دواں اند در پس ہر گزندہ سرگرداں ! اینساں سخاوت اند و بہار گلستان سماحت شیران بیشۂ شجاعت اند و دلیران میدان شہامت در راست بازند سیر چشم دشمن نواز ۔ در مکارم اخلاق یگانہ آفاق اند و بہ نسبت طالبین حق عاشق و مشتاق ہمیں است مقصود از ولایت دریں مقام ۔

از ہمیں بیان واضح گشت کہ مرتبۂ ولایت را سہ شعبہ است اول معاملات صادقہ مثل الہام و تعلیم و تفہیم غیبی و حکمت دوم مقامات کاملہ مثل محبت و خشیت

وتوکل و رضا و تسلیم و صبر و استقامت و زہد و قناعت و تفرید و تجرید سوم اخلاق فاضلہ
مثل علو ہمت و وفور شفقت و حلم و حیا و محبت و وفا و صدق و صفا و سخاوت و
شجاعت و امثال ذلک پس گویا منصب ولایت را از ۲ سہ شعبہ مرکب توان گفت
ہر چند ایں ولایت جمیع خواص عباد اللہ را حاصل مے شود چنانچہ آیہ کریمہ الا ان اولیاء
اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون بر آں
دلالت میدارد لکن ولایت ایں کبار رنگے دیگر مے دارد بیانش ایں کہ حق جل و
علی دو کمال بس عظیم از خزانہ خاص خود بایشاں عطا مے فرماید و آں ہر دو را در تمامی
کمالات مذکورہ جاری و ساری مے نماید پس ہر کمال ایشاں برنگے دیگر مے بر آید۔
ممتاز از کمالات اولیاء دیگر اول عبودیت است وثانی عصمت معنی عبودیت آں
است کہ ایشاں را باوجود اتصاف بایں کمالات نقصان ذاتی خود دائما ملحوظ خاطر
مے ماند و ایں کمالات را مثل لباس مستعار مے انگارند و مشابہ تقلب لیل و نہار
مے شمارند۔ دائما بمحض فضل رب العالمین نظر مے دارند و بہر حال شکر او بجا
مے آرند۔ وگاہے خود را از حد بندگی نمے کشند و ہمیشہ راہ تادب مے روند۔
و ادنائے مراتب گستاخی و شوخ چشمی ہرگز روا نمے دارند۔ و نوعی از ناز و تبختر
بخیال نمے آرند۔ از سکر شطح نمے رانند و از شورش و مستی دست بردار۔ ہمیشہ راہ
بندگی پویند۔ و زیادت سرافگندگی مے جویند۔ علی الدوام تضرعات عبودیت
مے دارند نہ ادعائے تصرفات الوہیت بلسان خاک خاموش اندر نہ مثل آتش
در جوش در مقام تجرید و تفریط از بندگان الٰہی متنفر نشوند۔ و حقوق ذوی الحقوق
تلف نکنند و در مقام توکل براہ مستان لایعقل نروند و طریقہ تادب را کہ عبادت

از رعایت اسباب است بالکل از دست ندہند و بنا بر شوق لذت مناجات از گم گشتگاں بادیہ ضلالت دامن نکشند بلکہ تخلل اوقات مناجات روا دارند۔ بہدایت ایشاں ہمت برگمارند و در مقام حسن خلق مداہنت در دین متین و مساہلت در احکام رب العالمین گوارانمے کنند و ہرگز بایں راہ روئے روند۔ و در مقام سخاوت و سماحت اسراف را راہ ندہند۔ و در مقام شجاعت وشہامت تابع جوش و غضب نشوند۔ پس گویا کہ افعال و اقوال ایشاں از اقتضائے اخلاق کاملہ ایشاں صادر نیست بلکہ در محض اطاعت رب العالمین است و بس مثلاً اگر کسے را چیزے مے بخشند ہرگز بمقتضائے سخاوت جبلیہ خود نمے بخشند بلکہ تامل مے فرمائند کہ اگر رضائے رب العالمین بایں بخشش متعلق آں است فی الفور آں را بروئے کار مے آرند و الا ازاں نہایت بیزارانند و اگر در مقامی مقدسہ کارزار در جنگ و پیکار برپا مے کنند بنا بر مقتضائے شجاعت خود برپانمے کنند بلکہ اگر رضائے زلائے خود دراں مے بینند داد شجاعت دراں مقام مے دہند والا پہلو تہی کردہ براہ خود مے روند و ہم چنیں در سائر امور قیاس باید کرد پس گویا کہ بظاہر کمالات مذکورہ لیساں دانہائے تسبیح متعدد و متکثر است اما در حقیقت ہماں رشتہ عبودیت ہمہ را ایک سلک گردانندہ و معنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشاں تعلق مے دارد اقوال و افعال و عبادات و عادات و معاملات و مقامات و اخلاق و احوال آں ہمہ را حق جل و علیٰ از مداخلت نفس شیطان و خطاء و نسیان بقدرت کاملہ خود محفوظ مے دارد و ملائکہ حافظین بر ایشاں مے گمارد و تاغبار بشریت دامن پاک ایشاں را نہ آلاید و نفس بہیمی بہ بعضے تکونات خود امر نفرماید و اگر احیاناً

چیزے که خارج از قانون رضامندی حضرت حق باشد از ایشان بطریق شذوذ و ندرت صادر مے گردد فی الفور حافظ حقیقی ایشان را کشان کشان براه راست مے آرد این ولایت مذکوره که رنگین باشد برنگ عبودیت و عصمت آن را ولایت النبوت مے گویند پس ولایت النبوت غیر منصب نبوت است چه منصب نبوت مخصوص است بانبیاء و این ولایت النبوة اگرچه بالاصالت در انبیا یافته مے شود نا ما بعضے اکابر اولیاء را هم به تبعیت انبیا از ان یقینے بدست مے آید چنانچه دلائل این دعوے از کتاب و سنت عنقریب مذکوره خواهد گردید فقط (از صفحه ۵۷)

امام بمنزله فرزند سعادت مند رسول است و سائر اکابر امت و اعاظم ملت بمنزله ملازمان خدمتگذار اند و فدیان جان نثار پس چنانچه تمام اکابر سلطنت و ارکان مملکت العظم شهزاده والا قدر ضرور است و توسل باو واجب، موازنه خود باو علامت نمک حرامی است و اظهار مفاخرت برو امارت بد انجامی همچنین تواضع و تذلل بر صاحب کمال بحضور او باعث سعادت دارین است و شمردن علم و کمال خود را به وے جالب شقاوت نشاتین بیگانگی باو یگانگیست با رسول و بیگانگی از و بیگانگیست از رسول خصوصًا درین مقام که منصب نیابت پیغمبر هم از جانب حکیم علی الاطلاق باو مفوض گردید پس حالش در ضمن این تمثیل باید فهمید که از مقربان بادشاهی امیرے باشد بغایت جلیل القدر مقرب درمیان حصار دربار مامور به خدمات عمده قایم بر مناصب عالیه و او را فرزندی باشد بغایت سعید شائسته حضور بادشاهی و قابل تفویض خدمات در لیاقت و هنر مشابه به پدر خود همراه پدر خود آمد و رفت به بارگاه بادشاهی مے دارد و عزت و اعتبار در نگاه بادشاه و در حصار آن بارگاه بادشاهی جدی بدست

آوردہ کہ منصب نیابت پدر خود با و از حضور سلطانی مفوض گردید پس اگر کسے از رفقائے پدر او باو راہ مساوات خواہد پیمود و بر منصب خود در مقابلہ او تفاخر خواہد نمود ہم نمک حرامی بہ نسبت آقائے خود کہ آں امیر کبیر است باد عاید خواہد شد وہم عتاب سلطانی بر و متوجہ خواہد گردید ہم چنیں سرکشی و روتابی از امام وقت، گستاخی ست بہ نسبت او و مساوات او ست بہ نسبت رسول و اعتراض مخفی است بر حکیم علی الاطلاق کہ ایں چنیں شخص ناقص را منصب نیابت آں چناں شخص کامل عطا فرمودہ بالجملہ تقرب الی اللہ تبرک توسل ایشاں خیالی است بر انتدل دوہی ست سراسر باطل و محال۔

بے عنایات وحق وخاصان حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیہ گردد ورق

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حب علی حسنۃ لا یضر معہا سیئۃ وبغض علی سیئۃ لا تنفع معہا حسنۃ قال علیہ السلام الا ان مثل اھل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ھلک رزقنا اللہ وسائر المسلمین حب اہل بیت واتباعہم بل حب جمیع ائمۃ الھدی واتباعہم امین یارب العالمین"

اس فاضلانہ تحریر کے دیکھنے کے بعد کون شبہ کر سکتا ہے کہ جو کچھ مخالفت سے مولانا شہید کی نسبت لکھا گیا ہے وہ کس قدر ناروا اور بے جا ہے۔ آپنے اس عزلت گزینی کی جو بنی نوع سے دلی نفرت پیدا کرنے کی پہلی منزل ہے۔ اور جس حدوث بالکل قانون قدرت کے خلاف ہے پوری قلعی کھول دی آپ نے صاف طور پر فرمادیا کہ انتہا درجہ کی رذیلہ الناس اور بدترین ناس سے بھی نفرت نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ مناجات چھوڑ کر ان کی ہدایت میں سرگرم ہونا چاہیے۔ موجودہ اور کسی تدلہ

گذشتہ زمانہ میں ولی اور فنافی اللہ اسے جانتے تھے جو ترک دنیا کے نام سے مخلوق خدا پر سنگ باری کرے۔ اور اگر کوئی مسلمان اس کے پاس جائے تو اس پر نگاہ ڈالتے ہی لاحول پڑھ دے۔ اور تھوکھو کر کے اپنا حجرہ بھر دے گذشتہ دو تین صدیوں میں ہندوستان بھر میں یہ شان ولایت اور فنافی اللہ ہونے کی کامل شہادت سمجھی جاتی تھی اگر یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ تارک دنیا درحقیقت پہنچا ہوا فقیر ہے۔ اور جب کہ خدا کی یاد میں ہر وقت رہتا ہے اس لیے اسے آدمیوں کی صورت سے نفرت ہوتی ہے تو بھی ہم اس پہنچے ہوئے ولی اللہ کو یہ کہیں گے کہ یہ خود غرض ہے۔ ذاتی نفع پر اس کی نظر ہے۔ اور خواہشات نفسانیہ میں اس قدر محو ہے کہ ہمدردی بنی نوع کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں آتا۔ خدا مولانا شہید کے جنت میں مدارج بلند کرے کہ آپ نے صاف طور پر کھول دیا کہ ایسا شخص مسند امامت پر جلوہ افزا ہے ایسا شخص جسے منصب امامت یا ولایت کے حاصل کرنے کا افتخار حاصل ہو چکا ہے اس پر واجب ہے کہ ترک مناجات کر کے گمراہوں کی ہدایت میں مصروف اور بنی نوع کی ہمدردی میں اپنا دھن من تن قربان کر دے اور ہر دم اس کی زبان پر یہ جاری ہو نہ صرف زبان پر بلکہ اس کی عملی زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ پایا جاتا ہو۔

وقف است ہمہ بہر ہوا خواہی احباب ‌ ‌ علم و ہنر و سیم و زر و جان و دل ما

کسی زمانہ میں ولیوں اور بڑے بڑے جید صوفیوں اور بڑے بڑے مولویوں کو چھوئی موئی بنا رکھا تھا کہ ادھر کسی کا سایہ پڑا یا کسی نے ہاتھ لگا دیا بس وہ مرجھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے کیا سمجھ رکھا تھا انہوں نے خود ہی اپنے کو چھوئی موئی بنا رکھا تھا

بنی نوع کی صحبت سے انہیں سخت نفرت تھی اور وہ اپنی عظمت ایسی قابل نفرت فعل سے جانتے تھے۔

یہ اب تک غلط فہمی سے مشہور ہے کہ مولٰنا اسمٰعیل ولیوں وغیرہ کو کچھ نہ سمجھتے تھے مگر تحریر بالا کی شہادت سے تمام وہ اعتراضات جو ناحق اس ذات والا پر کئے جاتے ہیں دور ہو جائیں گے اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ پھر کسی کو خیالی اعتراضات کرنے کی پُر غلط دلیری نہ ہوگی۔

"منصب امامت" کی نسبت ہنٹر لکھتا ہے کہ سید احمد صاحب کی امامت منوانے کے لیے مولانا شہید نے تصنیف کی تھی مگر میں کہتا ہوں اگر وہ منصب امامت کو بالاستیعاب دیکھتا تو اسے یہ کہنے کا موقع نہ ملتا یہ بیش بہا رسالہ درحقیقت کوئی خصوصیت اپنے میں نہیں رکھتا۔ عام طور پر نبوت خلافت ولایت کے ادق مضامین پر کوئی بحث کرتا تو اسے صدہا اجزا سیاہ کرنے پڑتے پھر بھی شاید مطلب صاف طور پر نہ کھلتا مولانا شہید نے چند اجزا میں طولانی مضامین اور غیر محدود مباحث کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح ادا کر دیا گویا کچھ بڑا کام ہی نہ تھا ہر جملہ جو تین چار الفاظ سے زیادہ نہ ہوگا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل سے ڈھل کے نکل رہا ہے۔

منصب امامت کو لو اور اسے بغور دیکھو۔ فکر کرو اگر درحقیقت تمہیں ان مضامین سے کچھ بھی مذاق ہوگا تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ چھوٹا سا رسالہ اپنی نوعیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

یہ نہایت کمال کی بات ہے کہ جہاں نبی کی صفات بیان کی ہیں وہاں اس کے فرائض منصبی سے بھی اطلاع دیدی ہے تاکہ صفات کی فرائض منصبی کے ساتھ

طبیق ہو سکے ۔

پانچویں کتاب ہنٹر نے اپنے صفحہ ۷۶ میں مولانا موصوف کی تصنیف سے تذکرہ الاخوۃ لکھی ہے میں نے ہر چند اس کتاب کو تلاش کیا مجھے نہیں ملی خبر نہیں ڈاکٹر ہنٹر کے ہاتھ یہ کتاب کہاں سے لگ گئی تھی بہر حال اگر اس کتاب کا وجود تسلیم کر لیا جائے پھر بھی یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نصیحتیں ہوں گی ۔

چھٹی کتاب "ایضاح الحق" نامی مولانا موصوف کی تصنیف سے بیان کی جاتی ہے ۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اس رسالہ کا اپنی کتاب میں کہیں ذکر نہیں کیا ہے ان رسائل کے علاوہ آپ کی تصوف میں اور بھی کئی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کی میں زیارت کر چکا ہوں اور بعض کو میں نے دیکھا بھی نہیں خیر میں اب اس بحث کو ختم کر کے ایک نہایت دلچسپ امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ایک کتاب اس نام کی ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں پر از روئے ایمان کے ملکہ معظمہ سے بغاوت کرنی فرض ہے" تصنیف کی تھی اور جس کے شافی اور دندان شکن جواب سر سید نے لندن کے انگریزی اخبارات میں طبع کرائے اور پھر وہ کل مضامین ایک رسالہ کی صورت میں جو ۱۱۵ صفحے کا ہے دو کالموں میں جس میں ایک کالم انگریزی کا اور دوسرا اردو کا ہے طبع ہو گیا ہے ۔ جسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے اور خیالات کو واپس لیا اور اپنی تحریر پر پریشانی ظاہر کی ۔ میرے خیال میں اب اس قسم کی بحث کرنے کا زمانہ ہی جاتا رہا ۱۸۷۲ء میں ذرا لوگ ان باتوں کو غور سے پڑھتے تھے ۔ نیا نیا واقعہ دہلی ہو چکا تھا اور بد قسمتی سے بیگناہ مسلمانوں پر الزام لگایا گیا تھا اس لیے بعض صاحب بہادر بھی اپنی گورنمنٹ میں

اپنی مشرقی واقفیت اور مشرقی تجربہ عظیم کا ڈیلومابینے کے لیے نئی نئی باتیں گھڑ کر گورنمنٹ کو دکھاتے تھے اس سے انہیں بحث نہ تھی کہ مخلوق خدا کا ایک بہت بڑا حصہ تباہ ہو جائیگا۔ ان کی تو صرف یہ غرض تھی کہ لندنیوں کی آنکھوں میں ہم ایک بہت بڑے مشرقی علم و ہنر اور زبان اور حالات سے واقف کار کہلائے جائیں گورنمنٹ پوشیدہ نہیں ہے جب چاہا لٹا دیا اور جب چاہا اٹھا کے بٹھا دیا وہ ان باتوں کو خوب سمجھتی ہے اسے ایسے زہریلی تحریروں کا کامل علم ہے میں پرانے جھگڑے کو چھیڑنا اور بے نتیجہ تطویل کرنا پسند نہیں کرتا صرف اتنا ضرور لکھونگا جب ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ حال ہے کہ "تنویر العینین" کو جو رفعیدین کے بارے میں لکھی گئی ہے اور "تقویۃ الایمان" کو جو شرک و بدعت کے رد میں لکھی گئی ہے "صراط مستقیم" کو جس میں سوائے ایک جگہ کے ہر جگہ ترک دنیا کا ذکر ہے۔ جہاد کی روح مسلمانوں کے تنوں میں پھونکنے والی کتابوں کی فہرست میں اپنے رسالہ مذکور صفحہ ۷۶ میں درج کر دیا۔

ایں کار از تو آید و عالم چنین کنند

"تقویۃ الایمان" اور "تنویر العینین" میں ایک جملہ جہاد کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا اب اس تعصب اور اندھے پن کا کیا علاج کہ ان مذہبی کتابوں کو بھی جہاد کی کتاب کہا جاتا ہے۔ اور جہاں آپ سخت تحیر سے لکھتے ہیں اب تک برٹش عملداری میں یہ کتابیں عام طور پر بکتی ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ایسی ہی سمجھ کے لوگوں کے ہاتھ میں مظلوم مسلمانوں کی جانیں ہوتیں تو یہ کبھی کا پیس ڈالتے خدا نے ہماری روشن دماغ گورنمنٹ کو ایسے کاموں کی سمجھ دی ہے کہ جب تک وہ ایک معاملہ کی خوب تحقیقات نہیں کر لیتی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتی ورنہ ایسے آتش عنصر تو کبھی کے اسلامی پرانے شکستہ

ڈھانچہ کو توڑ مروڑ ڈالتے۔

اتنا بڑا محقق اس اولوالعزمی سے تو اتنے بڑے اہم مسئلہ میں رائے دینے اٹھا۔ مگر اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ جن رسائل کو میں جہاد کے رسالے کہتا ہوں اگر خود پڑھا ہوا نہیں ہوں تو لاؤ کسی نابالغ مسلمان بچہ سے پڑھوا لوں گھنٹہ دو گھنٹہ میں مضامین رسائل کے بارے میں اطلاع ہو جاتی وہاں تو غرض گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بھڑکانے اور صریح دھوکہ دینے کی تھی۔ اس لیے ہر حق بات سے عمداً چشم پوشی کی الحمد للہ کہ سرسید کی زبردست تحریر نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی غلط فہمی تعصب یا دھوکہ دہی کی نیت گورنمنٹ اور تقریباً تمام تعلیم یافتہ حصہ لندن میں ظاہر ہو گئی۔ اب مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں نئی طرز پر بحث کروں ڈاکٹر صاحب پشیمان ہو چکے۔ گورنمنٹ ڈاکٹر صاحب کی غلطیاں تسلیم کر چکی۔ پھر اب زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا رہی۔

اس قدر جو میں نے لکھا بھی تو صرف اس لیے کہ مولانا شہید کی جن کتابوں کی بابت میں نے لکھا اور ان پر مختصر ریمارک کیا ہے اس کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بھی کیا ہے۔ اس لیے مجھے ضرورت ہوئی کہ میں اپنے ناظر سوانح کو ہنٹر صاحب کی فاش غلطی پر بھی مطلع کر دوں اور دکھا دوں بعض مغربی[1] محققوں کی یہ شان ہے کہ جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے۔ اپنی غلط منطقی پیچیدہ عبارت میں اٹکل پچو لکھ مارتے ہیں اور واقعات کو ایسی عمدہ عبارت آرائی میں بیان کرتے ہیں کہ محض ایک کذب بھی صدق بن جاتا ہے۔ ہاں مبصر کی نگاہ میں چاہے وہ کذب کا کذب ہی رہے۔

بزیر جامہ نہاں کردۂ برص لیکن   بچشم اہل بصیرت برہنہ مے آئی

---

[1] بلکہ ہر ایک مغربی مصنف کے قلم میں سیاسی غرض داخل ہے۔ خواہ مورخ ہی ہو (مصحح)

اس کے بعد میں مولٰنا شہید کے بعض خطوط بعینہ درج کرتا ہوں۔ گو میرے پاس خطوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا مگر وہ مجھ سے ضائع ہو گئے۔ اور صرف ان ہی چند خطوط پر اکتفا کیا جو ناظر سوانح کی کچھ نہ کچھ دلچسپی کا باعث ضرور ہوں گے جتنے خطوط مختلف سرداروں حکمرانوں اور مولویوں کو سید احمد صاحب کی طرف سے لکھے گئے وہ کل خطوط در اصل مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب ہی کے قلم کے لکھے ہوئے تھے اور وہ ابھی ایک کتاب میں طبع ہو گئے ہیں مگر میں دو خط وہی نقل کرنا چاہتا ہوں جن میں اول یہ جملہ ملتا ہے "از اسمٰعیل بخدمت فلاں" میرے خیال میں دو ہی خط کافی ہوں گے۔ پہلا خط درج ذیل ہے:۔

از مولٰنا محمد اسمٰعیل بنام میر شاہ علی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل بخدمت معدن غیرت ایمانی منبع حمیت اسلامی مقبول بارگاہ رب قوی مخدومی میر شاہ علی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام مسنون و دعائی اجابت مقرون واضح آنکہ۔ نامۂ نامی و رقیمہ گرامی متضمن بہ کلامیکہ فی مابین صادقین و منافقین واقع گردیدہ رسید مضامین مندرجہ واضح گردید۔ جزاکم اللہ خیرا آنچہ نگارش فرمودہ بودند کہ مضامین سوال و جواب را منقح گردانندہ وآں را کسوت تالیف رسالہ پوشانیدہ ارسال باید داشت مخدوما حقیقت امر ایں است ہر چند کہ تحریر و تقریر ہم درین مقدمات نوعی از جہاد است فاما ایں ضعیف بلکہ سائر حاضرین ایں مقام در امری مشغول اند کہ تقریرات و تحریرات را در اں

امر اصلا گنجائش نیست حال ما مردم نه نسبت حال این تحریر و تقریر مشابه حال شخصے است
که به نفس ادائے صلوٰة مشغول است به نسبت کسے که تعلیم مساعی صلوٰة مے نماید
پس هرچند تعلیم مساعی صلوٰة هم از جمله مقدمات صلوٰة است فاما حال ادائے نفس
صلوٰة مانع ست از اشتغال به تعلیم مساعی صلوٰة کسیکه حال مجاهدین را مشاهده
نماید. بالیقین بداند که مسلک قیل و قال و بحث و جدال خواه حق باشد
خواه باطل دیگر و مسلک این مردم دیگر مسلک اول از جنس مسلک علما
است و مسلک ثانی از جنس مسلک سپاهیان و شان بے نما. حالانکه درین
مقام چند کلمه تحریر کرده مے شود آنهم به خاطر فاتر بس گران است فاما بنا بر
پاس خاطر عاطر نوشته مے شود که در انحصار امامت جناب امیر المومنین به قانون
حدیث و کلام و فقه اصلا شبه نیست و آنچه مخالفین از جنس قبائح با آنجناب
نسبت مے کنند آن همه سراسر باطل ست و از وسمه صدق عاطل و آنچه به
رفقائے آن جناب نسبت مے نمایند پس اکثرے ازان هم مطابق واقعه نیست
بر تقدیر تسلیم پس قبح رفقائے امام هرگز در امامت آن قادح نیست چنانچه
قبح اشقیان هرگز در نبوت نبی الشان قادح نمے تواند کرد و نیز بر تقدیر تسلیم
آنچه بذات آن جناب هم نسبت مے کنند پس ظاهر است که آن هم
در ثبوت امامت بالفاء آن اصلا قادح نیست چه منتهائے آن قدح
در مراتب ولایت است و نبوت مراتب ولایت اصلا در شروط امامت
نیست بلکه فسق و ظلم هم سبب زوال امامت بعد ثبوت آن هرگز نمے تواند
شد چنانچه در حدیث متواتره عبارات اسلاف و اخلاف و فقهائے

متکلمین بر آن دلالت مے دارد و بالجملہ مدار کلام بر ہمیں دو امر است اول ثبوت امامت بعد ازاں عدم زوال آن بسبب اعتراضات مسطورہ ۔

اما مقدمہ اولی پس بیانش آنکہ طریق ثبوت امامت را از کتب حدیث وکلام وفقہ تفتیش باید کرد وربین مقدمہ روایات قوی از ضعیف و راجح را از مرجوح تمیز باید داد و بعد ازاں خلاصہ مضمون قوی راجح کہ در باب طریق انعقاد امامت است منقح کردہ در ذہن ملحوظ باید داشت و بعد ازاں تامل باید کرد کہ در ما نحن فیہ آن امر منقح متحقق است یا نہ ہر چند حقیقت الامر در امثال ایں مقدمات بمشاہدہ منکشف مے گردد کہ لیس الخبر کالمعاینۃ حدیثی است ماثور و شنیدہ کے بود مانند دیدہ مثلی است مشہور اما بنا برآں کہ مشاہدہ حال بہ نسبت غائبین مفقود است پس انکشاف حال بر سبیل اجمال بہ نسبت ایشاں از اطلاع بر اخبار ایں مجمع اخیار ہم بقدر ضرورت مے تواند شد بخدمت ارسال داشتہ شد تا بوجہ من الوجوہ حقیقۃ الحال منکشف گردد پس ہر کہ دریں مقدمہ بخوبی تامل خواہد کرد لابد انعقاد امامت آنجناب اذعان خواہد نمود اما مقدمہ ثانیہ پس آن را ہم از کتب حدیث و کلام و فقہ تفتیش باید نمود کہ کدام کدام امر باعث انعزال امام باشد از منصب امامت خود ایں بحدی در بارگاہ آنجناب بعید ست کہ کس از کفار مکہ و غیرہم ادعای وجود ایں قبائح در ذات آنجناب نے تواند کرد بالجملہ چوں امامت آنجناب ثابت گردید ہیچ امرے کہ باعث انعزال آنجناب از منصب امامت باشد یافتہ نشد پس اطاعت آں جناب بر کافہ مسلمین واجب گردید ہر کہ امامت آنجناب ابتدا قبول نکند یا بعد القبول انکار نماید پس ہمو نست باغی مستحل الدم کہ

قتل او مثل کفار دمراد سکهان عین جهاد است وهتک او مثل هتک سائر اهل فساد
عین مرضی رب العباد چه امثال این اشخاص بحکم احادیث متواتره از جمله کلاب
ناره ملعونین اشرار اند این است مذهب این ضعیف درین مقدمه پس جواب
اعتراضات معترضین نزد این ضعیف همین ضرب بالسیف است نه تحریر و
تقریر اما آنچه ذکر مے نمایند که برائے مقابله اهل شوکت مماثله ایشان در شوکت
ضرور است پس مے گویم اولاً این که این مقدمه مذکوره ممنوع است بلکه سعی
در تحصیل معنی شوکت بقدر استطاعت خود کافی است مماثل شوکت مخالفین باشد
یا نباشد قال الله تبارک و تعالیٰ واعدوا لهم ما استطعتم (ولم یقل) واعدوا
لهم ما عندکم۔

وثانیاً آنکه معنی وجود شوکت این نیست که در جسم امام قوتے بهم رسد که
همان وقت دولت مخالفین را برهم زند و بذات خود تمام نبود عساکر ایشان را بهزیمت
دهد بلکه معنیش همین است که جماعات موافقین همراه او بحدے مجتمع شوند که باعتبار
ظاهر عقل بمدافعت مخالفین بقوت ایشان مے توانند کرد و مراد از اجتماع این نیست
که در سر آن گرد اگرد او ایستاده مانند بلکه معنیش همین است که ایشان را بذات او
علاقه بهم رسد که مقتضائے آں علاقه در حق ایشان اطاعت احکام او باشد مثل علاقه
نوکری در عرف سلاطین و علاقه قرابت و برادری در عرف افاغنه و در عرف شرع
همین علاقه بیعت را اعتبار فرموده اند پس چنانکه صاحب شوکت در عرف سلاطین همو است
که مجمع کثیر از نوکران داشته باشد و در عرف افاغنه همان است که مجمع کثیر از الوس
داشته باشد هم چنین در عرف شرع امام صاحب شوکت همان است که مجمع کثیر

از مسلمین بر دست او بیعت امامت بجا آوردہ باشند چہ علاقہ بیعت نزد شارع اقوی است از علاقہ نوکری و قرابت پس جناب امام ہمام را شوکت شرعیہ بالفعل بحدے حاصل است کہ مراتب اقوی است از شوکت مخالفین چہ سرداران پشاور کہ صاحب عساکر و جنود و توپ و شاہین اند و خوانین سوات و بنیر و سمہ و ہمہ خواص و عوام ایشان و پائندخاں تنولی بیعت امامت بر دست آنجناب بجا آوردہ اند و شمار ایں اشخاص بہ لکھوکھا مے رسد پس لابد شمار عساکر آنجناب بحدے خواہد رسید کہ شمار جنود کسے از مخالفین ہرگز باں حدے نے تواند رسید فاما ایں کہ بعضے از ایشاں نکث بیعت نمودہ و حق آں اطاعت است بجا نیاوردند پس محتمل است کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس ایں معنی اصلا در شوکت شرعیہ قدح نے تواند کرد چنانکہ بسیارے از نوکراں نمک حرامی مے کنند و در بدخواہی آقائے خود مے کوشند پس احتمال است کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس چنانکہ ایں احتمال در شوکت شرعیہ ائمہ قدح نے تواند کرد۔

ثالثاً آں کہ مماثلت شوکت با شوکت جمیع مخالفین از کفرہ شرق و غرب اصلا مراد نیست والا امامت ہیچ امامے از سابقین و لاحقین ثابت نہ گردد پس مماثلت با شوکت ہمیں مخالفین مراد باشد کہ بالفعل مقابلہ با ایشاں (یعنی با سکھاں) در پیش ست و در ما نحن فیہ ایں قدر شوکت البتہ متحقق ست کہ مماثل شوکت ناظماں چھچھ و ہزارہ و پکھل مے تواند شد اگر مماثل شوکت راجہ رنجیت سنگھ نباشد کدام کس با شان خبر دادہ کہ جناب امام ہمام بہمیں جمعیت قلیلہ عزم لاہور مے دارند بلکہ شب و روز از دیاد جمعیت مسلمین و ترقی شوکت ایشاں مساعی بلیغہ بجا مے آرند

عروج شوکت اسلامیه تدریجاً امید می دارند و این امر اصلاً مستبعد الوقوع نیست بلکه در انقلاب ملل و دول همین سنت الله جاری است که ضعیفی از ضعفاء احاد الناس مثل نادرشاه و رنجیت سنگه وغیره سر می برآرد و آهسته آهسته از رفقاء جماعتی بهم می رساند و قوتی و شوکتی تدریجاً بدست می آرد حتی که سلطنت سلاطین عظام و مملکت خوانین ذوی الاحتشام برهم می زند چه بلا بی انصافی است کسی که مخلص برای طلب دنیا کمر بسته باشد در حق او گمان فتح و نصرت نمایند و برهمین گمان رفاقت او اختیار کنند و کسی که محض لله و فی الله و ابتغاءً لوجه الله برای نصرت دین حق مستعد گردد در حق او حصول یعنی فتح و نصرت مستبعد می پندارند و آن را از جمله اوهام بعیده شمارند و اشکالات رنگارنگ و اعتراضات گوناگون بر وارد کرده اند و خود رفیق او نشوند بلکه عوام مسلمین را از رفاقت او متنفر گردانند و آخر شده نوبت باین جا رسانند که در برهم زدن کار و بار جهاد سعی نا مشکوره بجا آرند الا لعنة الله علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل الله یبغونها عوجا دالعا۔ آن که سلمنا حصول شوکت قویه شرط اقامت جهاد باهل شوکت باشد اور آنجناب را شوکت بالفعل حاصل نیست۔

لیکن می پرسم که طریق حصول شوکت برای امام وقت چیست آیا شوکت باین طریق حاصل می شود که شخصی از شکم مادر خود معه عساکر و جنود و سائر سامان جنگ بیرون بر آید تا وقتیکه بر اقامت جهاد مستبعد شود پس همان وقت فی الفور از غیب الغیب تمام عساکر و جنود و سائر سامان جنگ باو عطا شود این نه گاهی شده و نه گاهی شدنی است بلکه طریقش همان ست که چنانچه نصب امام بر ذمهٔ کافه

مسلمین فرض است ومداہنت درآں موجب معصیت ہمچنیں تحصیل معنی شوکت ہم برائے امام وقت بر ذمہ ایشاں فرض است کہ کل جماعت مسلمین از ہر سو دواں نزد او درجمع شوند و ہر کس از ایشاں بقدر استطاعت خود در تحصیل سامان جنگ کوشش نمودہ اسباب آں بقدر طاقت خود بدست آوردہ بحضور امام وقت حاضر گردانند ولہذا در کریمہ اعدوا لھم ما استطعتم و کریمہ جاھدوا باموالکم وانفسکم خطاب بعموم سلف متوجہ گردیدہ بخصوص بائمہ۔

پس ہر کہ مے گوید کہ شوکت امام شرط جہاد است وشوکت مذکورہ در ما نحن فیہ متحقق نیست پس از الازم کہ اول خود شاید بقدر استطاعت خود سامان جنگ ہمراہ آردہ انتظار مشارکت دیگرے دریں امر اصلا جائز نیست۔

پس در آنچہ در امر جہاد تعویق وتعطیل واقع مے شود وبال ونکال آں ہمہ بہ گردن قاعدین متخلفین ست بمشابہ آں کہ نماز جمعہ بر ہر کس واجب است واو بدوں جماعت متصور نہ وانعقاد جماعت بدوں امام ممتنع پس اگر کسے در خانہ نشستہ انتظار ایں معنی کشد کہ وقتیکہ امام قائم خواہد شد وجماعت مجتمع خواہد گشت ہماں وقت من ہم حاضر خواہم شد پس لابد نماز جمعہ فوت شود آں کس عاصی وآثم گردد۔

چہ نزول امامی از ارواح مقدسہ وجماعتی از جماعات ملائک برائے اقامت جمعہ ہرگز واقعہ شدنی نیست بلکہ طریقش ہماں ست کہ ہر کس از خانہ اگرچہ تنہا باشد بیروں برآید ودر مسجد رود اگر جماعت مجتمع باشد شریک ایشاں شود والا ہماں مسجد بہ نشیند وانتظار دیگرے نماید نہ ایں کہ مسجد خالی بیند بخانہ خود باز گردد کہ انعقاد جماعت واقامت جمعہ ہرگز بایں وجہ نخواہد شد۔ الخ

دوسرا خط

(از مولانا محمد اسمٰعیل بنام مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی)

بعد از سلام محبت التیام واضح آنکہ کاغذے کہ مشتمل بر سوال و جواب مردماں پشاور بود بسمع و اقدام رسانیدم آنجناب در جواب آں بس تحقیقاتے لطیف و تدقیقاتے بغایت لطیف ارشاد فرمودند اما ایں فقیر را از ملاحظہ کاغذ مذکور چناں واضح گردید کہ مردماں مذکورہ باصلاً از زمرۂ علمائے نیستند کہ قابلیت خطاب ندارند یا مرکابرین اند کہ مقصود ایشاں تحقیق نیست بلکہ محض فتنہ انگیزی است بناءً علیہ نوشتن تحقیقات مذکورہ بظاہر ضائع مے نمود لہٰذا چند طلبہ علم درمیان خود بطریقے گفتگوہائے مے نمائند بر ہموں طریق کاغذی نوشتہ ارسال خدمت عالی کردہ شد انشاء اللہ تعالیٰ بملاحظہ سامی خواہد رسید لاکن درین مقام تامل باید نمود کہ درین جا دو مقدمہ است یکے اثبات ارتداد مفسدین مخالفین و تفریع اباحت قتال و حلت اموال ایشاں کردہ شود قطع نظر از آنکہ ایں معنی مبنی بر ارتداد ایشاں است یا بر دیگر سبب یا مختلف کہ بہ نسبت بعضے ارتداد ثابت شدہ باشد و بہ نسبت بعضے بغی و نسبت بعضے سبب دیگر ہر چند طریق اول ہموں است محقق و منقح نزد ما زیرا کہ مفسدین مذکورین را باضعاف فی الواقع از جنس مرتدین بلکہ از جنس کفار اصلی مے شماریم و ایشاں را از قبیل کفار اہل کتاب مے دانیم چنانچہ اہل کتاب مجملاً بکتاب ایماں مے آوردند بما جاء من عند اللہ علی سبیل الاجمال اذعان مے کردند اما عند التفصیل بعضے را قبول مے کردند و بعضے را قبول نمے کردند کہ آیہ کریمہ افتؤمنون ببعض الکتاب

وتکفرون ببعض کاشف حال ایشان است وہمیں مذہب مرکب لاز ایمان وکفر مشرب یہود نصرانیت مے دانستند وآنچہ از فضائل ومناقب یہود ونصاریٰ در توریت وانجیل مذکور بود جا بجائے خود را محمل مناقب مذکورہ مے شمردند حق جل وعلیٰ در رد ایشان این آیت فرستاد۔

قالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ قل اتخذتم عند اللہ عھدا فلن یخلف اللہ عھدہ ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ الخ

زیادہ والسلام مؤرخہ ۵ جمادی الاول ۱۲۴۶ھ فقط

اس کے بعد ہم وہ فتویٰ درج کرتے ہیں جو مولانا ممدوح نے اپنے خط سے لکھ کر کے اپنے دوست مکتوب الیہ کے پاس بھیجا تھا، بلفظہٖ اس فتویٰ تیموری کی نقل درج ہے۔

استفتاء امیر تیمور در باب ہیئت شہر دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چہ فرمائند علمائے دین محمدی وفقہائے شرح مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اندریں مسئلہ کہ شہرے از شہرہائے مسلمانان کہ آنجا والی وقاضی وعلما وسادات ہستند وفسق وفجور وامور نامشروعہ باعلان واظہار کنند وخاتون خوبصورت چہرہ را آشکارہ کردہ دوکان کردہ آن جا بنشانند وروز وشب آنجا زنا کنند ودر رہانہائے ایشان را بحضور مسلمانان وعلما مغنیان با دہل ودف ونائے احضار کنند وتغنی فرمایند

وعورات معینه را آشکارا در مرداں و مستاں و مفسداں و مستورات دارند بفساد
مشغول شوند و بر مهمانی (دعوت) که بر وفق سنت محمدی است چنانچه ولیمه بعد شب
نکاح و عقیقه هفتم روز از ولادت نکنند بلکه بر عکس آں بر مشابهت رسم کفار هند
پیش از نکاح چند روز مهمانی کنند و شب ششم یعنی چھٹی از ولادت چنانچه رسم کفار هند
ست عورت را غسل دهند و مزامیر و مغنیه را احضار کنند و تمام رسوم باطل کفار را
اعانت کنند و اگر مسلمانے بر وفق دین محمدی الیشان را منع کند منع نشوند و هم برآں
مصر باشند و گویند که بے چنیں طائفه مفسده و رسوم باطله ایں کار میسر نمے شود ایں
محض کفر است و نیز دوکان ها رامیان چار سوئے بازار بنا کنند و آشکارا آنجا جمیع
چیز جائز و ناجائز فروشند خوکاں را آشکارا در آبادی شهرها بدارند و آں شعار
کفر ست و نیز در بازارها و خرابها (شراب خانے) و گذرهائے آب (گھاٹ) شنگار را
(عاملان محصول چنگی) تعیین کنند و باجهار (محصولات) در ایں ها بخلاف شرع انور وضع
نمایند تا از تجار و غازیان و رعایا و اهل سوق بظلم و تعدی تمام مالهائے ناحق بستانند و
آں را حق خود دانند و از بعضے محل آں چه من حیث الشرع مے آید چنانچه جزیه و جنس
غنائم آں را بر ثوت نگذارند و آں را جز بر احسان تصور کنند و بر آں ثواب دارند و نیز
بعضے مستحقان از اهل کفار از اهل علم و جهل و عمل را صد چند کفایه زیاده بدهند و از بعضے
حق در آں باں مقدار که کفایت او ست باز دارند و نیز عهده داراں بعد کفایه از
بیت المال چنانچه قاضی و محتسب و امیر شحنه و رئیس و کوتوال اخذ رسومات و عقدانه
و هبجلات کنند و آں ناحق را از هوائے نفس و جهل مستحق حق خود دانند و ایں کفر است
و نیز مرداں لباس ابریشمی و انگشتری زریں (سونے کی) به تفاخر بر خلاف سنت بر

مشابہت کفار پوشند و بند دستار برخلاف سنت بمشابہت اغنیا بر بندند و چوں ایشاں را ازاں منع کنند گویند کہ مایاں غازیاں ہستیم ممنوعات شرعی بر ما مباح است وہم دراں مصر باشند وایں سبب زوال ایمان است پس اگر پادشاہ قاہر بر کہ در نیا باشد و بر ایشاں ثبوت مے شد ایں کارہائے مے کنند وایں رسوم باطلہ کہ از شرع دور و بہ تکفیر نزدیک است مے پردازند والسان منع نشوند وہم بر آں کار مصیر باشند بر ایں پادشاہ قاہر باہر واجب است بلکہ فرض است کہ برائے اعزاز دین محمدی لشکر ہا کشند و بآں مسلماناں بہ تیغ محاربہ نمائند وایشاں را بکشند و زناں و فرزندان ایشاں را آسیر نمائند وآں ولایت را خراب سازند تا آں رسوم باطلیہ بالکلیہ برافتد و دین محمدی اعزاز پذیرد و تا بلاد ہائے دیگر خلق انتباہ شود و مسلماناں دیگر کہ از یں نوع مے کردند متنبہ شوند وازاں باز مانند۔ آں بادشاہ قاہر باہر دریں کار مثاب باشد عند اللہ العظیم بیانہ۔ اجابوا جواب باشد و اللہ اعلم دستخط و مہر عبد الرشید ابن قطب الدین الہروی محمد بن طاہر البخاری الماوراء النہری عبد العزیز بن قطب الدین الہروی علی بن عبد الکریم الاصفہانی یحیٰی بن جنید الکوفی۔ ابوبکر بن ابی القاسم البغدادی من کتاب الفج العمیق عبد الجبار بن یوسف النجار۔ یوسف بن محمد السمرقندی احمد الہروی مظفر بن منصور البلخی نظام الدین بن تاج الہروی۔ فقط''۔

ہمارے مولٰنا ممدوح کے ان دو خطوں اور اس استفتاء سے جو آپ نے اپنے دلائل جہاد قوی کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ صاف ہویدا ہوتا ہے۔ کہ آپ کا عملی زندگی احکام شریعت کے دائرہ میں گذارنے کا خیال کتنا واثق اور کس درجہ استوار تھا۔ کن کن باتوں کو ناجائز اور کن کن اعمال کو جائز قرار دیتے تھے جو یادِ

شہید کی سوانح عمری کو بغور دیکھے گا۔ تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ بچپن سے وقت وفات تک جس شخص کی زندگی بالکل احکام نبویہ کی متابعت میں گذری۔ وہ شخص اسمٰعیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پوتا تھا۔ ہم جس غرض سے یہ سوانحعمری لکھتے ہیں گو اس کے سمجھنے والوں کے لیے وہ عمیق تر ہے مگر ظاہرا ہمارا منشا بہت بڑا یہ ہے کہ اس بزرگ قوم اور رکن اسلام کی نسبت بعض مسلمان اپنی نادانی یا غلط فہمی یا ہٹ دھرمی یا بے جا تعصب سے جو سوء ظن رکھتے ہیں۔ وہ بالکل مٹا دیا جائے اور پبلک کے سامنے اس کے ذاتی جوہروں کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے کہ پھر اس کے قبول کرنے میں دشمن کو بھی چارہ نہ ہو اور اس بزرگ نفس کی سچی شان عالم پر ظاہر نہ ہو جائے؛

میں نے جہاں تک ممکن ہوا اس بزرگ کے حالات کو اختصار کا جامہ پہنایا ہے۔ ورنہ اگر اس کے حالات اور بھی مفصل لکھے جاتے تو اس جیسی چار کتابیں تیار ہوتیں۔ بہرحال ناظرین کی طبع کا خیال کر کے یہ سوانحعمری نہایت اختصار سے لکھی گئی ہے۔ اور اس کا انصاف پبلک پر چھوڑ دیا گیا ہے؛

اس کتاب کے لکھنے سے میری غرض واہ واہ سننے اور اپنی تعریف میں لوگوں کو رطب اللسان دیکھنے کی ہرگز نہیں۔ خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے صرف غرض یہ ہے کہ ہمیں اس بزرگ قوم کی سوانحعمری سے پورا علم ہو جس نے اپنا دھن من تن قوم پر قربان کر دیا۔ اور اس پر ایسا احسان کیا کہ وہ قیامت تک اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتی؛

خوف تھا کہ اگر ایسے جلیل القدر واجب الاحترام شہید کی کوئی یادگار قائم

نہ ہوئی تو ضرور ایک نہ ایک دن زمانہ اسے بھلا دیگا۔ الحمدللہ پھر سے نئی زندگی پیارے شہید کو ملی۔ اور قرآن کا وہ فیصلہ کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بالکل صادق آگیا۔ مجھے اپنی اس جانکاہی پر نہ کچھ فخر ہے نہ ناز ہے نہ میں قوم سے اس کا صلہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میرا فرض تھا میں نے پورا کر دیا۔ پھر قوم پہ یا کسی پر احسان ہی کیا ہوا خدا سے اگر ہے تو صرف یہ دعا ہے کہ قوم میں یہ کتاب مقبولیت کا جامہ پہنے اور مسلمان اسے دلچسپی سے پڑھیں۔ آمین ثم آمین ؛

اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں عالی جناب حضرت سید احمد صاحب کی مختصر سوانحمری ہے۔ چونکہ دونوں امیر و ماموں کی زندگی کا بہت سا زمانہ یکساں اور ایک ہی حالت کا گذرا ہے۔ یعنی ابتدائے جنگ سے شہادت تک جو حالات قلمبند ہو چکے ہیں وہ دونوں ہی امیر و ماموں پر صادق آتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ دلچسپ نہ ہوگا اگر بہ تبدیل الفاظ سید صاحب کی سوانحمری میں بھی وہی باتیں درج کی جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حالات زندگی میں وہ باتیں درج کی جائیں جو نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اور جن سے اس محترم سید کی روشن ضمیری اور لاثانی شرعی زندگی کا سچا نمونہ معلوم ہوتا ہے ؛

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حصّہ دوم

مولٰنا سیّد احمد شہیدؒ امیر المجاہدین کی مختصر سوانحعمری

پیدائش ۔ طفولیت ۔ تعلیم

حضرت سید احمد صاحب جنہوں نے سرحدی جنگی تاریخ میں بہت بڑا نام پایا۔ بماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ھ مطابق سنہ ۱۷۸۶ء رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بہت بڑا نامور اور عالم مشہور تھا سید محمد عرفان صاحب آپ کے والد بزرگوار تھے جن کی شرافت ایمانداری اور علم کی اہل بریلی قدر کرتے تھے آپکے نانا سید ابو سعید ایک فقیر طبیعت بزرگ تھے۔ جن کی محتاط زندگی اور اتقا پرہیزگاری نے نہ صرف ان کی شہرت کو رائے بریلی کی چار دیواری یا حدود میں بند رکھا بلکہ دور دور آپکے تقدس اور پاکی کی ناموری نے آپکے خاندان سادات کی بزرگی میں اور بھی جان ڈال دی۔ دہلی میں شاہ عبد العزیز صاحب سید ابو سعید کو خاص اور اصل سید واجب الاحترام جانتے تھے۔ اسی طرح بزرگ سید کے حقیقی چچا سید ابو النعمان نے قرب و جوار کے مسلمانوں کی تسخیر قلوب میں سب سے زیادہ ناموری حاصل کی تھی۔ غرض یہ بزرگ سید صاحب جس پر ہمیشہ تاریخ کی روشنی چمکے گی۔ اس معزز

خاندان میں پیدا ہوا۔

جب آپ کی عمر کچھ مہینے اور چار برس کی ہوئی تو حسب معمول مکتب میں قرآن شریف پڑھنے کے لیے بٹھا دیا گیا۔ مگر یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اس بچہ نے تعلیم کی طرف اپنی توجہ مطلق مبذول نہیں کی۔ بچپن کے حالات گو کسی ایسے سلسلہ سے ہمیں نہیں پہنچے کہ ہم انہیں بے کم و کاست یقین کر لیں۔ پھر بھی ہمیں جو کچھ تحقیق ہوا ہے جس کے صدق و کذب کا خدا کو علم ہے۔ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے ناظر سوانح کو دلچسپی ہوگی۔ سید احمد صاحب کا بچپن معمولی کھلنڈرے بچوں کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ مسکینی، غریبی، کم بولنا، آہستہ سے بات کرنا۔ یہ تمام صفتیں جو بچہ میں بہت کم دیکھی جاتی ہیں بزرگ سید میں موجود تھیں۔ واجب الاحترام سید یتیم نہ تھا۔ مگر اس کی غیر معمولی مسکینی اور ہر بات پر بجا و درست کہنے۔ اور گردن نیچی کر کے جواب دینے نے اس کو ناظر کی نگاہ میں یتیم بچوں کی طرح ثابت کر دیا تھا۔

عموماً وہ ناز بھرے جملے جو چھوٹے بچے اپنے والدین سے کرتے ہیں۔ بات بات میں مچل جانا۔ قدم قدم پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے چلنا، اپنے والدین کو ناز بردار سمجھ کر ان کی گودی میں لوٹ جانا۔ ہر خواہش کو بہت آزادی بلکہ خود احسان رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کرنا اور اگر ان سے پوری نہ ہو سکے تو ضد کر کے اس کی تعمیل پر مجبور کرنا۔ کھلنڈرے بچوں کی طرح بستہ کو ادھر ادھر چھپا کر اپنے ہم عمروں کے ساتھ باغوں کی سیر کو نکل جانا۔ وہ ناز بھری خوش نما ہٹیں جو عموماً بچے والدین سے کرتے ہیں ان پر مصر ہونا۔ غرض یہ تمام معمولی باتیں جنہیں عموماً ہر بچہ

غیر معمولی رنگ میں اپنی ٹوٹی ہوئی زبان اور اپنی بھولی بھالی صورت سے پیش کیا کرتا ہے۔ بزرگ سید میں کوئی بات بھی ایسی نہ تھی۔ وہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا اور اس کی یہ خاموشی کوئی ربانی نکات اپنے میں مضمر نہیں رکھتی تھی۔ مگر اس کی حلیمی مزاج کی صاف شہادت دیتی تھی۔

جہاں تک ہم اس کے بچپن کے حالات پر غور کرتے ہیں۔ کوئی غیر معمولی بات تو نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں یہ ضرور خیال میں آتا ہے۔ کہ اس کی زندگی سود و سو نہیں بلکہ ہزار دو ہزار بچوں میں نئی طرز کی تھی۔

بہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پہلے درجہ کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے۔ کبھی کچھ آئے جائے گا نہیں۔ میں ذہن کی بابت کوئی نئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ صرف اس قدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ سید کی بچپن میں کیا پوری عنفوان جوانی میں بھی لکھنے پڑھنے کی طرف طبیعت رجوع نہ تھی۔ آپ کا خاندان گو کسی زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا دولت مند اور صاحب اقتدار تھا۔ مگر زمانہ کی نابکار اور غیر خوش آئندہ رفتار نے دولت کے لحاظ سے بہت ہی محدود کر دیا تھا۔ بزرگ سید اپنی پیدائش اور بچپن میں پھر بھی غنیمت تھا کہ عزت سے گھر بیٹھے روٹیاں کھاتے تھے۔ مگر جوں جوں بزرگ سید بڑا ہوتا گیا۔ دولت کی کمیاب تصویر آنکھوں کے آگے گردش لگاتے لگاتے غائب ہونے لگی۔ اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صرف ایک پرچھائیں سی نظروں کے سامنے رہ گئی اور باقی خیال ہی خیال اصلی صورت کا دل و دماغ میں جاگزیں رہا۔

سید صاحب کی لکھنے پڑھنے کی طرف اس قدر بے توجہی اس کے بزرگ باپ کے دل میں اپنی فلاح اور معززہ کنبہ کے نام کو برقرار رکھنے سے مایوسی کی طرف پھیر دی۔ والدین خواہ غریب ہوں یا امیر ان کی آرزو میں اپنے ہونہار نوجوان بچوں کی کوششوں پر موقوف ہوتی ہیں۔ اگر وہ دولت مند ہوتے تب بھی اپنا نام بلند ہونا اپنے بچوں سے چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ امیر نہ ہوئے تو پھر یہ خواہش رہتی ہے کہ جب ہمیں ہمارے پیر جواب دیں گے تو ہمارے نوجوان بچے ہماری پرورش کریں گے۔

غرض جب پیارا سید مکتب میں بٹھایا گیا ہے۔ تو اس نے قرآن مجید عمدہ طور پر پڑھ لیا۔ اور بہ نسبت اور بچوں کے اسے یاد بھی خوب تھا۔ استاد بہت خوش تھا اور تعریف کیا کرتا تھا۔ کہ کبھی یہ بچہ اپنے سبق یاد کرنے پر گھرکی اور مار نہیں کھاتا۔ گھر میں ہر متنفس خوش تھا۔ اور سید کو ذہان طبع اور پڑھنے کا شوقین سمجھتا تھا۔ مگر جب قرآن ختم ہو چکا اور کریما خالق باری وغیرہ کی نوبت آئی تو بارہ حکم نادار کا مضمون تھا۔

کریما کا پہلا مصرع خاصہ عمائیہ ہے۔ مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا۔ اس پر بھی کبھی کریما بھول گئے تو کبھی برحال ما کو دل سے محو کر دیا۔ اب تو میاں جی کے ہوش اڑے کہ قرآن پڑھنے میں تو یہ بڑا ذہین تھا۔ کتاب میں اسکیا ہو گیا۔ بہتیرا سر پٹکا اور مغز پچی کیا۔ بزرگ سید کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔

یہ نہیں تھا۔ کہ پیارا اور واجب الاحترام سید سبق کے یاد کرنے میں محنت نہ کرتا ہو۔ اور شرارت سے ڈھیٹ بنا خاموش بیٹھا رہتا ہو۔ نہیں وہ بخوبی محنت

بھی کرتا تھا۔ میاں جی کے کہنے کے موافق مکتب کے وقت کی بھی پابندی کرتا تھا
اس پر بھی اسے یاد نہ ہوتا تھا۔ اس کے ذہن اور یادداشت کا یہ اتار چڑھاؤ
دیکھ کے یہ خیال آتا تھا کہ جیسے چلتی گاڑی میں کوئی روڑا اٹکا دیتا ہے۔ اور پھر وہ
بیلوں کی طاقت سے بھی نہیں چلتی سوائے اس کے اس پر انتہا درجہ کا زور لگایا
جائے تو یہ دو چار انچ زمین سے رگڑ کھاتا ہوا بمشکل آگے بڑھے گا یہی کیفیت
بزرگ سید کی تھی جب وہ ایک ایک جملہ کو گھنٹوں جپتے جاتا تب کہیں کسی قدر یاد
ہوتا تھا اور دوسرے دن تماشا یہ تھا کہ وہ بھی چوپٹ جب یہ کیفیت ہوئی تو والدین
اور میاں جی کی تنبیہ بڑھنے لگی۔ اور گھر کی جھڑکی آنکھیں نکالنے سے گذر کر مار پیٹ
پر نوبت پہنچ گئی۔ اس سے بھی والدین کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ جب انہوں نے
یہ دیکھا کہ قدرتی طور پر اس کے دماغ میں قفل لگ گیا ہے اور یہ کسی طرح کی تنبیہ
سے بھی نہیں پڑھ سکتا تو ناچار ہو کر پڑھنے سے اُٹھالیا اور زیادہ جبر کر کے
معصوم جان کو گھلنے نہ دیا کیونکہ اس چند مہینے کے عرصہ میں پیارا سید دبلا اور زرد
رو بہت ہوگیا تھا۔ اسے خود ہی اپنی طبیعت کی اس غنچہ دہنی کا بڑا رنج تھا۔
اور تنبیہ والدین وغیرہ کو بہ نسبت اور بچوں کے زیادہ معلوم کرتا تھا الحمدللہ کہ بزرگ
سید کے ہوشیار اور عقلمند والدین نے چند روز کے بعد ناگوار تنبیہ و زجر و تقید سے
مطلق آزاد کر دیا اور اسے طبیعت پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے اسے اختیار ہے
بزرگ سید جیسا کہ ابھی ہم لکھ آئے ہیں کھلنڈرا نہ تھا جب اسے کامل آزادی مل گئی اپنے
گھر میں رہنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اختیار کیا کئی برس یونہی گزر گئے گو وہ قرآن
سمجھتا نہ تھا کیونکہ اسے بامعنی قرآن ملکی دستور کے موافق نہ پڑھایا گیا تھا۔

پھر بھی بچپن کی معصوم طبیعت پہ کلام اللہ کے ہر ہر لفظ کا ایسا زبردست اثر پڑتا تھا کہ وہ بعض وقت بے اختیار رونے لگتا تھا جب سید ابو النعمان صاحب نے یہ دیکھا کہ میرے کم عمر بھتیجے کو قرآن پڑھنے اور اس سے متاثر ہونے کا بہت کچھ مذاق ہے اور اس کے دل پر ربانی کلام کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے تو انہوں نے قرآن شریف کے معنے پڑھانے شروع کیے۔ پڑھانے کے ارادہ کو انہوں نے چند روز کے لیے ملتوی کر دیا۔ انہیں خیال تھا ناحق میرا مغز پچی ہوگا۔ وقت ضائع ہوگا اور کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔ یہی اور لوگوں نے بھی کہا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ معصوم سید کی طبیعت میں ربانی کلام سمجھنے کا پورا پورا مذاق حاصل ہے۔ اور دوسری کتابوں کو اس کی طبیعت قبول نہیں کرتی۔

یہ ہم نہیں بتا سکتے کہ بزرگ سید کا جوہر کن کن آسمانی عنصروں سے بنا ہوا تھا۔ ہاں یہ ہم اس کی لائف دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر اندیش بھولا محتاط زندگی رکھنے والا اور مسلمان کی ہر بات پر اعتبار کرنے والا تھا۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس کے ضمیری جوہر بچپن سے ایسے ہی چمکدار اور تابان تھے اور انہی صفات سے موصوف ہو کر اس نے اپنے چچا سید ابو النعمان سے آخر کار قرآن مجید دوبارہ بامعنے پڑھا۔

قرآن مجید کا بامعنی پڑھنا بزرگ سید کو نئی زندگی کی طرف راہ نمائی کر کے لے گیا۔ پہلی حالت کسی قدر بدلتی ہوئی معلوم ہونے لگی اور چہرہ پر بھی نیا رنگ جلوہ دے گیا پہلے طبیعت میں سکوت سکون خاموشی سلامتی تھی اور اب اس کی جگہ جوش نے اپنا جلوہ کیا۔ بزرگ سید گھر میں زیادہ بیٹھنا اچھا نہ سمجھتا تھا بلکہ اب

وہ بازاروں میں گشت لگانے اور ادھر ادھر لوگوں سے ملنے اور اکثر باتوں پر اپنی عمر کے مطابق نصیحت کرنے میں اپنا وقت صرف کرنے لگا۔ وہ رہبانی زندگی کو اچھا نہ سمجھتا تھا۔ اب اسے قرآن مجید کے معنی پڑھ کر یہ یقین ہو گیا کہ انسان دنیا میں ذاتی اغراض میں پھنسے رہنے اور ذاتی نفع کو ملحوظ خاطر رکھنے کے پیدا نہیں ہوا بلکہ منشائے الٰہی انسان کی پیدائش سے صرف یہ ہے کہ وہ بنی نوع کی خدمت کرے اور خدا کی مخلوق کی بہتری اور ترقی دینے میں جمیل کوشش عمل میں لاوے۔ اب دماغ کی وہ کیفیت بھی نہ رہی تھی کہ کوئی بات سوائے کلام اللہ کی آیت کے یاد نہ رہتی ہو بلکہ اس کے خلاف زبانی ہر علم و فن کی صدہا باتیں یاد ہونے لگیں۔ پہلے ضمیر میں یہی قابلیت تھی کہ وہ ربانی آیت کے آگے دوسرے اقوال کو قبول نہ کر سکے مگر اب بمقتضائے فطرت انسانی اس میں اور باتوں سے دلچسپی لینے اور ان سے نتیجہ نکالنے کا مذاق بڑھ گیا۔ اور ہر سوسائٹی میں شریک ہونے اور اس سے کوئی عمدہ بات اپنے لیے پیدا کرنے کی لیاقت پیدا ہو گئی :

اس عرصہ میں کہ آپ کی عمر پوری سترہ ۱۷ برس کی بھی نہ ہوئی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ شفقت بھرے باپ کا یوں گذر جانا ایک فرمانبردار مطیع بچہ کے حق میں بہت سخت ہوتا ہے۔ سید صاحب کو رنج تو بہت ہوا مگر دھن ایک نئی لگی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ہو اپنے غریب بھائیوں کو مدد دی جائے۔ والدہ ماجدہ ہنوز زندہ تھیں۔ اور آپ کے ماموں بھی لوجہ دینے تھے جو گھر کے اخراجات اور انتظامات کے کفیل بن سکتے۔ جوش ہمدردی نے تمام کنبہ کی غیر معمولی محبتوں کو دل سے محو کر دیا اور اب نوبت بایں جا رسید کہ آپ کے دل میں یہ خیال

پیدا ہو گیا۔ جس طرح ہو سکے کچھ تحصیل کروں اور اپنے بھائیوں کو اس سے مدد پہنچاؤں۔

سفر لکھنو

اس عرصہ میں آپ مختلف شرفا کے حلقوں میں ملتے رہے۔ ایک دن چند ہمعصروں میں یہ مشورہ ہوا کہ کچھ تحصیل علمی اور روزی کے لیے باہر چلنا چاہیے وطن میں پڑے رہنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ ان کے دل میں یہ خیال غیر معمولی طریقہ سے اٹھا ؎

وطن میں سست اور کاہل پڑے رہنے سے ہے خوشتر ؎ کہ چل کے دیکھیں دنیا کے ذرا سیر تغزا منظر

وہ آمادہ ہوئے کہ ادھر ادھر پھر کر کچھ تلاش معاش کریں۔ اس مشورہ میں سید صاحب بھی شریک تھے۔ آپ روزگار کے تو خواہش مند نہ تھے صرف یہ چاہتے تھے کہ ایک غیر معمولی آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے اس کی کسی طرح تسکین ہو۔

سید صاحب کے سوا اور جتنے آپ کے دوست تھے اپنے زمانہ کے موافق لکھے پڑھے اور دو چار ہنروں میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ سید صاحب حافظ قرآن نہ تھے مگر بہت سی آیتیں آپ کو یاد ہو گئی تھیں۔ اور آپ نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔

اٹھارہ انیس برس کی عمر ہو گی کہ آپ اول ہی بار رائے بریلی سے روانہ لکھنو ہوئے۔ اس سے محض بے خبر تھے کہ شیعہ، سنیوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور ان کے تعصب کی کیا کیفیت ہے۔

ابھی تک سید صاحب کو شیعہ اور سنی کے تمام و کمال جھگڑے کا بھی علم نہ تھا

وہ جانتے ہی نہ تھے کہ شیعوں کے اصول مذہبی کیا ہوتے ہیں۔ اور سنیوں کے ارکان مذہبی کیا ہیں۔ صرف نماز پڑھنا روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا قرآن پڑھنا نبی اور اس کے چار صحابہ کو برحق سمجھنا۔ اسی طرح اور بھی دو چار باتیں یاد تھیں۔ جو معمولی لکھے پڑھوں کو یاد ہوتی ہیں۔ اور بیچارے زیادہ مذہبی پیچیدگیوں سے نہ خود واقف تھے نہ ان کے اور دوست۔

غرض بخیر و عافیت سید صاحب معہ اپنے پانچ چھ ساتھیوں کے لکھنؤ پہنچے۔ اس وقت لکھنؤ پورے عروج پر تھا شیعوں کی قوت سلطنت اور قوت تعصب کا پورا زمانہ تھا اور تمام ان کی مذہبی باتیں خوب چمک رہی تھیں۔ جب یہ چھ سات آدمی لکھنؤ پہنچے ہیں تو انہوں نے پہلے سرائے میں قیام کرنا بہتر سمجھا۔ سید صاحب کے والد اور چچا کے کئی دوست یہاں موجود تھے مگر آپ نے گوارا نہ کیا کہ کسی پر جا کر ڈھیا دوں۔

سید صاحب کو ذاتی طور پر روزگار کی ذرا بھی خواہش نہ تھی آپ کی غیر محدود آرزوئیں اور ضمیری غیر معمولی جوش نوکری سے سرد نہ ہو سکتے تھے ان کے لیے ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت تھی جو انہیں اطمینان کا جامہ پہنا کر دوسرے عملی راستہ پر لگاوے۔ سید صاحب نے فی الحال اپنے دوستوں کو تلاش روزگار میں جانے کی اجازت دی۔ اور آپ بھی لوگوں سے ملنے اور سیر دیکھنے کے لیے ادھر ادھر پھرنے لگے۔

افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بے چارے ساتھیوں کو سخت ناکامی ہوئی جس جگہ وہ جاتے تھے پہلے ان سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ شیعہ ہو یا خارجی

اگر اس نے کہہ دیا کہ میں شیعان علی میں سے ہوں اور اپنے بزرگوں پر دو تین تبرّے بھی اس نے بھیج دیئے۔ تو اس پر یہ سوال کیا جاتا تھا۔ کہ تمہیں گانا ناچنا کیسا آتا ہے۔ کہاں تک ایک بیہودے سے پھکڑ بازی کر سکتے ہو۔ مسخرے پن میں کیا صفت رکھتے ہو۔ آیا روتے کو ہنسا دو گے اگر یہ سب باتیں آتی ہیں تو اپنے استادوں کا نام بتاؤ تاکہ اطمینان خاطر ہو اور پھر زمرہ ملازمین میں نام لکھ لیا جائے

عموماً ہر خواہان ملازمت سے زیادہ تر یہی سوالات کیے جاتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان فنون اور طبلہ سارنگی میں اول نمبر ہوا وہ تو مصاحب خاص بنا لیا گیا اور اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو اسے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ جانور پیدا ہی کیوں ہوا جب یہ باتیں نہیں آتیں نالائق سے کہو کہ زندہ ہی کیوں رہتا ہے۔ جناب امیر کی قسم جس میں یہ صفتیں نہیں وہ منہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔

جب سید صاحب ایک امیر کے ہاں گئے ہیں تو اس امیر نے پہلا سوال یہی کیا تھا کہ آپ خارجی ہیں یا شیعان علی میں سے ہیں یہ دونوں الفاظ آپ کے کانوں میں بالکل نئے تھے خارجی کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا گو شیعہ کے لفظ سے پوری شناسائی تھی۔ مگر شیعان علی کا جملہ ابھی تک کان میں نہ پڑا تھا۔ آپ بڑے پریشان ہوئے کہ جو کچھ اس نے سوال کیا ہے خبر نہیں اس کے کیا معنی ہیں بہر حال یہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ نئی لغات میں مذہب کی بابت دریافت کرتا ہے۔ آپ نے صاف جواب دیا۔ میں مسلمان ہوں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا پورا ایمان ہے۔ قرآن کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں شب و روز میری تلاوت میں رہتا ہے۔ امیر نے سید احمد صاحب کی جب یہ تقریر سنی تو وہ اپنے دل میں بہت خوش ہوا اور وہ یہ سمجھ کر کہ یہ بھولا بھالا نوجوان

ہے۔ ضرور مومن یعنی شیعہ بن جائے گا۔ اس نے یہ کہا کہ میاں صاحبزادہ اگر تم اپنی نیک چلنی کی ضمانت دو تو ہم تمہیں اپنی مصاحبت میں ملازم رکھتے ہیں۔ سید صاحب کو یہ سن کر کچھ مایوسی سی ہوئی اور امیر کی ناتراشیدہ طبیعت پر افسوس کر کے کہا مسلمان اور وہ بھی سید کبھی جھوٹ نہیں بولتا ہم پردیس میں کس کی ضمانت لائیں۔ خدا ہمارا سچا ضامن ہے۔ سید احمد صاحب کی یہ سرگرم اور القطاعی تقریر سن کر بجائے خوش ہونے کے رنجیدہ ہوا اور اس نے اپنی ذاتی خباثت سے یہ جملہ کہا سنی نہ کبھی سچ بول سکتا ہے اور نہ کبھی سید ہو سکتا ہے۔ سید صاحب آنکھوں میں آنسو بھر کر واپس چلے آئے۔

زمانہ بھر کی ناہنجاریاں لکھنو کو اس زمانہ میں حاصل تھیں وہ باتیں جن سے ہر زمانہ میں اور ہر عصر میں ہر قوم اور قوم کے ہر فرد نے نفرت کی ہے وہ لکھنو والوں کو شیر مادر کی طرح حلال اور ضروری تھیں۔

بارہ خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں ایک علیحدہ محل میں بارہ اماموں کی بیویاں بنا کر رکھی جاتی تھیں۔ اور اگر ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کے ہاں ناجائز طریقہ پر کوئی اولاد ہوتی تھی۔ تو وہ صاف کہہ دیتی تھی شب کو بارہ اماموں میں سے فلاں امام میرے پاس آیا تھا۔ یہ بات فوراً یقین کر لی جاتی اور جب بچہ پیدا ہوتا اس کے آگے سجدے کئے جاتے۔ اور خبر نہیں اسے کس درجہ کا معبود مانا جاتا تھا۔

نصیرالدین حیدر اور نواب واجد علی شاہ وغیرہ کی پندرہ پندرہ سو بیویاں تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص ہرگز اتنی عورتوں کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ نواب صاحب اپنی دس بیس بیویوں کے سوا پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ ملازمہ ہے

یا میری بیوی ہے۔ ایسی حالت میں کہ نواب صاحب نے اپنی بیوی کی صورت نہ دیکھی اور اولاد ہو گئی پھر نواب صاحب کو خبر ہوئی اور بیگموں کے عام دربار میں اس بچے والی بیگم سے سوال کیا گیا کہ تیرے ہاں یہ بچہ کہاں سے ہوا۔ تو وہ صاف طور پر بڑی دلیری سے یہ کہتی تھی کہ حضور نے بھی اب یہ طریقہ برتا ہے۔ جو بات کرتے ہیں تجاہل عارفانہ کے بغیر کرتے ہی نہیں خود خواب میں آکر سرفرازنہ لونڈی کو کیا۔ اور جان بوجھ کر دریافت فرماتے ہیں کہ یہ بچہ کس کا جنی۔ حضور یہ آپ ہی کا غلام ہے۔ یہ سنتے ہی نواب صاحب خوش ہو جاتے اور اپنی بیداری اور خواب کی یکساں حالت پر آگاہی پاکر اپنی روشن ضمیری کے قائل ہوتے تھے۔ ہر امیرزادے وزیرزادے کا برہنہ مادرزاد عورتوں کے ساتھ ناچنا اور خلاف فطرت انسانی اور خلاف قوانین قدرت ان سے باتیں کرتا۔ انتہا درجہ کی ایک متبذل قوم کا دنیا میں نقشہ کھینچتا ہے ہم نے اپنے دیباچہ میں محمد شاہی دربار کی جو کیفیت لکھی ہے۔ اس سے بھی لکھنو کی حالت سوا تھی۔ اس تمام بدتہذیبی پر ایک بڑا غضب یہ تھا کہ یہ لوگ پیشوایان دین کو گالیاں دینی اپنی نجات کا سبب جانتے تھے۔ ایک دن ان تمام باتوں پر اطلاع پاکر سید احمد صاحب نے ایک شیعی بچہ سے دریافت کیا آخر ان افعال شنیعہ کی کوئی حد بھی ہے خدا کا ذرا بھی خوف اور قرآن شریف کے روشن احکام کی ذرا بھی پرواہ نہیں رہی مرنا بھی سمجھ رکھا ہے یا نہیں یہ سن کر شیعی بچہ نے جھنجلا کر جواب دیا نہیں اپنے مذہب پر اسی لیے تو بڑا ناز ہے کہ چاہے ہم اس سے بھی زیادہ افعال قبیحہ کریں ہمیں ایک لٹکا ایسا آتا ہے کہ وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سید احمد صاحب نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔ کیا آپ مجھے بھی وہ لٹکا بتائیں گے جو ان کیسو گناہوں

کواس آسانی سے دھودیتا ہے۔ اس نے بلا تامل نبرے کی طرف اشارہ کیا اور چند ناتہذیب باتیں بھی بکنے لگا۔ جس کا منہ سید صاحب نے فوراً مسوس دیا۔ اگر دو تین راہ گیر نہ چھڑا دیتے تو سید صاحب کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ وہ اسے مار ڈالتے ۔

سید احمد صاحب نے جب تمدنی اخلاقی، مذہبی خیالات کو ناگفتہ بہ حالت میں دیکھا اور ملاحظہ کیا کہ شریعت غرا کو یہاں پاؤں سے کچلنے کی کوشش کی جا رہی ہے نہ مجتہد کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر ہے نہ شاہ کو معلوم ہے کہ میری عملداری میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو یہاں کا قیام سخت ناگوار گذرا۔ سید احمد صاحب کو نہ دولت کی خواہش تھی نہ وہ شیعہ بن کر دربار میں کوئی عہدہ لینا چاہتے تھے۔ انہیں نہ ولی بننے کا شوق تھا۔ آپ کی عین خواہش یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی کچھ ناخن بندی ہو جائے اور پھر میں کسی ایسے راہ نما کی تلاش کروں۔ جو میری تسکین کا باعث ہو اور یہ غیر معمولی آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے کسی خوش آئندہ پاک جوش میں بدل جائے ۔

سید احمد صاحب کی اسی اثنا میں اپنے ایک سید بزرگ سے ملاقات ہوئی جو آپکے والد کا بہت بڑا دوست تھا۔ وہ سید احمد صاحب کو دیکھتے ہی اپنے گھر لے گیا۔ اور بڑی خاطر و مدارات کے بعد لکھنؤ آنے کا سبب دریافت کیا آپ نے ساری کیفیت بیان کردی۔ اور جو کچھ لکھنؤ کی بابت سنا تھا اور لڑکے سے گفتگو اور دہشت مشت ہوئی تھی سب ذکر کردی وہ بزرگ سید مسکرا کر کہنے لگا کہ جو کچھ تم نے سنا ہے۔ وہ بہت کم ہے۔ یہاں تو اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ماں بہن بیوی میں دن بدن تمیز اٹھتی جاتی ہے۔ روزمرہ دو تین اسی قسم کی باتیں میرے کانوں میں پڑتی ہیں۔ پیارے سید احمد یہ شیعوں کی سلطنت ہے۔ اگر تمہیں یہاں رہنا

ہے۔ تو غصہ کو ضبط کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم ایسی باتوں کو ضبط نہیں کر سکتے ہو۔ خدا کیلئے یہاں رہنے کا ارادہ نہ کرنا اس پر تم یہ ضرور سوال کروگے کہ ایک مسلمان کی یہ حمیت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت گالیاں سنے اور کچھ نہ کہے۔ تم بھی عجب سرد دل مسلمان ہو کہ تم پر بالکل اثر نہیں ہوتا۔ تو اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ پردیسی کو بہت ستاتے ہیں اور چونکہ پردیسی کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اور نہ اس کی کوئی پشت پناہ ہوتا ہے وہ بے چارہ یہاں آکر اور اپنے کو سنی کہہ کر سخت پریشانی اٹھاتا ہے۔ اور ہم تو سرکاری عہدہ دار ہیں سو دو سو آدمی ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ دو ہزار فوج پر ہیں افسر بھی ہوں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے آگے صحابہ کی شان کی کوئی نامہذب کلمہ کہہ سکے۔ بھائی اگر تمہارا یہاں رہنے کا ارادہ ہے تو اپنے دوستوں کو لے کر میرے یہاں چلے آؤ۔ پھر نہ تمہیں ناشائستہ جملے سننے پڑینگے اور نہ کفر آمیز باتوں سے تمہارا دل دُکھے گا۔

اپنے بزرگ سید کی یہ محبت آمیز اور نصیحت سے بھری ہوئی باتیں سید احمد صاحب نے بغور سنیں اور اپنے دل سے سوال کیا کیا تو راضی ہے کہ ایسے کفرستان میں جہاں کی آب و ہوا سے نجات دی جائےگی۔ دل نے جواب دیا کہ مجھے ایک ایک گھڑی ایک ایک سال ہو رہا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چل دو۔ جب دل نے بہت زور و شور سے یہ شہادت دی تو آپ نے اپنے دوستوں کو اس بزرگ سید کے حوالہ کرکے اور ان کی ناخن بندی کی سفارش کرکے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفرِ دہلی

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سید صاحب میں اول دن سے خدا کی مخلوق سے ہمدردی کرنے کا مذاق اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ کچھ بیان نہیں کیا جاتا۔ اپنے بھائیوں کی بری حالت اور ناروا معاشرت پر بزرگ سید نے ہمیشہ خون کے آنسو بہائے ہیں اور حتی الوسع ان کی مدد بھی کی ہے۔ ساتھ ہی اس ہمدردی کے عزت بھی بہت بڑی تھی آپ کبھی نہ چاہتے تھے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں یا اپنے کو پیرزادہ مشہور کرکے کسی سے کچھ اینٹھوں۔ یا اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی اور پیری بیان کرکے کسی کا مال ماروں۔ اگر کوئی ذرا بھی احسان کر دیا کرتا تھا تو آپ تمام عمر اس کے شکر گذار بن جاتے۔

یہ زمانہ جب آپ نے اپنا وطن چھوڑ کر لکھنو کا غضب ناک منظر دیکھا ہے اور اب دہلی کی طرف قدم اٹھایا ہے انتہا درجہ کا پُر شباب تھا۔ بایں ہمہ بزرگ سید کی پاک روح عنفوان جوانی کی بھول بھلیوں سے ابھی بہت دور تھی جوانی کے زمانہ کی وہ تاریکی جس میں کچھ نہیں دکھائی دیتا اور انسان بالکل اندھا ہو جاتا ہے۔ بزرگ سید کو نور بن گئی تھی۔ غیر معمولی امنگیں اور غیر خوش آئندہ جوش جو عین عنفوان جوانی کا جزو اعظم اور اصل الاصول ہیں۔ بزرگ سید کی ذات مقدس سے بہت دور تھے۔

غرض سید احمد صاحب میں نوعمری ہی سے ایک ایسا ملکہ تھا کہ جس نے انہیں قوم کی اصلاح کی طرف پورا رجوع کر دیا تھا۔ اور وہ اس حالت میں بھی کہ نہایت

بے سروسامان تھے۔ غربا کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ جب آپ لکھنؤ سے روانہ ہونے لگے ہیں تو آپکے والد کے دوست نے ایک گھوڑا سواری کو اور کسی قدر زرِ نقد دیا۔ آپنے صاف انکار کر دیا کہ میں تکلیف دینے نہیں آیا ہوں فقیر آدمی ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں سفر میں گھوڑا رکھوں۔ مگر اس بوڑھے شخص نے بمنت ہاتھ باندھ کر گھوڑا اور زرِ نقد حوالہ کیا۔ سید احمد صاحب اس پر سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ آپنے کانپور تک پہنچ کر ابھی قیام نہ کیا تھا کہ گھوڑا اور کل روپیہ چار مصیبت زدہ اشخاص کو دینا پڑا۔ جن میں ایک مریض ایک زخمی اور دو بہت بوڑھے تھے۔ اور جن پر تین دن بے آب ودانہ گذر گئے تھے۔ سید احمد صاحب اپنا کل سامان دے کر بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ کہ میری یہ چیزیں ان کے کام آئیں۔ اپنی بے سروسامانی اور پیادہ پائی کا کچھ بھی خیال نہ تھا۔ اور آپ نہایت سرخوشانہ حالت میں دہلی کی طرف قدم زن تھے۔ جب آپ دہلی روانہ ہوئے ہیں۔ پوری بیس برس کی عمر تھی۔

عموماً راستہ میں آپ مسافروں کی خدمت کرتے جاتے تھے اور ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک ضعیف شخص کو تیرہ میل اپنے کندھے پر بٹھا کر اس کے گھر پہنچایا تھا۔

جس کی یہ عجیب وغریب فطرت ہو اس کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر (انگریز) جیسا مغربی عالم ناشائستہ الفاظ استعمال کرے۔ افسوس ہے ان باتوں سے قائل کی نہیں بلکہ اس کی قوم کی تہذیب اور شائستگی معلوم ہوتی ہے۔

راستہ طے کرتے کرتے پاؤں چھلنی ہو گئے تھے۔ اور تلوؤں سے خون بہنے لگا تھا۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو آپ نے ایک سرائے میں قیام کرکے کچھ دن وہاں رہنا چاہا اور ارادہ کیا جب تک پاؤں اچھے نہ ہو جائیں گے۔ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھاؤں گا۔

سرائے کی بھٹیارنی نے نوجوان سید کو اس بے سروسامانی کی حالت میں دیکھا تو شباہت سے سیادت کے آثار نمایاں دیکھے طباق سے چہرہ اور سرخ وسفید گورے رنگ اور فراخ نمایاں پیشانی سے جو آئینہ کی طرح چمک دیتی تھی وہ پہچان گئی کہ یہ ہے تو امیرزادہ۔ شاید والدین سے ناراض ہو کر چلا آیا ہے۔ بھٹیارنی کو یہ کامل یقین ہو گیا از خود اس کے دل میں آیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ تلوؤں سے خون بہتا دیکھ کر وہ آب دیدہ ہو گئی اور سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے یہ عرض کیا حضرت اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے تلوؤں کے زخموں پر دوائی لگا دوں یہ کل تک بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ آپنے انکار کیا اور کہا کہ آپ ہی اچھے ہو جائیں گے جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبور ہو گئے اور اس سے دوائی لگوالی۔ حقیقت میں وہ دوائی ایسی مجرب تھی کہ لگاتے ہی ٹھنڈک پڑ گئی اور شام تک وہ زخم اچھے ہو گئے۔ پھر بھٹیارنی نے کھانا پکا کر حاضر کیا سید احمد صاحب نے فرمایا بی بھٹیارنی میرے پاس پیسہ بھی نہیں ہے کہ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔ میں ایک غریب الوطن شخص ہوں تم ایسے شخص کی خاطر مدارات کیوں کرتی ہو کہ جس سے تمہیں کچھ بھی وصول نہ ہو۔ بھٹیارنی کے دل پر اس تقریر نے اثر کیا وہ بلائیں لے کر کہنے لگی واری جاؤں ایک حقیر مہمانداری کو قبول کر لینا ہی میرے شرف کا باعث ہو گا۔ میری کوٹھڑی میں آپ کا خوش وخرم رہنا

میرے ہاتھ دولت لگنے کا حکم رکھتا ہے۔ سچ ہے خدا اپنے پیارے بندہ کو تکلیفیں دے دے کر آزماتا ہے۔ مگر ان تکلیفوں میں اسے ہلاک نہیں ہونے دیتا نہ ایسی! مصیبت میں پھنساتا ہے کہ اس کے کامل یقین میں کچھ فرق آوے۔ سید احمد صاحب نے مہترانی کی یہ ہمدردانہ تقریر سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ اسے اس قدر روپیہ اس کے عوض میں عطا کیجو کہ یہ نہال ہو جائے یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اسی شب کو اس کی اندر والی کوٹھڑی کی دیوار گری اور ایک ہنڈیا اشرفیوں سے بھری ہوئی برآمد ہوئی مہترانی نے کبھی اشرفیاں خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں اتنی دولت ہاتھ آنے سے پھولی نہ سمائی اور سیدھی وہ ہنڈیا لے کر سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا عرض کیا۔ اشرفیوں کی ہنڈیا دیکھ کر اور اس کی کیفیت سن کر آپ کو دو خوشیاں ہوئیں ایک اپنی دعا کی مقبولیت کی اور دوسری مہترانی کی نیک نیتی کی آپ نے نہایت اولوالعزمی سے وہ ہنڈیا اسی مہترانی کو اٹھا کر دیدی اور کہا جا خدا تجھے نصیب کرے۔ ہر چند اس نے اصرار کیا آپ نے صاف کہہ دیا اس سے زیادہ اگر تو کہے گی تو تیری سرائے سے چلا جاؤں گا۔ آخر وہ ناچار ہوئی اور خاموش ہو کر ایک محفوظ جگہ پر وہ ہانڈی رکھ آئی۔ بعد ازاں جب آپ دوبارہ لکھنو کو آئے ہیں اور راہ میں یہ سرائے آئی ہے تو مہترانی معہ اپنے دو جوان بیٹوں کے جو سفر اول میں نوکری کے تلاش کہیں نکل کر چلے گئے تھے مرید ہو کر ہمراہ قافلہ ہو گئی اور جس دن سید احمد صاحب معہ اپنے جلیل القدر مریدوں کے شہید ہوئے ہیں وہ بھی ایک خونخوار سکھ کی تیغ براں کی شکار ہو کر سید صاحب کے پہلو بہ پہلو دکھائی دیتی تھی۔

الغصہ یہاں آرام کے ساتھ پانچ چھ دن تک سید احمد صاحب رہے بعد ازاں

دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

اور خدا خدا کر کے آپ دہلی میں داخل ہو گئے۔ دہلی کا یہ زمانہ گو دین اور بہت بعیت تمدن کے لحاظ سے سخت بدتر حالت میں تھا پھر بھی مسافر نوازی، غربا پروری بہت تھی خصوصاً شاہ عبدالعزیز کا گھر تو ہر مسافر کے لیے وقف تھا۔ یہاں تک کہ پادری مسیحی فرقہ کے پیشوا بھی یہاں آکر قیام کرتے تھے۔ اور ان کی خاطر و مدارات ایک قابل تسکین طریقہ پر ہوتی تھی۔

جب آپ فرحاں و شاداں دہلی میں داخل ہوئے۔ تو اسی سفری حالت سے سیدھے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا سارا روشن چہرہ غبار آلود ہو رہا تھا۔ سیاہ بالوں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے ہو گئے تھے۔ پاؤں برہنہ تھے بایں ہمہ سر خوشانہ حالت کی تازگی چہرہ پر جلوہ دکھا رہی تھی۔ لبوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ پھر بھی دم خم وہی باقی تھا۔ جب آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب کی صورت دیکھی ہے۔ سفر کے ناگوار مصائب یک لخت شادابی میں بدل گئے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب جنہیں زمانہ بھر کے علوم و فنون کا ایک کامل مجموعہ کہنا چاہیئے۔ صورت دیکھتے ہی تاڑ گئے کہ اس چہرہ پر جس رنگ کی تابانی جھ رہی ہے وہ غیر معمولی ہے آپ اس نوجوان بچہ کی تعظیم کو اٹھ بیٹھے اور معانقہ کر کے اپنے پاس بٹھایا اور تمام حالات دریافت کیے جب سید احمد صاحب کے والد اور چچا کا نام سنا آپ نے دوبارہ سید احمد صاحب سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ اب تو میرا تم سے تعارف نکل آیا۔ تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو اپنے وقت کا ولی تھا۔ اس کا دنیا سے

بے علاقہ ہو کر زندگی بسر کرنا اور زہد و غنا میں اپنی تمام عمر گذارنا ہنوز لوگوں کو یاد ہے اور وہ اسے اسی سبب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان معمولی باتوں کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے آرام کرنے اور کھانا تناول کرنے کا حکم دیا۔ اور اپنی مسجد میں قیام کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

جب کئی دن سید احمد صاحب کو دہلی میں آئے گذر گئے اور سفر کی تکان بالکل اتر گئی تو شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا میاں صاحبزادہ بہتر ہوگا اگر آپ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردو۔ سید احمد صاحب اپنی طبیعت کا مذاق بخوبی جانتے تھے انہیں علم تھا کہ مجھے ہرگز کتابی سبق یاد نہ ہوگا۔ مگر اس خیال سے انکار نہ کیا کہ شاید شاہ صاحب اس طریقہ سے پڑھائیں جس سے سمجھ میں آنے لگے اور خود بخود طبیعت میں سمجھنے اور کتاب پڑھنے کا مذاق آجائے۔

سید صاحب کا عین منشا یہی تھا۔ کہ کسی طرح میں لکھ پڑھ کر فاضل اجل بن جاؤں۔ مگر طبیعت کے رجحان کو کیا کرتے کہ اس طرف رجوع ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ سید احمد صاحب کی اول درجہ کی خاطر منظور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود خواہش کی ورنہ تمام عراق عجم ایران۔ شام وغیرہ سے اسی اشتیاق میں لوگ چلے آتے تھے کسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ پڑھیں۔ سید احمد صاحب نے اپنی خوش نصیبی جانی اور آرزو کی کہ میرا دل کتاب خوانی کی طرف رجوع ہو تاکہ میں بھی شاہ صاحب ممدوح کے زمرۂ تلامذہ میں گنا جاؤں مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا وہ کچھ اور سامان کر رہی تھی، اور کسی اور چیز کی تیاری میں مشغول تھی۔

جب سید احمد صاحب نے شاہ صاحب ممدوح کا ارشاد منظور کر لیا تو آپ نے

ایک ایسا تخلیہ کا وقت تجویز کیا جس میں کوئی دوسرا طالب علم نہ ہو اور خصوصیت سے تعلیم دی جائے شاہ صاحب اپنے وقت کے فرد اکمل تھے اور ان کا فرد اکمل ہونا ڈاکٹر ہنٹر نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کیا تمام عرب روم قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔ کہ شاہ عبدالعزیز جیسا اپنے باپ شاہ ولی اللہ کے بعد کوئی دوسرا ماہر علوم و فنون پیدا نہیں ہوا۔ آپ کو جیسا علوم دینیہ پر عبور تھا اسی طرح علوم عقلیہ مروجہ پر پوری دسترس گاہ حاصل تھی قیافہ شناسی میں جس کا موجد سقراط حکیم ہے۔ شاہ صاحب کو کامل دخل تھا۔ اور آپ صورت دیکھتے ہی اس قدر ضرور پہچان جاتے تھے کہ یہ طالب علم غبی ہے یا ذہین

اسی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے پہچان لیا تھا کہ اخذ مطالب اور ان سے از خود متاثر ہونے کی سید احمد میں غیر معمولی قوت ہے ایسا شخص اگر باقاعدہ تعلیم پائے تو اس کے علم و فضل کا کیا ٹھکانا ہے اور گذشتہ زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا جوہر ذاتی رکھ کر تعلیم پائی ہے انہیں آج حکیم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور انہیں اپنے وقت کا بہت بڑا ریفارمر (مصلح) تسلیم کرتے ہیں۔

گو شاہ عبدالعزیز صاحب پہچانتے تو خوب تھے۔ کہ سید احمد میں کتاب خوانی کا مذاق بہت کم ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ خیال تھا۔ کہ اگر میری وجہ سے مذاق بڑھ گیا تو یہ اپنے وقت کا شیخ اکمل ہو گا۔ اسی خیال سے آپ نے کتابی تعلیم دینی شروع کی۔ مہینوں تک بڑھایا مگر کچھ حاصل نہ ہوا سید احمد صاحب کی طبیعت بھی تنگ ہو گئی اور شاہ عبدالعزیز صاحب بھی تھک گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب سید احمد صاحب کتاب لے کر بیٹھتے تھے تو زمرے آنکھوں میں پھرنے لگتے تھے جیسا اکثر ضعیف دماغ والوں کو

یہ مرض عارض ہوتا ہے۔ مگر ہم سید احمد صاحب کی دماغی بیماری یا ضعف کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ بلکہ ناظرِ سوانح کی توجہ اس ناقابلیت دماغ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو سید احمد صاحب کو اول دن سے حاصل تھی۔ ہزار طرح کی کوشش کی کہ سید احمد صاحب کو کچھ آجائے مگر دل ہی نہ لگا۔ آخر شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی کتابی تعلیم سے رخصت دی اور بزرگ نوجوان سید کو زیادہ مجبور نہ کیا۔

پھر آپ نے اجازت دیدی کہ قرآن خوانی اور حدیث کے پڑھنے کے وقت آپ موجود ہوا کریں سید احمد صاحب نے اس کی بجا آوری کی اور آپ ان طلبہ کے حلقہ میں جو تفسیر و حدیث پڑھتے تھے شریک ہونے لگے نتیجہ اچھا ہوا۔ اور آپ کو اکثر حدیثیں اور قرآن کا بہت سا حصہ نوک زبان ہو گیا۔

اس سے زیادہ کتاب خوانی سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ آپ میں مقاصد ربانی سمجھنے اور ان سے متاثر ہونے کی انتہا درجہ قوت حاصل تھی پھر جو کچھ حدیث و قرآن سمجھ کر آپ کو فائدہ حاصل ہوا وہ معرض تحریر میں نہیں آسکتا۔ شاہ عبد العزیز صاحب بہت خوش ہوئے اور محترم نوجوان سید کی قرآنی اور حدیثی مطالب کا یہ مذاق دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے الحمد للہ تمہیں یہاں آنے سے اس قدر تو فائدہ ہوا کہ آج تم اپنے ہم وطنوں میں بآزادی پند و نصائح کر سکتے ہو۔

سید صاحب ۱۲۲۱ھ بماہ ربیع الاول دہلی میں داخل ہوئے تھے۔ اور ۱۲۲۳ھ بماہ محرم الحرام قرآن و تفسیر و حدیث کے بہت سے حصے واقف ہو کر اپنے وطن مالوفہ کو تشریف لے گئے۔

دو برس میں سید صاحب کی قابلیت روحانی میں بہت فرق آگیا تھا۔ پہلے آپ نے صرف قرآن پڑھا تھا اور اب ربانی مقاصد کو بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ پہلے صرف اس قدر جانتے تھے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنی ہمدردانہ طبیعت سے مومنین کی حتی الوسع خدمت بھی کرتے تھے۔ مگر اب آپ کو سچے مسلمان کے فرائض بخوبی روشن ہو گئے تھے۔ آپ پر یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ انسان کی پیدائش کا کیا منشا ہے۔ اور سمجھدار مسلمان کو کس طرح اپنی عملی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صدہا حدیثیں اور ان کا اصلی مقصد نوک زبان ہو گیا تھا۔ اور ہر حدیث کا اثر آپ کی عادت عاملہ معاشرت میں گھل مل گیا تھا۔

جب قرآنی اور نبوی احکام کے نقوش آپ کی لوح دل پر پورے نقش ہو چکے تو آپ کی باطنی ظاہری حالت نے بالکل پلٹا کھایا جیسا عظیم الشان تغیر آپ کی باطنی حالت میں ہوا اسی قدر ظاہری حالت میں بھی ہو گیا۔ دل کی کیفیت ہی اور ہو گئی۔ زبان اب کچھ اور ہی کہنے لگی تھی۔ آنکھیں کسی اور ہی امر کی شہادت دیتی تھیں ان کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا تھا۔ وہ لال لال ڈورے جو قلبی حرارت کی بعض آنکھوں میں تصدیق کرتے ہیں اور سید احمد صاحب کی بڑی بڑی تیز تیز آنکھوں میں بچپن ہی سے پڑے ہوئے تھے اب ربانی روشنی نے انہیں اور بھی چمکا دیا۔ وہ طبیعت ہی نہ رہی وہ باتیں ہی نہ رہیں اب صرف یہ دھن رہنے لگی۔ کہ جو کچھ خدا اور رسول کا حکم ہے اس کی استواری اور نیک نیتی سے پابندی کی جائے۔ ہم خوشی سے دیکھتے ہیں کہ سید احمد صاحب کی زندگی جو اب سے شرعی زندگی آخر

وقت تک رہی اس سے زیادہ ایک مسلمان کی فضیلت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سچا متبع شریعت ہو اور دل میں خواہش ہو کہ ہر مسلمان جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے احکام ربانی کا پورا کاربند ہو جائے اس سے زیادہ سید احمد صاحب کو اور کیا شرف مل سکتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھتے الوسع پورا پورا عمل کرتے تھے اور آپ کا اوڑھنا بچھونا یہی روشن ہدایتیں تھیں۔

بالجملہ جب آپ اپنے وطن رائے بریلی میں پہنچے تو اپنے مکان میں جاکر نہ ٹھہرے بلکہ ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مکان ہوتے ہوئے مسجد میں کیوں قیام کیا اس سے اتنی بات ضرور ہویدا ہوتی ہے کہ جبکہ نبی اکرم سے زیادہ تعلق دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ اس لیے مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کرنا گھر میں قیام کرنے کی نسبت زیادہ انسب خیال کیا۔ خیر کچھ ہی غرض ہو سید احمد صاحب نے مسجد ہی میں قیام کیا۔

آپ کا ورد شب و روز قرآن و حدیث کا وعظ رہتا تھا جو کچھ شاہ عبدالعزیز صاحب سے زبانی سیکھ کر آئے تھے اسے حاضرین کے آگے اس خوبی اور عمدگی سے ادا کرتے تھے کہ لوگوں پر خیال سے زیادہ اثر ہوتا تھا۔

سید احمد صاحب کے اعمال قابل توصیف تھے اور آپ کی عملی زندگی حقیقی شرعی زندگی ہو گئی تھی اس لیے لوگوں پر آپ کے افعال کا زیادہ اثر پڑنے لگا اور وہ ایسے معتقد ہوئے کہ مرید بننے کی آرزو کی۔

سید احمد صاحب کی غیر معمولی تعظیم جو ان کے ہم وطنوں نے کی ہمیں اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ وطن میں بھی عزت ہو سکتی ہے گو اس کے لیے زمانہ دراز کی

غرض سید احمد صاحب کو اور صبر و استقلال ہمت اور جوانمردی کی ضرورت ہے آپکے ہم وطنوں نے مجبور کیا کہ آپ ہم سے بیعت لے لیں اور ہمیں اپنا مرید بنالیں آپنے انکار کیا اور فرمایا مسلمان کو خدا اور رسول کی مریدی کافی ہے جھوٹ نہ بولو، کسی کو دھوکا نہ دو، اپنے فائدہ کے لیے دوسرے کا نقصان نہ کرو بس یہی عظمت ہے۔ اگر تم کسی پیر کے مرید بھی ہو گئے اور تم نے یہ باتیں بھلا دیں تو وہ مریدی کچھ فائدہ نہ دیگی اور مرید ہونے پر تم نے مذکورہ باتوں کو نیک نیتی سے عمل کیا۔ پھر تمہیں نہ کسی پیر کی ضرورت ہوگی نہ کسی دلی کی، تم اپنے آپ پیر بنو اور اپنے نفس سرکش کو اپنا مرید بناؤ۔ اس سے بیعت لو کہ وہ پھر اپنے کو شیطانی وساوس کا متبع نہ ہونے دے۔ بس یہی صورت نجات دارین کی کافی ہے۔

ہمارا فاضل عبد القیوم بریلوی جس کی قلمی تحریرات سے جن میں سید احمد صاحب کے بعض بعض حالات درج ہیں ہم نے یہ بیان نقل کیا ہے وہ ہمارا اطمینان کرتا ہے کہ جو باتیں میں نے تحریر کی ہیں وہ چشم دید بھی ہیں اور سید صاحب کے معتبر دوستوں سے بھی سنی ہوئی ہیں۔ اس مصنف نے سید احمد صاحب کے خاندان کا ذکر کیا ہے اور بڑی بڑی کرامتیں آپ کے آباؤ اجداد کی نہایت رنگ آمیزی سے بیان کی ہیں مگر یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے باوجودیکہ مصنف کتاب کرامات فوق الفطرۃ کا قائل معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس نے سید احمد صاحب کی ان کرامتوں کا جن سے ہمارے ہمعصر سوانح نویسوں کے صفحے سیاہ ہو رہے ہیں کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ بجائے اس کے پارسا متقی۔ پرہیزگار۔ صائم الدہر سچا۔ نیک بخت۔ شیریں کلام۔ خلیق خود فروشی اور خود نمائی سے کوسوں دور۔ ان ان صفتوں سے بریلوی نے سید احمد صاحب

کو یاد کیا ہے۔ ہم اس کے ساتھ بالکل ہم زبانی کرتے ہیں۔ حقیقت میں ان صفتوں کا سید احمد میں بہت بڑا حصہ تھا۔

پہلے تو آپ نے ہر درخواست مریدی پر یہ فرمایا۔ جو ہم نے پہلے درج کیا ہے اور جب عوام الناس نا سمجھ لوگوں میں آپ کی بزرگی اور روشن ضمیری کی دھوم مچی تو غول کے غول آنے لگے اور مرید بننے کی دھڑا دھڑ درخواستیں ہونے لگیں آپ کی عبادت میں بھی لوگوں کی کثرت سے خلل آنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ایک دن بطرف مالوہ یہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ اور بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کسی رشتہ دار یا کسی معتقد سے ایک پیسہ یا فاتحانہ یا نیاز نذر کا کھانا نہ لیتے تھے۔ کچھ رومال کاڑھا کرتے تھے اور انہیں بازار میں فروخت کر کے اپنی گذر کرتے تھے۔ جو کچھ بچتا تھا وہ خدا کی راہ پر دید بنے تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حاضر ہوتے تھے اور عصر کی نماز تک دست بستہ بیٹھے رہتے تھے اسی طرح اپنے اور بزرگوں سے کسی خاص وقت ملتے رہتے تھے اور باقی وقت عبادت اور پند و نصائح میں صرف ہوتا تھا۔

سفر مالوہ اور ملازمت

اسی اثناء میں اس مضمر جوہر نے جو کہ آپ کی طبیعت میں گندھا ہوا تھا۔ اور جس کی خبر ہنوز آپ کو بھی نہ تھی زور کیا اور یکایک آپ کا دل برداشتہ ہو گیا اور مصمم یہ قصد ہو گیا کہ سپاہیانہ زندگی وظیفہ وظائف کی زندگی سے اچھی ہے،

سید احمد صاحب کو نہ پیر بننے کا شوق تھا نہ اپنے کو کرامتی مشہور کرنے کی آرزو تھی آپ ان باتوں سے بہت گھبراتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تعظیماً بیٹھیں اور دو زانو گردنیں نیچے کئے ہوئے صورت بت بن جائیں ان تمام تکلیف دہ باتوں سے بچنے کے لیے آخر آپ نے سپاہیانہ زندگی گذارنی انسب اور اولی خیال کی۔

اس میلان طبع میں بھی بڑے بڑے راز پوشیدہ تھے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنے جس بندہ سے اس کی زندگی کے کسی آئندہ زمانہ میں کام لینا ہوتا ہے تو وہ پہلے ہی اسے ان صفات سے آراستہ کرتا ہے جو اس کام میں ضروری ہوتی ہیں جبکہ آپ کو سکھوں کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا تھا اس لیے یہ ضروری امر تھا کہ آپ فن سپہگری سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں۔ سید احمد صاحب خود خداوند تعالیٰ کی اس حکمت کو نہ سمجھتے تھے انہیں کیا خبر تھی کہ آئندہ مجھ سے کیا کیا کام لینے ہیں انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک معمولی سوار کی زندگی سے میری زندگی ایک بادشاہ کے برابر ہو جائیگی۔ فی الحال آپ پر فرض تھا کہ آپ اپنی میلان طبع کی متابعت کریں۔ یعنی کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے ساری زندگی سپاہیانہ زندگی ہو جائے۔

آپ بماہ جمادی الثانی ۱۲۲۴ھ اپنے متعلقین سے رخصت ہو کر رائے بریلی سے روانہ ہوئے جب شہر کے باہر نکلے ہیں تو یہ خیال آیا کہ کہاں جانا چاہیے اور کس جگہ نوکری کرنی زیبا ہے۔ عمر پوری یا ایک آدھ ماہ کم زیادہ چوبیس برس کی تھی چہرہ پر شباب خیز حسن اور اس کے ساتھ پرہیزگاری کی سرخی پوری جلوہ دے رہی تھی، سینہ چوڑا اور ہاتھ پاؤں سڈول تھے۔ گردن بہت ڈبل تھی، کلائیاں چوڑی

چکلی اور مضبوط تھیں، چہرا کا نقشہ اسی قدر لطافت سے بھرا ہوا تھا۔ جس طرح رنگ ارغوانی کا جوبن شادابی سے پر تھا، آنکھیں نکیلی اور لمچھوئی تھیں۔ پتلی کی گہری گہری سیاہی اور اس میں عقل و دانش کے نور کی جھلکی معمولی ناظر کی نگاہ میں چکا چوند کرتی تھی۔ مگر مبصر پہچان سکتا تھا کہ چمک جو اس نظر سے برآمد ہوتی ہے فطرت کی کاریگری کا جس طرح اعلیٰ نمونہ ہے اسی طرح یہ ایک ایسے خوش آئندہ سانحہ کی منتظر ہے جس کی طرف بہت دنوں سے اشارہ کر رہی ہے اور جو ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے آپ کے دونوں کندھے ذرا اٹھے ہوئے تھے۔ سینہ کا چوڑا پن چالیس سالہ ہونے کی شہادت دیتا تھا۔ حالانکہ چہرہ کی نازک تناوٹ اور گلناری کی پر بہار چوبیس برس کی تصدیق کرتی تھی۔ قد نہ بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا تھا۔ بلکہ خیر الامور اوسطہا کا سچا نقشہ کھینچتا تھا۔

جب کہ اسلام اور اس کے روشن اصول نے بہت کچھ باطنی اور ظاہری حالت پر افسوں پڑھ کر مار دیا تھا۔ اس لیے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ غیر مسلم کی ملازمت کر کے مسلمانوں پر تلوار اٹھاؤں، طبیعت کی اس پر جوش حالت نے امیر خاں پنڈاری کے لشکر کی طرف جو مالوہ پر پڑا تھا راہ نمائی کی اور آپ نے وہاں جاکر سواروں میں ملازمت اختیار کی۔

امیر خاں کے لشکر کی کوئی باقاعدہ تنخواہ نہ تھی، کسی ریاست پر چھاپہ مارا۔ اگر وہاں سے کچھ ہاتھ لگ گیا تو باہم تقسیم ہو گیا نہ ہاتھ لگا تو لشکر میں فاقہ کشی ہو رہی ہے لٹیروں کی سی کیفیت تھی۔ کبھی جے پور پر حملہ کر کے یہاں زلزلہ ڈال دیا اور کبھی جودھپور پر جا دوڑا وہاں ایک ہلچل مچا دی۔ زیادہ تر راجواڑوں سے ہی لڑنا رہتا تھا۔ کیونکہ ان سے کچھ ہاتھ لگ ہی جاتا تھا۔ اس نے جان کر کبھی انگریزی مفتوحہ ممالک پر حملہ

نہ کیا۔ ہاں کسی راجواڑے کی حملہ آوری سے اسے روکا گیا تو اس نے انگلش حکومت سے بھی شمشیر بازی میں دریغ نہ کی مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ ایسی خواہش کئی بار کی گئی کہ اس شیر نیستاں کو گرفتار کرلیں مگر یہ ممکن نہ ہوا۔ اس مختصر کیفیت سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ امیر خان کے سپاہیوں کی زندگی جس قدر خطرناک رہتی تھی اس قدر چالاک و چست اور شمشیر زنی میں بسر ہوتی تھی۔ جو سپاہیانہ قالب کی سچی روح ہے۔ جب سید صاحب نے سواروں میں نام لکھوایا تو آپ امیر خان کے آگے پیش کیے گئے۔ وہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے یہ کہا کہ اگر اپنی جان کھپا کر محنت کی اور اپنی جواں مردی کے جوہر دکھائے تو میں آپ کو ایک ہزار فوج کا افسر بنادوں گا یہ سن کر آپ نے سوا اس کے اور کچھ جواب نہ دیا کہ خدا میں سب قدرت ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ناصح کی زبانی پند و نصائح سے اس کی زندگی لوگوں پر اثر ڈالتی ہے۔ سید احمد صاحب کی عمدہ زندگی ایسی پر اثر تھی۔ کہ فوج میں بھی کثرت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ بیعت نہیں کی بلکہ دل سے معتقد ہو کر بزرگ جاننے لگے۔ آپ کی صداقت، اتقا، عبادت، خوش خلقی، شیریں زبانی ایسی تھی جس نے زبردستی لشکر کو آپ پر مائل کرا دیا۔ یہاں تک کہ امیر خان نے بھی آپ کے اتقا و پرہیز گاری کی کیفیت سن کر اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا اور پھر آپ کی حالت پر غور کرنے لگا۔ اس عرصہ میں بصیرت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ آپ کبھی کسی آیندہ واقع کی پیش گوئی کر دیتے تھے اور بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ آپ کی پیش گوئی نے کبھی دھوکا نہیں کھایا اور وہ معاملہ ہو کر ہی رہا۔ معمولی

آدمی کے آگے ایسی ایسی پیش گوئیوں کا ہونا اور پھر پورا ہونا ایک بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ اور وہ ایسے شخص کو خبر نہیں کیا کیا سمجھنے لگتا ہے۔ مگر ہوشیار اور ان بھیدوں کا واقف جانتا ہے۔ کہ صفائی قلب سے طبیعت میں ایک ملکہ ہوجاتا ہے۔ کہ ظاہر اسباب دیکھ کر اس آیندہ نتیجہ کی پیشگوئی کردی جائے اور پھر وہی ہو رہے جب یہ کیفیت ہوتی تو تمام لشکر میں ایک دھندھ مچ گیا اور ہر شخص آپ کو ولی سمجھنے لگا۔

اس عرصہ میں دو تین گڑھیاں بھی آپ نے بڑی بے باک دلیری اور خطرناک شجاعت سے حملہ کرکے فتح کیں۔ اور حملہ کرتے وقت امیر خان اپنے آقا سے کہہ گئے تھے کہ ان گڑھیوں کی فتح میرے ہی دست قدرت پر تقدیر ہو چکی ہے۔ معمولی عقول کے آگے تو یہ تین تین شہادتیں ولی سمجھنے کے لیے بہت ہی کافی ہیں۔

جب پے در پے یہ باتیں سید احمد صاحب سے ظہور پذیر ہوئیں پھر تو امیر خاں نے اپنا مشیر مقرر کرلیا۔ اور کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے نہ کرتا تھا۔ ساتھ ہی ان کامیابیوں کے جو سید صاحب کو حاصل ہوئیں یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے اس ترقی پر بھی اپنے فرائض کے انجام دینے سے پہلو تہی نہ کی۔ یعنے قرآن و حدیث کا وعظ برابر رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی فقرہ کسی حالت میں ایسا زبان پر نہ آتا تھا۔ جس سے پہلے قال اللہ یا قال رسول اللہ نہ کہہ دیا جاتا ہو۔ اس مستعدی اور زبانی پند و نصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خاں مع اپنے کل بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی بن گیا۔ اور اس نے

تمام ناروا باتوں سے توبہ کی۔ جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی۔ وہ بھی پورا محمدی بن گیا۔ اور ارکان اسلام کے ادا کرنے میں بڑی سرگرمی کرنے لگا۔ اکثر لشکری شراب خوری اور افعال شنیعہ میں گرفتار تھے سب کی بری عادتیں چھڑا دیں اور ہر ایک شخص کو پاک باز مسلمان بنا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کرامت کیا کم ہے کہ ایک شخص نے پچیس تیس ہزار لشکر کی حالت کو معہ اس کے امیر کے بدل دیا اور ہر ایک کو شریعت محمدی کا سچا متبع بنا دیا۔

۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرا دی اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان۔ لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے برا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خاں کی سمجھ میں آ گئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا۔ کہ گذارہ کے لیے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں با آرام بیٹھوں۔ امیر خاں نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورے کے بعد سید احمد صاحب کی کارگذاری سے ہر ریاست

میں سے کچھ کچھ حصہ دے کر امیر خاں سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوا دیا اور بھوپال سے سرونج۔ اسی طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی تیل وقال کے بعد انگریزوں سے دلوا کر بھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔

یہاں ایک بات قابل نوٹ ہے کہ سید احمد صاحب تقریباً سات برس تک امیر خان کی ملازمت میں رہے اس عرصہ میں آپ کو بارہا مختلف جنگوں میں جانے اور توپ و بندوق و تلوار سے کام لینے کا موقع پڑا ہوگا کہیں کسی پر آپ نے حملہ کیا ہوگا تو کہیں سرکش گاؤں کو لوٹا کھسوٹا ہوگا۔ غرض ساری باتیں جن سے جنگ و غارت تعبیر ہو سکتی ہے عمل میں آئی ہوں گی اس بنا پر ڈاکٹر ہنٹر سید احمد صاحب پر ناحق غارت گری کا الزام قائم کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب انڈین مسلمان کے صفحہ ۱ میں تحریر کرتا ہے۔

"اس نے (یعنی سید احمد صاحب نے) اپنی زندگی ایک سوار سے مشہور قزاق، (یعنی امیر خاں پنڈاری) کی ملازمت میں شروع کی اور مدت تک مالوہ کے بارآور اقیم کے گاؤں یا کاشت کو برباد کرتا رہا"۔ پھر اسی صفحہ میں آگے چل کر لکھتا ہے۔

"ایسی حالت میں کہ جب سکھوں کے نظم و نسق نے پڑوسی مسلمانوں کو سخت تنگ کر رکھا تھا۔ سید احمد صاحب نے قزاقی کا پیشہ چھوڑ کر عاقلانہ طور پر اپنے کو وقت کے مطابق بنایا اور ۱۸۱۸ء میں مذہبی علوم پڑھنے کے لیے دہلی کے مشہور و معروف ڈاکٹر (یعنی شاہ عبد العزیز صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوا"۔

اس تحریر سے ڈاکٹر ہنٹر کی اصلی معاملات سے بے خبری اور خیالی پلاؤ پکانے اور ایک معاملہ پر فرضی رائے قائم کرنے کا پورا حال کھلتا ہے اول تو قزاق کے نام سے

سید احمد صاحب کو متہم کرنا سراسر بیجا جمنٹ کی طرف خیال پھیرنا ہے دو باتیں ہیں اول تو ڈاکٹر صاحب کو جب انہوں نے ان واقعات کے لیے قلم اٹھایا ہو گا حالات ہی نہیں معلوم تھے دوسرے دن ان کی ابتدائے تحریر سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ وہ جس طرح ان سے ہو سکے گا مسلمانوں کو باغی بنانے اور گورنمنٹ کو ان کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کریں گے چنانچہ ختم کتاب تک انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ ان کی ۲۱۸ صفحے کی کتاب غلطیوں کے انبار سے جیسے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح بے جا تحکم اور غلط منطق کی ہر جگہ جھلکی پائی جاتی ہے اگر کچھ بھی انصاف ہوتا تو وہ مظلوم مسلمانوں کو ایسا متہم نہ کرتے۔

دوسرا سفر دہلی

جب سید احمد صاحب نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سپاہیانہ معاشرت میں صرف کر لیا اور ساتھ ہی دل کھول کر اپنے مذہبی فرائض کی بھی انجام دہی کر لی تو پھر آپ نے دہلی کی طرف رجوع کیا۔

یکایک امیر خاں کی ملازمت سے ترک تعلق کر کے دہلی کی طرف رخ کرنا متعلق بھید کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی کنہ کو ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔ فطرت کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ جس کام کے لیے آپ کو بنایا تھا آپ اس کے قابل ہو گئے ہیں تو از خود طبیعت نے اس عظیم الشان کام کا چارج لینے کے لیے دہلی بلا لیا۔

جب آپ دہلی میں تشریف لائے تو شاہ عبد القادر صاحب مترجم قرآن مجید برادر حقیقی شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی مسجد میں مقیم ہوئے۔ امیر خاں

کی ہفت سالہ ملازمت نے آپ کی ولایت کی دھوم بڑے زور شور سے تمام قرب و جوار میں پھیلادی تھی اور دوسرے بڑی بات یہ تھی کہ آپنے شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ میں ہزاروں روپیہ لشکر میں سے چندہ کرکے بھجوایا تھا۔ دہلی تک آپکے اتقاپرہیزگاری اور سب سے زیادہ صاحب باطن ہونے کی آوازیں لوگوں کو چوکنا کررہی تھیں۔ یہاں مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب نے جو کچھ دھوم مچارکھی تھی اس کا ذکر مولانا ممدوح کی سوانحعمری میں ابھی دیکھ چکے ہیں ادھر شاہ اسمٰعیل صاحب کسی ایسے رہبر کی تلاش میں تھے جس کی متابعت میں حسب دلخواہ سکھوں سے عوض لیا جائے ادھر سید احمد صاحب کو ایسے ایک مدبر کی ضرورت تھی جو ہمیسا فاضل اجل ہو اسی قدر لڑاکو مرد میدان بہادر اور مدبر سلطنت ہو خدا کی قدرت دونوں بزرگوں کی خواہشیں پوری ہوگئیں اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے مل کر یہ پڑھا ؎

اے وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی

شاہ اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب دہلوی نے بیعت کی تو تمام شہروں میں سید احمد صاحب کا ایک دم نام مچ گیا۔ دہلی سے پٹنہ تک لوگوں کا دن بدن حسن اعتقاد بڑھتا جاتا تھا۔ اور ہر شہر سے ہزاروں روپیہ اور خود لوگ چلے آتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے حکم دیا کہ آپ بطور خود آس پاس کے شہروں میں وعظ فرماویں۔ چنانچہ سید احمد صاحب بمجرد حکم شیخ کے روانہ ہوئے اور دور دراز اپنی خوش بیانی کی دھوم مچادی۔

چار برس کے عرصہ میں نوجوان سید نے ہزاروں کو اپنا مرید بنالیا اور ایک عجیب طرح لوگوں کے دلوں میں محمدی مذہب کی پھونک دی سب نے

شرک و بدعت سے توبہ کی اور سچے عامل بالسنت بن گئے۔

اس عرصہ میں ایک بار اور بھی سید احمد صاحب کو اپنے وطن میں جانے کا اتفاق ہُوا کیونکہ آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا۔ چند ماہ تک اپنے وطن میں رہے اور پھر پٹنہ اور کلکتہ کے سفر کو روانہ ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب دہلوی ہمراہ تھے یہاں ایک شخص عبدالرحیم[1] نامی دہریہ رہتا تھا۔ جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی شاگرد تھا اور مذہبی علوم میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا۔ مگر اسے خدا سے انکار تھا اس لیے مولانا محمد اسمٰعیل اسے عبدالرجیم کہتے تھے۔ اس سے بھی دو تین مناظرے ہوئے گو وہ ساکت ہو گیا مگر اپنے دہریہ پن سے باز نہ آیا۔ کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی۔ تو کئی لوگوں نے جہاد میں شامل ہونے کا اقرار کیا۔ اور ہزاروں روپے چندہ جمع ہُوا

خلفاء کا تقرر

سید احمد صاحب نے سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے روپیہ جمع کرنے کے واسطے مختلف شہروں میں خلیفے مقرر کیے۔ ان کا یہ کام تھا کہ ہر قصبہ اور گاؤں بگاؤں وعظ کہتے پھریں اور سکھوں سے جہاد کرنے کے لیے روپیہ جمع کریں۔ چندہ جمع کرنے والوں کا دارالخلافہ پٹنہ کو سمجھنا چاہیئے جہاں سب سے زیادہ گرمجوشی سے چندہ جمع ہُوا تھا۔ اور بنگالہ کا ایک حصہ اپنی جان اور دھن قربان

---

[1] غالباً یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے سبعہ معلقہ کی شرح لکھی ہے (مصحح)

کرنے کو آمادہ تھا۔

ابھی مجاہدین اور روپیہ جمع ہونے کے لیے ایک عرصہ دراز کی ضرورت تھی اس نظر سے یہ بہتر سمجھا گیا کہ حج بیت ہی کر آنا چاہیئے۔ جب تک سید احمد صاحب کے خلفار چندہ اور آدمی جمع کرتے رہیں گے۔

چنانچہ یکم شوال ۱۲۳۶ھ بروز عید الفطر بعد ادائے نماز عید رائے بریلی سے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ آپکے ہمراہیوں کی تعداد مع عورتوں اور بچوں کے چار سو سے زیادہ نہ تھی۔ اس قافلہ کا خرچ کچھ سید صاحب کے ذمہ تھا اور بعض مالدار لوگ اپنے آپ کفیل تھے۔ مگر سید صاحب نے فرمادیا کہ ہم سارے قافلہ کا خرچ اٹھائیں گے کوئی شخص ایک پیسہ بھی نہ خرچ کرے آئندہ وقت پر دیکھا جائے گا۔

سید احمد صاحب کا حج بیت اللہ

جس وقت آپ بمبئی پہنچے ہیں صدہا آدمیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا بہت سے تماشائی تھے اور بہت سے محض صورت دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے جو سید احمد صاحب سے بیعت کرنے کے بھوکے تھے۔ چند روز تک آپ بمبئی میں رہے صدہا آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر عہد واثق کیا کہ آیندہ سے ہم شرک و بدعت کو ترک کرکے وحدت پرستی کریں گے اور شریعت محمدی کے خلاف ایک کام بھی حتی الوسع نہ کریں گے۔ جو کچھ اصلاح سید احمد صاحب نے کی خدا انہیں اس کا بہت بڑا اجر عطا فرماوے گا۔ ہزاروں کو مسلمان بنا دیا اور ان کی لوح دل سے وہ خیالات فاسدہ بالکل دھو دیئے جنھوں نے انہیں راہ حقیقت سے

بھٹکا کر ظلمت کدہ کی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔

پھر آپ بخیر و عافیت جہاز پر سوار ہوئے اور جہاز نے جدہ کی طرف لنگر اٹھایا جدہ تک پہنچتے پہنچتے دو تین جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہو گئے تھے اور ایک حمل بھی گر گیا تھا۔ یہ بھی نہایت معمولی باتیں ہیں۔ جو شب و روز جہازوں پر ہوتی رہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ صحیح و سالم سید صاحب معہ اپنے مریدوں شاہ اسمٰعیل وغیرہ کے جدہ پہ اترے۔ ابھی تک جدہ میں یہ خبر مشہور نہ ہوئی تھی کہ سید صاحب تشریف لائے ہیں اسی وجہ سے سید صاحب کو بہت آرام ملا اور لوگوں نے جمگھٹ کم زیادہ تکلیف نہ دی۔ مگر مکہ شریف میں پہلے ہی سے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ سید صاحب معہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے آتے ہیں وہ لوگ سخت مخالفت پہ آمادہ تھے۔ کیونکہ نجد کے وہابیوں سے خونخوار جنگیں ہو چکی تھیں اور وہابیوں کی پابندی شرع سے مکہ اور مدینہ والے سخت خائف تھے۔ اور ان کا ارادہ تھا کہ سید صاحب کو مع مولوی اسمٰعیل صاحب گرفتار کر لیں چنانچہ جب آپ مکہ شریف میں داخل ہوئے ہیں چار ترک سوار پہنچے اور سید احمد صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو شریف مکہ یاد فرماتے ہیں سید احمد صاحب سیدھے شریف مکہ کے پاس پہنچے۔ مولانا شہید اور مولوی عبدالحی دہلوی وغیرہ جید علماء ہمراہی میں تھے۔ شریف مکہ صورت دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا اور سب سے بکشادہ پیشانی معانقہ کیا اور اپنے برابر بٹھا کر چائے وغیرہ منگائی۔ پھر مطلب کی باتیں ہونے لگیں۔ مولوی اسمٰعیل مجیب تھے۔ گھنٹہ بھر تک خوب باتیں ہوتی رہیں۔ جب آپ کا پورا پورا اطمینان ہو چکا تو اس نے دوبارہ اٹھ کر سید صاحب اور آپ کے

دوستوں سے معانقہ کیا اور خاص اپنے ہاں سارے قافلہ کو مہمان رکھا۔ ہرچند سید صاحب نے فرمایا کہ آپ اتنا کیوں بار اٹھاتے ہیں۔ مگر شریف مکہ نے نہ مانا اور ایام حج تک اپنے ہی ہاں رکھا یہ ضرور رکھا کہ روزمرہ کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی عرب رئیس دعوت کرتا رہتا تھا۔ اور جو کچھ خاطر مدارات ہوتی تھی اس کا اندازہ وہی شخص بخوبی کر سکتا ہے۔ جو ہمراہ ہوگا۔ میں قیام مکہ معظمہ کے حالات بیان کر کے ناظرین کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ آپ قیام مکہ اور سفر مدینہ منورہ میں خوش و خرم اور صحیح و سالم رہے۔ اور کسی قسم کی آفت آپ کے کسی ساتھی پر نہ آئی۔ مرض وغیرہ کی طرف سے بھی آپ کا قافلہ پاک تھا۔ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے بعد آپ واپس وطن پھرے۔

سید صاحب کی واپسی وطن

حج بیت اللہ میں نجدی لوگ بھی آپ سے آ کر ملے تھے اور اپنی لڑائیوں کا ترکوں کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے اس پر پادری ہیوجیز صاحب یہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

"عبدالوہاب کے جانشینوں نے وہابیت کے اصول سید صاحب کو تعلیم کیے اور انہیں بتا دیا کہ مذہبی روح لوگوں میں پھونکنے کے بعد یہ کامیابی ہوتی ہے اور یوں ملک ہاتھ لگتے ہیں"۔ (از ڈکشنری آف اسلام)

میرے خیال میں پادری صاحب کا یہ لکھنا محض غلط ہے۔ عیسائیوں میں اکثر مصنف ایسے دیکھنے میں آئے کہ جب وہ کسی مشرقی خصوصاً اسلامی معاملہ پر

رائے زنی کرتے ہیں تو اس کی بنا محض ہوا پر ہوتی ہے جو اصل واقعہ سے بہت ہی مستبعد ہوتا ہے مستبعد کیا بھلا کہاں سید صاحب کا نجدیوں سے تعلیم حاصل کرنا حالانکہ مولانا محمد اسمعیل صاحب اور مولانا عبدالحی دہلوی وغیرہ علماء آپ کے ہمراہ ایسے تھے جو آپ کی تعلیم کے لئے کافی تھے۔ ایسی لغو اور لایعنی باتیں دیکھ دیکھ کر مغربی مصنفوں کی دن بدن قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور اگر اب یہ کوئی بات صحیح بھی لکھتے ہیں، اس میں بھی غلطی کا اشتباہ ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہادر یہ لکھتے ہیں کہ سید احمد نجدی تھا اور پوشیدہ رائے بریلی میں آکر کچھ دن رہا اور پھر یہ مشہور کر دیا کہ میں رائے بریلی ہوں۔ تاکہ لوگ غیر ملک کا سمجھ کر مجھ سے بھڑکیں نہیں۔ بھلا اس صریح جھوٹ کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے ناظرین نے محققوں کے سرتاج ڈاکٹر ہنٹر کی لاثانی تحقیقات دیکھ لیں اور ساتھ ہی بورڈ یٹس کی تحقیق پر بھی نگاہ کر لی کہ ایک سے ایک زیادہ محقق ہے۔

سید احمد صاحب جب جدہ سے روانہ بمبئی ہوئے ہیں تو آپ کے دل میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ دیکھئے جنہیں میں مقرر کر آیا ہوں۔ انہوں نے حسب دلخواہ کارگذاری کی یا نہ کی۔ مگر الحمدللہ ان لوگوں نے سکھوں پر جہاد کرنے کے لئے چندہ اور آدمی جمع کرنے میں بہت زیادہ کام دیا اور ایک تمام تحریک تمام ہندوستان اور خاص کر ملک بنگالہ میں پھیلا دی جب آپ بمبئی تشریف لائے ہیں تو آپ کے وکیل استقبال کے لئے بندر پر جمع تھے۔ خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور مرحبا صد مرحبا کی صدائیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

جتنا اثر پٹنہ اور کلکتہ مدراس وغیرہ میں سید صاحب کا تھا بمبئی میں نہ تھا

یہاں آپ نے چند روز قیام کیا اور آپ نے وکیلوں کے مشورہ سے ایک بار اور بھی کلکتہ، پٹنہ وغیرہ کا دورہ لگانا شروع کیا جس جگہ سید صاحب تشریف لے جاتے تھے لوگ یک زبان ہو کر یہ کہتے تھے۔

گر برسر و چشم من نشینی ناز ت بکشم کہ ناز بینی

سید صاحب اس سفر میں خاص اس شخص سے بیعت لیتے تھے جو جہاد پر سکھوں کے مقابلہ میں جانے کے لئے مستعد ہو چنانچہ ہزار بارہ سو آدمیوں نے بچن دیا۔ اور عرض کیا کہ جس وقت حضور کا حکم ہو گا۔ ہم سرحد پر پہنچ جائیں گے روپیہ بھی بکثرت جمع ہو گیا تھا۔ اور دن بدن ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور ایک نئی تاریک ادھر ممالک مغربی شمالی اور بنگال میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

جب مہیب تحریک پھیلی تو ضلع کے حکام اس سے چوکنے ہوئے اور انہیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے اور موجودہ امن میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکام اعلیٰ کو لکھا وہاں سے صاف جواب آگیا ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور حقیقت میں بات بھی یہی تھی ان کا ارادہ صرف سکھوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لینا تھا۔ جن کے قابل رحم مظالم کا بیان ہم مولانا شہید کی سوانحعمری میں بیان کر چکے ہیں۔

اس دوسرے گشت کے بعد سید صاحب معہ چند دوستوں یا اپنے مریدوں کے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو اپنے وطن میں علی الصبح داخل ہوئے بعض دوستوں نے فدویت نامے پیش کئے اور بعض نے قصائد پڑھے اور بعض نے اڈریس دیئے

ایک عجیب سماں بندھ گیا۔
سید احمد صاحب نے عام طور پہ دھڑلے سے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دے دی کہ سکھوں پہ جہاد کرنے کے وعظ ہوں اکثر شہروں میں وعظ ہوئے شروع ہوئے پہلے لوگوں کے دلوں میں تحریک پھیل رہی تھی اب عام طور پہ ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے سید صاحب نے مولنا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پہ جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹنٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سرکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں یہ تمام یقین ثبوت صاف اس امر پہ دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔ مولانا شہید کی سوانح عمری میں تمام جنگوں کا حال مفصل طور پہ بیان ہو چکا ہے ان کا اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے اس لئے میں کچھ اور خاص باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے سید صاحب کی ذات کو خاص تعلق ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کو بھی بہت کچھ اس کے ساتھ لگاؤ ہے

یہ ذرا توجہ سے سننے کی بات ہے کہ سید احمد صاحب نے جب سکھوں سے جہاد کا ارادہ کیا ہے تو ان کے پاس چار سو سے زیادہ آدمی نہ تھے ہر شخص جسے جنگی معاملات سے کچھ بھی آگاہی ہے یہ دلیری اسے مضحکہ خیز اور مجنونانہ معلوم ہو گی۔ رنجیت سنگھ کی جنگی قوت کی دھاک تمام ہندوستان میں بیٹھی ہوئی

تھی۔ وہ کسی سے دبتا نہ تھا۔ سرکار انگریزی کو کابل کا جب رستہ دیا ہے۔ جبکہ روپیہ محصول زمین کا لیا۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی رنجیت سنگھ کی ایک بڑی فوجی قوت تسلیم کر لی تھی۔ ایسے زبردست حکمران کے مقابلہ میں سید صاحب کا چند ایسے آدمیوں کا لے جانا جب کے باپ دادا نے نہ کبھی تلوار ماری نہ انہوں نے خود بچپن سے ایسی مشق کی نہ فنون جنگ ماہر نہ سامان جنگ پاس نہ رسد کا انتظام نہ پشت پناہی کے لئے کوئی حکمران محض امید موہوم پر پنجاب پر معدودے چند نفوس کے ساتھ حملہ آور ہونا اور دلیری سے ادھر ادھر پھرنا یہ ساری باتیں بظاہر دیکھنے والے کو چھچھورے پن اور طفلانہ اٹکھیلیوں سے زیادہ وزن کی نہ معلوم ہوں گی۔ مگر نہیں جب اس ارادہ فطرت پر غور کیا جائے گا تو سید احمد صاحب کی صائب رائے کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا

آپ نے ہندوستان میں جوش پھیلانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ اگر ہم ایک کام کو شروع کریں تو لوگ روپیہ اور آدمی برابر بھیجتے رہیں گے چنانچہ یہ خیال آپ کا بہت صحیح تھا بے شک برابر مدد جاری رہی جب تک آپ کی شہادت کی خبر نہ آئی جوش ٹھنڈا نہ ہوا۔ جب ہم اور بھی زیادہ غور سے دیکھتے ہیں تو اس بات پر بھی سید صاحب کا زیادہ بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ مولانا شہید کے مشورہ سے پورا یقین کر لیا گیا تھا۔ اور ظاہری اسباب بھی اس امر کے مؤید تھے۔ کہ سرحدی رئیس اور عوام آدمی سکھوں کے تعصب اور اذیت دینے اور توہین اسلام کرنے سے رنجیت سنگھ کی گورنمنٹ سے نہایت بد دل ہو رہے ہیں انہیں کوئی سردار اس وقت ملنا چاہیے۔ وہ یک دل ہو کر رنجیت

سنگھ کی اطاعت کا جوا کندھے پر سے اتار ڈالیں گے پھر ہمیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی یہ خیال سید احمد صاحب کا بہت ہی ٹھیک تھا۔ اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہو جاتی اگر ان کے اعمال بے اعتدالی نہ کرتے اور یک لخت انہیں مجبور نہ کرتے کہ وہ ناگوار طور پر پابندی شریعت کریں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ سید احمد صاحب کے اعمال ہی کا سراسر قصور تھا ہمیں سرداران سمہ اور پشاور کی زر پرستی اور بے ایمانی میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے رنجیت سنگھ کے ہاتھ پشاور فروخت کر کے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کی قسمت جبر دشمن اسلام سکھوں کی مٹھی میں سونپ دی تھی۔ ایک ہاتھ سے تو تالی بجنی مشکل ہے پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ سید احمد صاحب اور مولانا شہید نے تو اپنی جان بازیوں کا ایک اعلےٰ درجہ کا نمونہ پیدا کر کے جہان کو دکھایا۔ اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں پر کسی قسم کی زیادتی بدنیتی سے نہیں کی۔ مگر عمال کا خیال اپنا سا کیونکر بنا سکتے تھے، اور انہیں پولیٹکل دماغ کیوں کر دے سکتے تھے۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ جس جوش و خروش اور امنگ سے سید صاحب نے جہاد کا ارادہ کیا تھا اس سے زیادہ عجیب اور ولولوں اور عجیب جوشوں سے خدا کی راہ میں جان دے دی۔ مذہبی انتقامی جوش سکھوں کے مقابلہ میں آخر دم تک جوں کا توں بنا رہا اور ہمارا بارھویں صدی کا ریفارمر اپنی قوم پر جان نثار ہو گیا۔

بعض واقعات کا ذکر سید صاحب کی شہادت

سید احمد صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے علاوہ اس دیرینہ تعلق کے جو آپ کے بزرگوں سے تھا۔ بڑا تعلق مجری ہونے اور اس اہم اور خونخوار معاملہ کی طرف قدم اٹھانے کا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تو طلبار کے پڑھانے اور مختلف مسائل پر فتوے دینے سے فرصت نہیں تھی۔ ہاں آپ کے عالی قدر خاندان کے افراد چندہ جمع کرنے اور سید صاحب کو روانہ کرنے میں سرگرم تھے۔ چنانچہ جب سید صاحب یاغستان میں تھے تو مولانا محمد اسحٰق[1] صاحب محدث دہلوی نے کچھ اوپر سات ہزار روپیہ سید احمد صاحب کو بذریعہ ہنڈی روانہ کیا تھا۔ وہ کسی باعث سے نہیں پہنچا تھا۔ اس پر نالش کی گئی تھی۔ اور پھر روپیہ وصول کر کے دوبارہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس کی بابت سید صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں

از امیر المومنین سید احمد بخدمت بابرکت صاحب زادہ والا تبار مولانا محمد اسحاق صاحب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلمہ اللہ تعالےٰ بعد از سلام مسنون و دعائے اجابت مقرون واضح آں کہ بتاریخ دہم ماہ رمضان ہنڈوی۔ مبلغ ہفت ہزار و نہ صد و پنجاہ روپیہ رسید لیکن بجز پرچہ کاغذ یک خرمہرہ ہم نرسید موجبش دریافت

[1] آپ اہل حدیث اور احناف کی دونوں جماعتوں (دیوبندی) اور دہلوی کی سند حدیث کے واحد جنکشن شاہ محمد اسحٰق صاحب ہی ہیں (مصحح)

نیست کہ سبب تعویق آں بر نگارند۔ زیادہ والسلام مع الاکرام۔
اس سے یہ بات صاف ہویدا ہوتی ہے کہ سکھوں کے مقابلہ میں تمام ہندوستان (خاص ہندوستان سے مطلب ہے) کہ بربرآوردہ لوگ کیسے آمادہ تھے اور کس جوش سے چاہتے تھے کہ مظلوم مسلمانوں کا ان سے انتقام لیا جائے جتنا روپیہ دہلی سے مجاہدین کو پہنچا تھا۔ اور کسی شہر سے اتنا نہیں پہنچا۔ ساتھ ہی اس کے ایسے عنصر بھی دہلی میں موجود تھے جنہوں نے حامیان دین اسلام کی شہادت کی خبروں سے خوشی منائی اور جامع مسجد میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ اور نامعقولیت سے غلیظ اشعار موزوں کئے گئے۔ اگر پولیس کامل بندوبست نہ کرتی تو آٹھ دس آدمیوں کا دہلی میں اس دن خون ہو جاتا۔ ایک شاعر نے تاریخ شہادت مولانا شہید نہایت غلیظ اور ناپاک الفاظ میں لکھی تھی۔ اور چند بدمعاش نے اس کی اشاعت بھی دینی شروع کی تھی کہ مولانا شہید کے دوستوں کو خبر ہوئی وہ ہتھیار بند شاعر کے مکان پر پہنچ گئے۔ اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا شہر میں ایک دندچ گیا۔ آخر پولیس بھی آ گئی بڑی منت و عاجزی کے بعد انہیں باز رکھا گیا۔ شاعر نے توبہ کی اور مسودہ ان کے سامنے چاک کر ڈالا اس کے چاک کرنے سے پہلے ان کی متعدد نقلیں ہو چکی تھیں۔ ایک نقل ہماری نظر بھی پڑی تھی۔ سوائے مادر خواہی اور کافر و مرتد بنانے کے اور کچھ بھی شعروں میں موزوں نہیں کیا گیا ہے اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان اشعار کو نقل کر کے اپنی کتاب کی تہذیب بگاڑ دوں اور مسلمانوں کو حد تکلیف دوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اور آپ کا کل خاندان اور اس خاندان کے کل معتقد اسید احمد صاحب سے ہمدردی کرتے تھے زبانی نہیں بلکہ عملی مولوی محبوب علی صاحب کو شاہ صاحب نے ہی روانہ فرمایا تھا انہوں نے وہاں جاکر اپنے بلانی دماغ کے صدقہ میں وہ گل کھلایا جس کا ذکر پہلے حصہ میں ہو چکا غرض اس والا تبار خاندان نے جہاں تک ہو سکا روپیہ اور آدمیوں سے مدد دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور یہ ثابت کرکے دکھادیا کہ جس کام کے لئے سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے کمر ہمت باندھی ہے وہ بجا ہے درست ہے لازم بلکہ فرض ہے جو خیال سید احمد صاحب کا تھا یا جو آرزو سید صاحب نے کی تھی وہ پوری ہو گئی تھی یعنی لاکھوں آدمی شریعت محمدی پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کی ہرگز ملک گیری کی خواہش نہ تھی نہ یہ غرض تھی کہ میں سلطان یا شاہ یا حکمران بنوں بلکہ اصلی مقصد یہ تھا کہ جس طرح ہو بدعت و شرک مٹ جائے اور بس۔

میں نے جو کچھ سید احمد صاحب کی بابت لکھا ہے اگر پڑھنے والا آنکھیں کھول کر پڑھے گا اور اس کی طبیعت میں کچھ بھی انصاف ہوگا اور اس کی آنکھوں میں تحریر سے مصنف کی خوش اور غیر خوش نیتی کے تاڑ لینے کا مادہ ہوگا تو وہ سمجھ لے گا کہ بزرگ سید کی اصلی سوانحعمری یہاں بیان ہوئی ہے اور ڈھکوسلے بازی دوسرے سوانح نویسوں کی کتابوں میں موجود ہے چاہے اس سے دلچسپی لے اور چاہے اس سے اپنی تسکین کرلے۔

نواب وزیرالدولہ موجودہ حکمران ٹونک کے دادا صاحب ایک سیدھے

سادے اور صاف دل مسلمان تھے ان کا سید احمد صاحب پر بڑا اعتقاد تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت جنت آشیان امیر خان صاحب بہادر کو جو کچھ ریاست میں ترقی ہوئی وہ سب سید صاحب ہی کا طفیل تھا۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ ہمارا یقین ہے کہ ایک بزرگ قوم کی دعا بعض وقت قبول ہو جاتی ہے۔ اور معاً اس کا نتیجہ بر آمد ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ ایسے شخص کو ہم خدا سے جا ملائیں اور اُسے ادنیٰ ادنیٰ کاموں میں اپنا سفارشی بنا کر لے چلیں یہی بہت بڑی وجہ تھی کہ وزیر الدولہ کو جب کہ اعتقاد تھا اور لوگوں کو جو ان کے ہمراہی وغیرہ سے واپس آئے تھے دربار میں نواب صاحب کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی اور کوئی صورت ہی نہ تھی سوا اس کے کہ ان کے غائبانہ پیر کی مدح سرائی کی جائے اور ایسی ایسی کرامتیں اس بزرگ سید کے سر چپکی جائیں جن سے ان کی ذات بالکل مبرا تھی۔

سید صاحب نے ایک خط نواب وزیر الدولہ بہادر والئے ٹونک کے نام لکھا ہے اس میں مجاہدین کے لئے نواب صاحب سے چندہ طلب کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مولینا محمد اسحاق صاحب کے پاس اگر روپیہ پہنچ جائے گا تو وہ یہاں تک پہنچا دیں گے اور اسی کے خط میں یہ بھی مرقوم ہے۔ کہ مولانا اسحٰق صاحب نے پہلے روپیہ لینے سے انکار کیا تھا۔ کہ اس وقت انہوں نے یہاں تک بھیج دینے کا کوئی وسیلہ بہم نہ پہنچایا تھا۔ ورنہ وہ فوراً لے کر روانہ کرتے اس کے آگے نواب کو یہ تحریر کیا ہے کہ اس بات سے آپ مطمئن خاطر رہیں ان تمام باتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ نواب ٹونک نے براہ راست روپیہ نہ بھیجنا مناسب نہ جان کر مولانا شاہ محمد اسحٰق کے ذریعہ سے بھیجنا چاہا تھا۔ جبکہ

اس وقت اس کے پاس روپیہ روانہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ اور جب انہوں نے یہ سنا ہو گا کہ مولانا صاحب نے ذریعہ بہم پہنچا لیا تھا اور اس پر سید صاحب کا بھی خط پہنچا ہو گا تو ضرور دس بیس ہزار روپیہ سے مدد کی ہو گی جس کا شکریہ رقم کی تصریح نہ کرکے سید صاحب نے اپنے خط میں ادا کیا ہے

آخری خبر کہ جہاں سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید ہوئے ایک عجیب حسرتناک تھا جسے دیکھ چشم سے بھی خون کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ بظاہر یہ ایک شاعرانہ مبالغہ ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ میں نے چشم فلک آفتاب کو کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ اسلام کے معصوم بچہ کو چشم فلک سے تعبیر کیا ہے۔

وہ بے مثال آرزوئیں اور امیدیں جو دونوں بزرگوں کے دلوں میں بہت برسوں سے اکٹھی ہو رہی تھیں ان کا کامل طور پر خون ہو چکا۔

ہزارہ کے قریب مجاہدین کا پشاور میں شہید ہونا اور یہ وحشتناک خبر سن کر سید صاحب کا یہ فرمانا کہ اب ہم اس ملک پنجاب سے ہجرت کرتے ہیں کبھی بھی اس طرف نہ آئیں گے سمجھنے والوں کے لئے ایک بھالہ ہے جو کلیجہ میں لگا اور پشت سے پار ہو کر نکل گیا۔ آپ کی شکستہ خاطری کا کون اندازہ کر سکتا ہے ہاں اس سے اندازہ کچھ ہو سکتا ہے۔ کہ اتنی جان کاہی کے بعد اتنا بڑا حصہ ملک فتح کرے اور اس کے ساتھی اپنی نادانی سے کھو دیں۔

بالاکوٹ کا ملک ہے فجر کے دس بج چکے ہیں فطرت کا مزاج غیر معتدل اور افسردہ ہے آفتاب کا روشن گردہ غلیظ غبار سے اس طرح تھر تھرا کر نکلا ہے گویا کوئی معہ جبین تیغ بکف ہو کر عاشق کے قتل کرنے کے لئے مقتل میں آتا

فاصلہ پر شیر سنگھ جنرل افواج سکھاں کی پلٹنیں پڑی ہیں، پہاڑوں کے نشیبی جانب دلدل ہے جس کا کوئی دشوار گذار راستہ دکھلائی دیتا ہے۔ سکھ چیرہ دست اور خونخوار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے چہرے بشاش اور ترو تازہ ہیں ہر سکھ تازہ دم ہے، انہیں مسلمانوں کی شکستہ حالی اور بے سرو سامانی کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ وہ ان کی حالت زار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔

ان کی خوشی کا کیا عالم شراب میں اور اپنی قوی سلطنت اور شیر پنجاب رنجیت سنگھ کی قوت کے گھمنڈ پر مست ہیں اور اس وقت جہاں میں اپنا ہم پلہ انہیں کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا ان کے مقابل میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور سید صاحب شکستہ دل مصیبت زدہ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں مورچہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں اور صرف ایک اللہ کے نام پر اپنی جان دینی ثواب جانتے ہیں۔ وہ بے شک افسردہ ہیں لیکن ان کی افسردگی سکھوں کی تازگی پر داغ رکھتی ہے وہ بے شک بے سرو سامان ہیں مگر ان کی بے سرو سامانی سکھوں کے ساز و سامان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے وہ بمقتضائے فطرت انسانی اپنی شمشیر زنی کی کوششوں میں کامیاب ہونے کے بعد ناکام ہو کر گو کسی قدر افسردہ ہیں مگر شہادت کا پر خوشانہ خیال ان کے قوی دل اور مرد میدان ہونے کی شہادت دے رہا ہے

سید احمد صاحب اپنے باڈی گارڈ کے بیچ میں کھڑے ہوئے اپنے بہادر جنرلوں کی مختلف مورچوں پر جانبازیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ قبضہ شمشیر ہاتھ میں ہے میان توڑ کر پھینک دی ہے۔ آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے

تیزی سے آئندہ خونی واقعہ کی شہادت دے رہے ہیں، چہرہ سے خوفناک بشاشت جس میں جنگ کی آرزو ملی ہوئی ہے جلوہ دے رہی ہے کبھی آپ مسکرا کر باتیں کرتے ہیں اور کبھی اپنے ساتھیوں کو دلاسا دیتے ہیں اس شیر ببر کی صورت پر ذرا بھی ہراس نہیں ہے بلکہ ایک ایک لمحہ جو گذر رہا ہے اس نڈر بہادر پر شاق گذر رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ سکھوں پر تنہا ٹوٹ پڑیں۔ مگر اپنے ساتھیوں کی زندگی خطرہ میں پڑ نے سے خوف معلوم ہوتا ہے اور اس ارادہ کو فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے۔

مولانا اسمٰعیل کا جنگ کی حالت میں بار بار اپنے محتشم امیر کو یہ آوازیں دینا کہ حضور اطمینان رکھیں اتنے مورچے فتح کر چکا ہوں اب شیر سنگھ کو بھگایا ایک بے خطر دلیر کی یہ کڑاکے کی صدا جو تلواروں کی کھچا کھچ اور بندوقوں کی ٹھائیں ٹھائیں میں سے ہو کر آتی تھی۔ مجاہدین کے دل اور بھی قوی کرتی تھی اور ان میں نئے طرز کی زندہ دلی کی ایک تازہ روح پھونکتی تھی۔

مولانا شہید سید صاحب کے باڈی گارڈ کے افسر سے کہہ گئے تھے۔ کہ جب تک میں کہلا کر نہ بھیجوں یہاں سے ایک قدم نہ آگے بڑھانا نہ پیچھے ہٹانا اور کل مورچوں میں جنگ ہو رہی ہے۔ سید صاحب اپنے پیارے مرید کی جان بازی چشم قدر سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور پے در پے مورچوں کا فتح کرنا انہیں بہت کچھ شاداں اور فرحاں بنا سکتا تھا۔ مگر اس یقین کو کیا کرتے جو برابر شہادت کی بشارت کی فرحت بخش خبر دے رہا تھا۔

یہ خونی موقع بہت دلگداز تھا۔ سید صاحب کے وہ ساتھی جو اوّل دن سے خوشی اور غم میں شریک رہے تھے۔ اور کبھی زمانہ کی جفا کاری، اور دردناک

مصائب کا ان پر کچھ اثر نہ پڑا تھا۔ اور جو سکھوں سے اکثر میدان لے چکے تھے اور جنہوں نے مختلف جنگوں میں بہت کچھ نام پایا تھا۔ وہ اب ایک ایک کر کے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے تھے۔ اس جتھے کی تفریق ہونے والی تھی جو سید صاحب اور مولینا شہید کی ذات سے قائم تھا۔ وہ شیرازہ درہم برہم ہونے والا تھا جس کے بندہین مدت میں جا کر بندھے اور مضبوط ہوئے تھے جن کی حالت زار پر زمانہ عنقریب یہ نوحہ پڑھے گا۔

یا شب کو دیکھتے تھے ہر گوشہ بساط　　دامان باغبان کف گل فروش ہے
یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں　　نے وہ صراحی جام نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق حسرت شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

گھنٹے گذر گئے اور آخر جنگ ہوتے ہوتے پورے چار بج گئے۔ تاہم کوئی فیصلہ ہنوز ہوتا ہو دکھائی نہ دیا۔ یہاں تک کہ تاریکی کی چادر نے سب کو اور بھی چند پہر کی آرام لینے کے لئے مہلت دی مجاہدین کو یہ یقین ہو چکا تھا۔ ہمارا خون اسی سرزمین پر گرایا جائے گا۔ اور اب ہم آگے نہیں جا سکتے سکھوں کے جنرل شیر سنگھ کو ایک ہی دن کی جنگ میں اپنی فوج پر یہ بھروسہ نہ رہا تھا۔ کہ وہ کل بھی مجاہدین کے مقابلہ میں اسی سختی و خونخواری سے اور سینہ سپر ہو کر جنگ کر سکے گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایک خوف دو طرف ہوتا ہے یا یں ہمہ طرفین کے بہادروں کی تلواریں میان میں لوٹ رہی تھیں کہ کسی طرح جلدی صبح ہو تو ہم اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کریں۔

صبح ہوئی آفتاب ایسی تیزی اور چمک سے کرنوں والا تاج پہن کر

نکلا آج آفتاب کا چہرہ دیکھنے والوں کو اور بھی زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا انہیں یقین تھا کہ آج ہی ہماری اور سکھوں کی قسمتوں کا فیصلہ قطعی طور پہ ہو جائے گا۔

جب آتش کارزار گرم ہوئی اور اب ہر طرف سے جنگ چھڑ گئی۔ توپوں بندوقوں اور تلواروں کی دھواں دھار آوازیں آنے لگیں تو سید صاحب نے بھی تیور بدلے اور دو دو ہاتھ کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے اپنے باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ جدھر میں جاؤں میرے ساتھ تم بھی کود پڑنا۔ بھلا اس کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ لوگ تو اس سے موجود ہی تھے مگر اس قدر کہنے میں ایک بھید بہت بڑا یہ تھا گویا آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے تھے ابھی آپ ہی ملاحظ فرما رہے تھے کہ کس مورچہ پر حملہ کروں اور کیوں کر شیر سنگھ کا سر کاٹ کر لاؤں کہ اتنے میں یہ غضب ناک نظارہ دکھائی دیا۔ کہ مولانا محمد اسمٰعیل کا جھنڈا ایک سکھ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ دیکھتے ہی آپ بے تاب ہو گئے۔ اور اس بے تابی سے جھپٹ پڑے کہ پھر یہ خبر نہ رہی کہ میں کیا ہوں میرے ساتھ کتنے آدمی ہیں اور جن پر میں حملہ کر رہا ہوں وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

سید صاحب قلب لشکر میں نہ پہنچے تھے کہ ایک گولی آپ کی ٹانگ میں لگی آپ گولی کے صدمہ سے جھک رہے تھے کہ ایک گولہ صاف آپ کے باڈی گارڈ میں سے آپ کو اڑا کر لے گیا جس سے شیدائی مجاہدین کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب مرحوم آسمان پر بلائے گئے ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ سید صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسمٰعیل بھی

آسمان پر چلے گئے۔ مگر یہ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے دن شیر سنگھ نے ان دونوں بزرگوں کی نعشوں کو شناخت کرا کر نہایت عزت کے ساتھ انہیں بالاکوٹ ہی میں دفن کرا دیا۔ مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے اور سید احمد صاحب کی قبر حضرت موسیٰ اور حضرت علی کی قبر کی طرح مشتبہ ہے یہ جانکاہ واقعہ بروز جمعہ بوقت ظہر بتاریخ ۲۴ ماہ ذیقعد ۱۲۴۶ھ مطابق مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا جب سید صاحب اور آپ کے اکثر جانباز مرید شربت شہادت سے سیراب ہو چکے تو بے چارے مسلمان اپنی جانیں بچا کر بھاگے مگر بدتقدیری پورے طور سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ وہ ایسے بے اوسان ہو گئے تھے کہ انہیں یہ تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ جہاں ہم چل رہے ہیں یہ گھاٹی ہے یا دلدل ہے۔ اناپ شناپ بولا ہٹ میں دیوانہ وار جس طرف جس کا سینگ سمایا جا نکلا۔ بہت دلدل میں گر گر کہ شہید ہوئے اور بہت سے تنگ گھاٹیوں اور پہاڑی راستوں میں سخت مظلومانہ حالت میں سکھوں کا شکار ہوئے۔ اور جن بے چاروں کی زندگی تھی وہ ادھر ادھر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اس عظیم الشان کام کی وہ ابتدا تھی۔ یہ انتہا ہے ہمیں ایسے ایسے بزرگ انفاس کی بے نظیر کوششوں اور لاثانی جانکاہیوں سے جو انہوں نے قوم کے لئے کیں۔ بہت کچھ سبق لینا چاہئے۔ اگرچہ اس وقت نہ ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے نہ تلوار پکڑنے کا ڈھب ہے پھر بھی ان ہمتوں جبہ اٹھوں، اور اولوالعزمیوں کو ہم کیوں کھوتے ہیں۔ جو تلوار کے ساتھ لازمی ہوتے ہیں۔ اور ہمیں بھی بخوبی حاصل تھیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ

دنیا میں کوئی نہیں رہنے کا۔ مگر ہمیشہ وہی شخص زندہ رہتا ہے۔ جس نے قوم کے ساتھ کچھ احسان کیا۔ میں نہیں جانتا کہ قوم کی اصلاح کرنی اور اس کی بہتری کی تدابیر میں مشغول ہونے سے ہمیں کون سی چیز روکتی ہے اب میں اپنی کتاب کو ختم کرتا ہوں اور اپنی جان کاہی کا قوم سے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ سے صلہ چاہتا ہوں جو یقیناً بہتر صلہ دینے والا ہے۔

ختم شد

عبدالعزیز تاجر کتب سے اجازت لے کر ایک ہزار شائع کی گئی